سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی نئی عظیم تصنیف

"ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت"

اکابر و مشاہیر کی نظر میں

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

....." اس سلسلہ کی ایک کڑی رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی یہ فاضلانہ اور محققانہ کتاب ہے..... اس کتاب میں مذہب شیعہ کی مستند تاریخ اس کے عقائد و مسلمات کا آئینہ، ان عقائد کا علمی و تحلیلی تجزیہ، ان کے نتائج کا استخراج، کتاب و سنت اور مستند تاریخ سے ان کا موازنہ اور عقائد اسلامی پر ان کے اثرات کی پوری بحث آگئی ہے، خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتب شیعہ کی روشنی میں اور ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہوگیا ہے جو کمتر کتابوں میں ہوگا۔ اس طرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع، پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بن گئی، جس کے مطالعہ سے ہر صاحب انصاف شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدۂ تحریف کے خطرناک نتائج تک اور اسلام اور مسلمین اولین کے بارے میں اس خطرناک بے اعتمادی کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جو یہ عقائد ان مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عمیق اور وسیع نہیں ہے اور غیر مسلموں میں پیدا کر سکتے ہیں....."

(ماخوذ از مقدمہ)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

..... اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، ہمارے برادر محترم مولانا محمد منظور نعمانی کو کہ انھوں نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اُن کتابوں کا براہِ راست مطالعہ کیا ہے جو خود علامہ خمینی کے قلم کی رہینِ منت ہیں..... اس دقیق اور عمیق و وسیع مطالعے کے نتائج صاف اور شستہ زبان میں نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کی گزشتہ چند اشاعتوں میں شائع کر دیے ہیں میں نے مولانا کے یہ مقالات بڑی دلچسپی سے از اوّل تا آخر پڑھے اور اب میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ایرانی انقلاب یا موجودہ ایرانی حکومت کے متعلق میں نے اب تک "برہان" میں جو کچھ لکھا ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ مولانا کے یہ مضامین اس درجہ بصیرت افروز ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان ان سے اختلاف کی جرأت کر سکتا ہے....."

(ماہنامہ برہان بابت ماہ اکتوبر ۸۴ء)

یہ مضامین جن کا مولانا اکبر آبادی نے ان سطور میں حوالہ دیا ہے۔ اس کتاب کا ابتدائی حصہ ہیں

بہترین کتابت — آفسٹ کی عمدہ طباعت — سفید گلیز کاغذ — صفحات ۲۹۶ — قیمت صرف بیس روپے

پوری قیمت پیشگی بھیج کر محصول ڈاک کی رعایت کے ساتھ اصل قیمت پر گھر بیٹھے حاصل کریں

چندہ سالانہ

ہندوستان میں -/۲۵

پاکستان سے پاکستانی سکہ میں -/۶۰

بنگلا دیش سے ہندوستانی سکہ میں

-/۳۰

فی شمارہ ۲/۵۰

جلد ۵۳ | بابت جنوری ۱۹۸۵ء مطابق ربیعین ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۱

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیئے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں، اگر دوبارہ بھیجنے کے لئے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا،

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ -/۵۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں -/۶۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

افتتاحیہ

بسم اللہ، والحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ، والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا رسول اللہ۔

یہ شمارہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ الفرقان کی ۵۲ ویں جلد کا پہلا شمارہ ہے۔

۵۲ سال تک مادیت کی موجودہ آندھیوں میں کسی ایسے دینی رسالہ کا مسلسل جاری رہنا جس کو کسی ادارہ کی سرپرستی حاصل نہیں، بقیناً اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ عمر کے بقیہ دنوں میں تلافی مافات اور زیادتی حسنات کی توفیق دے۔

اور الفرقان کے ناچیز کارکنوں، اور اس کے تمام قارئین و بہی خواہوں کو ایمان و اخلاص اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

رَبِّ اَدْخِلْنِی مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِی مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّی مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا ۝

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ، وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ ط

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی
۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

خلیل الرحمٰن سجاد

۲ اور تین دسمبر کی درمیانی شب میں بھوپال کے باشندوں نے قیامت سے پہلے موت کی بارش اپنی آنکھوں سے دیکھی، ہزاروں مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے بچیاں اچانک اس پرفریب اور بے حقیقت زندگی کو خیر باد کہہ گئے، ہزاروں طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہیں حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ وہاں اس رات میں ہوا، اس کا ہم دور سے بیٹھ کر صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے، جو کچھ وہاں سے آنے والے بعض دوستوں سے اور بعض احباب کے خطوط سے معلوم ہوا، اس کے مطابق حادثہ کی مختصر روئداد یہ ہے، کہ رات کے ۱۲ بجے کا عمل تھا، سخت سردی کی رات میں اکثر لوگ معمول کے مطابق سو رہے تھے، اچانک شہر کے پرانے حصے کے لوگ ایک ایک کر کے جاگنے لگے، ہر شخص آنکھوں میں جلن، اور کچھ گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک تو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تھوڑی دیر بعد پاس پڑوس کے گھروں سے آنے والی آوازوں سے لوگ یہ تو سمجھ گئے کہ پورا علاقہ کسی آفت کی گرفت میں ہے لیکن یہ بہت سے لوگ نہیں سمجھ سکے کہ وہ آفت کیا ہے گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ فضا پر اندھیرا سا چھایا ہوا ہے، اتنے میں یہ آواز آئی کہ یونین کاربائڈ فیکٹری سے زہریلی گیس نکل کر پھیل رہی ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لاکھوں آدمی سردی اور اندھیرے کی پروا کئے بغیر گھروں سے نکل پڑے، اور بے تحاشہ فیکٹری کی مخالف سمت میں بھاگنے لگے، اتنی دیر میں گیس کے اثرات ظاہر ہونے لگے تھے، سیکڑوں لوگ گھروں میں، سڑکوں اور گلیوں میں مر چکے تھے یا مر رہے تھے، نفسی نفسی کا عالم تھا۔

ہر شخص بھاگ رہا تھا، شوہر کو بیوی یاد نہیں رہ گئی تھی، اور بیوی کو شوہر کا انتظار نہ تھا،

والدین بچوں کو بھول گئے تھے، کسی کو اپنے بھائی یا بہن کی فکر تھی، نہ اپنے دوست یا مہمان کی، ہر شخص بھاگ رہا تھا کس چیز سے؟ موت سے، جس کی پکڑ سے نہ کوئی دارا بچا ہے نہ سکندر!
لوگ بھاگتے بھاگتے مر رہے تھے، اور مرتے مرتے بھاگ رہے تھے، ہاتف غیبی کی آواز آ رہی تھی، اَیْنَ الْمَفَرُّ، کَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ ط "کدھر بھاگوں، ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں، اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانہ ہے"
جو لوگ قرآن کی کچھ شد بد رکھتے تھے، وہ اپنی آنکھوں سے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کریگا، ان میں ہر شخص کو اپنا ہی ایسا مشغلہ ہو گا جو اسکو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا) کا سا ایک منظر دیکھ رہے تھے۔

خطوط سے اور وہاں سے آنے والوں سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ایسے بھی واقعات ہوئے کہ جو لوگ اس علاقہ سے بھاگ کر کسی دوسرے علاقہ میں پہونچ گئے تھے ان میں سے بھی بہت سے وہاں پہونچنے کے بعد چل بسے، یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پیتا بچہ روتا چلاتا رہ گیا اور ماں بے خبری کے عالم میں اسے چھوڑ کر بھاگی ـــــ گویا یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ط (جس روز تم لوگ اسکو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے کو بھول جاویں گی۔ اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی، اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے، لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز) کی ایک چھوٹی سی مثال دنیا ہی میں اللہ کی قدرت نے دکھا دی۔
کاش کہ اب ہماری آنکھیں کھل جائیں، اور غفلت کے جو دبیز پردے ہماری عقلوں پر ایمانی ماحولوں میں کم سے کم بیٹھنے اور مرنے کے بعد کے بارے میں کم سے کم سوچنے کی وجہ ہماری عقل و حس پر پڑ گئے ہیں اب وہ چاک ہوں۔ اور ہم سمجھ سکیں کہ موت کتنی قریب ہے اور قیامت کتنی نزدیک ہے؟ اور اللہ کی پکڑ کتنی شدید ہے۔؟

آج شاید ہماری سب سے زیادہ بنیادی بیماری یہی ہے کہ ہماری ساری فکر وسعی اور تگ ودو اسی فانی اور بے حقیقت زندگی کے لئے محدود ہو کر رہ گئی ہے، حالانکہ ہم نہ صرف یہ کہ اسکے مکلف ہیں کہ خود اس نہایت محدود اور معمولی میدان کو اپنی جد وجہد کا محور نہ بنائیں، بلکہ پوری انسانیت کو اس گھٹیا طرز زندگی اور پست ارادہ سے نکال کر نگہ بلند اور عالی حوصلگی کی صفات سے مزین کر کے جد وجہد کا بہت زیادہ وسیع اور پرکشش میدان عطا کریں۔

انسان کی یہ کیسی عجیب کمزوری ہے کہ وہ موت سے بُری طرح بھاگتا ہے؟ اور یہ بھی عجب حقیقت ہے کہ موت ہی ایک ایسی شی ہے جس سے کسی کو مفر نہیں؟

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں تو اب موت کا تذکرہ بھی پسند نہیں، ہم فرد سے لیکر معاشرہ تک اخلاق سے لیکر قانون تک، مسجد سے لیکر حکومت کے ایوانوں اور کاروبار دنیا کے مراکز تک اللہ کے حکموں کے نفاذ کی بات تو بڑے جوش سے کرتے ہیں، لیکن کسی "تعلیم یافتہ حضرات کے اجتماع" میں موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کا بیان عقل وحکمت اور عصر جدید کی نفسیات کے خلاف بھی سمجھتے ہیں، دوسری طرف قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مستقل اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، وہاں تو حال یہ ہے کہ کسی بھی کار خیر کی ترغیب اور کسی بھی شر کے ازالہ کی ہر کوشش کا اصل دارومدار موت اور آخرت کے حالات اور اس عمل کے اس پُر اثر بیان ہی پر رکھا گیا ہے ـــ حد یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے موقع پر اپنے خطبہ میں بھی ایک ایسی آیت کا انتخاب فرمایا جس میں بڑی صفائی سے موت کا ذکر آیا ہے۔

حادثہ بھوپال اپنے اندر عبرت وموعظت کے متعدد پہلو رکھتا ہے، اس المناک واقعہ کو بنیاد بنا کر مختلف باتیں کہی جا سکتی ہیں، لیکن شاید ایک یہی پہلو سب سے زیادہ طاقتور اور بولتا ہوا پہلو ہے کہ موت بہت قریب ہے اور اس کی تیاری میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی خود اپنے ساتھ بہت سخت زیادتی ہے۔

عجیب بات ہے روز ہم کسی نہ کسی مقام کے بارے میں یہ سن لیتے ہیں کہ آج فلاں جگہ فلاں سبب سے اتنے لوگ مر گئے، فلاں جگہ اتنی جانیں ضائع ہو گئیں۔ تو ایک بڑا طبقہ تو وہ ہے جس پر کوئی اثر ہی ان باتوں کا نہیں ہوتا، اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو فوراً اس کی روک تھام اور

مصیبت زدگان کے لئے امدادی کام کی طرف تو متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے کمیٹیاں تشکیل دیدی جاتی ہیں، لیکن اس طبقہ کی اکثریت شاید ایسی ہی ہو کہ اسے خود اپنی موت کا دھیان تک نہیں آتا۔

بقیہ تمام پہلوؤں سے صرف نظر کر کے اس وقت اسی ایک پہلو کی طرف یاد دہانی مقصود ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم نصیب فرمائے۔ اور یہ تازیانے ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہوں۔

سفر حجاز ناچیز مدیر الفرقان نے سطور بالا حالت سفر میں بعجلت لکھی ہیں۔

حضرت والد ماجد مد ظلہٗ نے اپنی معذوریوں اور امراض و عوارض کے باوجود رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے حجاز مقدس کے سفر کا قصد فرمالیا۔ راقم الحروف آج صبح ہی ان کے ہمراہ دہلی پہونچا ہے۔ انشاء اللہ کل صبح ۳۰ر دسمبر کو جدہ کے لئے روانگی ہے اس سفر ہی کی وجہ سے یہ طے کیا گیا ہے کہ۔

آئندہ ماہ فروری میں الفرقان شائع نہیں ہوگا، بلکہ فروری اور مارچ کا مشترکہ شمارہ انشاء اللہ مارچ ہی میں شائع ہوگا۔ ناظرین کرام نوٹ فرمائیں

دعائے صحت کی گذارش

الفرقان کے مستقل کاتب منشی ظہور احمد صاحب جو تقریباً ۱۰ سال سے مستقل الفرقان کی کتابت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں ادھر کئی ماہ سے علیل ہیں۔ گذشتہ کچھ دنوں سے اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ اپنے قارئین کرام سے دعائے صحت کے اہتمام کی گذارش ہے

کاتب صاحب کی اس علالت ہی کی وجہ سے جنوری ۸۵ء کا یہ شمارہ مختلف کاتبوں سے لکھانا پڑا ہے۔ اور اس کی اشاعت میں تاخیر بھی ہوئی ہے۔

بخل — قرآن پاک کی نظر میں

محمد ثناء اللہ عمری ایم اے

اس قول کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا ہمیشہ افراط و تفریط کی انتہا پسندیوں کا شکار رہی ہے۔ کسی بھی میدان عمل میں بہت کم ایسا ہوا ہے کہ اس نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہو، عقائد میں، عبادات میں، اخلاق میں معاملات میں غرض زندگی کے ہر شعبہ میں دنیا کی تمام قوموں میں یہ کمی بیشی اور بے اعتدالی نمایاں رہی ہے، جس کی بنا پر معاشرے میں ہر قسم کی برائیاں اور بدعنوانیاں زوروں پر پھلتی پھولتی رہی ہیں۔

اللہ کے رسولوں نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں لوگوں کو میانہ روی کی تعلیم دے کر سماج کو ہر طرح کے فتنہ و فساد سے پاک کرنا چاہا۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اس چیز کو اتنی کلیدی اہمیت دی گئی ہے کہ آپ کی امت امت وسط یعنی اعتدال اور توازن پر قائم رہنے والی امت کہلائی، اعتدال کا اصول دین اسلام میں اچھی طرح نکھر کر مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا ہے، تمام اسلامی تعلیمات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں۔

مالیہ انسانی زندگی کا انتہائی اہم شعبہ ہے، اس سلسلہ میں بھی اسلام نے ایسے رہنما اصول مقرر کئے ہیں جو بڑے دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال و دولت بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، یہ سب کو نہیں ملی ہے، یکساں نہیں ملی ہے، مالک کی مرضی اسی بات کی متقاضی ہوئی، پھر اس کا حکم یہ ہوا کہ دولتمند

لوگ غریبوں کی خبر گیری کریں، رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ ملی معاملات میں بھی دل کھول کر خرچ کریں۔

اس کے لئے اسلام نے دو مدیں رکھی ہیں، ایک فرض ہے اور زکوٰۃ کہلاتی ہے، دوسری مد رضاکارانہ ہے، اسے ہم عام خیرات کہہ سکتے ہیں۔ قرآن نے مذکورہ بالا دونوں مدوں کا ذکر کیا ہے، دونوں کی تاکید کی ہے، ترغیب دلائی ہے، اس سلسلہ کی بعض قابل تقلید مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

یہاں کہنے کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے انفاق میں بھی درمیانی راہ کی تلقین کی ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً	اور (دیکھو) نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑو کو گردن
إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ	میں بندھ جائے اور نہ بالکل پھیلا دو
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا	دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف
(۲۹)	سے ملامت پڑے اور درماندہ ہوکر رہ جاؤ

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں نشانۂ ملامت ہونے کی بات "ہاتھ گردن میں بندھ جانے" یعنی بخل سے متعلق ہے، اور درماندگی کی کیفیت اسراف و تبذیر سے، بہر حال مطلب یہ ہے کہ انسان نہ تو خزانے کا سانپ بن کر بیٹھے اور نہ بالکل مجرمانہ اسراف سے کام لے۔ بلکہ توسط واعتدال کی راہ اختیار کرے۔

یہاں استعارے کی زبان استعمال کی گئی ہے، آگے چل کر سورۂ فرقان میں استعارہ اور مجاز کے پردے ہٹا کر صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ خرچ میں میانہ روی رحمٰن کے بندوں کی ایک خصوصیت ہے:۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا	اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی
وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ	کرتے ہیں، نہ بخل، بلکہ اُن کا خرچ دونوں
قَوَامًا (۶۷)	انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔

مگر شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ اسے اعتدال کی راہ سے ہٹا دیتا ہے کبھی

اسراف و تبذیر کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا :-

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (۱) ۝	یعنی بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔

شیطان بڑا مزاج داں واقع ہوا ہے، جب دیکھتا ہے کہ بعض طبیعتیں اسراف کی طرف مائل نہیں ہوتیں تو وہ انھیں بخیلی اور کنجوسی کی طرف مائل کر دیتا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے :-

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝	شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے، لیکن اللہ تمھیں ایسی راہ کی طرف بلاتا ہے جس میں اسکی مغفرت اور اس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے اور یاد رکھو اللہ وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن میں "فحشاء" کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے زنا کے معنی میں آیا ہے البتہ یہاں اس سے مراد "بخل اور کنجوسی" ہے (۲)۔ معلوم ہوا کہ اسراف کی طرح بخالت کی انتہاپسندی بھی شیطان ہی کے ایماء پر اختیار کی جاتی ہے ؎

ہر این فتنہ ز جائیست کہ من می دانم

شیطان کے داؤ میں آکر بخیل اور کنجوس لوگ خیال کرتے ہیں کہ خرچ کرنے سے مال و دولت کم بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے، ایسے نادانوں سے کیا خوب کہا گیا ہے:

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَۃِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَکْتُمْ خَشْیَۃَ الْاِنْفَاقِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝	(اے پیغمبر!) کہہ دے، اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمھارے اختیار میں ہوتے تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے ڈر سے انھیں روکے رکھتے، حقیقت یہ ہے کہ

---

(۱) بنی اسرائیل: ۲۷ (۲) جلالین۔ حاشیہ، ص ۴۲

(بنی اسرائیل ۱۰۰)　　　　انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (وہ رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کرسکتا)

اس آیت میں "امساک" سے مراد کنجوسی اور "قتور" سے مراد کنجوس ہے، یعنی اللہ کی پیدا کردہ وسیع وعریض کائنات کے بے پایاں خزانے بھی تمھارے قبضہ میں دے دیئے جائیں تو تم دیوالیہ پن کے خوف سے "جز رسی" ہی سے کام لینے لگو گے۔ یہ بات تمھاری فطرت میں رچ بس گئی ہے، تم سے کسی فیاضی کی توقع نہیں، تمھارے اندر اتنا حوصلہ کہاں؟

بہرحال قرآن نے مختلف انداز واسالیب سے بخل سے روکا اور اس کے دردناک نتائج سے خبردار کیا ہے۔ سورۂ لیل کی آیتیں ہیں:۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىؕ وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ (۸-۱۱)	اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستہ کے لئے سہولت دیں گے اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا۔ جبکہ وہ ہلاک ہوجائے؟

بخل کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ آدمی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز اور بنیادی ضرورتوں پر خرچ کرنے سے بھی دریغ کرے اور روپیہ ہمیشہ سینت سمیٹ کر رکھتا ہے لیکن ایسے بخیل بہت ہی کم ملیں گے۔ کیوں کہ حالات کا دباؤ آخر کام کر ہی جاتا ہے۔ اور بخیل سے بخیل آدمی بھی ضروریات زندگی کی تکمیل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں دیکھتا لہٰذا اس شخص میں اور ایک اعتدال پسند شخص میں اُنیس بیس ہی کا فرق ہوتا ہے۔

انسان کی بخالت کا دوسرا اور اصلی مظاہرہ تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ سماج کے پسماندہ طبقات کی خبر گیری، رفاہی کاموں کے اہتمام وانصرام اور مذہبی وملی فرائض کی تکمیل کی باری آتی ہے، اس وقت "پیسہ کے پجاری" اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں، عام رضاکارانہ انفاق تو درکنار زکوٰۃ جیسے فریضہ کی بجا آوری سے بھی پہلو تہی کرتے

اور دامن بچا جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن میں جہاں جہاں بخل سے متعلق آیتیں آئی ہیں وہاں مفسرین نے وضاحت کردی ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی میں لیت و لعل ہے۔ رضا کارانہ انفاق نہیں ہے۔ کیوں کہ جو بدنصیب زکوٰۃ نہ دے کر اپنی اخروی زندگی برباد کرلینے کے درپے ہو وہ خیرات وصدقات کے ذریعہ نوع انسان کی دنیوی فلاح و بہبودی کب چاہے گا؟

بخدا کہ واجب آمد زتو احتراز کردن   تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری

بخیل آدمی کی نفسیات کے طور پر قرآن نے صراحت کی ہے کہ ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ جو دولت ان کے قبضہ میں ہے وہ ان کی اپنی ہے، انھوں نے اسے محض اپنے علم و ہنر کے بل بوتے پر حاصل کیا ہے۔ قارون نے بھی یہی بات کہی تھی:۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي (۱)   اس نے کہا یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھے حاصل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بخیل آدمی کا تصور آخرت بہت کم زور ہوتا ہے۔ لہذا خیال کرتا ہے کہ دولت جمع کرکے رکھنا ہی بہترین رویہ اور طریقہ ہے، قرآن نے ان بے بنیاد باتوں کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ دولت بھی خدا ہی کی دین ہے اور راہ خدا میں خرچ کرنا ہی اس کا بہتر استعمال ہے، آل عمران میں فرمایا:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ (۱۸۰)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مقدور دیا ہے اور وہ مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا ان کے لئے کوئی بھلائی کی بات ہے، نہیں، وہ تو ان کے لئے بڑی ہی برائی ہے، قریب ہے کہ قیامت کے دن یہ مال و متاع جس کو بٹورنے کے لئے وہ بخل کررہے ہیں، ان کے گلوں میں (عذاب کا) طوق بنا کر پہنا دیا جائے اور (یاد رکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ

---

(۱) قصص: ۷۸

کی میراث ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کے علم سے مخفی نہیں۔

واضح رہے کہ بخل اور کنجوسی کے سلسلہ میں قرآن نے بحیثیت جماعت جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں یہودی اور منافق سرفہرست ہیں، چنانچہ روایت ہے کہ جب راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے کہا گیا اور قرآن نے اسے " اللہ کو قرض حسنہ دینے" سے تعبیر کیا تو یہودیوں نے طنزیہ کہنا شروع کیا کہ " اللہ کنگال ہے اور ہم مالدار ہیں" (۱) اگر بات ایسی نہ ہوتی تو اللہ ہم سے قرض کیوں مانگتا؟ یہ سب یہودیوں کا زبانی جمع خرچ تھا، انفاق ان پر شاق گزرتا تھا، اپنے ردعمل کی پردہ پوشی کے لئے یہ سب باتیں بناتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب یہودی نہیں تھے محض خوش وقتی کے لئے بیچ میں کود پڑے، اس لئے کہ اسلام غیر مسلموں سے اصولی خطاب کرتا ہے۔ سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دیتا ہے، نماز، روزے، زکوٰۃ وغیرہ معاملات میں ان سے تعرض نہیں کرتا، یہاں بات منافقوں سے متعلق ہے جو بظاہر مسلمان تھے، اسی لئے انفاق کے مکلف تھے، چونکہ کچے تھے، ظاہرداری کام نہیں دیتی تھی، قلعی کھل ہی جاتی تھی، نفاق کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ انفاق سے کتراتے اور جی چراتے تھے۔

قاعدہ ہے کہ آدمی موقع ملے تو اوروں کو بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ لینا چاہتا ہے، یہودیوں کا ایک کردار یہ بھی تھا، وہ بڑے بخیل اور حریص تھے۔ پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی انہی باتوں کی تلقین کرتے رہتے تھے، چنانچہ انصار مدینہ سے کہتے کہ اگر یونہی دولت بہاتے رہے تو اندیشہ ہے کہ خالی ہاتھ رہ جاؤ گے اور معلوم نہیں کیا صورت پیش آئے۔ اس پر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَ	اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے اور ڈینگیں مارنے والے

---

(۱) آل عمران آیت ۱۸۱

يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ
مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ
أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا
مُّهِينًا ٥ (۳۶ - ۳۷)

ہیں جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں
کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا
نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے (خرچ
کرنے کی جگہ) چھپا کر رکھتے ہیں (یاد رکھو)
ان لوگوں کے لئے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یعنی کچھ دینا دلانا تو در کنار، یہ لوگ اپنے آپ کو محتاج بنا کر پیش کرتے ہیں، فرمایا کہ ان لوگوں نے حقیقت حال کی پردہ پوشی کی اور بخل سے کام لیا، یہ ہماری نعمت کی توہین ہے، اسی لئے انھیں عذاب بھی ذلت آمیز اور رسوا کن ہی دیا جائے گا۔

سورہ حدید میں بھی بخیلوں کے سلسلہ میں بعینہ یہی آیت موجود ہے:

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ٥
الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ
بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ٥ (۲۳-۲۴)

اور اللہ تعالیٰ متکبر (اور) شیخی بازوں سے محبت
نہیں کرتا، جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل
کرنے کا حکم کرتے ہیں اور جو شخص بھی منہ پھیر
لے گا تو خدا بڑا بے نیاز (اور) تعریف کے لائق ہے۔

عہد نبوی میں ایسے بھی لوگ تھے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اللہ نے دیا تو ہم اللہ کی راہ میں ضرور دیں گے، مگر جب اللہ انھیں دیتا تو یہ لوگ مکر جاتے، اپنے قول و قسم کا ذرا پاس نہیں رکھتے، چنانچہ سورہ توبہ میں ہے:

وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا
مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ
مِنَ الصَّالِحِينَ ٥ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ
فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ
مُعْرِضُونَ ٥ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا
فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ
بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا

اور (دیکھو ان میں کچھ لوگ) ایسے بھی
ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر
وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال و دولت) عطا
فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور
نیکی کی زندگی بسر کریں گے۔ پھر جب ایسا ہوا
کہ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے (مال) عطا
فرمایا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (۷۵-۷۷) عہد سے پھر گئے اور حقیقت یہ ہے کہ (نیکی کی طرف سے) ان کے دل ہی پھرے ہوئے ہیں۔ پس اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق (کا روگ) دائمی ہو گیا۔ اس وقت تک کے لئے کہ یہ اللہ سے ملیں۔ (یعنی قیامت تک دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسے (جان بوجھ کر) پورا نہیں کیا، اور نیز دروغ گوئی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ دعا فرمائیے، اللہ مجھے دولت دے، میں ضرور تمام حقداروں کے حقوق ادا کرتا رہوں گا، آپؐ نے دعا فرمائی، اللہ نے خوب نوازا، مگر ثعلبہ نے تمام یقین دہانیاں بھلا دیں، جماعت اور جمعہ کا التزام ترک کر دیا۔ زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ عتاب الٰہی نازل ہوا ہے تو زکوٰۃ لے کر خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے، تمھاری زکوٰۃ نہ لوں، اس پر وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ بعد میں عہد صدیقی عہد فاروقی، عہد عثمانی میں بھی زکوٰۃ پیش کی، مگر کسی نے نہیں لی، عہد عثمانی میں وفات پائی۔ یہ ایک خاص واقعہ ہے مگر حکم عام ہے۔

منافقین ہی کے بارے میں سورۂ احزاب میں تصریح کی ہے کہ جنگ احزاب میں جان و مال کے ساتھ اسلامی فوج کا تعاون کرنے میں حسب عادت بڑے بخل سے کام لیا، چنانچہ ارشاد ہے:۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ (۱۸-۱۹)

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ آؤ ہماری طرف، اور جو لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کو جو تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔

اس سلسلہ میں سورہ محمدؐ کی آخری آیتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں، فرمایا:-

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَإِنْ
تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ
وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝ إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا
فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ۝
هَا أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ
فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ
وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا
يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا
يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝ (۳۶-۳۸)

یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے
اگر تم ایمان رکھو اور تقویٰ کی روش پر
چلتے رہو تو اللہ تمھارے اجر تم کو دے گا
اور وہ تمھارے مال تم سے نہ مانگے گا۔
اگر وہ کہیں تمھارے مال تم سے مانگ لے اور
سب کے سب تم سے طلب کرلے تو تم بخل
کروگے اور وہ تمھارے کھوٹ ابھار
لائے گا، دیکھو تم لوگوں کو دعوت دی
جارہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال
خرچ کرو، اس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں
جو بخل کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا
ہے اللہ تو غنی ہے، تم ہی اس کے محتاج ہو اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمھاری جگہ
کسی اور قوم کو لے آئیگا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

ان آیتوں میں روئے سخن کس کی طرف ہے؛ اس سے قطع نظر جو بات کہی گئی ہے وہ انتہائی اہم اور تاریخ عالم کی ایک آزمودہ حقیقت ہے۔ دنیا میں وہی قوم اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے اور اپنے اصول و نظریات کی اشاعت کرسکتی ہے جو اپنے چھوٹے بڑے بے شمار ترقیاتی پروگراموں کے لئے دل کھول کر روپیہ خرچ کرسکتی ہے۔ جو جماعت بخل سے کام لیتی ہے وہ سکڑ کر رفتہ رفتہ ختم ہی ہو جاتی ہے۔ قرآن نے یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دنیا نے اس کی صداقت معلوم کرلی ہے۔ لگتا ہے کہ مسلمانوں نے یہ سبق فراموش کر دیا ہے۔

اس سلسلہ کی ایک آیت سورہ تغابن کی ہے، فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا — پس جہاں تک تمھارے بس میں ہو اللہ

وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۱۶

سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو اور اپنے مال خرچ کرو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے۔ بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔

دل کی تنگی سے مراد بخل ہی ہے آیت کا آخری ٹکڑا سورۂ حشر کی آیت (۹) میں بھی دہرایا گیا ہے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف اسلام کی تعلیم تھی بلکہ مسلمانوں کی تعیین بھی تھی چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَۃً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۹)

یہ (انصار) ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہ انصار کی فیاضی تھی کہ مہاجرین مدینہ آئے تو انھوں نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا ہمارے نخلستان حاضر ہیں ان مہاجر بھائیوں کو دے دیجئے، آپؐ نے فرمایا یہ لوگ باغبانی سے ناآشنا ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان نخلستانوں میں کام تم کرو اور پیداوار میں انھیں حصہ دو؟ انصار نے اسے بسروچشم قبول کرلیا، رضی اللہ عنہم اجمعین (۱)

---

(۱) یوں کنجوس آدمیوں کے متعلق قرآن میں جابجا آیا ہے کہ وہ ایسے ہیں اور ویسے نہیں ہیں۔ مگر ہم نے صرف ان آیتوں پر اکتفا کیا ہے جن میں بخل کا لفظ آیا ہے۔ پھر وہ آیتیں بھی شامل کرلی ہیں جن میں لفظ "شح" استعمال ہوا ہے، یہ بھی بخیلی اور کنجوسی ہی کا معنی دیتا ہے۔

وصول الی اللہ اور حسن اخلاق

ازافادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کہ ——— اکابر طریق نے فرمایا ہے کہ وصول الی اللہ کے بہت سے اصول ہیں (مثل اکل حلال و مجانبت عن الاضداد و زہد وغیر ذالک) منجملہ ان کے حسن اخلاق بھی ہے چونکہ اور اصول اہل طریق کو معلوم بھی ہیں اور قدرے عمل بھی ہے اس لئے اسکا ذکر نہیں کیا جاتا، اخلاق کا علم چونکہ غامض ہے اسلئے بہت سے لوگوں کو اسکا علم بھی نہیں ہوتا، تا بہ عمل چہ رسد، اسلئے بہت دن سے دل چاہتا تھا کہ اس پر کچھ کلام کیا جاوے مگر اس کا غموض اسمیں قدم رکھنے سے مانع تھا۔ اسی حیص بیص میں بہت دن گذر گئے مگر دل بھی خالی نہیں ہوتا تھا، دل میں بار بار اسکا تقاضہ ہوتا تھا اس لئے آج اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کر دیا، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ:۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کیلئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے (سورہ قصص پارہ ۲۰ رکوع ۸)

(۲) إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ

فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسموں میں کر رکھا تھا کہ ان باشندوں میں سے ایک جماعت یعنی بنی اسرائیل کا زور گھٹا رکھا تھا اسطرح سے کہ

وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ط إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (سورہ قصص رکوع ۱)

انکے بیٹوں کو ذبح کراتا اور انکی (بیٹیوں کو) زندہ رہنے دیتا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔

(۳) وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (سورہ قصص)

اور ہمکو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جارہا تھا ہم انپر (دینی و دنیوی) احسان کریں (اور وہ احسان یہ کہ انکو (دین میں) پیشوا بنادیں اور (دنیا میں) انکو (ملک) کا مالک بنائیں

(۴) إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ (سورہ مومن رکوع ۶)

ان کے دلوں میں نری بڑائی (ہی بڑائی) ہے مگر وہ اس تک کبھی پہونچنے والے نہیں۔

---

(۱) ان العبد لیبلغ بحسن خلقه عظیم درجات الآخرة وشرف المنازل وانه لضعیف العبادة وانه لیبلغ بسوء خلقه اسفل درك جهنم وانه لعابد

آدمی اپنے حسن خلق کی وجہ سے شرف منازل اور عظیم درجات آخرت میں پالیتا ہے، اگرچہ وہ ضعیف العبادۃ ہوتا ہے اور سوء خلق سے جہنم کے درک اسفل میں چلا جاتا ہے اگرچہ وہ عبادت گزار ہوتا ہے

(۲) اوحی الله تعالیٰ الیٰ ابراهیم خلیلی حسن خلقك ولو مع الكفار تدخل مداخل الابرار فان كلمتی سبقت لمن حسن خلقه ان اظله تحت عرشی واسکنه حظیرة قدسی وان ادنیه من جواری

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیطرف وحی بھیجی کہ اے میرے خلیل اپنے اخلاق کو اچھا کرو اگرچہ کفار کے ساتھ کیوں نہ ہو، تو تم ابرار کے مرتبہ میں داخل ہو جاؤگے اسلئے کہ میرا کلمہ سابق ہو چکا ہے اس شخص کے متعلق جس نے اپنے اخلاق اچھے کرلئے کہ میں انکو اپنے عرش کے سایہ میں رکھونگا اور انکو اپنے احاطۂ قدس میں جگہ دونگا اور اسکو اپنے پڑوس میں قریب کرونگا۔

(۳) انکم لا تسعون الناس بأموالکم ولکن لیسعهم منکم بسط الوجه وحسن الخلق

بیشک اموال میں اتنی وسعت نہیں کہ سبکو دے سکو لیکن کچھ کشادہ روئی اور حسن اخلاق میں اتنی وسعت ہے کہ سب کو پہونچ سکتی ہے۔

(۴) مکارم الاخلاق من اعمال الجنة

اچھے اخلاق جنت کے اعمال میں سے ہیں۔

(۵) اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم

کامل ترین مومن وہ ہے جو سب میں زیادہ اخلاق والا ہے اور تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی عورتوں کیلئے (از روئے اخلاق) سب سے اچھا ہے۔

(۶) الخلق الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید والخلق السوء یفسد العمل کما یفسد الخل العسل۔

اچھی خصلت گناہوں کو اسطرح پگھلا دیتی ہے (بہا دیتی ہے) جس طرح پانی برف کو پگھلا دیتا ہے اور بری خصلت عمل کو اس طرح فاسد (خراب) کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

(۷) ان الرجل لیدرك بحسن خلقه درجة القائم باللیل الظامی بالھواجر۔

بیشک آدمی اپنے حسن خلق کی وجہ سے پا لیتا ہے (عبادت میں) شب بیداری کرنیوالے، گرم دنوں میں روزہ رکھنے والے کے درجہ کو۔

(۸) ان المسلم المسدد لیدرك درجة الصوام القوام بایات اللہ بحسن خلقه وکرم ضریبته۔

بیشک ٹھیک اخلاق والا مسلمان اپنے حسن خلق اور اپنی طبیعت کی خوبی کی وجہ سے روزہ رکھنے والوں اور (رات میں نماز کے اندر) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تلاوت کرنے والوں کے درجہ کو پا لیتا ہے۔

(۹) ان محاسن الاخلاق مخزونة عند اللہ تعالیٰ فاذا احب اللہ عبدا منحه خلقا حسنا

بیشک اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بطور خزانہ) جمع ہیں، پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پسند فرما لیتے ہیں تو اسکو حسن خلق عطا فرما دیتے ہیں۔

(۱۰) ان احبکم الیّ واقربکم منی فی الاخرة مجلسا محاسنکم اخلاقا وابغضکم الیّ وابعدکم منی فی الاخرة مساویکم اخلاقا الثرثارون المتفیقھون المتشدقون۔

بیشک تم میں کا سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک اور تم میں سب سے زیادہ قریب مجھ سے از روئے مجلس کے آخرت میں وہ شخص ہوگا جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والا ہے اور تم میں کا سب سے زیادہ مبغوض میرے نزدیک اور تم میں سب سے زیادہ دور آخرت میں مجھ سے وہ ہے جو تم میں سب سے برے اخلاق والا ہے جو زیادہ (لغویات) بولنے والا بے احتیاط اور چبا چبا کر باتیں بنانے والا ہے۔

(۱۱) الا اخبرکم بمن تحرم علیه النار غدا علی کل هین لین قریب سهل۔

کیا میں نہ خبر دیدوں تمکو ان لوگوں کی جن پر کل (دوزخ کی) آگ حرام ہوگی اور وہ (وہ لوگ ہیں جو) نرم آسان قریب ہیں، (یعنی نرم خو اور سہل الاخلاق)

(۱۲) خیارکم احاسنکم اخلاقا الموطئون اکنافا وشرارکم الثرثارون المتفیهقون المتشدقون۔

تم میں سب سے اچھے (وہ لوگ ہیں جو) تم میں کے سب سے اچھے اخلاق والے ہیں (یعنی) وہ رجال جو سہل نرم ہیں، اور تم میں کے سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو زیادہ کلام کرنیوالے بے احتیاط اور چبا چبا کر باتیں بنانیوالے

(۱۳) خیر ما اعطی الرجل المومن خلق حسن وشر ما اعطی الرجل قلب سوء فی صورة حسنة۔

ان چیزوں میں سے جو مومن کو دیا گیا ہے سب سے اچھی چیز حسن خلق ہے اور بدترین چیز جو ایک انسان کو دی جاوے بُرا قلب ہے اچھی صورت کے اندر۔

(۱۴) اثقل شیئ فی میزان المومن خلق حسن ان الله یبغض الفاحش المتفحش البذی

مومن کی میزان میں سب سے وزنی چیز خلق حسن ہے بیشک اللہ تعالیٰ عادةً بدگوئی کرنیوالے اور بتکلف بدگوئی کرنیوالے اور زیادہ بولنے والے کو مبغوض رکھتا ہے

(۱۵) راس العقل بعد الدین التودد الی الناس واصطناع الخیر الی کل بر وفاجر۔

عقل کا سرمایہ دین کے بعد لوگوں سے محبت کرنا ہے اور ہر نیک و بُرے کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ کرنا ہے

(۱۶) اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا الموطئون اکنافا الذین یالفون ویولفون ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف۔

مومنین میں سے کامل الایمان وہ شخص ہی جو انمیں سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو (یعنی) جو لوگ کہ اپنی جانب پست کرنیوالے ہیں اور وہ لوگ جو الفت کرتے ہیں اور ان سے الفت کیجاتی اور اس شخص میں بالکل خیر نہیں جو نہ خود کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی الفت کرتا ہے۔

(۱۷) اللّٰهم کما احسنت خلقی فحسن خلقی۔

اے اللہ جیسے آپ نے میری صورت اچھی بنائی ہے ویسے ہی میرے اخلاق بھی اچھے بنا دیجئے۔ (منقول)

اسی طرح بہت سی احادیث ہیں جن میں حسن خلق کی مدح ہے اور سوء خلق کی مذمت ہے حسن خلق کی ترغیب اور سوء خلق سے ترہیب ہے، اسی لئے بزرگوں نے ہر زمانہ میں اخلاق پر کلام فرمایا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے، ان کی تعلیمات انکی کتب میں ذائع شائع ہیں۔ اس سے اس کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ حضرت مصلح الدین سعدی شیرازیؒ اس پر بہت کلام فرماتے ہیں، گلستاں میں فرماتے ہیں: "عاصی کہ دست بردارد بہ از عابد کہ در سر دارد"، یعنی وہ گنہگار جو گناہ سے باز آجاوے، اس عابد سے بہتر ہے جو عبادت کا غرور سر میں رکھے۔

سرہنگ لطیف خوئے دل دار　　بہتر ز فقیہ مردم آزار

(سپاہی جو خوش خلق اور خیر خواہ ہو اس عالم سے بہتر ہے جو مردم آزار ہو)

اور بوستاں میں فرماتے ہیں ؎

نخورد از عبادت بر آں بیخرد　　کہ با حق نکو بود با خلق بد

گماں کے برد مردم ہوشمند　　کہ در سر گرانیست قدر بلند

ازیں نامور تر محلے مجوئے　　کہ خوانند خلقت پسندیدہ خوئے

(اس بے عقل نے اپنی عبادت کا کچھ بھی پھل نہیں کھایا جو کہ خالق کے ساتھ اچھا ہو لیکن مخلوق کیساتھ برا ہو)

(بھلا عقل مند آدمی یہ کب خیال کر سکتا ہے کہ تکبر کے اندر عزت رکھی ہے)

(اس سے زیادہ تم اور کیا مرتبہ چاہتے ہو کہ تمام مخلوق تم کو حسن الخلق سمجھے)

نہ گر چوں توئی بر تو کبر آورد　　بزرگش نہ بینی بچشم خرد

تو نیز از تکبر کنی ہمچناں　　نمائی کہ پیشت تکبر کناں

اور تم خود سمجھو کہ اگر تم سے کوئی شخص تکبر کے ساتھ پیش آئے تو عقل کی راہ سے تم بھی اسکو بزرگ ماننے کیلئے تیار نہ ہوگے لیکن اپنے وقت پر تم بھی تکبر کی وجہ سے ایسا کام کرتے ہو جیسا کہ تمہارے سامنے اہل تکبر کیا کرتے ہیں

چوں استادہ بر مقام بلند　　بر افتادہ گر ہوشمندی مخند

بسا ایستادہ در آید ز پائے　　کہ افتادگانش گرفتند جائے

گرفتم کہ خود ہستی از عیب پاک　　تعنت مکن بر من عیب ناک

(جب تم کسی بلند مقام پر کھڑے ہو تو اگر سمجھدار ہو تو گرے ہوؤں پر مت ہنسو)

(اس لئے کہ بہت سے بلند مقام پر کھڑے ہوئے لوگ پھسل کر گر گئے اور نیچے پڑے ہوؤں نے انکی جگہ
(میں نے مانا کہ تم عیب سے بری ہو، لیکن مجھ گنہگار پر تم کو طعن کرنے کا کیا حق ہے)

یکے حلقۂ کعبہ دارد بدست — یکے در خراباتے افتادہ مست
گر آں را بخواند کہ نگذاردش — دریں را براند کہ باز آردش
نہ مستظہر است ایں باعمال خویش — نہ آں را درِ توبہ بست است پیش

(ایک شخص اپنے ہاتھ سے کعبہ شریف کا حلقہ پکڑے ہوئے ہے اور دوسرا یہ کہ وہ شرابخانہ میں مست پڑا ہے) (اگر اللہ تعالیٰ اسکو اپنا مقرب بنالیں تو کون ہے جو نہ بننے دے، اور اگر اس کو راندۂ درگاہ فرمادیں تو کون ہے، جو اس کو پھر واپس لاسکے۔)
(نہ اسکو کچھ استحقاق ہوگیا ہے اپنی عبادت کے سبب اور نہ اس کے لئے توبہ کا دروازہ ہی بند)
اور حضرت حافظ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ؎

زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ — رند از نیاز بدار السلام رفت

(زاہد اپنے سر میں غرور رکھتا تھا اس لئے راہ صحیح وسالم نہ طے کرسکا اور رند عاجزی اور نیاز کی راہ سے جنت میں داخل ہوگیا۔)

اسی طرح سے ہر بزرگ نے اس پر زور دیا ہے اور سالکین کو اس طرف متوجہ کیا ہے مگر افسوس اسکا ہے کہ جس طرح بزرگوں کے نزدیک اس کی ضرورت ہے دوسرے لوگوں کو اسکی ضرورت کا احساس تک نہیں، بڑا کمال یہی سمجھا جاتا ہے کہ عبادت میں کمال کرلیا جائے اور بس۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاق کا شعبہ نامکمل ہی رہتا ہے جس سے آدمی کے برکات وفضائل سے محروم ہی رہتا ہے، یہ تو لازمی ضرر ہے اور متعدی ضرر یہ ہے کہ لوگوں کو انکی اخلاقی حالت دیکھکر ان سے نفرت ہوتی ہے، اور پھر اس سے دین سے نفرت ہوتی ہے، حالانکہ ہمارے سلف کے اخلاقی کارناموں سے اسلام پھیلا ہے اور صرف بزرگان سلف کے اخلاق نے اسلام کو لوگوں کے قلوب میں محبوب کردیا۔ ان کی مقناطیسی کشش سے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

(بشکریہ معرفت حق

اہلسنت اور اثنا عشریہ کی نگاہ میں

سلام اور مسلمین اوّلین کی دو متضاد تصویریں

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

[زیر نظر مضمون حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کی تازہ تصنیف "ایرانی انقلاب،
ام خمینی اور شیعیت" کا مقدمہ ہے، اس مضمون کے مطالعہ سے جہاں اس موضوع کی اہمیت
ور کتاب کی جامعیت کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی وہیں اس موضوع پر حضرت
لانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی اس کتاب کے موضوع کو سمجھنے میں بھی سہولت
وگی جو اسی موضوع پر حضرت مولانا نے تصنیف فرمائی ہے اور جس کا اشتہار اسی شمارہ
ں شائع کیا جارہا ہے ——— مدیر]

سلام کا اولین اور مثالی عہد کیسا تھا؟ خدا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کی تعلیم و
عملی نتائج کیا نکلے؟ اور ان انسانوں کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا جنھوں نے
ت اور دامن رسالت میں تربیت پائی تھی؟ قومی، نسلی اور خاندانی سلطنتوں کے
صول اقتدار کے خواہشمندوں سے اس کو کچھ امتیاز حاصل تھا یا نہیں؟ اس کا اپنے
ے معاملہ میں طرز عمل اور خود اس خاندان کا اس کی مقدس و عظیم شخصیت سے فائدہ
بارے میں رویہ کیا تھا؟ دین کی دعوت، صداقت و حقیقت کے اعلان اور عزیمت
کے بارے میں اہل بیت کی سیرت و کردار کیا نظر آتا ہے؟ اور پھر ان اولین مسلمانوں
تربیت یافتہ گروہ کے (جن میں اس کے صحبت یافتہ لوگ بھی تھے جن کو "صحابہ"

کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، اور اس کے گھر کے افراد بھی تھے جن کو "اہل بیت" کے لقب سے پکارا جاتا ہے) باہمی تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس مثالی عہد میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمام کار و اقتدار آئی (جن کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) عیش و راحت اور مرفہ الحالی کے وسیع امکانات اور غیر محدود اختیارات کی موجودگی میں اُن کا شخصی و خانگی زندگی میں طرز عمل، اور اپنے وسیع حدود حکومت میں مخلوق خدا کے ساتھ معاملہ معتبر تاریخ کی روشنی میں کیسا ثابت ہوتا ہے؟ جس آسمانی صحیفہ پر اس پورے دین کی اساس ہے اس کی صحت وحفاظت کی حقیقت کیا ہے؟

ان سوالات کے جو جواب دیے گئے ہیں اُن سے دو متقابل ومتضاد تصویریں بنتی ہیں۔ ایک تصویر وہ ہے جو اہل سنت کے عقائد کی روشنی میں دنیا کے سامنے آتی ہے، دوسری وہ جو فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے عقائد، بیانات اور ان کی دین کی تشریح اور تاریخ اسلام کی تعبیر اور اس کے خاص تصور سے تیار ہوتی ہے، ان دونوں تصویروں میں کوئی مماثلت و اتفاق نہیں ہے۔

اب ہر وہ شخص جس کو اللہ نے عقل سلیم، انصاف کا مادہ اور انسانی تاریخ سے واقفیت کا موقعہ عطا کیا ہے، آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کون سی تصویر ایک ایسے دین کے لیے موزوں وقابل قبول ہو سکتی ہے، جو ساری دنیا کے لیے رحمت وہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے، اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ اس دین پر ہر زمانہ میں عمل ہو سکتا ہے اور اس سے بہترین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں؛ اور جس کا عقیدہ و اعلان ہے کہ اس دین کے دنیا میں لانے والے پیغمبر کو اپنی کوششوں میں سب سے زیادہ کامیابی ہوئی، اور اس کا عہد اس دین اور دعوت کی تاریخ میں ہر عہد سے زیادہ باسعادت وبابرکت تھا، (اور عقل ونقل کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا چاہیے) اس سے بہتر اس انسانیت کے لیے کون سی تصویر قابل فخر ومفید ہو سکتی ہے، جس کی تاریخ زیادہ تر "نائے ونوش" بعیش کوش، ذاتی اور قومی اغراض کے لیے جنگ وجدال، حصول اقتدار کے لیے جدوجہد اور پھر اقتدار سے فائدہ اٹھانے اور اپنے وابستگان کو فائدہ پہنچانے کی تاریخ ہے۔ اسلام کے اس دور اول میں افراد ہی نہیں ایک پورا انسانی معاشرہ، تمدن، نظام حکومت، اور طرز زندگی،

اعلیٰ اقدار، بے لچک اصولوں، ہدایت عام اور فلاح انسانی کی بنیاد پر قائم ہوا اور وہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کی تصدیق و تصویر تھی جو انھوں نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا، "إن محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إنما بعث هادیاً ولم یبعث جابیاً"[۱] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، جابی (تحصیلدار اور محصل خراج) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔)

اس کے برخلاف فرقہ امامیہ کے عقائد اور بیانات کی روشنی میں اولین مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اس کے پیش نظر ایک ذہین تعلیم یافتہ شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ جب اسلامی دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دور عروج میں کوئی دیرپا اور گہرا نقش مرتب نہ کر سکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے اپنے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صراط مستقیم پر اپنے متبعین کو چھوڑا تھا اس میں سے گنتی کے چار آدمی اس پر قائم رہے، تو ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ اس دین و دعوت کے اندر نفوس انسانی کے تزکیہ اور تہذیب اخلاق کی صلاحیت ہے، وہ انسان کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہونچا سکتی ہے۔ فرض کیجیے اسلام کا ایک نمائندہ مغربی ممالک کے کسی مرکزی مقام پر یا کسی غیر مسلم ملک میں اسلام کی صداقت پر سحر انگیز تقریر کر رہا ہے، ایک شخص جس نے مذہب اثنا عشری کی کتابیں پڑھی ہیں اس کو برملا ٹوک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھیے اور اپنی خبر لیجیے، آپ کے نبی کی تیئیس ۲۳ سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ صرف چار پانچ آدمی ہیں، جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے راستہ پر گامزن رہے، آپ کس منہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اور ان کے ثبات و استقامت کی کیا ضمانت ہے؟ کیا اس کا جواب ممکن ہے؟

پچھلے برسوں میں جب آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے اسلامی انقلاب کی

---

[۱] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص۶۵

دعوت دی، اور پہلوی "سلطنت کا تختہ الٹ کر بقول خود حکومت اسلامیہ قائم کی اور ایک نئے دور کا آغاز کیا تو اس کی پوری توقع تھی (اور اس کے پورے آثار و قرائن موجود تھے) کہ وہ اپنی دعوت کو عام کرنے اور اس کو مقبول بنانے کے لیے شیعہ سنی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا یہ نزاعی ورق نہ کھولیں گے، اور اگر اس کو کتاب سے جدا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو الٹیں گے نہیں، اور اگر فرقۂ امامیہ کے ان عقائد سے کسی سیاسی یا مقامی مصلحت سے برأت کا اعلان نہیں کر سکتے، تو کم سے کم ان کا اظہار و اعلان نہ کریں گے، بلکہ ان جیسے جری اور سرکف دینی پیشوا سے (جس نے اپنی بے خوفی، عواقب و نتائج سے بے پرواہی اور آتش بیانی سے اس سلطنت پہلوی کا تختہ الٹ دیا جس کی فوجی طاقت اور اپنی بقا و استحکام کے لیے وسیع انتظامات دنیا کو معلوم ہیں) امید تھی کہ وہ اخلاقی جرأت اور اتحاد مسلمین کی خاطر اور اپنے گہرے فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کر دے گا کہ یہ عقائد[1] جو اسلام کی بنیاد پر تیشہ چلاتے ہیں اور اس کو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں اور جو غیر مسلمین کو دعوت دینے کے راستے میں سنگ گراں ہیں، اور جو قرن اول اور صحابہ کے عہد کی ایک دشمن اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے بروئے کار آئے تھے، اب ان کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، ہم کو اب اسلام کا اقتدار قائم کرنے، ممالک اسلامیہ کی اصلاح و مسلم معاشرہ سے فساد دور کرنے کے لیے اب ماضی کو بھول جانا چاہیے، اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہیے، جس میں اسلام کی ماضی و حال کی تابناک تصویر دنیا کے سامنے آئے، اور دنیا کی دوسری قومیں اسلام کی طرف مائل ہوں۔

---

[1] اس لیے کہ ان کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اس جماعت میں جس کی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے، اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر قائم رہے، باقی سب نے معاذ اللہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید سراپا محرف و تبدیل شدہ ہے، ائمہ اہل بیت (از روئے تقیہ جو دینی فریضہ اور جزو ایمان ہے) حق کو چھپانے والے، اصل قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے، ہر خطرہ اور اندیشہ سے دور رہنے والے اور اپنے متبعین کو اسی کی تلقین کرنے والے تھے، (ملاحظہ ہوں فرقہ اثنا عشریہ کی معتبر کتابیں: اصول کافی، فصل الخطاب، اور خود علامہ خمینی کی تصنیفات، الحکومۃ الاسلامیہ، کشف الاسرار، یا زیر نظر کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت")

لیکن توقعات اور آثار و قرائن کے بالکل برعکس ان کے قلم کی خود وہ تحریریں اور رسائل اور کتابیں سامنے آئیں، جن میں انھوں نے پوری صفائی اور طاقت کے ساتھ انھیں شیعی عقائد کا اظہار کیا ہے، ان کی کتاب الحکومۃ الاسلامیۃ (ولایۃ الفقیہ) میں امامت اور ائمہ کے بارے میں وہی خیالات ظاہر کیے گئے ہیں جو ان کو مقام الوہیت تک پہونچاتے ہیں اور ان کو انبیاء و رسل اور ملائکہ سے افضل ثابت کرتے ہیں، اور یہ کہ کائنات تکوینی طور پر ان کے تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے[1]، اسی طرح ان کی فارسی کتاب "کشف الاسرار" میں صحابۂ رسولؐ بالخصوص خلفائے ثلاثہؓ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں سب وشتم کے وہ الفاظ آئے ہیں، جو کسی بڑی سے بڑی ضال و مضل، فاسق و فاجر، زائغ و مزیغ انتہائی بدکردار اور سازشی جماعت کے لیے آسکتے ہیں[2]، یہ دونوں چیزیں ان کی دعوت کے ساتھ چل رہی ہیں اور یہ کوئی خفیہ ہدایات یا پرائیوٹ خطوط کی شکل میں نہیں ہیں، مطبوعہ اور شائع شدہ رسائل کی شکل میں ہیں۔

خمینی صاحب کی یہ دونوں چیزیں (امامت اور ائمہ کے بارے میں خیال، اور صحابہؓ پر طعن و الزام) کوئی چھپی ڈھکی چیز نہیں تھی، ان کی یہ کتابیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایران اور ایران کے باہر پھیل چکی ہیں، اس بنا پر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس اختلاف، امت کے بنیادی عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی شارکت فی النبوۃ (جو امامت کی تعریف اور امام کے اوصاف کا منطقی نتیجہ ہے) اور صحابہ کرامؓ کی شخصیتوں پر جو مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور قابل محبت شخصیتیں ہیں، اور جن کا دور تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ انسانی میں مستند تاریخ کی روشنی میں، اور مسلم و غیر مسلم مورخین کی متفقہ شہادت کے مطابق، دنیا کا معیاری و مثالی دور حکومت اور نمونۂ زندگی تھا، طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو سنی العقیدہ ہے (اور وہی مسلمانوں میں اکثریت کی حیثیت رکھتا ہے) ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی،

---

[1] الحکومۃ الاسلامیۃ ص۵۲ [2] کشف الاسرار (فارسی) ص۱۱۲-۱۱۴

اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار، حکومت اسلامی کا مؤسس و بانی، اور مثالی رہنما و قائد نہیں سمجھا جائے گا، لیکن یہ دیکھ کر صدمہ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ بعض ایسے حلقوں نے جو فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی و متمنی ہیں، ان کو ایک "امام منتظر" کی حیثیت دی گئی، اور ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا، جو اس عصبیت کی حد تک پہونچ گئی ہے جو تنقید کا ایک لفظ سننے کی روادار نہیں ہوتی۔

اس تجربہ اور مشاہدہ سے دو باتوں کا اندازہ ہوا۔

۱۔ بہت سے حلقوں میں مدح و ذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب و سنت، اسوۂ سلف (اور عقائد اور مسلک کی صحت نہیں رہا، بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کا قیام، طاقت کا حصول، کسی مغربی طاقت کو للکار دینا، اس کے لیے مشکلات پیدا کر دینا، اس کو محبوب و مثالی قائد بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

۲۔ عقیدہ کی اہمیت ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے اور یہ بڑی تشویش انگیز اور قابل فکر بات ہے، انبیاء اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جد و جہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حد فاصل یہی عقیدہ ہے، جس پر وہ کسی سمجھوتہ اور اونے پونے سودا کر لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ان کے یہاں، ردّ و قبول، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار اور وصل و فصل کی شرط یہی عقیدہ ہوتا ہے، یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی اصلی شکل میں اس وقت تک موجود ہے، اسی "عقیدہ" کے معاملہ میں صلابت و استقامت اور حمیت و غیرت کا رہین منت ہے، دین کے شارحین و محافظین نے اس سلسلہ میں کسی باجبروت طاقت اور کسی وسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعوے پر سکوت جائز نہیں سمجھا، چہ جائیکہ اس کو مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور اختلاف و تفریق سے بچنے کی لالچ میں قبول کر لیتے یا ہمنوائی کرتے، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کا خلق قرآن کے عقیدہ میں نہ صرف مسلمانوں کے دو مذہب سے

لہ اس کے دلائل اور مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "دستور حیات" بعنوان "دین اسلام کا مزاج اور اس کی خصوصیات" صـ۲

بڑے حکمرانوں بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرمانرواؤں خلیفہ مامون الرشید (فرزند خلیفہ ہارون الرشید) اور معتصم بن ہارون رشید کے مقابلہ میں صف آرا ہو جانا، اور تازیانوں اور زنداں کی تکلیف برداشت کرنا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی (م ۱۰۳۴ھ) کا شہنشاہ اکبر کے عقیدۂ ہزارہ دوم، دعوائے امامت و اجتہاد، اور وحدتِ ادیان کی مخالفت کرنا، پھر جہانگیر کے عہد تک اس کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک کہ حکومت مغلیہ کا رخ بدل نہیں گیا[1]، اس کی دو مثالیں ہیں، ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر "کلمۃ حق عند سلطان جائر" اور "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" کی بیسیوں تابناک مثالیں رکھتی ہے، یہ سلطان جائر کبھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے، کبھی رائے عامہ، کبھی شہرت عام، کبھی دل فریب کامیابیاں اور بلند بانگ دعاوی، اور تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ آخرالذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔

حقیقت میں اسلام کی حقیقی تعلیم اور صحیح عقیدہ وہ دریا ہے جو کبھی اپنا رخ نہیں بدلتا اور کبھی پایاب نہیں ہو سکتا، سیاسی طاقتیں، وقتی انقلابات، حکومتوں کا قیام و زوال اور دعوتیں اور تحریکیں موجیں ہیں جو آتی اور گزر جاتی ہیں، دریا اگر صحیح رخ پر بہہ رہا ہے اور آب جاری ہے، تو کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن اگر عقیدہ میں فساد آگیا تو گویا دریا نے اپنا رخ بدل دیا، اور اس میں آب صافی کے بجائے گندلا اور ناصاف پانی بہنے لگا، اس لیے فساد عقیدہ اور زیغ و ضلال کے ساتھ کوئی دعوت و تحریک، کسی ملک کا عروج و اقبال، کسی معاشرہ کی جزئی اصلاح یا کسی فساد و خرابی کو دور کرنے کا دعویٰ یا وعدہ قبول نہیں کیا جا سکتا، یہ وہ حقیقت ہے جس میں اس ملت کی بقا، اور دین کی حفاظت کا راز مضمر ہے، اور یہی وہ حقیقت ہے جو اپنے اپنے دور کے علماء، خادمین دین اور محافظین شریعت و سنت کو اس دشوار اور بعض اوقات ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے پر مجبور کرتی رہی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی یہ فاضلانہ اور

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، "تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم"

محققانہ کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" ہے۔ مولانا کسی زمانہ میں بڑے مناظر اور اسلام و مسلک اہل سنت کے وکیل رہ چکے ہیں، اور اس زمانہ کی ان کی متعدد تصنیفات ہیں، لیکن عرصہ سے انھوں نے رد و تنقید کا یہ موضوع چھوڑ دیا تھا اور مثبت دعوتی و اصلاحی موضوعات پر اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی، جس کا نمونہ خود رسالہ "الفرقان" اس کا مجدد الف ثانیؒ نمبر، شاہ ولی اللہؒ نمبر، اور ان کی کتابیں "اسلام کیا ہے؟"، "دین و شریعت"، "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اور "معارف الحدیث" کا عالمانہ اور مقبول سلسلہ ہے جن سے اس برصغیر میں اور ان کے انگریزی تراجم کے ذریعہ پوری دنیا میں خاصکر امریکہ، یورپ اور افریقہ میں لاکھوں بندگان خدا کو اسلام کو سمجھنے اور دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی ـــــــــ

باوجودیکہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی سے ان کا خصوصی قرب و تعلق رہا، مستقل طور پر شیعیت پر کچھ نہیں لکھا تھا، لیکن اس وقت جبکہ وہ عمر و صحت کی اس منزل میں پہونچ گئے ہیں جس میں ان کو زیادہ سے زیادہ آرام کرنے کی ضرورت تھی، اور اس تربیت و ذوق نے جو ان کو رائے پور کی خانقاہ سے ملا تھا، ان کو یاد خدا، ذکر و تلاوت، اور فکر آخرت میں مشغول کر دیا تھا، اچانک ان کے سامنے یہ بات آئی کہ آیت اللہ خمینی صاحب کی اس کامیابی سے جو ان کو رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے مقابلہ میں حاصل ہوئی، اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، نیز بعض مرحلوں پر دنیا کی عظیم ترین طاقت امریکہ کی ناکامی، ایرانی نوجوانوں کے جذبہ قربانی اور اسی کے ساتھ متعدد مسلم و عرب ممالک کی دینی و اخلاقی کمزوریوں و خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورت حال نے برصغیر کے مسلمان نوجوانوں کے ایک بڑے حلقہ میں جو موجودہ حالات سے بیزار تھا، اور جو ہر اس حوصلہ مندی اور مہم جوئی سے مسحور ہوتا ہے، جس میں اسلام کا نام شامل ہو جائے، خمینی صاحب اس طرح مقبول ہو رہے ہیں جیسے کسی زمانہ میں ہندوستان میں کمال اتاترک، اور عرب قوم پرستوں کے حلقہ میں جمال عبد الناصر تھے، اور اب بھی بعض حلقوں میں بعض ایسے سربراہان مملکت مقبول و محبوب ہیں جو کھلے طریقہ پر منکر سنت، حدیث کا مذاق اڑانے والے، مغربی تہذیب کے رائج کرنے والے اور کمیونسٹ خیالات کے داعی ہیں، بلکہ مذہبی و نگ و آہنگ

کے شامل ہو جانے کی وجہ سے خمینی صاحب ان سے زیادہ مقبول ہو رہے ہیں، اور یہ بات اس حد تک پہونچ گئی ہے کہ اگر کوئی عقیدہ کا سوال اٹھائے اور کتاب و سنت اور اجماع امت کے زاویہ نگاہ سے بحث کرے اور اس معیار سے جانچنے کی کوشش کرے تو ان حضرات کے لیے اس کا سننا بھی دشوار ہے اور ناپسندیدگی و برہمی اشتعال و ابتذال کی حد تک پہونچ جاتی ہے، یہ وہ صورت حال ہے جو اس دین کے مستقبل، اور روح اسلام کے نقطہ نظر سے سخت تشویشناک ہے، اور حضرت علیؓ کے اس بلیغ فقرہ کی تشریح و تصدیق اَتباع کل ناعق (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے)

اس مطالعہ نے اُن کے ضعیف اور بیماریوں سے نزار جسم میں ایک نئی حرکت و قوت اور فکر و مطالعہ کی ایک نئی صلاحیت پیدا کر دی، انھوں نے اس محنت و انہماک کے ساتھ کام شروع کیا کہ بارہا ان کی صحت خطرہ میں پڑ گئی اور اہل تعلق کو اس بارے میں فکر و تشویش لاحق ہوئی، لیکن مولانا اپنی افتاد طبع اور زندگی بھر کے معمول کے مطابق اپنے کو اس سے باز نہیں رکھ سکے، انھوں نے شروع سے شیعیت کی تاریخ کا مطالعہ کیا جس کے اکثر مستند ماخذ (جو تقیہ و اخفا کی وجہ سے بہت سے اکابر اہل سنت کی نظر سے مخفی رہے اور بعد کے زمانہ میں اُن کی اشاعت ہوئی) ان کے سامنے تھے، اور بتائید الٰہی سے ان کو کچھ جدید مآخذ مل گئے، جن میں علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اور علامہ خمینی کی "کشف الاسرار" خاص طور پر قابل ذکر ہے، انھوں نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کیا، ان سے مواد جمع کیا، پھر شیعیت کا معروضی طریقہ پر مؤرخانہ متکلمانہ جائزہ لیا، اور یہ کتاب تصنیف کی جس میں مذہب شیعہ کی ایک مستند تاریخ، اس کے عقائد و مسلمات کا آئینہ، ان عقائد کا علمی و تحلیلی تجزیہ، ان کے نتائج کا استخراج، کتاب و سنت اور مستند تاریخ سے ان کا موازنہ، عقائد اسلامی پر ان کے اثرات کی بحث آ گئی، خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتب شیعہ کی روشنی میں اور ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہو گیا، جو کمتر کتابوں میں ہو گا، اسی کے ساتھ حضرات اثنا عشریہ کے اور بھی قابل مطالعہ خیالات پر بحث آ گئی، جو عقیدہ امامت اور تحریف کے لازمی

نتائج ہیں، اس طرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بن گئی، جس کے مطالعہ سے ہر صاحبِ انصاف شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدۂ تحریف کے خطرناک نتائج تک اور اسلام اور مسلمین اولین کے بارے میں اس خطرناک بے اعتمادی کی حقیقت تک پہونچ سکتا ہے جو یہ عقائد اُن مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عمیق اور وسیع نہیں ہے، اور غیر مسلموں میں پیدا کر سکتے ہیں۔

حقیقتاً یہ کتاب کسی مقدمہ یا پیش لفظ کی محتاج نہ تھی، مولانا نے مجھے اس سعادت میں شریک کرنا چاہا اور اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ خدا نے مجھے خود بھی ایک دوسرے انداز سے اس مسئلہ کا جائزہ لینے اور اس موضوع پر اپنے خیالات اور اپنے احساسات کے اظہار کی توفیق عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں ایک مستقل رسالہ "دین اسلام اور مسلمین اولین کی دو متضاد تصویریں، عقائد اہل سنت اور عقائد فرقہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ" تیار ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب چشم کشا، بصیرت افروز، معلومات افزا ہو، اور اس سے دینی و ایمانی فائدہ حاصل ہو، اور اس مقصد کا حصول جس کے لیے قرآن مجید میں یہ دعائیں آئی ہیں۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب[۱]	اے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔
ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم[۲]	اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما، اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ و حسد نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

---

[۱] سورۃ آل عمران ۸		[۲] سورۃ الحشر - ۱۰

تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار

مولانا شمس تبریز خاں، رفیق مجلس تحقیقات و نشریات، لکھنؤ

(تیسری قسط)

شیعیت و باطنیت کی عرب دشمنی

دنیا کے نام خدا کا آخری پیغام یعنی اسلام عرب کے ذریعہ پھیلا اور عرب اس عالمگیر انسانی و روحانی مشن کے اولین علمبردار (PIONEER) تھے، انھوں نے اپنی تہذیب کے سادہ ورق اور اپنے ذہن و دل کی لوح سادہ پر اسلام کا نقش اس طرح قبول کیا کہ وہ پتھر کی لکیر اور ان کا ضمیر و خمیر بن گیا، اس کے علاوہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ذخائر سے عربی زبان ہی مالا مال ہے اور وہ اسلام کی سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے، عربی زبان، اہل عرب اور اکابر اسلام (جن کی بیشتر تعداد عربوں ہی پر مشتمل تھی) کے فضائل متعدد احادیث صحیحہ کے علاوہ خود قرآن مجید میں بھی آئے ہیں، جن کا انکار ممکن نہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ "عربوں سے محبت رکھو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہوگی"۔ یہ حدیث متعدد طریقوں سے آئی ہے اور اس کے بہت سے شواہد ہیں اس لیے کم از کم معنی کے لحاظ سے تو صحیح ہے۔

اس کے علاوہ اشاعت اسلام کے سلسلے میں عربوں کے جو ناقابل فراموش کارنامے رہے ہیں اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں پر ان کے جو احسانات رہے ہیں، حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ، رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ و تابعین کی عالم عربی سے نسبت ایسی

چیز ہے جو ہر مسلمان کو عزیز ہونی چاہیے اور ان سب باتوں کا لازمی تقاضا ہے کہ عربوں کے ساتھ، اکرام و احترام اور ان کی خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے۔

چنانچہ اسلام کی پوری تاریخ میں اہلسنت نے عربوں کے ساتھ ایسا ہی کریمانہ معاملہ کیا اور انھیں اپنا محسن اور اسلام کے اولین علمبرداروں کا مقام دیا۔ عجمی سلاطین خصوصاً عثمانی خلفاء اپنے کو ہمیشہ "خادم الحرمین الشریفین" کہلانے میں فخر و اعزاز محسوس کرتے تھے۔

عرب مسلمانوں کا ایران فتح کرنا، مجوسی و عجمی تعصب رکھنے والوں کو ہمیشہ ناپسند رہا۔ جس کے نتیجے میں ابو مسلم خراسانی، بابک خرمی، اور حسن بن صباح جیسے عرب دشمن اور شعوبی پیدا ہوتے رہے، یہ شعوبیت کا اثر تھا کہ محمود غزنوی جیسے باحمیت مسلم حکمراں کے زیر سایہ بھی فردوسی جیسا درباری شاعر، عربوں کی ہجو و مذمت کرتا ہے اور علی الاعلان عجمی تعصب کو ہوا دیتا ہے۔

عربوں کے خلاف عجمی تعصب کا سب سے بڑا مرکز شروع سے آج تک ایران ہی رہا ہے جس سے خلافت اسلامیہ اور مسلمانوں کی سیاسی قوت اور وحدت کو خطرہ لاحق رہا۔ علامہ شکیب ارسلان نے ایک فرنچ مفکر "کونٹ دی غوبیو" کی یہ رائے نقل کی ہے کہ:

"اہل عجم کا کل مقصد متحدہ عرب حکومت کو پارہ پارہ کرنا تھا کیونکہ اس عظیم سلطنت کی ماتحتی میں ان کا دم گھٹتا تھا، جو یورپ سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی، وہ فارس کی داخلی خودمختاری کے لیے کوشاں رہتے تھے، اس کے لیے سب سے پہلے انھوں نے اہلسنت کی خلافت کی شرعی حیثیت کا انکار کیا اور اہل بیت کے مغصوبہ حقوق کی بحالی کی آواز اس شرعی موقف کو اپناتے ہوئے اٹھائی، جو ان کے نزدیک اسلام میں عربی موقف سے زیادہ اہم اور مقدم تھا، اس طرح وہ گویا عربوں سے بڑھ کر عرب اور اپنے خیال میں مسلمانوں سے بڑھ کر مسلمان بننے لگے اور عربوں کے مقابلے میں ایسے موقف لیکر اٹھ کھڑے ہوئے جن کا وہ قطعی انکار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح ایران میں مذہب شیعہ کا نشو و نما ہوا جس کے جلو میں بے شمار معرکے تھے، لیکن اس نے ایران کی بڑی قومی خدمت کی اور اس کی پارینہ روایات کی تجدید کی۔ بظاہر تو خلافت میں عباسیوں کے حق کے بارے میں نزاع تھی مگر یہ تحریک خالص ایرانی تحریک تھی"[1]

---

[1] حاضر العالم الاسلامی ۱/۱۸۵، بیروت [illegible]

ایک جدید عرب مفکر و مؤرخ استاذ انور الجندی اپنی تاریخ اسلام میں ابو مسلم خراسانی، برامکہ اور امین و مامون کی جنگ میں شعوبیت کے اثرات دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلسفیانہ اور باطنی تحریکیں جو اہلبیت کی حمایت کا نقاب ڈالے ہوئے تھیں بڑے پیمانے پر فکری، معاشرتی اور سیاسی تصادم کا خاکہ بنا رہی تھیں جو بعد کی بڑی سیاسی تحریکوں کے ذریعے سامنے آیا۔ جیسے حبشیوں کی بغاوت، قرامطہ کی شورش، باطنیہ کی تحریک یہ ایسی تحریکیں تھیں جنھوں نے معاشرتی انصاف اور اہل بیت کی حمایت کی نقاب اوڑھ رکھی تھی مگر ان کی کوشش عظیم خلافت عباسیہ کے خاتمے کے لیے تھی۔ چنانچہ یہ ساری کش مکش مسلمانوں کے عمومی زوال کا پیش خیمہ بن گئی۔"[1]

باطنیہ کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے استاذ انور الجندی لکھتے ہیں:

"اس دعوت کے اندر قدیم ایرانی اثرات، ثنویت و مجوسیت کے مباحث بالکل ظاہر ہیں جن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد قطعاً اسلام کے خلاف تھا اور وہ اسلام اور اس کی دعوت کے خلاف سازشوں کی ایک کڑی تھی۔"[2]

سفرنامہ ناصر خسرو کے مترجم مولوی عبدالرزاق کانپوری لکھتے ہیں:

"خلافت عباسیہ، ترکی غلاموں کے اثر سے کمزور ہو کر ہنوز موجود تھی لیکن خلفائے فاطمین اسے بھی صفحۂ دنیا سے مٹانا چاہتے تھے، جس کے لیے ایک دار الحکومت (فری میسن لاج) قائم تھا اور جس کے نامور معلم ناصر خسرو جیسے علامہ تھے۔"[3]

یہ حکیم ناصر خسرو، اہلسنت اور عباسی خلافت سے کتنا بغض رکھتا تھا اس کا اندازہ اس کے سفرنامے اور دوسری کتابوں سے ہو سکتا ہے، ہم یہاں اس کے دو شعر نقل کرتے ہیں جن میں اس نے فاطمی خلیفہ کو عباسی خلیفہ پر فوج کشی کی دعوت دی ہے، وہ لکھتا ہے ؎

وقت آں آمد کہ روز کیں چو خاک کربلا ۔۔۔ آب را در دجلہ از خون عدو احمر کنی

اے نبیرۂ آں کہ زو شد در جہاں خیبر سمر ۔۔۔ دیر بر ناید کہ تو بغداد را خیبر کنی[4]

شیعہ سنی اختلافات کے اصولی اختلاف کو ناواقف لوگ جزئی اور فروعی اختلاف سمجھتے ہیں لیکن اہل علم اس کی اصولی نوعیت سمجھتے ہیں اور ان اختلافات کو بنیادی اور کفر و اسلام

[1] تاریخ الاسلام ۲/ ۶۷، دار الانصار قاہرہ [2] ایضاً ص ۹۲ [3] سفرنامہ ناصر خسرو ص ۵۲ [4] ایضاً ص ۷۰ بحوالہ دیوان ناصر خسرو ص ۳۱۳

پر مبنی قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ مغربی فضلا بھی اس اختلاف کی گہرائی دیکھ لیتے ہیں چنانچہ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں :

"شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں ہے بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی جمہوریت اور بادشاہوں کے حق الٰہی کا جھگڑا ہے۔ عرب زیادہ تر جمہوریت پسند ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں۔ لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں، جو طبائع اس حد تک گوارا نہیں کر سکتے کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو، وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ سے اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے۔"[1]

اپنے نظریے کی تائید میں براؤن نے رضائے کرد کے یہ اشعار بھی پیش کیے ہیں ؎

بشکست عمرؓ پشت ہزبران عجم را   برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را

این عربدہ بر غصب خلافت ز علیؓ نیست   با آل عمرؓ کینہ قدیم است عجم را[2]

شیخ محب الدین خطیب نے اپنی کتاب میں الصاحب بن عباد کے دربار میں ایک ایران نواز شعوبی شاعر کے شعر پڑھنے اور الصاحب کے حکم سے اس کے نکالے جانے کا واقعہ لکھتے ہوئے الصاحب کا مشہور قول نقل کیا ہے کہ

"لا تجد رجلا يطعن في العرب   تم جب عربوں پر کسی کو طعنہ زنی کرتے ہوئے

الا وفيه عرق من المجوسية"[3]   پاؤ تو سمجھ لو کہ اس میں کوئی مجوسی رگ کار فرما ہے)۔

اسلام دشمنی و مسلم کشی کی مسلسل تاریخ

خود کو مسلمان کہنے والے شیعہ فرقوں میں باطنیہ و قرامطہ سے جتنا نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا ہے وہ ایک المناک اور افسوسناک تاریخی حقیقت ہے، سیاسی کشمکش کو انھوں نے دینی رنگ دینے اور بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانے سے کبھی دریغ نہیں کیا، اور ہمیشہ اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر سازش اور شورش پیدا کرتے رہے اور اپنی پوری

---

[1] تاریخ ادبیات ایران ص ۲۹-۳۰ [2] ایضاً ص ۴۹ [3] مجموع السنۃ ۱/۷-۲۲۶

تاریخ میں عالم اسلامی کے امن و استحکام کے لیے خطرہ بنے رہے اور موقع بموقع قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے رہے۔ اسی لیے علامہ شمس الدین ذہبی نے اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

واللہ یعلم وکفیٰ باللہ علیما لیس فی جمیع الطوائف المنتسبة الی الاسلام مع بدعة وضلالة شر منہم لا اجہل ولا اکذب ولا اظلم ولا اقرب الی الکفر والفسوق والعصیان وابعد عن حقائق الایمان منہم[1]

(اللہ جانتا ہے اور اس کا علم بہت کافی ہے کہ اسلام کی طرف منسوب فرقوں میں بدعت وضلالت کے باوجود کوئی ان سے زیادہ بُرا نہیں، اور نہ کوئی ان سے زیادہ جاہل، جھوٹا، ظالم، اور کفر وفسق اور عصیان سے قریب اور حقائق ایمان سے دور ہے)

وہ ان فرقوں کی اسلام دشمنی کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"معلوم ہوا ہے کہ ساحل شام پر الجرد وکسروان نام کے بڑے پہاڑ تھے جس میں ہزاروں روافض (دروز) رہتے ہیں اور لوگوں کا خون بہاتے اور انھیں لوٹتے ہیں اور جب ۶۹۹ھ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ان کے ساز وسامان پر قبضہ کر لیا اور انھیں کافروں اور قبرص کے نصاریٰ کے ہاتھ بیچ دیا وہ گزرنے والے مسلمان سپاہیوں کو بھی پکڑ لیتے تھے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے لیے ان کے تمام دشمنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے، ان کے بعض امراء نے نصاریٰ کا علم بلند کیا۔ یہ پوچھے جانے پر کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کون بہتر ہے؟ کہا کہ نصاریٰ بہتر ہیں، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ قیامت میں کس کے ساتھ حشر پسند کروگے تو کہا کہ نصاریٰ کے ساتھ، ان لوگوں نے مسلمانوں کے کئی شہروں کو نصاریٰ کے حوالے بھی کیا۔"[2]

اخیر میں علامہ ذہبی پھر بڑے درد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ:

---

[1] مختصر منہاج السنة ص ۳۳۲　[2] ایضاً ص ۳۲۹-۳۳۲

ففعلوا فی أھل الإیمان مالم یفعلہ
عبدة الأوثان والصلبان[1]

ان باطنیوں نے اہل ایمان کے ساتھ ایسا برا سلوک کیا جو بت پرستوں اور صلیبیوں نے بھی نہیں کیا۔

... ...

علامہ مصر شیخ ابوزہرہ، روافض باطنیہ کی اسلام دشمنی اور غیر اسلامی طاقتوں سے ساز باز کی دیرینہ روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

"بلاد شام اور اس کے بعد عالم اسلام پر صلیبی حملے کے وقت انھوں نے مسلمانوں کے مقابلے پر صلیبیوں سے دوستی کی چنانچہ جب صلیبی بعض بلاد اسلامیہ پر قابض ہوئے تو انھیں اپنا مقرب بنایا اور مختلف عہدوں پر بحال کیا اور جب نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور دیگر ایوبی حکمراں ہوئے یہ چھپ بیٹھے اور مسلمانوں کے اکابر اور بڑے سپہ سالاروں کے قتل کی سازشیں کرنے لگے اور جب تاتاریوں نے شام پر حملہ کیا تو صلیبیوں کی طرح نصیریوں نے اُن سے بھی دوستی کی اور ان کے آلۂ کار بن گئے پھر تاتاری حملے رکنے کے بعد اپنے پہاڑوں میں اسی طرح سمٹ گئے، جیسے دریائی کیڑے اپنے خول میں سمٹ جاتے ہیں اور دوسرے موقع کے انتظار میں بیٹھ گئے"[2]

شام کے ممتاز عالم شیخ عبد الرحمٰن حسن حبنکہ المیدانی نے باطنیوں اور قرمطیوں کی مسلم کشی کا ایک سنہ وار جائزہ درج کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"سنہ ۲۹۰ھ میں یحییٰ قرمطی نے محاصرۂ دمشق میں بہتوں کو قتل کیا، اس کے بھائی حسین نے بلاد شام میں قتل عام کیا اور جانوروں اور بچوں تک کو نہیں بخشا ـــــ سنہ ۲۹۴ھ میں ذکرویہ بن مہرویہ نے حاجیوں کے خراسانی قافلے کو قتل کیا اور راستے کے تمام کنوؤں کو بند کر دیا، اس سال تقریباً بیس ہزار (۲۰۰۰۰) حاجی شہید ہوئے۔ حجاج کا قتل قرامطہ کی مخصوص عادت تھی اور اس میں عراقی، ایرانی اور بحرینی آگے تھے ـــــ سنہ ۳۱۲ھ میں ابوطاہر قرمطی نے کوفہ میں قتل عام کیا ـــــ سنہ ۴۹۴ھ میں قرامطہ نے پھر زور پکڑا ان کے سرغنہ احمد بن عطاش کا مرکز قلعۂ اصفہان تھا اور حسن بن صباح کا الموت جس کے فدائیوں نے نظام الملک کو قتل کیا ـــــ سنہ ۴۹۸ھ میں خراسان و ہندوستان کے

---

[1] ایضاً ص ۵۰۵ [2] تاریخ المذاہب الاسلامیہ لابی زہرہ، ص ۴۳ (قاہرہ ۱۹۰۰ء)

قافلۂ حجاج کو رے کے پاس باطنیوں نے قتل کیا۔ بالآخر ۵۱۸ھ میں حسن بن صباح مر گیا۔ —— ۵۲۰ھ میں وہ پھر سرگرم ہوئے، بہرام نے شام کو مرکز بنایا اور صلیبی حملوں سے فائدہ اٹھایا۔ قلعۂ بانیاس (شام) پر قابض ہو کر مسلمانوں کو ستانے لگا۔ مزدقانی باطنی نے صور کے صلیبیوں سے دمشق کی پیشکش کی اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع اموی کے دروازے بند کر کے انھیں قبضہ دلا دے گا۔ مگر یہ راز تاج الملوک امیر دمشق کو معلوم ہو گیا اس نے اسے بلا کر قتل کیا اور اس کا سر قلعے کے دروازے پر لٹکا دیا اور رمضان ۵۲۳ھ میں مسلمانوں نے باطنیوں کا صفایا کیا —— ۵۲۳ھ میں اسماعیل باطنی نے قلعۂ بانیاس صلیبیوں کے حوالے کر دیا —— ۵۴۹ھ میں خراسان میں باطنی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست خوردہ ہوئے —— ۵۵۲ھ میں باطنیہ نے پھر خراسانی حجاج کا قتل عام کیا، مورخین کہتے ہیں کہ بلاد اسلامیہ کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں شرفاء حجاج کے اس قتل عام پر ماتم نہ ہوا ہو (قال المورخون: ولم يبق بلد من بلاد المسلمين الا وفيه ماتم على من قتل من الفضلاء في هذه الغدرة الخائنة) —— ۵۷۱ھ میں صلاح الدین ایوبی قلعہ اعزاز (نزد حلب) کے محاصرے کے دوران طائفہ اسدیہ کے امیر جاؤلی کے خیمے میں گیا جہاں ایک باطنی نے اس کے سر پر حملہ کیا مگر وہ مغفر کے سبب محفوظ رہا صلاح الدین نے اسے پکڑ بھی لیا۔ اتنے میں امیر بازکش خیمے میں داخل ہوا جسے باطنی نے زخمی کیا، پھر امیر نے اسے قتل کیا پھر بہت سے باطنی آئے اور قتل ہوئے اور صلاح الدین صحیح سلامت نکل آیا اور فوج سے باطنیوں کو نکال دیا" الخ[1]

مصر کے غیرت مند سنی عالم و اہل قلم شیخ محب الدین خطیب نے دو جلدوں میں رد شیعہ میں اپنی مشہور کتاب مجموع السنۃ لکھی ہے جس میں وہ بجا طور پر لکھتے ہیں:

"ہمارے درمیان تاریخ فیصلہ کر سکتی ہے۔ کیا آپ نے کسی خارجی شیعی یا معتزلی سپہ سالار کو اسلامی مقاصد کے لیے کسی فوج کی قیادت کرتے دیکھا ہے یا وہ لوگ ہزیمت کے داعی اور تفرقہ و انتشار کے حامی رہے ہیں۔ وہ لوگ تو ہر مجاہد حکومت جیسے امویین اور آل عثمان کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں"[2]

---

۱ مکاید یہودیۃ عبر التاریخ للاستاذ عبد الرحمن حسن حبنکہ المیدانی ص ۲۰۰، ۲۰۵ دمشق ۱۹۷۸ء
۲ مجموع السنۃ ۱/ ۲۰۶

عبدالقاہر بغدادی لکھتے ہیں "ایک باطنی بد باطن سلیمان بن الحسین الاحسا سے اسلامی حکومت کے خاتمے کا دعویٰ لیکر اٹھا اور حاجیوں پر حملہ آور ہوکر بہتوں کو شہید کیا پھر مکہ معظمہ میں داخل ہوکر بیت اللہ کا طواف کرنے والے بے گناہوں کے خون سے اپنے ناپاک ہاتھ رنگے، کعبہ کے مقدس پردے چاک کیے اور شہیدانِ حرم کو بیر زمزم میں ڈال دیا اور مسلم افواج کو قتل کیا اور بالآخران سے شکست کھاکر مقام ہجر کی طرف فرار ہوگیا۔ جہاں ایک بہادر مسلمان خاتون کی پھینکی ہوئی اینٹ سے اس کا سر پر غرور کچلا گیا۔

اس کے بعد اسلامی حکومت کا دائرہ اقتدار برابر بڑھتا گیا اور اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے تبت و چین کے اکثر علاقے اور یمین الدولہ امین الملۃ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ کے عہد میں ہندوستان بھی اسلامی سلطنت میں داخل ہوگیا۔

پھر قیروان (تونس) میں ایک باطنی عبیداللہ بن الحسن ظاہر ہوا اور اپنے دام فریب میں کتامہ، مصامدہ اور کچھ بربر قبائل کو مبتلا کردیا اور اس کی شعبدہ بازیوں کے سبب، بھولے بھالے لوگ اس کے پیرو بن گئے اور ان کی مدد سے وہ المغرب کے بعض علاقوں پر قابض ہوگیا۔

پھر ابوسعید الحسین بن بہرام نامی باطنی الاحسا، قطیف، اور بحرین پر قابض ہوگیا اور مسلمانوں کی جان و مال سے کھیلنے لگا، عورتوں بچوں تک کو قید کرلیا، مصاحف اور مساجد کو آگ لگائی، پھر ہجر پر قابض ہوکر وہاں کے لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

یمن میں صنادیقی باطنی ظاہر ہوا اور مسلمانوں کا قتل عام کیا جہاں ابن الفضل بھی اس کے ساتھ ہوگیا، مگر اللہ نے ان کا مرض اکلہ اور طاعون سے کام تمام کردیا۔ پھر شام میں میمون بن دیصان کے پوتے ابوالقاسم بن مہرویہ نے اپنی حکومت کی پیشگوئی کے ساتھ خروج کیا (۲۸۹ھ) خلیفہ المعتضد کے فوجی افسر سبک نے اس کا مقابلہ کیا مگر وہ اسے قتل کرکے شہر رصافہ میں داخل ہوگئے اور وہاں کی جامع مسجد کو جلادیا اور وہاں سے دمشق کا رُخ کیا جہاں انھیں الحمامی غلام بن طیون نے رقہ کی طرف بھگادیا۔ جہاں المکتفی کے سکریٹری محمد بن سلیمان نے انھیں شکست دی۔ اور الحسن بن زکریا بن مہرویہ رملہ کی طرف بھاگا جہاں والی رملہ نے اسے، اس کے ساتھیوں سمیت خلیفہ المکتفی کے پاس بھیج دیا اور خلیفہ نے بغداد کے شارع عام پر انھیں بری طرح قتل کیا اور ۳۲۱ھ تک قرامطہ کا فتنہ فرو رہا۔ (باقی)

الفرقان
لکھنؤ
سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

چندہ سالانہ

ہندوستان میں ۔/۲۵

پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۔/۶۰

بنگلا دیش سے ہندوستانی سکہ میں ۔/۳۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی شمارہ ۲/۵۰

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ۔/۶۰ روپے

(۴ پونڈ یا ۴۰ ریال)

ہوائی ڈاک سے ۔/۱۳۵ روپے

(۹ پونڈ ۹۰ ریال ۱۵ ڈالر)

جلد (۵۳) | بابت فروری و مارچ ۱۹۸۵ء مطابق جمادین ۱۴۰۵ھ | شمارہ (۲)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اگر دوبارہ بھیجنے کے لیے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۔/۵۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۔/۶۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان [illegible] سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ایک عزیز ترین مخلص دوست
ماریشس کے مولانا اسمٰعیل
الیٰ رحمۃ اللہ

ماریشس مشرقی افریقہ میں ایک چھوٹا سا ملک ہے، یہ دراصل جزیرہ ہے ـــــ اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے تک حکومت برطانیہ کے زیر اقتدار تھا، اب آزاد ملک ہے ـــــ مولانا اسمٰعیل صاحب (جو اپنی خاندانی عرفیت کے لاحقہ کے ساتھ "مولانا اسمٰعیل ٹرابھائی" کے نام سے معروف تھے) ان کا آبائی وطن گجرات ضلع بھڑوچ کا ایک موضع دیوا تھا، لیکن طویل مدت سے ماریشس کے مرکزی شہر اور دار الحکومت پورٹ لوئس میں مقیم تھے، اور اب اسی کو انھوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا ـــــ مولانا موصوف دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، اور مادر علمی اور اپنے علمی اور مسلکی اسلاف و اکابر سے گہرا قلبی تعلق رکھتے تھے، اور ماریشس میں ہماری جماعت کے گویا عمید و زعیم تھے، سارے دینی و ملی معاملات کا اپنے کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔

ماریشس کے قریب ہی ایک، ایسا ہی چھوٹا سا ملک ری یونین ہے، یہ بھی

جزیرہ ہی ہے، یہ فرانس کے زیر حکومت ہے، اس کا مرکزی شہر سینٹ ڈنیس ہے۔ اگرچہ مارشیس اور ری یونین دو الگ ملک ہیں لیکن ان کے درمیان آمد و رفت اتنی آسان ہے جتنی ایک ہی ملک کے قریب قریب واقع دو شہروں کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ آمد و رفت عام طور سے ہوائی جہاز کے ذریعہ ہوتی ہے جو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں پہنچا دیتا ہے ـــــ مولانا اسمٰعیل صاحب ری یونین کی ہماری جماعت کے بھی گویا عمید و زعیم تھے، اور وہاں کے بھی بہت سے دینی و ملی کام اپنے ذمہ لیتے اور انجام دیتے تھے۔ بڑے فہیم اور فعال و متحرک تھے۔ عمر غالباً پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی، تندرست و توانا تھے، اللہ تعالیٰ نے وجاہت بھی عطا فرمائی تھی۔

دسمبر کے وسط میں دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ایک افریقی طالب علم حافظ موسیٰ اپنے وطن جنوبی افریقہ جانے والے تھے۔ انھوں نے مجھے بتلایا تھا کہ میں پہلے مارشیس جاؤں گا اور وہاں ایک دو دن قیام کر کے جنوبی افریقہ کے لیے روانہ ہوں گا۔ اسوقت میری کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" چھپ چکی تھی میں نے اُس کے چند نسخے ان کے سپرد کیے اور ان کو مکلف کیا کہ وہ مارشیس پہنچکر دو نسخے مولانا اسمٰعیل بڑا بھائی کو پیش کردیں، اور مولانا کے نام ایک خط لکھ کر بھی اُن کے حوالہ کیا جس میں لکھا تھا کہ ایک نسخہ جناب کے لیے ہے اور دوسرا نسخہ حتی الوسع جلدی ہی ری یونین مولانا احمد سعید انگار کو پہنچا دیا جائے (یہ مولانا مرحوم کے اور اس عاجز راقم سطور کے بھی مخلص ترین دوستوں میں اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے خواص خدام و مسترشدین میں ہیں یہی میری اس کتاب کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔)

حافظ موسیٰ صاحب نے میرا خط اور کتاب کے دو نسخے مارشیس پہنچکر مولانا مرحوم کو پہنچا دیے ـــــ مولانا نے ۱۱ر دسمبر کو مجھے خط لکھا اُس میں کتاب کے بارے میں اپنے غیر معمولی تاثر کا اظہار فرمایا، اس عاجز راقم سطور کے بارہ میں بھی اپنے حسن ظن کی بنا پر وہ تحریر فرمایا جو میرا حال اور مقام نہیں ہے۔ میرا رب کریم اُن کی نیک گمانی کو واقعہ

بنادے۔ وما ھو علیہ بعزیز ــــــ اس خط کے آخر میں مولانا نے لکھا تھا۔

"اللہ تعالیٰ کتاب کو بہت بہت قبول فرمائے، آپ کو اجر عظیم سے نوازے۔ خدا کرے بہت جلد انگریزی اور فرنچ میں ترجمہ ہو جائے۔ امید ہے انشاء اللہ بہت جلد ہی ہو جائے گا۔ مولوی احمد سعید انگار کو کتاب آج ہی روانہ کرتا ہوں ــــــ

دیوا سے حافظ عبد الصمد نورانی بڑا بھائی اس غریب کی طرف سے حقیر سا ہدیہ ارسال خدمت کرے گا قبول فرما کر احسان فرمایا جائے"۔

مولانا مرحوم کا یہ عنایت نامہ اس وقت لکھنؤ پہنچا جب یہ عاجز ۲۰ر دسمبر کو حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو چکا تھا (اس مبارک سفر کا کچھ حال ناظرین کرام کو انشاء اللہ اس شمارہ ہی سے معلوم ہوگا۔)

۲۷ر جنوری کو جب اس سفر سے واپسی ہوئی تو زمانہ سفر کی جمع شدہ ڈاک میں مولانا کا یہ عنایت نامہ محفوظ تھا اس کو دیکھا۔ اُن کے قریبی عزیز حافظ عبد الصمد صاحب نورانی بڑا بھائی کا ڈاک کے ذریعہ دیوا سے روانہ کیا ہوا ہدیہ بھی پہنچ چکا تھا ــــــ ارادہ تھا کہ جلدی ہی مولانا کو خط لکھوں گا اور اپنے سفر کا بھی اس میں تذکرہ کروں گا جو بالکل غیر متوقع طور پر ہوا تھا اور بظاہر اس معذور و سیہ کار بندہ پر اس کے رب کریم کا غیر معمولی کرم تھا ــــــ اور اس کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" کی تصنیف ہی اس کا محرک اور سبب بنی تھی ــــــ میں مولانا کو جو خط لکھنا چاہتا تھا اس کے لیے اطمینان اور فرصت کی ضرورت تھی۔ طبیعت کی ناسازی اور کچھ دوسرے ضروری کاموں کی وجہ سے وہ خط ابھی لکھ نہیں سکا تھا کہ ۳۰ر جنوری کو اچانک "جامعہ حسینیہ راندیر" (ضلع سورت) کے مہتم مولانا اسمٰعیل حافظ احمد صاحب کا تار ملا جس میں یہ مختصر اطلاع تھی کہ

"مانچسٹر میں مولانا اسمٰعیل بڑا بھائی کا انتقال ہو گیا"

اس اچانک اطلاع سے دل بہت متاثر ہوا، اُن کے لیے مغفرت و رحمت کی اور اُن کے پسماندگان خاص کر اُن کی اہلیہ مکرمہ اور صاحبزادے اور صاحب زادیوں کے لیے صبر جمیل اور کفالت

وکفایت اور سرپرستی کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ابتک برابر اس دعا کا اور حسب توفیق ایصال ثواب کا اہتمام نصیب ہے۔ ناظرین کرام سے بھی اس کی درخواست ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا یہ اطلاع ۳۰ جنوری کو ملی تھی، فطری طور پر حادثہ کی کچھ تفصیل معلوم کرنے کا دل میں شدید داعیہ پیدا ہوا تار سے اطلاع دینے والے مولانا اسمٰعیل صاحب مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر کو اسی غرض سے خط لکھا اور مولانا مرحوم کے قریبی عزیز حافظ عبد الصمد نورانی صاحب کو دیوا اور ری یونین مولانا احمد سعید انگار صاحب کو بھی لکھا ــــــ

ان حضرات کے خطوط سے جو کچھ معلوم ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ

مولانا مرحوم زندگی کے آخری دن ۲۰ جنوری دوشنبہ تک بالکل اچھے تھے، کسی تکلیف یا بیماری کا شبہ بھی نہیں تھا، مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی، تبلیغی اجتماع کے بیان میں بھی بیٹھے ــــ گھر آئے کہا کہ طبیعت کچھ تھکی سی ہے ــــ کہا گیا کہ عشا کی نماز گھر ہی پر ادا کر لیں اور آرام کریں، چنانچہ نماز پڑھ کے کچھ دیر کے لیے سو گئے ــــ ۱۰ بجے کے بعد اٹھے، بشاش بشاس تھے، گھر والوں سے کچھ باتیں کیں ــــ کچھ دیر کے بعد دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا کہ ادھر کچھ درد ہے۔ اس کے بعد مولانا نے بس کلمہ شہادت آواز سے پڑھا اور داعی اجل کو لبیک کہہ کے اس جہان فانی سے دار باقی کو رخصت ہو گئے ــــ کسی علاج معالجہ کی نوبت ہی نہیں آئی ــــ بظاہر تو بڑا قابل رشک ہوا ان کا آخرت کا یہ سفر!

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیئاتہ ــــ

اگلے دن سہ شنبہ کو نماز جنازہ اور تدفین ہوئی۔ مولانا احمد سعید انگار نے لکھا ہے کہ نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے ری یونین سے لوگ بڑی تعداد میں اسپیشل ہوائی جہاز سے پورٹ لوئس گئے، نماز جنازہ میں ایسا مجمع تھا جو عید کی نماز میں بھی نہیں ہوتا ــــ اس کے ساتھ بڑے رنج اور صدمہ کے اظہار کے ساتھ انھوں نے لکھا ہے کہ اتفاق ہے وہ خود اس دن ری یونین میں نہیں تھے اس لیے نماز جنازہ اور تدفین میں شریک نہیں ہو سکے ــــ وہ مولانا مرحوم سے ملاقات کر کے بلکہ تین دن اُن کے مکان پہ قیام کر کے ۵ ارجنوری

کو عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے تھے، چند روز مکہ مکرمہ اور پھر چند ہی روز مدینہ منورہ میں قیام کرکے واپس آرہے تھے کہ ۲۹ جنوری منگل کے دن مڈگاسکر ہوائی اڈہ پر ہندوستان کی ایک تبلیغی جماعت سے ملاقات ہوئی، یہ جماعت مڈگاسکر کے اجتماع میں شرکت کے لیے ری یونین سے آرہی تھی، اس کے ساتھ ری یونین کے بھی چند حضرات تھے، انھوں نے بتلایا کہ گزشتہ رات مولانا اسماعیل بڑا بھائی کا انتقال ہوگیا۔ اس موقع پر اپنے موجود نہ ہونے کا مجھے بیحد رنج و افسوس ہوا —— ری یونین پہنچکر تعزیت کے لیے ماریشس گیا۔

مولانا مرحوم کے پسماندگان میں، ایک اہلیہ مکرمہ ہیں ایک صاحبزادے حافظ محمد سعید جو پچھلے سال ہی حفظ قرآن سے فارغ ہوئے ہیں۔ اور گزشتہ رمضان مبارک میں پہلی دفعہ تراویح میں قرآن مجید سنایا، مولانا مرحوم کو اس کی بیحد مسرت تھی، اور آرزو تھی کہ اب یہ علم دین حاصل کریں اور عالم ہوکر دین کی خدمت کریں۔ مرحوم قریباً اپنے ہر خط میں اس تمنا کا اظہار کرتے اور اس کے واسطے دعا کے لیے لکھتے تھے۔ ان صاحبزادے حافظ محمد سعید سلمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ چار صاحبزادیاں ہیں، مولانا مرحوم فطری طور پر اُن کے مناسب رشتوں کے لیے فکرمند تھے اور خطوط میں برابر اس بارے میں بھی دعا کے لیے تحریر فرماتے تھے —— اب اللہ تعالیٰ ہی ان والی وارث ہے۔ وھو نعم الوکیل

آخر میں اپنے ناظرین کرام سے مولانا مرحوم کے لیے مغفرت و رحمت کی اور اُن کے پسماندگان کے لیے کفالت و کفایت اور دنیا و آخرت کی خیر و فلاح کی دعا کے لیے مکرر درخواست ہے —— اس عاجز پر بھی احسان ہوگا۔ واللہ یحب المحسنین

ناظرین کرام کی خدمت میں ضروری گزارش

اس سے پہلے جنوری کے شمارہ میں ذکر کیا گیا تھا کہ الفرقان کے مستقل کاتب منشی ظہور احمد صاحب علیل ہیں، اس لیے اُس شمارہ کی کتابت دوسرے مختلف کاتبوں سے کرائی گئی تھی ۔ منشی صاحب ابھی تک صحتیاب نہیں ہوئے ہیں، اسی وجہ سے فروری اور مارچ کے اس مشترک شمارہ کی کتابت بھی مختلف حضرات سے کرانی پڑی ہے —— کتابت کی اسی مشکل ہی کی وجہ سے دو مہینے کا یہ شمارہ ۸۰ کے بجائے ۵۰ صفحات کا شائع کیا جارہا ہے۔ انشاء اللہ کسی قریبی اشاعت میں اس کی تلافی کر دی جائے گی۔

ناظم الفرقان

حرمین شریفین کی حاضری

غالباً بہت سے ناظرین اس روداد سفر میں بے ضرورت تفصیل و تطویل محسوس کریں گے راقم سطور کو خود بھی اس کا احساس و اعتراف ہے۔ واقعہ یہ ہے

"لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"

محمد منظور نعمانی

یہ عاجز راقم سطور ۱۹۶۵ء میں رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی مجلس تاسیسی کا رکن منتخب ہوا تھا، اس وقت سے دس سال تک (یعنی ۷۵ء تک) تقریباً ہر سال ہی اس کے سالانہ اجلاس میں شرکت ہوتی رہی، ۷۶ء میں مجھ پر ایک سخت حملہ مرض کا ہوا، مرض کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ یہ سمجھا جا رہا تھا کہ شاید یہی مرض وفات ثابت ہوگا، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے شفا نصیب فرمادی، اور کچھ اور مہلت عطا فرمادی، البتہ مرض کا اتنا اثر باقی رہ گیا کہ چلنے پھرنے سے معذوری ہو گئی، اس کے علاوہ ہائی بلڈ پریشر کا عارضہ مستقل طور پر لاحق ہو گیا، کبر سنی کے نتیجہ میں جسم و دماغ کی صلاحیت کار میں بھی تیزی سے انحطاط آنے لگا اور میں سفر کے لائق نہ رہا، ہر سال رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے اجلاس کے لئے حسب معمول دعوت نامہ آتا رہا، اور ہر سال بصد حسرت معذرت ہی کرتا رہا۔

اس سال دعوتنامہ ایسے وقت آیا کہ میں ایران کے انقلاب کی واقعی نوعیت اور خمینی صاحب کی شخصیت کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس بارے میں قطعیت اور بصیرت کے ساتھ رائے قائم کرنے کے لئے خمینی صاحب کی چند تصانیف کا پورے غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کر چکا تھا اس کے علاوہ مذہب شیعہ کی دوسری بہت سی اہم کتابوں کا بھی۔

اس مطالعہ سے ایسی متعدد حقیقتیں قطعی دلائل کی روشنی میں اتنی وضاحت کے ساتھ سامنے آئی تھیں کہ، کم از کم میرے اپنے علم و ذہن کی گرفت میں وہ حقیقتیں ایسی قطعیت اور وضاحت کے ساتھ اس سے پہلے نہیں آئی تھیں۔

ان حقیقتوں میں سے ایک یہ ہے کہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں اپنے بارہویں امام (امام غائب) کی غیبت کبریٰ کے زمانہ میں "ولایت فقیہ" کا جو نظریہ پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور اس نظریہ کی بنیاد پر خمینی صاحب کا جو مقام و منصب متعین ہوتا ہے (یعنی کہ وہ امام غائب کے قائم مقام ہیں) اور پھر جو فرائض ان پر عائد اور جو اختیارات ان کو حاصل ہوتے ہیں ان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ حرمین شریفین پر قبضہ کریں۔ مذہب شیعہ کی مستند و مسلّم روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ امام غائب غار سے برآمد ہونے کے بعد پہلے مکہ مکرمہ آئیں گے، وہاں بیعت امامت لینے اور منکرین (یعنی سنی مسلمانوں) کو قتل اور نیست و نابود کرا دینے کے بعد وہ مدینہ منورہ آئیں گے، یہاں پہونچ کر سب سے پہلا کام یہ کریں گے، کہ (معاذ اللہ) روضہ اقدس کی دیوار تڑوا کے حضرات شیخین کی قبروں سے ان کی لاشوں کو نکلوائیں گے، پھر ان کو زندہ کر کے ان کے بے شمار جرائم و مظالم کی سزا میں ان کو سولی پر چڑھائیں گے، اور ہزاروں بار زندہ کر کر کے اسی طرح سولی پہ چڑھائیں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو بھی زندہ کر کے سزا دیں گے، اور تمام صحابہؓ کو جنھوں نے شیخین کو خلیفہ رسول مان کر ان کا ساتھ دیا، ان کو بھی اسی طرح زندہ کر کے اور ان سے محبت کرنے والے مسلمانوں (یعنی سنیوں) کو بھی زندہ کر کے سب کو سزا دیں گے، اور آخر میں سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔[1] معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ان سب کارروائیوں کا کرنا امام غائب صاحب کے لئے جب ہی ممکن ہو گا، جبکہ دونوں مقدس شہروں پر شیعی حکومت قائم ہو، پس اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ خمینی صاحب نے "ولایت فقیہ" کے نظریہ کی بنیاد پر امام غائب کے قائم مقام اور نائب کی حیثیت سے انقلاب کے عنوان سے جو "جہاد" شروع کر رکھا ہے اس کا خاص ہدف عراق کے "عتبات عالیہ" (شیعہ حضرات کے اماکن مقدسہ کربلا، نجف اشرف، مشہد امیر المومنین وغیرہ) کے بعد حرمین شریفین ہیں، جو شخص امام غائب کے ظہور سے

---

[1] یہ روایت شیعوں کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی کی "حق الیقین" سے میری کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں نقل کی جا چکی ہے۔ صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۹ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۲-

متعلق مذہب شیعہ کی روایات کو پیش نظر رکھ کر خمینی صاحب کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" کا مطالعہ کریگا، اسے اس میں شبہ نہیں رہے گا کہ حرمین شریفین پر قبضہ اور تسلط ان کے منصوبوں میں سرفہرست ہے، اور ایران کے شیعہ عوام خاص کر نوجوانوں میں جو غیر معمولی جوش اور قربانی کا جذبہ ہے، وہ اسی امید پر ہے کہ خمینی صاحب نے امام غائب منتظر کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے جو یہ جہاد جاری کر رکھا ہے، اس کے نتیجہ میں ہمارے عتبات عالیہ اور حرمین شریفین پر ہمارا قبضہ ہونا یقینی ہے۔

خمینی صاحب اور ان کے انقلاب یا جہاد سے متعلق دل میں اس یقین کے پیدا ہو جانے کے بعد یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ خود خمینی صاحب اور ایران کے دوسرے قائدین جو صبح وشام ساری دنیائے اسلام کو آپسی اختلافات یکسر بھلا کر متحد ہو جانے کی تلقین کرتے رہتے ہیں، وہ پورے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کی اپیلوں اور کوششوں کے باوجود عراق سے جنگ بند کرنے پر کیوں آمادہ نہیں ہوتے (یہاں یہ ہونجکر دل اپنے اس درد کے اظہار کے لئے بے قرار ہے کہ کچھ اچھے پڑھے لکھے لوگ (جو بظاہر شیعہ بھی نہیں ہیں) یہ سب کچھ کھلی آنکھوں دیکھنے کے باوجود خمینی صاحب اور ان کے رفقا کو اتحاد اسلامی اور اتحاد بین المسلمین کی دعوت اور دعوؤں میں صادق سمجھتے اور دوسروں کو بھی باور کرانا چاہتے ہیں سوچنا چاہئیے کہ یہ خدا کا وہ عذاب تو نہیں ہے جس میں عقلیں اور بصیرتیں مسخ وماؤف کر دی جاتی ہیں۔ انها لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور۔)

خمینی صاحب اور ان کے برپا کئے ہوئے انقلاب کی حقیقت سمجھنے کے لیے جس مطالعہ کا اوپر حوالہ دیا گیا اسی کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ سامنے آئی کہ تقیہ جو مذہب شیعہ کے مشہور ومعروف اصولوں میں سے ہے اس کا مطلب، اس کا درجہ اور اس کے حدود کیا ہیں ہمیشہ سے یہ سمجھا تھا کہ شیعہ مذہب میں اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کے تقاضے سے جھوٹ بول کر دوسرے کو دھوکا دیدینا جائز ہے، گناہ نہ ہوگا۔ اور اس کو صرف دنیوی معاملات ہی تک محدود سمجھا تھا، لیکن اس مطالعہ سے معلوم ہوا کہ تقیہ صرف جائز ہی نہیں، بلکہ واجب ہے فرض ہے، وہ عین دین وایمان ہے[1] حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر گیارہویں امام

---

[1] شیعہ حضرات کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات جن میں تقیہ کو واجب اور فرض اور عین دین وایمان کہا گیا ہے، میری کتاب ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت ص ۲۳۰-۲۳۱ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

حسن عسکری تک سبھی ائمہ ساری عمر دین و مذہب کے بارے میں تقیہ کرتے رہے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ نے خلفائے ثلثہ کے پورے دورِ خلافت میں تقیہ کیا وہ عام مسلمانوں کے ساتھ ان خلفاء کے پیچھے ہی اور ان کی اقتدار میں نمازیں پڑھتے رہے حالانکہ وہ (شیعہ حضرات کی روایات اور عقیدہ کی رو سے) جانتے تھے کہ یہ خلفاء مومن و مسلم نہیں ہیں بلکہ (معاذ اللہ) منافق ہیں، اور ان خلفاء کی خلافت کی پوری ۲۴ سالہ مدت میں کبھی کسی مجمع میں اور عوام مسلمین کے سامنے اپنی امامت کا بھی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اپنے طرزِ عمل سے اس کے خلاف ہی مظاہرہ کرتے رہے، خود اپنی خلافت کے چھ سالہ دور میں بھی اپنے بعض خطبوں میں ان خلفاء کی خاص کر شیخین کی تعریف فرمائی [۱] (جس کے بارہ میں شیعہ علماء و مصنفین فرماتے ہیں کہ یہ تقیہ تھا) ان کے بعد شیعہ حضرات کے دوسرے امام حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ سے جو صلح کی، اور اس کے بعد ان کے پیچھے اور ان کے مقرر کئے ہوئے ائمہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، اور تیسرے امام عالی مقام حضرت حسینؓ نے بھی اس معاملہ میں ان کی مزاحمت اور مخالفت نہیں کی، بلکہ ان کا رویہ بھی یہی رہا، شیعہ حضرات کے نزدیک یہ سب تقیہ تھا، پھر یہی رویہ چوتھے امام حضرت علی بن حسین زین العابدین کا اور ان کے بعد کے تمام ائمہ کا رہا، اسی بنا پر "اصول کافی" کی روایت کے مطابق اثنا عشریہ کے پانچویں امام ابو جعفر (امام باقر) نے فرمایا۔

التقیۃ من دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ (اصول کافی ص ۴۸۴ طبع نولکشور لکھنؤ)	تقیہ میرا دین اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا، اس میں ایمان ہی نہیں۔

پھر اس مطالعہ ہی کے سلسلہ میں "من لا یحضرہ الفقیہ" میں (جو شیعہ حضرات کی ان چار کتابوں میں سے ایک ہے جن پر گویا مذہب شیعہ کی بنیاد قائم ہے) ان کے چھٹے امام جعفر صادق کا یہ ارشاد سامنے آیا کہ

"اگر کوئی شیعہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد سنیوں کی جماعت میں شریک ہو کر تقیہ کے طور پر ان کے ساتھ بھی نماز پڑھے تو اس کو اس تقیہ والی نماز کا ثواب پچیس درجہ زیادہ

---

[۱] یہ خطبے خود شیعوں کی کتاب "نہج البلاغہ" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ملے گا۔" (من لایحضرہ الفقیہہ جلد اول صہ ۱۲۷ طبع لکھنؤ)

اور اسی "من لایحضرہ الفقیہہ" میں اسی صفحہ پر امام جعفر صادق ہی کا دوسرا ارشاد یہ نظر کے سامنے آیا کہ:۔

"جو شیعہ غیروں یعنی سنیوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر جماعت میں شریک ہو کر صف اوّل میں نماز پڑھے تو اس کا درجہ اس شخص کا سا ہے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف اول میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

مذہب شیعہ کی مسلم بنیادی کتابوں میں تقیہ کے بارے میں یہ سب کچھ سامنے آجانے کے بعد دل میں ایک دوسرا یقین یہ پیدا ہوا کہ خمینی صاحب اور ان کے رفقا ایران کے دوسرے قائدین ہرگز قابل اعتبار نہیں، وہ اگر کسی وقت کوئی پیش کش یا کوئی یقین دہانی کریں، تو اصحاب معاملہ کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ تقیہ ان کے مذہب میں واجب و فرض ہے اور ان کے نزدیک ان کے تمام ائمہ معصومین کا اس پر عمل رہا ہے، اس حقیقت کو نظر انداز کر کے اگر کوئی معاملہ کیا گیا، تو ہو سکتا ہے کہ اس کے نتائج افسوسناک سامنے آئیں۔ لاقدر اللہ۔

خمینی صاحب کی کتابوں کے مطالعہ نے دل میں ایک تیسرا یقین یہ پیدا کیا کہ وہ ان شیعوں میں سے ہیں جو صفائی کے ساتھ اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ (معاذ اللہ) حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت ذوالنورینؓ اور ان کے رفقا صف اول کے تمام صحابہؓ نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا، یہ منافق تھے، صرف حکومت و اقتدار کی طمع اور ہوس میں زبان سے کلمہ پڑھ کر اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے تھے اس مقصد کے لئے وہ ہر نا کردنی کر سکتے تھے، یہاں تک کہ اگر ضرورت سمجھتے تو (ابو جہل اور ابو لہب کی طرح) اسلام کے کھلے دشمن بن کر بھی مقابلہ میں آسکتے تھے۔ — واقعہ یہ ہے کہ انتہائی بدزبان تبرائی شیعہ صاحبان حضرات خلفائے ثلٰثہ کے بارے میں جو کچھ زبان سے کہتے یا قلم سے لکھتے ہیں، خمینی صاحب نے اپنے خاص انداز میں اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں وہ سب کچھ لکھا ہے (الفرقان میں بھی اس کے اقتباسات شائع ہو چکے ہیں، اور ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کے متعلق میری کتاب میں بھی خمینی صاحب کی اصل عبارتیں پڑھی جا سکتی ہیں) انکی

ان عبارتوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی آنکھوں والے کو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ "ثورۃ اسلامیہ، لاشیعیہ ولاسنیہ" کا نعرہ اور اس طرح کی ساری باتیں اور اعلانات و بیانات صرف تقیہ اور فریب ہیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اس سال رابطۂ عالم اسلامی کا دعوتنامہ اجلاس سے قریباً ڈیڑھ مہینے پہلے ایسے وقت آیا تھا کہ میں ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے خمینی صاحب کی تصانیف اور مذہب شیعہ کی دوسری اہم کتابوں کا مطالعہ کر چکا تھا، اس مطالعہ کے نتیجہ میں جو حقیقتیں سامنے آئی تھیں، اور مذکورہ بالا دو تین باتوں کا جو یقین دل میں پیدا ہوا تھا، اس کی وجہ سے دل میں شدید داعیہ پیدا ہوا کہ اپنی معذوری کے باوجود جس طرح بھی ہو سکے حجاز مقدس کا سفر کروں۔ اور وہاں کے کچھ خواص اور اور ذمہ دار حضرات سے اپنے مطالعہ کے یہ نتائج عرض کروں، اور ان کی توجہ خطرہ کی سنگینی کی طرف اور اس کے مقابلہ کے لئے کچھ عملی اقدامات کی طرف مبذول کراؤں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی دل میں تھی کہ اگر وہاں حاضری نصیب ہوگئی تو حرمین شریفین میں اس کے لئے دعار ضرور کا زیادہ سے زیادہ اہتمام نصیب ہوگا، اور وہاں کے مقیم اپنے دوستوں کو کم از کم دعار ہی کی طرف متوجہ کر سکونگا۔

بہرحال ایک طرف یہ داعیہ تھا، اور دوسری طرف میری اپنی معذوریاں اور بیماریاں تھیں، بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ میں سفر کے لائق نہیں ہوں، اور بار بار دل میں وہ داعیہ شدت پکڑتا تھا، اسی کشمکش اور تذبذب و تردد میں وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ اجلاس کی تاریخیں قریب آگئیں۔ پھر یہ بات سامنے آئی کہ میری معذوریاں ایسی ہیں کہ میرے ساتھ دو رفیقوں کا ہونا ضروری ہے، مولوی خلیل الرحمٰن سجاد ندوی سلمہ کے لئے میں پہلے ہی رابطہ والوں کو احتیاطاً لکھ چکا تھا کہ ان کے لئے میرے رفیق سفر کی حیثیت سے ویزا بھیج دیا جائے، اب جب دو رفیقوں کی بات آئی تو یہ بہت مشکل نظر آتا تھا کہ اتنے کم وقت میں دوسرا ویزا مل جائے گا، میں برابر استخارہ کرتا رہا، اور اسی کی دعا کرتا رہا کہ اگر سفر میرے لئے باعث خیر ہو، اور کیا شبہ ہے کہ وہاں کا

سفر مبارک ہی ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو مقدر اور آسان فرما دے۔ نیت بھی یہی کر لی تھی کہ اگر انتظامات مکمل ہو گئے تو اسے اللہ کی طرف سے سفر کا اشارہ سمجھوں گا، ورنہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہونگا اللہ کا کرنا! اجلاس کی تاریخ سے صرف تین دن قبل مجھے یہ اطلاع ملی کہ دوسرا ویزا بھی مل جائیگا اطلاع ملتے ہی سجاد میاں سلمہٗ دہلی روانہ ہو گئے، دن بھر دہلی میں ضروری قانونی کارروائیوں کی تکمیل کی، اگلے دن وہ واپس آئے، اور اسی دن یعنی ۲۸ر دسمبر کی جمعہ و شنبہ کی درمیانی شب میں ہم لوگ لکھنؤ دہلی میل سے روانہ ہو کر صبح بعافیت نئی دہلی اسٹیشن پر اتر گئے، میری معذوری کی وجہ سے وہیل چیر (پہیوں والی کرسی) سفر میں بھی میرے ساتھ رہتی ہے اسی کے ذریعہ اسٹیشن کا طویل پلیٹ فارم طے کر کے باہر آئے، بھائی حافظ کرامت اللہ صاحب کو اطلاع دیدی گئی تھی، ان کے صاحبزادے گاڑی لے کر اسٹیشن آ گئے تھے، اسی کے ذریعہ ان کی کوٹھی پر پہونچے، گاڑی سے اترتے ہی بھائی کرامت اللہ صاحب نے یہ خوشخبری سنائی کہ ابھی ابھی چند منٹ پہلے مکہ معظمہ سے بھائی سعدی صاحب سے فون پر گفتگو ہوئی تھی، میں نے ان کو آپ کے سفر کا اور کل اتوار کی شام کو مکہ مکرمہ پہنچنے کا پروگرام بتایا تو انھوں نے کہا کہ میرا سلام پہونچائیے، اور ساتھ میں یہ پیام بھی کہ قیام غریب خانہ پر اس کمرہ میں ہوگا، جس میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ قیام فرماتے تھے، اس سفر میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں اور دستگیریاں سامنے آئیں، میرے دہلی پہونچنے سے بھی پہلے مکہ مکرمہ سے بھائی سعدی کی یہ پیش کش اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا قیام اس کمرہ میں چونکہ ان کی معذوری کے زمانہ میں ہوتا تھا، اس لئے اس میں وہ ساری سہولتیں تھیں۔ جن کی مجھے اپنی معذوری کی وجہ سے ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور بھائی سعدی اور بھائی کرامت کے لئے دل سے دعا نکلی۔

بھائی کرامت اللہ صاحب کی کوٹھی، بستی نظام الدین (دہلی) میں تبلیغی مرکز بنگلہ والی مسجد کے بالکل قریب ہے، اس دن اور اگلی رات وہیں قیام رہا، فجر کی نماز پڑھ کر ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہو گئے، یہاں کی قانونی کارروائیاں بھی بڑی سہولت سے مکمل ہوئیں، اس موقعہ پر یہ محسوس ہوا کہ اللہ کا خاص لطف و کرم شامل حال ہے، جس انتظامی کارکن سے واسطہ پڑا، وہ ہر ممکن

مدد کے لئے تیار ہوتا، بالآخر طیارہ پر سوار ہونے کا وقت آیا، لمبی سیڑھیوں کے چڑھنے میں تھوڑی دقت پیش آئی۔ طیارہ کا عملہ بہت اچھی طرح پیش آیا۔ سیڑھیوں پر چڑھنے میں بھی اس نے ممکن حد تک مدد دینے اور سہولت فراہم کرنے کی کوشش کی، بلا شبہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا، فللہ الحمد وللہ الشکر۔

طیارہ نے مقررہ وقت پر پرواز شروع کی، اور تقریباً چار گھنٹے کی پرواز کے بعد ریاض کے ہوائی اڈہ پر اترا، میرے دونوں رفیقوں نے یہاں سے عمرہ کا احرام باندھا، میں نے بھی عمرہ کی نیت کرلی، اور "محرم" ہوگیا، لیکن میں کپڑے اتارنے سے معذور تھا، جو کپڑے پہنے ہوئے تھا وہی پہنے رہا، شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کی معذوری کی وجہ سے کوئی شخص احرام کی حالت میں سلے کپڑے پہنے رہے، اور پورا دن رات اسی حال میں رہے تو اس کے ذمہ دم دینا (قربانی کرنا) واجب ہوگا، چنانچہ میں نے قربانی دینے کی نیت کرلی، اور سب کپڑے پہنے رہا جو پہنے ہوئے تھا

یہاں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جو طیارے ریاض یا ظہران ٹھہر کر جدہ جاتے ہیں ان کے ہر مسافر کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنا ساتھ والا سامان اور سفر کے کاغذات لے کر جہاز سے اتریں، تاکہ ان کی جانچ اور قانونی کارروائیوں کی تکمیل ہو۔ معذوری کی وجہ سے میرے لئے یہ ایک مشکل مرحلہ تھا، اور سنا تھا کہ سعودی ذمہ داران کسی مسافر کے لئے استثناء کو قبول نہیں کرتے، لیکن جہاز کے عملہ کے ایک افسر کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسا مہربان کردیا، کہ سجاد میاں سے گفتگو کے بعد اس نے کہا کہ میں ہوائی اڈہ پر متعین اس محکمہ کے متعلقہ افسر سے بات کرکے اس کی کوشش کرتا ہوں کہ ان کو (مجھے) اترنا نہ پڑے، اللہ اسے جزائے خیر دے، اس نے وائرلیس کے ذریعہ اس افسر سے بات کی، اور کافی طویل گفتگو کے بعد اس سے یہ اجازت حاصل کرہی لی چنانچہ مولوی زکریا اور مولوی سجاد ہی سب کچھ لے کر اتر گئے، اور کارروائیاں مکمل کرا لائے، میں تنہا جہاز پر ہی رہا۔

طیارہ نے ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ ریاض ٹھہرنے کے بعد جدہ کے لئے پرواز شروع کی، اس موقع پر جہاز کے کپتان نے اندرونی لاؤڈ اسپیکر پر پوری دعائے سفر پڑھی "سبحان الذی سخر لنا ھذا، وما کنا لہ مقرنین۔ وانا الی ربنا

لمنقلبون ... الخ دعا سن کر اور یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ اب سعودی طیاروں میں یہ عام معمول ہے، قریباً سوا گھنٹے کی پرواز کے بعد طیارہ جدہ کے مطار پر اتر گیا۔

جدہ کا یہ نو تعمیر ہوائی اڈہ جدید ترین انتظامات سے آراستہ ہے، بڑی سہولت سے پہیوں والی کرسی پر بیٹھا بیٹھا میں جہاز سے باہر آ گیا، رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے استقبالیہ کمیٹی کے ایک نمائندے موجود تھے ان کی رہبری میں قانونی کارروائیاں بھی بسہولت مکمل ہوئیں ہم لوگ باہر نکلے، یہاں احباب کی بڑی تعداد منتظر تھی، سب سے ملاقات کے بعد جدہ میں اپنے دیرینہ کرمفرما اور مستقل میزبان نوزولی برادران کی گاڑی میں سوار ہو کر ان کے مکان روانہ ہو گئے یہاں پہونچ کر مغرب اور عشا کی نماز ادا کی، اور بھائی ریاض احمد لکھنوی کی گاڑی میں سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئے، اور قریباً صرف ایک گھنٹہ میں مکہ مکرمہ میں اپنے میزبان بھائی سعدی کے مکان پر پہونچ گئے، جدہ سے مکہ کے راستہ میں نئی نئی سڑکوں اور عمارتوں کا جو حال دیکھا وہ میرے اپنے تصور اور اندازہ سے بہت آگے تھا، صرف دس سال میں یہاں کا معیار زندگی کتنا زیادہ بلند ہو گیا ہے اس کا تھوڑا سا اندازہ اس مختصر سے سفر ہی میں ہو گیا۔

مکہ مکرمہ پہونچ کر میرے دونوں رفیقوں نے یہ طے کیا کہ سفر کی تکان کی وجہ سے مناسب یہ ہوگا کہ کچھ دیر آرام کر کے رات کے آخری حصے میں عمرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل ہوا، مولوی زکریا اور مولوی سجاد سحر کے وقت تین بجے عمرہ کے لئے حرم شریف چلے گئے، مجھے چونکہ طواف کرسی ہی پر کرنا تھا، اور اس کے لئے پہلے سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے اس لئے میں اس وقت نہیں گیا، یہ دونوں بعد فجر متصلاً عمرہ سے فارغ ہو کر حرم شریف سے واپس آ گئے، صبح ہوتے ہی احباب و مخلصین کی آمد شروع ہو گئی۔

رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کا اجلاس دو دن قبل شروع ہو چکا تھا، معلوم ہوا کہ ۹ بجے نشست شروع ہو گی، چنانچہ نو بجے کے بعد اجلاس میں شرکت کے لئے روانہ ہو گیا، اجلاس منیٰ میں واقع رابطہ کی عمارت میں ہو رہا تھا۔ اجلاس کی کارروائی رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں شروع ہو چکی تھی، دکیونکہ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے اجلاسوں کے مستقل صدر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز ابھی تک ریاض

سے نہیں آسکے تھے) اجلاس کی کارروائی ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہی۔

یہ عاجز دس سال کی غیر حاضری کے بعد رابطہ کے اجلاس میں شریک ہوا تھا، اس دوران رابطہ کے عملہ اور ممبران میں متعدد اضافے اور تبدیلیاں ہوئی تھیں، رابطہ کے موجودہ سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور ان کے نائب شیخ محمد ناصر العبودی بھی کچھ ہی پہلے اپنے عہدوں پر فائز ہوئے ہیں، نشست کے اختتام پر دوسرے رفقاء اور ان دونوں حضرات سے ملاقات ہوئی، رابطہ عالم اسلامی کے ذمہ داروں کی حیثیت سے ان سے میری یہ پہلی ملاقات تھی، انھوں نے اس طویل غیر حاضری کے بعد اجلاس میں شرکت پر خاص طور سے خوشی کا اظہار کیا۔

دو بجے کے قریب اپنی قیامگاہ پر واپسی ہوئی، بعد عصر احباب و مخلصین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا، بلاشبہ ان سب ہی مجاورین بیت اللہ سے ملاقات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے، ان میں کچھ وہ بھی تھے جن کی محبتوں اور عنایتوں کی تاریخ بہت قدیم بھی ہے اور بہت طویل بھی، مدرسہ صولتیہ کے سربراہ مولانا شمیم احمد مکی، قاری محمد سلیمان صاحب، مولانا غلام رسول صاحب، مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی، صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی اسی فہرست میں ہیں، عزیز مکرم مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مکان تو بالکل پڑوس میں تھا، وہیں رفیق محترم مولانا علی میاں کا قیام تھا، اس لئے ان سے ملاقات تو دن میں کئی بار ہو جاتی تھی، ان کے علاوہ جن عزیزوں سے مل کر خاص طور پر بہت خوشی ہوئی، ان میں مولانا حافظ محمد نعمان صاحب کے صاحبزادے مولوی رضوان سلمہ ان کے چھوٹے بھائی فرقان میاں سلمہ، ڈاکٹر عبادالرحمن نشاط، بھائی غلام محمد حیدرآبادی، عزیز مکرم طارق حسن عسکری مدنی جو مولانا علی میاں کے ساتھ ہی تھے، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

میرے لئے ہیلی کاپٹر پر طواف کرنے کی جو اجازت طلب کی گئی تھی، معلوم ہوا کہ وہ کل ملے گی، حرم شریف کی حاضری اور مناسک عمرہ کی ادائیگی کے لئے ایک دن اور انتظار کا حکم ملا، خوف بھی رہا کہ کہیں اس تاخیر کی وجہ اپنی اندرونی حالت تو نہیں، اور رحمت خداوندی سے امید بھی رہی کہ انشاء اللہ محرومی نہ رہے گی۔

سہ شنبہ کا دن بھی اسی طرح گذرا، صبح ۱۰بجے سے ایک بجے تک رابطہ کے اجلاس میں مشغولیت رہی۔ شام کو احباب و مخلصین کا ہجوم رہا، آج حرم شریف حاضری کا پروانہ مولوی رضوان اور ان کے بھائی فرقان سلمہما اللہ کی کوشش سے مل چکا تھا معلوم ہوا کہ روزانہ شب میں ۹ بجے کے بعد حاضری اور طواف کی اجازت مل گئی ہے، چنانچہ آج شب دس بجے کے قریب میں اپنے دونوں رفیقوں کے ساتھ روانہ ہوا، ہاں میں یہ ذکر کرنا بھول گیا تھا کہ بھائی سعدی نے اپنے مکان کے ایک پورے حصے اور اپنے دو خانساموں کے علاوہ اپنی ایک کار بھی ہمارے لئے مخصوص کر دی تھی، اور ڈرائیور کی حیثیت سے بھائی مولانا عبدالحفیظ مکی نے اپنے پریس کے ایک کارکن مولوی علیم الدین مظاہری کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ اور اس طرح اس بوڑھے فقیر مسافر کے پاس مکہ میں عالیشان مکان بھی تھا، عملہ بھی تھا، موٹر بھی تھی، ڈرائیور بھی تھا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

تو میں جب اسی کار پر سوار ہو کر عمرہ کی نیت سے گھر سے نکلا، اور لبیك اللّٰھم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك۔ ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك۔ کا ترانہ زبان پر آیا، تو یاد آگیا کہ کتنا برموقعہ ہے اور کس قدر مطابق واقعہ اور حسب حال ہے یہ ترانہ! اپنا کچھ نہیں، کسی کا کچھ نہیں، جو کچھ ہے صرف اسی کا ہے، کوئی بھی تو اس کا شریک نہیں، ایک مدت کے بعد یہ ترانہ پڑھنے کی اور یہ صدا لگانے کی سعادت مل رہی تھی۔ فللّٰہ الحمد ولہ الشکر۔

باب عبدالعزیز تک موٹر پہونچ سکتی تھی، وہیں موٹر سے اترے، مولوی رضوان وہیں موجود تھے، کرسی ہمارے ساتھ تھی، اسی پر مجھے بٹھا دیا گیا، مولوی زکریا لے کر آگے بڑھے، کچھ دور چل کر نگاہ اوپر اٹھی، خانہ کعبہ اپنی تمام تجلیات کے ساتھ سامنے تھا، یا اللہ! تیرا کرم، تیرا احسان، میں تو مایوس ہو چکا تھا کہ کبھی حاضری نصیب ہوگی۔ اللّٰھم زد بیتك ھذا تشریفاً وتکریماً وبراً ومھابةً وزد من شرفه وکرمه ممن حجه او اعتمره تشریفاً وتکریماً وبراً ومھابةً۔ الحمد للہ کہ عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، طواف شروع کرتے وقت حجر اسود کی تقبیل کی سعادت بھی

مل گئی، طواف سے فارغ ہو کر دوگانۂ طواف مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنے کی توفیق ملی، اس کے بعد ملتزم پر حاضری ہوئی، اگرچہ موسم حج کا نہیں، اور وقت بھی قریباً ۱۱ بجے شب کا تھا، اس کے باوجود اللہ کے بندوں اور رحمت کے سائلوں کا ہجوم تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمت دی، میں بھی ملتزم سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو کچھ مانگ سکا جس طرح مانگ سکا اللہ تعالیٰ سے مانگا، اس کے بعد فرقان میاں نے زمزم پلایا، دعا کی، اور استلام کر کے سعی کے لئے صفا کی طرف روانہ ہوا، مولوی رضوان، فرقان میاں، اور مولوی زکریا و سجاد میاں کے علاوہ لکھنؤ ہی کے دو اور عزیز ساتھ تھے، قریباً ایک گھنٹہ میں سعی سے فراغت ہوئی، اس کے بعد میں نے اپنی معذوری کی وجہ سے حلق کے بجائے قصر کرایا، عمرہ پورا ہوا، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور قبولیت، اور اپنے ان عزیزوں کے لئے جزائے خیر و برکت کی دعائیں کرتے ہوئے، جن کی بدولت اس معذور کو بیٹھے بیٹھے عمرہ کی سعادت ملی، ساڑھے بارہ بجے کے قریب قیامگاہ واپسی ہوئی۔

اگلے دن بدھ کو رابطہ کے اجلاس میں پہونچا، تو دیکھا کہ شیخ ابن باز موجود ہیں۔ اور حسب معمول اجلاس کی صدارت انھیں کے سپرد ہے، نشست کے اختتام پر شیخ سے ملاقات ہوئی، شیخ نے اپنے کریمانہ اخلاق کے مطابق نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا شیخ ابن باز اپنی بہت سی خصوصیات کے لحاظ سے عالم اسلام کی منفرد شخصیت ہیں، علم تقویٰ، اخلاق، للہیت، بصیرت، قوت کار اور سادگی و تواضع کی وہ صفات ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دی ہیں، جن کی وجہ سے وہ مختلف حلقوں میں بہت عقیدت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی ذات سرزمین حجاز میں بہت سے فتنوں اور شرور کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، بلاشبہ ان کا وجود بہت مبارک ہے۔

آج بھی شام اسی طرح گذری، احباب و مخلصین کا ہجوم رہا، الخبر، ظہران سے بھی کچھ احباب بھائی عبد الباسط اور بھائی رفیق کا نپوری وغیرہ آ گئے تھے، رات کو دس بجے طواف کے لئے حرم شریف حاضری ہوئی، اور بہت اطمینان سے کئی طواف نصیب ہوئے، بعض طوافوں میں ایک

"شوط" میں نے پیدل بھی کیا، اپنے جس گھر کو اللہ تعالیٰ نے مبارک اور ھدًی للعالمین فرمایا ہے، اس کی ایک برکت تو میں خود یہ دیکھ رہا تھا کہ میری صحت و قوت کے حال میں نمایاں فرق تھا، دن بھر کی ایسی مشغولیت، شام کو ایسی ملاقاتیں، اور رات کے یہ معمولات، لیکن اللہ کی قدرت کہ نہ تکان نہ کوئی تکلیف، نہ طبیعت میں کوئی اضمحلال، بلا شبہ یہ اسی بلد امین کی برکتوں اور میرے مالک کے کرم و احسان کا ثمرہ تھا۔

جمعرات کے دن اجلاس کی اختتامی نشست تھی، اجلاس کے لئے پہلے سے دس دن کی میعاد طے کی گئی تھی لیکن یہ غیر معمولی بات تھی کہ صرف چھ دن میں اجلاس مکمل ہو گیا، مجھے اور رفیق محترم مولانا علی میاں کو اس کی بہت خوشی تھی، اس دن شیخ ابن باز کی طرف سے تمام ارکان کے اعزاز میں ایک ظہرانہ کا اہتمام تھا، اس میں شرکت کی، اور اس سے پہلے شیخ ابن باز اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی) سے کچھ گفتگو کا بھی موقع مل گیا، اس کے بعد قیامگاہ واپسی ہوئی۔

آج شام کو بھی احباب و مخلصین کا ہجوم رہا، مغرب بعد سجاد میاں نے حسب معمول بلڈ پریشر کا معائنہ کیا، معلوم ہوا کہ بہت بڑھا ہوا ہے، اس لئے یہ طے ہوا کہ آج شب میں طواف کے لئے نہ جایا جائے، جمعہ کی شب میں حرم میں ازدحام بھی زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ رات آرام ہی میں گذری، جمعہ کی صبح عزیزی شمعون میاں[1] اپنی اہلیہ اور عزیزان نجیب[2] و ذیشان سلمہما اللہ کو لے کر مدینہ منورہ سے ملاقات کے لئے آ گئے، فجر سے پہلے ہی یہ لوگ پہونچ گئے تھے، سب احرام کی حالت میں تھے، ان عزیزوں کو یہاں اس حالت میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ برکتوں سے نوازے اور حفاظت فرمائے۔

جمعہ کی صبح آنیوالوں کا سلسلہ رہا، پھر کچھ دیر آرام کے بعد جمعہ کے لئے تیاری شروع ہو گئی، ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ نماز جمعہ کے لئے حرم شریف حاضری ہوئی، الحمد للہ کہ سہولت سے باب عبدالعزیز کے پاس ہی جگہ مل گئی، نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر ٹھہر کر واپسی ہوئی۔

---

[1] میرے لڑکے حفیظ الرحمٰن کے فرزند [2] نجیب سلمہ میرے مرحوم بھتیجے اصغر کے فرزند ہیں، اور ذیشان سلمہ مرحومہ بھتیجی کے فرزند اور حفیظ میاں کے داماد ہیں، یہ تینوں مدینہ منورہ میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں۔

ہفتہ، یکشنبہ و دوشنبہ تین دن مزید مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ مجھے جن حضرات سے اس مسئلہ کے بارے میں گفتگو کرنی تھی، جو اس سفر کا اصل محرک تھا، ان سے ان تین دنوں میں ملاقات اور گفتگو کا اچھا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے،

مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام میں ایسے بعض حضرات سے بھی ملاقات ہوئی، جن سے اسی دس سال کے عرصہ میں غائبانہ تعارف ہوا تھا، اور ملاقات نہیں ہوئی تھی، ان میں سرفہرست مولانا محمد فاضل عثمانی مہاجر مکی بھی ہیں، مولانا تقریباً روز ہی تشریف لاتے تھے۔ ان سے مل کر بہت ہی خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی محبت کو اس عاجز کے لئے نافع بنائے۔

بہت سے حضرات سے پہلی مرتبہ تعارف ہوا، ان میں خاص طور پر ڈاکٹر سعید رعنا، اور ڈاکٹر عبید الرحمن سے بہت انس ہوا، دونوں حضرات صبح شام آتے رہتے تھے، ڈاکٹر سعید رعنا تو بالکل پڑوس ہی میں تھے، روزانہ ہی میرا طبی معائنہ کرتے، اور دوائیں بھی لاکر دیتے رہتے تبلیغی جد وجہد سے الحمد للہ گہرا تعلق ان کو نصیب ہے، اللہ تعالیٰ ترقی واستقامت نصیب فرمائے، دن تو ان ملاقاتوں میں گزرتا، اور رات کو اللہ تعالیٰ طواف کی سعادت نصیب فرماتا رہا،

دل سے دعائیں نکلتی ہیں مولوی رضوان اور مولوی فرقان سلمہما اللہ کے لئے، جنھوں نے بہت سعادت مندی اور محبت کا ثبوت دیا، کرسی پر بٹھا کر روزانہ طواف بھی دونوں کراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مطابق انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، اللہ کی تقدیر کہ ان کے والد، ہمارے پرانے محب ومخلص مولانا حافظ نعمان صاحب جو وہیں مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، ان دنوں میں ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے وہاں ملاقات کی مسرت حاصل نہ ہوسکی۔

یہ عاجز تو سہ شنبہ کی شب میں ہی طواف وداع کر کے بیت اللہ سے رخصت ہو لیا تھا میرے دونوں رفیقوں نے سہ شنبہ کی صبح جاکر طواف وداع کیا، اور ہم لوگ اللہ کی توفیق پر شکر اور اپنی تقصیر پر استغفار اور پھر حاضری کی دعائیں کرتے ہوئے سہ شنبہ کو دس بجے دن میں بھائی سعدی ہی کی گاڑی میں سوار ہو کر مکہ مکرمہ سے جدہ کے لئے رخصت ہوئے (واپسی کے سفر

کے سلسلہ کی کچھ قانونی کارروائیوں کے لئے اس دن جدّہ ہی میں قیام ضروری تھا، اگلے دن وہاں سے مدینہ منورہ کے لئے روانگی کا پروگرام تھا)

بھائی سعدی نے اس پوری مدت میں جیسی مہمان نوازی کی، اور جتنا آرام ان کے گھر میں ملا، وہ ان کی وساطت سے میرے رب کریم کا خاص لطف و کرم تھا، ان کے دو ملازم ہماری ہی خدمت پر مامور تھے، ان میں سے ایک "خان محمد" تو بہت نیک اور پر خلوص شخص تھا جی جان سے اس نے خدمت کی، اور ہماری راحت کا ہر طرح سے خیال رکھا، اللہ تعالیٰ بھائی سعدی ان کے گھر والوں اور ان کے خادموں سب کو اپنی شان عالی کے مطابق اپنے اس بندہ کی طرف سے بہترین جزا، دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ یہ بھائی سعدی، مدرسہ صولتیہ کے موجودہ مہتمم و سربراہ مولانا محمد شمیم صاحب کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں۔

مکہ مکرمہ کے پورے آٹھ دن کے اس قیام میں مدرسہ صولتیہ حاضری نہیں ہو سکی تھی، حالانکہ اس کا حق اور اپنا فرض تھا، وہ مکہ مکرمہ میں ہمارے بزرگوں کی خاص یادگار ہے، اس میں ہمارے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کا قیام رہا ہے اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نور اللہ مرقدہ تو گویا اس کے بانی ہیں۔ مدرسہ کے موجودہ مہتمم مولانا محمد شمیم صاحب اور بعض اساتذہ کرام برابر تشریف لاتے رہے، طے کیا گیا تھا کہ جب مکہ معظمہ سے روانگی ہو، تو پہلے کچھ دیر صولتیہ میں قیام رہے، ایسا ہی کیا گیا۔ بھائی مولانا محمد شمیم صاحب کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی، ہم بھائی سعدی اور ان کے مکان سے رخصت ہو کر پہلے صولتیہ آئے۔ یہاں دفتر ہی میں مدرسہ کے حضرات اساتذہ بھی جمع ہو گئے تھے، کچھ پرانی یادیں آئیں، اور ان سے دل بہت متاثر ہوا، آخر میں بھائی مولانا محمد شمیم صاحب کی فرمائش پر کچھ کلمات عرض کر کے گفتگو دعا پر ختم کی، اور وہاں سے رخصت ہو کر ہم لوگ جدہ کے لئے روانہ ہو گئے، مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین اور وہاں کی ہواؤں اور فضاؤں کو الوداع کہا۔ ع

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

(جاری)

درس قرآن

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

[اس سلسلہ کی اس سے پہلی قسط سورۂ اخلاص کی تشریح و تفسیر اب سے ٹھیک ایک سال پہلے فروری ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی تھی یہ آخری قسط اللہ تعالےٰ کی مشیت و توفیق سے اب شائع ہو رہی ہے۔]

سُوْرَةُ الْفَلَقِ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ○ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ○ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ○ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ○

اے پیغمبر کہیئے کہ میں پناہ لیتا ہوں صبح نمودار کرنے والے خداوند کی ○ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے ○ اور (بالخصوص) رات کے اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے ○ اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے ○ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ○

(تفسیر و تشریح) یہ سورۂ "فلق" ہے، اس کے آگے سورۂ "الناس" ہے اور ان دونوں سورتوں پر قرآن مجید ختم ہے —— میں نے اس سے پہلی سورت سورۂ اخلاص کے درس میں کہا تھا کہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کا افتتاحیہ تھا اور سورۂ اخلاص گویا اس کا اختتامیہ ہے اور اس کے بعد کی دونوں سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس گویا اس کا تتمہ ہیں —— ان دونوں سورتوں میں ہر طرح کے شر و آفات اور بلاؤں اور مصیبتوں سے

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کے لیے خاص کلمات تلقین فرمائے گئے ہیں۔

پہلے الفاظ کی روشنی میں اس سورہ فلق کا مفہوم اور مطلب سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ پہلا لفظ "قل" ہے اس کے اصل اور اولین مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لفظ قل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان کلمات کے ذریعہ جسمانی و روحانی دنیوی و دینی ہر طرح کی آفات سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگا کریں، اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم و تلقین فرمائیں۔ —— اصل دعائے استعاذہ اس لفظ قل کے بعد "اعوذ" کے لفظ سے شروع ہوتی ہے، لیکن "قل" کے لفظ کو بھی سورہ کا جز قرار دیدیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تلاوت فرماتے تھے —— یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن الفاظ میں وحی آتی تھی آپ ان الفاظ کو جوں کا توں تلاوت فرماتے اور اسی طرح دوسروں کو تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔

"قُل" کے بعد ہے اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ جس کا لفظی ترجمہ ہے، "میں پناہ لیتا ہوں صبح نمودار کرنے والے خداوند کی۔ پناہ لینے اور پناہ مانگنے کا مطلب ہوتا ہے کسی سے دعا اور التجا کرنا کہ آنے والی آفتوں سے وہ ہم کو اپنی حفاظت اور امان میں لے لے اور ان کی زد سے ہم کو بچالے —— اس کے واسطے یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے "رب الفلق" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ رات کی تاریکی کا پردہ چاک کر کے صبح کا نمودار کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت کا وہ کرشمہ ہے جو روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ (قرآن پاک ہی میں دوسری جگہ اس کی اسی شان اور صفت کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے "فَالِقُ الْاِصْبَاحِ") تو جس خداوند تعالیٰ کی قدرت و رحمت کا یہ کرشمہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں، بلاشبہ وہی اس کا مستحق ہے کہ ہر قسم کی آفتوں اور بلاؤں سے حفظ و امان کی اسی سے دعا و التجا کی جائے۔

آگے فرمایا گیا ہے، "مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" جس کا مطلب ہے کہ اُس کی تمام مخلوقات کے شر سے۔ ظاہر ہے کہ اس "مَا خَلَقَ" (تمام مخلوقات) میں وہ سب چیزیں آگئیں جن سے کسی قسم کا دینی یا دنیوی، جسمانی یا روحانی ضرر اور نقصان ہم کو پہنچ سکتا ہے۔

آگے خصوصیت کے ساتھ چند ایسی چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن سے اس دنیا میں ضرر، نقصان یا تکلیف پہنچنے کا عام طور سے اندیشہ کیا جاتا ہے اور بہت سے لوگوں کو پہنچتا بھی ہے اور وہ ایسی ہی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ اُن کے شر اور ضرر سے کامل قدرت اور رحمت والے خداوند ہی کی پناہ مانگی جائے ــــــ اسی سلسلے میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے "مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ"۔ "غَاسِق" کے معنی رات کے اندھیرے اور تاریکی کے ہیں ــــــ اور "اِذَا وَقَبَ" کا مطلب ہے جب وہ چھا جائے ــــــ بہت بلائیں اور آفتیں وہ ہیں جو رات کی تاریکی میں آتی ہیں۔ زیر زمین رہنے والے زہریلے حشرات سانپ بچھو وغیرہ رات ہی میں باہر آتے ہیں۔ چوریاں اور ڈکیتیاں بھی زیادہ تر رات کے اندھیرے میں ہی ہوتی ہیں، شیاطین کو بھی اپنی کارروائیاں کرنے کا موقع زیادہ تر رات کی تاریکی ہی میں ملتا ہے۔ بہت سے گناہ چھپ چھپا کر رات ہی میں ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ ٹونے ٹوٹکے اور سفلی عمل جیسے کرنے والے بھی اس طرح کا کام زیادہ تر رات ہی میں کرتے ہیں ــــــ بہرحال رات کی تاریکی کے ساتھ جو شرور اور آفات آتی ہیں اس آیت (وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ) میں اُن سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے ــــــ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رات کی تاریکی بذات خود شر ہے۔ خود قرآن مجید میں رات کو انسانوں کے لیے راحت و سکون کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت بھی فرمایا گیا ہے۔ رات میں خاصکر اُس کے آخری حصہ میں رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے، اس کو دعا کی قبولیت کا وقت بتلایا گیا ہے ــــــ بہرحال یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس آیت میں پناہ رات کی تاریکی سے نہیں بلکہ اُس کے شر سے مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

آگے دوسرے نمبر پر فرمایا گیا ہے "وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ"۔ "عُقَد"

عُقْدَہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی گرہ کے ہیں، اور "نَفّٰثٰت" کے معنی ہیں پھونک مارنے والیاں یا پھونک مارنے والے، معلوم ہوا ہے کہ جادو اور ٹونے ٹوٹکے کرنے والے ایسا کرتے ہیں کہ کسی دھاگے وغیرہ میں گرہیں لگاتے ہیں اور کچھ شیطانی کلمات پڑھ پڑھ کے ان پر پھونکتے ہیں۔ اس کے بُرے اثرات ہوتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح شیاطین کا وجود ایک حقیقت ہے اور ان کے شیطانی اعمال کی بھی حقیقت ہے اور اُن کے اثرات ہوتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جادو اور ٹونے ٹوٹکے اور سفلی اعمال اور ان کے اثرات کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن جو کچھ ہوتا ہے باذن اللہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں جادو کے ضرر ہی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے "وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" اس آیت میں صراحت ہے کہ جادو گروں کے جادو یا سفلی عمل وغیرہ سے جو ضرر کسی کو پہنچتا ہے اور جو اثر کسی پر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن وحکم کے بغیر نہیں ہوتا —— لہٰذا آدمی اسی کی پناہ لے کر اس کی زد سے بچ سکتا اور محفوظ رہ سکتا ہے —— تو اس آیت "وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ" کا مطلب یہ ہوا کہ میں اُن جادو اور ٹونے ٹوٹکے کرنے والوں کے شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو گرہوں میں پھونک مار مار کے شیطانی عمل کرتے ہیں، وہ مرد بھی ہوسکتے ہیں اور عورتیں بھی۔ "نَفّٰثٰت" جمع مونث ہے اس لیے اس کا ترجمہ اکثر مترجمین نے "پھونک مارنے والیاں" کیا ہے۔ لیکن وہ نفوس یا ارواح کی صفت بھی ہوسکتا ہے۔ اِس صورت میں وہ مردوں اور عورتوں دونوں پر یکساں طور سے صادق ہوگا اور مضمون کے لحاظ سے یہی راجح ہے کہ اس کو عام سمجھا جائے۔

آخری آیت ہے "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" —— حَسَد کا لفظ ہماری اُردو زبان میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر جلنا اور اس کی تدبیر اور کوشش کرنا کہ وہ اس اچھے حال میں نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑے کمینہ پن کی بات ہے۔ اور دنیا میں بہت سے شر اور فساد اس حسد ہی کی وجہ سے

ہوتے ہیں۔ یہ حسد سخت ترین کبیرہ گناہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اور میں پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔ "اِذَا حَسَدَ" (جب وہ حسد کرے) اس لیے فرمایا کہ حسد کرنے والے کے حسد سے ضرر جب ہی پہنچتا ہے جب وہ جذبہ حسد کی تسکین کے لیے عملی کارروائی کرے۔ جبتک وہ کوئی عملی کارروائی نہ کرے اُس وقت تک وہ خود ہی حسد کی آگ میں جلتا بھنتا رہتا ہے، اس کے حسد سے دوسرے کو ضرر اور نقصان اس وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ جذبہ حسد کے تقاضے سے عملی کارروائی کرے۔ اس لیے فرمایا گیا "اِذَا حَسَدَ"

یہ تینوں چیزیں جن کے شر اور ضرر سے اس سورۃ الفلق میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے (اندھیری رات کا چھا جانا اندھیرا، جادو، سفلی عمل اور ٹونے ٹوٹکے کرنے والے۔ اور حسد کرنے والوں کی حاسدانہ کارروائیاں)۔ ان سب کا شر اور ضرر جیسا کہ معلوم ہے عام طور سے جسمانی اور دنیوی ہوتا ہے ـــــ لیکن ایمانی نقطہ نظر سے سب سے زیادہ خطرناک شر اور ضرر وہ ہے جو آدمی کے دین و ایمان اس کی روحانیت کو تباہ اور اس کی آخرت کو برباد کر دے۔ اور اس کو کفر و شرک یا فسق و فجور میں مبتلا کر کے جہنمی بنا دے، اور وہ شیطان کا شر ہے جو انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس کو گمراہ کر کے جہنمی بنا دینا اس کی سب سے بڑی تمنا اور اس کا خاص مشن ہے ـــــ آگے کی سورت سورۃ الناس میں اس کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے اور اسی پر قرآن مجید ختم ہو گیا ہے۔

سُوْرَةُ النَّاسِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِىْ

يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○

کہو اے پیغمبر! میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی ـــــ لوگوں کے بادشاہ کی ـــــ لوگوں کے معبود کی ـــــ وسوسہ اندازی کرنے والے چھپ جانے والے (شیطان) کے شر سے ـــــ جو وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں ـــــ جنوں میں سے اور آدمیوں میں سے۔

(تفسیر و تشریح) اس سے پہلی سورت سورۃ الفلق کی طرح، اس سورۃ الناس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے شیاطین کے شر سے جو سب سے زیادہ خطرناک شر ہے اللہ کی پناہ مانگنے کے کلمات کی تلقین فرمائی گئی ہے ـــــ سورۃ الفلق میں پہلے بالعموم ساری مخلوق کے شر سے، اور اس کے بعد بالخصوص تین چیزوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کے کلمات کی تلقین فرمائی گئی تھی؛ اور وہاں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "رَبِّ الْفَلَقِ" کا ذکر کیا گیا تھا اور گویا اسی ایک صفت کے حوالہ سے ان سب چیزوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی تھی ـــــ اور اس سورۃ الناس میں صرف ایک چیز (وسوسہ اندازی کرنے والے شیطان) کے شر سے پناہ مانگنے کے کلمات کی تلقین فرمائی گئی ہے اور یہاں اللہ تعالےٰ کی تین صفات عالیہ کا ذکر کیا گیا ہے "رَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، إِلٰهِ النَّاسِ" گویا ان تینوں صفات کے حوالہ سے شر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس میں واضح اشارہ ہے کہ شیاطین کی وسوسہ اندازی کا شر شدید ترین ہے ـــــ اس سے محفوظ رہنے کے لیے بندے کو خاص طور سے اللہ تعالیٰ کی ان صفات عالیہ کا سہارا لینا چاہیے اور اپنے کو اس خداوند تعالیٰ کی حفاظت کے حصار میں دیدینا چاہیے جو ہم انسانوں کا رب ہے، پروردگار دنیا کا حقیقی ہے، بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ اور الٰہ ہے یعنی معبود برحق اور ملجا و ماویٰ ہے۔

ان تین صفات میں پہلی صفت رَبِّ النَّاسِ ہے۔ اللہ تعالےٰ کے رب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہی وجود بخشنے والا اور پرورش کرنے والا ہے اور حیات و بقا کی ساری ضروریات وہی فراہم کرتا ہے ـــــ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کا سب سے پہلا

اور ہمہ وقتی تعلق اللہ تعالیٰ کی اسی صفت ربوبیت ہی سے ہے، اور وہ ہر لمحہ اُس کی اِس صفت کے فیضان کا محتاج ہے اس لیے اس صفت کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا۔

قرآن مجید سورۂ فاتحہ سے شروع ہوا تھا، وہاں بھی سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کا تعارف اس کی اسی صفت ربوبیت کے ذکر سے کیا گیا تھا، فرمایا گیا تھا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"—— اور اب اِن دونوں سورتوں الفلق اور الناس پر قرآن پاک ختم ہو رہا ہے، یہاں بھی اللہ تعالےٰ کی صفت ربوبیت ہی کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ بربِّ النّاس)—— یہاں اس دوسری سورت الناس میں رَبِّ النَّاس کے ساتھ دو صفتوں کا اور ذکر فرمایا گیا ہے ایک مَلِكِ النَّاس اور دوسری اِلٰهِ النَّاس—— مَلِک کے معنی بادشاہ اور فرمانروا کے ہیں اور اِلٰہ کے معنی ہیں معبود یعنی وہ ذات جس کی عبادت اور پرستش کی جائے۔—— ان تینوں صفات میں بہت قریبی تعلق ہے۔ جو ہستی حقیقی معنی میں لوگوں کی رب ہو گی، وہی حقیقی بادشاہ اور فرمانروا بھی ہو گی اور سب اُس کے زیر حکومت ہوں گے۔ اقتدار اعلیٰ اسی کا ہو گا—— اور جس کی یہ شان ہو گی ظاہر ہے کہ وہی اور صرف وہی معبود برحق ہو گا جس کی عبادت اور پرستش کی جائے اور اپنی حاجتوں کے لیے اُس سے دعا کی جائے—— اس طرح اس میں دعائے استعاذہ کے ساتھ بڑی بلاغت کے ساتھ عقیدۂ توحید کا بھی اقرار و اظہار ہے۔

آگے اس سورت میں جو در اصل دعائے استعاذہ ہے، شیطان کے لیے دو لفظ الوسواس الخناس استعمال فرمائے گئے ہیں اور اس کی وسوسہ اندازی کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، فرمایا گیا ہے "الذی یوسوس فی صدور الناس"—— وسوسہ اُس بُرے خیال اور گناہ کی اُس خواہش کو کہتے ہیں جو غیر محسوس طور پر شیطان کی طرف سے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ الوسواس کا مطلب ہے وسوسہ اندازی کرنے والا، اور الخناس کا مطلب ہے چھپ جانے والا۔ یا پیچھے ہٹ جانے والا شیطان کی وسوسہ اندازی عام طور سے پس پردہ ہی ہوتی ہے، وہ آدمی کو گمراہ کرنے یا اُس سے

گناہ کرانے کے لیے کھل کر سامنے نہیں آتا اور اگر بالفرض وہ انسانوں میں بھی ہو (جیسا کہ آگے کی آیت سے معلوم ہوتا ہے) تو وہ بھی وسوسہ اندازی کا کام علانیہ نہیں دھوکے فریب سے خفیہ طور پر ہی کرتا ہے اور بندہ اس کے شر سے جبھی محفوظ رہ سکتا ہے جب اپنے کو اُسی اللہ کی پناہ میں دیدے جس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں، ہر چیز ہر وقت اس کی نظر میں ہے۔ اور میں نے عرض کیا کہ خناس کا مطلب پیچھے ہٹ جانے والا بھی ہو سکتا ہے، اور بعض حضرات نے اس کا یہی ترجمہ کیا ہے، تو یہ شیطان کی اُس حالت کی طرف اشارہ ہوگا جس کا ایک حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کو یاد کرتا ہے تو شیطان دور ہٹ جاتا ہے ——— وہ ایسی ہی حالت میں وسوسہ اندازی کرتا اور کر سکتا ہے جب بندہ اللہ کی طرف سے غافل اور اس کو بھولے ہوئے ہو۔

"فی صدور الناس" میں صدور صدر کی جمع ہے اور اُس کے اصل معنی سینہ کے ہیں لیکن یہاں اُس سے مراد دل ہے جس کا خاص محل سینہ ہے۔ گویا ظرف بول کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ تر یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے "من الجنۃ والناس" مطلب یہ ہے کہ وسوسہ اندازی کرنے والے شیاطین جن کی وسوسہ اندازی کے شر سے اللہ سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔

ہمارے اس زمانے میں تو یہ بات آنکھوں کے سامنے ہے کہ بہت سے انسان لوگوں کو گمراہی اور فسق و فجور میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں ——— کتنی ہی گمراہیاں اور بداعمالیاں ہیں جو ایسے انسانوں ہی کے ذریعہ فروغ پا رہی ہیں۔ بلکہ بہت سے تو دین کے داعی اور مصلح بن کر بندگان خدا کو صراط مستقیم سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈالتے ہیں زیادہ تر زیغ و ضلال ایسے انسانوں ہی کے ذریعہ پھیل رہا ہے یہ سب شیاطین الانس ہیں۔ اس صورت میں اُن شیاطین الجن کی وسوسہ اندازی کے شر سے بھی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے جو عام طور سے نظر نہیں آتے اور اُن شیاطین الانس کی گمراہ کن

کوششوں کے شر سے بھی جو بنی آدم ہی کی جنس سے ہیں ـــــ عارف رومی نے کہا ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

آخری بات

میں نے اسی درس کے سلسلے میں بار بار کہا ہے کہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کا مرکزی نقطہ توحید ہے۔ اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) اس دعوت و تعلیم کا نہایت مختصر الفاظ میں جامع خلاصہ ہے، اسی لیے اس کو قرآن پاک کا اختتامیہ بنایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد کی دونوں سورتیں (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس الخ) گویا اس کا تتمہ ہیں، اس کی وضاحت یہ ہے کہ آدمی توحید سے بھٹک کر شرک کا زیادہ تر اُس وقت مرتکب ہوتا ہے جب وہ کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو اور اللہ کے سوا کسی اور کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کی مدد چاہے، اس کی پوجا کرے، اور اس پر نذریں اور چڑھاوے چڑھائے ـــــ یا پھر اُسی شیطان کے وسوسہ اور اغوا سے شرک میں مبتلا ہوتا ہے جو بنی آدم کا ازلی دشمن ہے اور جس کا مشن ہی بندگان خدا کو شرک میں مبتلا کر کے جہنمی بنانا ہے ـــــ قرآن پاک میں کئی جگہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب شیطان کو اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کے جرم میں مردود اور لعنتی قرار دیا گیا تو اُس نے اپنے اس عزم کا بڑے زور شور سے اظہار کیا کہ میں اس آدم کی اولاد کو توحید کے راستہ سے ہٹا کر شرک میں مبتلا کروں گا اور ان کو بھی اپنے ساتھ جہنمی بناؤں گا ـــــ تو سورۃ الفلق میں تعلیم دی گئی کہ ہر طرح کی تکلیفوں اور بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لیے اس اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ لی جائے جو رب الفلق ہے اور سورہ الناس میں تعلیم دی گئی کہ شیاطین اور ان کے آلہ کار اور ایجنٹ شیاطین الانس کے وسوسہ اور اغوا کے شر سے بچنے کے لیے اس اللہ کی پناہ لی جائے جو رب الناس، ملک الناس ہے اور الٰہ الناس ہے۔ جس خداوند قدوس کی یہ صفات ہیں بس اس کی

پناہ لیکر ہی انسان شیاطین کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے ـــــ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ان دونوں سورتوں میں عقیدۂ توحید کی حفاظت اور اس پر استقامت کا طریقہ تعلیم فرمایا گیا ہے ـــــ اسی بنا پر میں نے عرض کیا تھا کہ یہ دونوں گویا سورۂ اخلاص کا تتمہ ہیں۔

اِن دونوں سورتوں کے عقیدۂ توحید کی حفاظت سے تعلق کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ان میں اولاً اور براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ آپ تمام تکلیفوں اور ہر طرح کی آفتوں، بلاؤں سے اور جادو وغیرہ کے اثرات سے اور حاسدوں کی حاسدانہ شرارتوں سے اور وسواس خناس شیطان کی وسوسہ اندازی کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالےٰ سے پناہ اور امان و حفاظت کی استدعا کیا کریں۔ اس طرح قرآن مجید کے خاتمہ پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اشرف الخلق اور سید المرسلین ہیں اور "بعد از خدا بزرگ توئی" کے مصداق ہیں آپ بھی ہر طرح کے شرور و آفات سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت و امان کے محتاج ہیں ـــــ خود اپنی حفاظت بھی آپ کے اپنے اختیار میں نہیں ہے، پھر دوسری مخلوقات کا کیا ذکر۔ اس عاجز کے نزدیک یہ بھی قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس کا خاتمہ سورۂ اخلاص اور اِن دونوں سورتوں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پر کیا گیا۔ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کا اس سے بہتر خاتمہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

ان دونوں سورتوں کے خصائص اور فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر ان دونوں سورتوں (معوذتین) کی خاص فضیلتیں اور خصوصیات بھی بیان فرمائی ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ آج اللہ تعالےٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں

جنکی کوئی مثال نہیں، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (یعنی ان دونوں سورتوں کی آیات) ـــــــ اور ایک روایت میں ہے کہ توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن میں بھی ان کے مثل کوئی سورت نہیں ہے۔

اور انہی عقبہ بن عامرؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دونوں سورتیں تعلیم فرمائیں اور پھر مغرب کی نماز میں آپ نے انہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کو سوتے وقت بھی پڑھا کرو اور سو کر اٹھتے وقت بھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کے لیے فرمایا ــــ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کرنے کی ہم کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ بڑا مختصر، بہت آسان اور بڑا بابرکت عمل ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب رات کو آرام فرمانے کے لیے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھ ملا کر (جس طرح دعا کے وقت لائے جاتے ہیں) آپ قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (یعنی یہ تینوں سورتیں) پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر پھونکتے اس کے بعد وہ ہاتھ جہاں تک پہنچ سکتے اپنے پورے جسم مبارک پر پھیر لیتے، سر کی طرف سے اور جسم مبارک کے سامنے کے حصہ سے ابتدا فرماتے تھے۔ ایسا آپ تین دفعہ کرتے تھے ـــــ اس روایت میں "كُلَّ لَيْلَةٍ" کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور کا روزمرہ کا معمول تھا ـــــ گویا آپ نے اس کی تعلیم بھی دی اور اس پر آپ کا عمل بھی تھا۔

اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری لاحق ہوتی تو آپ معوذتین پڑھ کر اپنے پر پھونکتے تھے، پھر جب (مرض وفات میں) آپ کا مرض بڑھ گیا (اور آپ کے لیے خود پڑھنا اور یہ عمل کرنا مشکل ہو گیا) تو میں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر پھونکتی تھی اور

آپ ہی کے دست مبارک آپ کے جسم پر پھیر دیتی تھیں۔ اس امید پر کہ آپ کے دست مبارک کی برکت سے انشاء اللہ خاص نفع ہوگا۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت صدیقہؓ کی پہلی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو سونے کے وقت کا روزمرہ کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور اس آخری روایت میں بیماری کی حالت میں معوذتین کے ذریعہ دم کرنے اور جسم مبارک پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ اس کا خاص تعلق رات کے سونے کے وقت سے نہیں ہے۔

آخر میں گزارش ہے کہ بلاشبہ قرآن مجید کے نزول اور اس کی دعوت و تعلیم کا خاص مقصد بندگان خدا کی ہدایت اور ان کے عقائد و افکار اور اخلاق و اعمال کی اصلاح و تربیت ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کلام الٰہی میں ہماری جسمانی بیماریوں اور دوسری تکلیفوں، پریشانیوں کے علاج و شفا کا سامان بھی ہے، لیکن یقین شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان و یقین نصیب فرما کر اس کی ہدایت اور برکات سے بہرہ یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

صحیح البخاری کی ایک خدمت

التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات

تعارف — از جناب مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی
استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص کی بناء پر آخری دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا، پھر اسکے ایفاء کی ایسی شکلیں اور صورتیں مہیا فرمائیں، جن کی نظیر گذشتہ ادیان اور ملتوں کی تاریخوں میں ملنا مشکل ہی نہیں۔ ناممکن ہے، اسی سلسلہ میں بسا اوقات حاملین ملت (امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ کے باتوفیق افراد) کو ایسے ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائی، جن کی طرف ان کاموں کے سامنے آنے سے پہلے۔ عام طور پر بآسانی۔ ذہن کبھی منتقل نہیں ہوتا، لیکن جب وہ سامنے آجاتے ہیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی دین کی خدمت اور اسکی حفاظت کا ایک شعبہ ہے، جو ابتک تشنۂ تکمیل تھا، اور صاحب توفیق شخص کے لیے جذبات تشکر و امتنان کے ساتھ دعائے خیر دل سے نکلتی ہے۔

امت محمدیہ میں۔ بلا مبالغہ۔ بے شمار ایسی بھی کوششیں کی گئیں، جن کے ذریعہ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کی تفسیر و تشریح کرنے والوں کی محنتوں کی حفاظت کا بھی غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے، جو در اصل "دین قیم" کی حفاظت ہی کی ایک شکل اور اسی کا ایک شعبہ ہے، کیونکہ اس دین کی بنیاد ہی، "نقل" و "روایت" پر ہے، اسلیے اصل ماخذ۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ۔ کے متون

بھی نہیں ان کے معانی و مفاہیم بھی منقول و متوارث ہیں (اسی بنا پر "کتاب اللہ" کے ساتھ "رجال اللہ" کی بقاء و حفاظت کا بھی وعدہ کیا گیا ہے اور اسی سبب سے "نصوص" کی وہی تشریح و تفسیر حجت ہے، جو سلف سے منقول ہو) اسی جذبہ کے تحت اسماء الرجال جیسا بے نظیر اور عظیم الشان، فن، وجود میں آیا، کہ جس کے ذریعہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور صفات کی روایت کرنے والوں کے ہی احوال محفوظ نہیں ہوئے بلکہ اسکے ساتھ۔ اولین شارحین و مفسرین کے اقوال نقل کرنے والوں کے اوصاف و حالات (کہ جن پر ان کے ثقہ و معتبر ہونے نہ ہونے کا دار و مدار ہے) کا بھی پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

یہ واحد حفاظتی طریقہ اس وقت تک۔ اسلاف کے اقوال و اعمال نیز ان کی طرف انتساب کی صحت یا عدم صحت جاننے کا رہا جب تک کہ یہ علوم "سینہ" سے "سفینہ" میں منتقل نہیں ہوئے تھے علوم کی تدوین۔ کتابی صورت میں جمع و تالیف۔ کا دور آجانے کے بعد مطابع کی ایجاد سے قبل۔) ایک جماعت نے قلمی نسخوں یعنی مخطوطات، کی حفاظت اور ان کی تصحیح و تصویب کا غایت درجہ اہتمام کیا، اسکے علاوہ کاتبوں اور نقل نویسوں یا دوسرے لوگوں سے تصانیف میں ہو جانے والی غلطیوں (تصحیفات) کی نشاندہی کی خاطر (خواہ وہ غلطیاں راویوں کے ناموں میں ہو گئی ہوں یا متون میں) مستقل کتابیں لکھ کر اس راہ میں بھی۔ اسی برگزیدہ جماعت نے نقوش جمیل چھوڑا، چنانچہ ابو احمد الحسن العسکری (م ۳۸۲ھ) کی "تصحیفات المحدثین" خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کی "تلخیص المتشابہ فی الرسم" اور انہی کی (الکفایہ، البحث فی تغییر النقط...... والتصحیف) ابو عبد اللہ النیشاپوری الحاکم (م ۴۰۵ھ) کی "معرفۃ علوم الحدیث" (النوع الرابع والثلاثون) ابو عبد اللہ محمد احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) کی "المشتبہ" اور اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) "تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ" اور ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) کے شہرہ آفاق "مقدمہ" (کی النوع الخامس والثلاثون) جیسے ناموں اور کاموں سے اہل علم واقف ہی ہیں۔

چھاپے خانہ کی ایجاد نے اس باتوفیق جماعت دین اور اسکے اصول کی حفاظت کرنے والی جماعت۔ کو ایک بہتر طریق کار برتنے اور۔۔۔ نئے اسباب و وسائل کے تقاضہ کے مطابق۔ نئی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کیا، وہ یہ کہ اسلاف کے ذخیرۂ کتب۔ بالخصوص دینی کتابوں۔ کی طباعت

کے وقری محنت کا۔ اسے عبادت سمجھ کر۔ اس درجہ اہتمام کیا کہ مطبوعہ کتب میں غلطی نکالنا مشکل بلکہ گویا ناممکن و محال کام بن گیا۔ جیسا کہ عصر حاضر کے مشہور شامی محقق عالم و عظیم محدث۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ' اطال اللہ بقاءہ۔ نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ "پرانی مطبوعہ کتابوں کو اسی طرح پڑھنا ہوگا جیسی کہ وہ چھپی ہیں، چاہے بادی النظر میں کہیں غلطی ہی نظر آئے"۔ لیکن رفتہ رفتہ طباعت (دینی کتابوں کی طباعت بھی) جب عبادت کے بجائے تجارت، بن گئی تو اسی برگزیدہ گروہ (دین کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس رکھنے والے افراد) کو ایک مرتبہ اور، میدان کار میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی، اسکے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا، کہ مطبوعہ ذخیرہ کی غلطیوں کی نشاندہی کے لیے مستقل کتابیں، یا رسالے، حسب ضرورت۔ لکھ کر شائع کئے جائیں اور اس طرح اسلاف کی متاع گرانمایہ کو ضائع ہونے (یا اس کے ذریعہ غلط فہمی یا گمراہی پھیلنے کے خطرہ) سے بچایا جائے، چنانچہ۔ ہندوستان میں بھی، ایسی اب تک متعدد قابل قدر کوششیں سامنے آچکی ہیں۔ جن میں تقریباً ربع صدی قبل کی جانے والی ایک اہم کوشش بلکہ ضروری خدمت وہ ہے جو حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپوری مدظلہ (عزیز قریب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ) نے طحاوی شریف (شرح معانی الآثار) کی مطبعی غلطیوں کی نشاندہی کے لیے مستقل تصنیف فرما کر انجام دی، اس پر تمام اہل علم بالخصوص حدیث سے اشتغال رکھنے والے حضرت موصوف کے احسانمند اور رہون منت ہیں۔ (فجزاہم اللہ احسن الجزاء)

اسی قبیل کی ایک اور سعی مشکور کا مختصر تعارف کرانا، اس وقت راقم سطور کے پیش نظر ہے۔

یوں تو ہندوستان میں حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی اور اس کے فیضان کا سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے جاری ہے، لیکن عمومی اشاعت اور اس علم شریف کے فیوض ہر خاص و عام تک پہونچانے کی ہمہ گیر سعی حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی (مجدد سرہندی کے معاصر) کے مبارک وجود کی رہین منت معلوم ہوتی ہے، اسکے بعد یہ شرف مسند الہند، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ اور ان کے صوری و معنوی اولاد و احفاد کے حصہ میں آیا، اسی طلائی سلسلے کی ایک اہم کڑی حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری (تلمیذ رشید حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی،

لہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حکیم صاحب کی تازہ تصنیف "تقریب التقلیب الواقع فی التہذیب التہذیب ہے"

بیٹے) شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ) کی ذاتِ گرامی ہے جن کا حاشیۂ بخاری۔ جو عہ در اصل تمام معتبر شروح کا خلاصہ گویا و عطرِ مجموعہ، اور، دریا بکوزہ کا حقیقی مصداق ہے۔ اس کے منظرِ عام پر آنے کے بعد سے وہ آج تک تمام اہلِ علم۔ بالخصوص اصحاب درس۔ کی توجہات و مطالعہ کا مرکز بنا ہوا ہے، محشی نے حاشیہ کی ترتیب و تصنیف پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اسکے صحیح اور قابل اعتماد طریقہ پر محفوظ و عام کرنے کے لیے انھوں نے خود ''پریس'' قائم کیا، اور غایت درجہ تصحیح کا اہتمام کرکے خود چھپوایا کہ اسمیں غلطی نکالنا محال تھا، حاشیہ کی افادیت و مقبولیت از مانہ کے امتداد کے ساتھ برابر بڑھتی ہی رہی، نیز اس کی معنوی قیمت کے ساتھ مادی قیمت میں بھی برابر اضافہ ہوتا رہا، بدقسمتی سے یہی ''ہنر'' اس میں ''عیب'' پیدا ہو جانے کا سبب بن گیا، یعنی ''عبادت'' کے جذبہ کی جگہ ''تجارت'' کے مفاد اتے نے لی، تو اصحاب مطابع اسے صرف مادی منافع حاصل کرنے کی غرض سے چھاپنے لگے، پھر نہ تصحیح کا اہتمام رہا، اور نہ اسکی عمدہ طباعت ہی کا وہ معیار رہ سکا۔ شروع میں تو اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اہلِ مطابع کی طرف سے اہتمام میں کمی ہوئی، مگر بعد میں وہ مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہونے لگے، چنانچہ آجکل اسکے جو نسخے تجارتی کتب خانوں سے ملتے ہیں، ان میں ہزاروں مقامات، طباعت کی وجہ سے، اتنے مسخ ہو گئے کہ اصلی مراد تک پہونچنا محال ہو گیا ہے، اس کا پورا اندازہ ان حضرات ہی کو ہو سکتا ہے، جو تدریس میں مشغول رہنے کی وجہ سے مطالعہ کے وقت سخت دشواری اور ذہنی الجھن کا شکار ہوتے ہیں، کیونکہ بعض مقامات کا مطلب حل کرتے ہوئے سنگین قسم کی مطبعی غلطیوں کی وجہ سے دانتوں پسینہ آجاتا ہے، اگر حوالہ کی کتابیں اور شروح پاس نہ ہوں تو مراد تک پہونچنا محال ہو جائے۔ عہ اس دشوار گذار گھاٹی سے۔ کم و بیش۔ تمام ہی مدرسین کسی نہ کسی طرح گذر جاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے د

عہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری نہیں معلوم ہوتی کیونکہ تمام اہلِ علم جانتے ہیں، کہ آخر کے پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (تلمیذ ارشد مولانا احمد علی) کا مرتب کردہ ہے۔ مگر استاد و شاگرد کے کام میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، یہ ایسا امتیاز ہے جو دنیا میں کم شاگردوں کو ہی میسر آسکا ہے (رحمہما اللہ رحمۃ واسعۃ)

مشرقی یوپی کے مشہور قصبہ مئو کے ممتاز عالم اور فاضل اجل مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی مدظلہ (تلمیذ رشید، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمان اعظمی دامت برکاتہم) کو، کہ موصوف نے تدریس بخاری کے دوران اس مشکل کو حل کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور نہ صرف خود یہ دشوار گذار گھاٹی طے کرلی، بلکہ اس راہ کے دوسرے مسافروں کے لیے بھی خطرناک مواقع (غلطیوں) کی نشاندہی کے ساتھ، حدیث کی معتبر شرحوں اور دیگر کتابوں نیز قدیم مطبوعہ نسخہ کے گہرے مطالعہ کے بعد ان کی اصلاح بھی فرمائی، اور پھر اسے دو جلدوں میں "التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات" کے نام سے جمع و مرتب کر کے اہل علم پر احسان عظیم فرمایا، مدرسہ، جامعہ منظر العلوم، بنارس (جس میں حضرت مولانا عبد الجبار صاحب موصوف استاذ حدیث ہیں) کے منتظمین بھی تمام اہل علم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے اس قلمی نسخہ کو طباعت کے ذریعہ عام کر دیا، (فجزاہم اللہ خیر الجزاء)

مولانا محترم کی ژرف نگاہی اور عرق ریزی کا اندازہ کرنے کے لیے آئندہ صفحات میں، تصویبات کا معتد بہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے، اجمالی طور پر اتنا بتا دینا شاید بے محل نہ ہوگا، کہ پوری بخاری شریف کے حواشی میں مولانا نے کوئی تین چار ہزار کے درمیان طباعت کی غلطیاں نکالی ہیں، جن میں سیکڑوں ایسی ہیں کہ مولانا کی نشاندہی اور تصحیح کے بغیر جن کا سمجھنا تقریباً ناممکن تھا، مختصر یہ کہ کتاب کا کوئی بھی صفحہ غلطی سے خالی نہیں ہے، کم و بیش ایک درجن صفحات تو ایسے ہیں جن میں ہر صفحہ پر دس سے زیادہ غلطیوں کی، مولانا نے نشاندہی کی ہے (مثلاً صفحہ ۵۰۷ میں ۱۴، صفحہ ۶۸۳ میں ۱۲، صفحہ ۶۹۳ میں ۱۱، صفحہ ۷۱۰ میں ۱۳، اور صفحہ ۸۳۱ میں ۱۴) اس میں شک نہیں کہ اس میں بعض غلطیاں معمولی نوعیت کی بھی ہیں (مثلاً صرف ایک نقطہ کم، یا زیادہ ہو گیا ہے) لیکن خاصی تعداد ایسی غلطیوں کی ہے جن کا حل مولانا کی اس کاوش سے پہلے عام اہل علم کے لیے آسان نہ تھا، ذیل میں پہلے ایسی ہی سنگین غلطیوں کی فہرست کا ایک حصہ "التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات" سے نقل کیا جا رہا ہے۔

عہ (حاشیہ کی جمع) حواشی کی تعبیر برصغیر میں ہی مستعمل ہے، ورنہ عرب علماء، اس کے لیے عموماً "ہامش" یا "التعلیقات" (تعلیق کی جمع) استعمال کرتے ہیں۔ عہ "بخاری شریف" ہندوستان میں عموماً جس ہامش کے ساتھ چھپی ملتی ہے [illegible]
میں "التصویبات" بھی چھاپی گئی ہے (تاکہ اصل کے ساتھ جلد بندھوائی جا سکے)۔

چند اہم غلطیاں جن کا پتہ چلانا مشکل تھا

التصویبات (جلد اول)

التصویبات کا صفحہ نمبر	کالم نمبر	بخاری کا صفحہ نمبر	حاشیہ وسطر نمبر	الخطاء	الصواب
۵	۲	۱۰	۲/۹	معناہ خیار الخبر	معناہ حیازۃ الخط
۵	۲	۱۲	حل اللغات	الفہم من ضرب	الفہم من علم
۶	۲	۲۶	اسماء الرجال	مات ۱۱۱ھ	مات ۱۶۹ھ
۸	۱	۶۱	۱/۱	یحیی بن ابی الزبید القطان	یحیی بن سعید القطان
۸	۲	۷۰	حل لغات	کتب بفتحتین	کتب بضمتین
۸	۲	۷۳	اسماء الرجال	عثیم بن بصر بضم الموحدۃ	عثیم بن بشیر بضم الموحدۃ
۹	۱	۸۱	۲/۶	فی فضل صلاۃ العصر	فی فضل صلوۃ الفجر
۱۲	۲	۱۷۰	۱/۷	ای منبرعا لا وجوبا عقلیا	ای شرعیا لا وجوبا عقلیا
۱۳	۲	۱۹۴	۳/۳	بنانہ بضم الموحدۃ والنون	بفتح الموحدۃ والنون
۱۶	۱	۲۶۶	۱/۱	نہرکمت	نہکت
۱۷	۲	۳۰۵	۶/۶	عثمان الغنی	عثمان البتی
۱۸	۱	۳۰۸	۲/۷	اذا قدر علی الفساد	اذا قدر علی السفاد
۲۱	۱	۳۶۲	۲/۸	ہذا تعلق بکتمان الشہادۃ	لا یتعلق بکتمان الشہادۃ
۲۱	۱	۳۶۸	۲/۵	یمین المدعی علیہ أم لا	یمین المدعی علیہ سو اء رضی المدعی
	۱	۳۸۱	۶/۵		بیمین المدعی علیہ أم لا
۲۲	۱	۳۸۱	۶/۷	ان یاخذہ من المسلمین عنوۃ	ان یاخذوا من المسلمین عزۃ (ع ز ۃ)
۲۳	۲	۴۱۵	۱۰/۵	محمد البزار الدولابی	فی الاسناد محمد بن الصباح، وفی قس محمد بن صباح البزار

التصویبات کا صفحہ نمبر	کالم نمبر	بخاری کا صفحہ نمبر	حاشیہ وسطر نمبر	الخطاء	الصواب
۲۴	۱	۴۴۴	۲/۱۲	یجعل اسر نفسه	یجعل نفسه اسیرا
۲۵	۱	۴۳۸	حل لغات	وعملها للام	ویحملها الی الامام
۲۵	۱	۴۴۲	اسماء الرجال	سعید بن کثیر بن غنم	سعید بن کثیر بن عفیر
۲۵	۲	۴۴۹	۲/۶	قاتل اسم من المقاتلة	قاتل اسم فاعل لا فعل من المقاتلة
۲۷	۱	۴۷۵	اسماء الرجال	قال المعتری	قال المسعودی
۳۱	۱	۵۳۰	۶/۴	انکار له به	انکار بالاعلم له به
۳۲	۱	۵۵۳	۳/۱۰	کانت فی خلافة ابی بکر	ماتت فی خلافة ابی بکر

التصویبات (جلد ثانی)

التصویبات کا صفحہ نمبر	کالم نمبر	بخاری کا صفحہ نمبر	حاشیہ وسطر نمبر	الخطاء	الصواب
۴	۲	۵۹۹	۱/۲	لا یکفون القسم	لا یکفون القسم
۶	۱	۶۲۴	۸/۹	کان یقال لها الکعبة الشامیة	کان یقال الکعبة الیمانیة والتی بمکة الکعبة الشامیة
۹	۱	۶۸۴	عه	خطه بالطاء المهملة	حظه بالحاء المهملة
۹	۱	۶۸۶	۶/۱۱	انما تیجاط	انما تیجه اخذا
۱۰	۱	۷۰۰	۶/۲	قوله علیه السلام نفهمت	قوله علیه السلام لها احمدی الله فنفهمت
۱۰	۲	۷۰۰	۲۲/۸	ذهب اک حلقه منفعل ثان	ذهب ذاک حلقه مفعول ثان
۱۲	۲	۷۳۴	۲/۵	شرة الخلق بفتح القاف	شدة الخلق بفتح الخاء وسکون اللام
۱۵	۲	۷۸۰	۱ سه	ارادت تهاترتی	ارادت ان ضرتها ترتی
۱۶	۲	۷۹۵	۱ سه	المحب لا یکون الا کبوباد بالقلس	المحب لا یکون الا محبوبا و بالعکس
۲۰	۱	۸۳۱	۲/۱۳	قال الکسائی سرعان اخفادهم	قال الکسائی سرعان القوم اخفادهم
۲۹	۱	۱۰۰۹	عه	فا تغیر السکت للکلام	فی تغیر الکتب لا فاضية فی الکلام

التصویبات کا صفحہ نمبر	کالم نمبر	بخاری کا صفحہ نمبر	حاشیہ وسطر نمبر	الخطاء	الصواب
۲۹	۲	۱۰۱۶	۶/۲	قال الجوہری	قال صاحب الجوہر النقی
۲۹	۲	۱۰۱۸	۱/۵	عنہ البخاری باختصار الجمہور	عنہ البخاری بالاختصار المجحف
۳۶	۲	۱۱۲۷	۱۲/۱	جاء عزرا فلا بلاہا	جاء عزیز فاطلاہا
۳۶	۲ دونوں سرخیاں	۱۱۲۹	۳۶/۵	فیخرجون من الشر	فیخرجون من النار

مذکورہ بالا غلطیاں "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر نقل کی گئیں ہیں، ورنہ اس کے علاوہ بھی بکثرت غلطیاں ایسی ہیں جنھیں "التصویبات" میں نقل کرکے ان کی تصویب و تصحیح کر دی گئی ہے۔ بعض غلطیاں تو ایسی بھی ہیں جن میں نفی کا اثبات اور اثبات کی نفی ہو گئی، انہیں سے چند۔ بطور نمونہ کے ذیل میں نقل کی جارہی ہیں۔

چند وہ غلطیاں جن سے نفی کا اثبات اور اثبات کی نفی جیسا عظیم فرق ہو گیا

۱۶ ابتدائی	۲	۷۹۳	۲/۸	قال الحنفیۃ، لا یصح طلاق المکرہ	قال الحنفیۃ یصح طلاق المکرہ
۱۶ "	۲	۷۹۳	۲/۸	قالت الائمۃ الثلاثۃ یصح	قالت الائمۃ الثلاثۃ لا یصح
۴۵	۱	۱۰۹۸	۲/۸	مع أنہ مانع من دخولھم	مع أنہ لا مانع من دخولھم

یہاں شاید یہ بات ذکر کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا، کہ خود مصوّب مدظلہ سے بھی بعض فروگذاشتیں ہو گئی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسا ہو جانا بعید نہیں تھا، اور نہ محل تعجب! نیچے بس ایسی چند ہی فروگذاشتوں کی نشاندہی کی جارہی ہے، اور اسی کے ساتھ "دکھنا ہونا چاہئے" بھی ذکر کر دیا ہے۔

خود مصوب کی چند فروگذاشتیں اور مبہم عبارتیں جن کی اصلاح نیز تصویب و تشریح کی ضرورت ہے

التصویبات کا صفحہ نمبر	کالم نمبر	سطر نمبر	فردگذاشت (جسے "التصویبات" میں "صواب" قرار دیا گیا ہے)	کیا ہونا چاہیے
۶	۱	۲۷	ابو زرعۃ بضم الزاء (بالہمزۃ)	ابو زرعۃ بضم الزای (بالیاء یعنی زائی)
۷	۱	۱۸	محمد بن حازم بالحاء والزاء (بالہمزۃ)	محمد بن خازم بالخاء والزای (بالیاء)
۳۰	۲	۱۷	أحمد وأبو داؤد (بالہمزہ) بہذا الحدیث	أورد أبو داود (بالواو) بہذا الحدیث
۲۳	۱	۱۱	شرق بالکسر بغیر الجر بلا الکف	شرق بالکسر وفتح ایضاً بالکسر وہو الجر بلا الکف وقیل ہو الجر مطلقا۔
۲۷	۱	۲۰	ای أنجتہا	أنجتہا

ظاہر ہے کہ یہاں "التصویبات" کی فردگذاشتوں کا استیعاب کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ چند مواقع کی نشاندہی محض اسی غرض سے کر دی گئی ہے کہ مولانا محترم دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت نظر ثانی فرما سکیں، لیکن ایسی فردگذاشتوں کی تعداد اتنی کم ہے جس کی اس عظیم کارنامہ کے مقابلہ میں — جو مولانا نے "تصویبات" کے ذریعہ انجام دیا ہے — کوئی حیثیت

---

۵ لطیفہ: راقم، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے زمانہ قیام سہارنپور وہاں حاضری کے وقت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتا تھا، ایسی ہی ایک حاضری کے وقت موصوف نے مجھ سے متعلقہ اسباق کی بابت دریافت فرمایا اس زمانہ میں ابو داؤد کا سبق بھی مجھ سے متعلق تھا تو میں نے عرض کیا..... اور ابو داؤد (بالواو) اس پر موصوف نے مسرت آمیز تعجب کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ "عموماً لوگ ابوداؤد (بالہمزہ) کہتے ہیں تم نے صحیح تلفظ کیا۔" مولانا علیہ الرحمۃ سے واقف سب جانتے ہیں کہ موصوف کو تمام علوم متداولہ۔ بالخصوص عربیت میں بڑا اتقان حاصل تھا، اسلئے ان کے نزدیک معمولی فردگذاشت بھی۔ بالخصوص جو طلبۂ علم کی طرف سے ہو۔ ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔

نہیں اور پھر ان میں مطبعی خامیوں کا احتمال بھی ہے۔

مولانا نے، حواشی، کی تصحیفات (غلطیوں) کے احاطہ کا اگرچہ دعویٰ نہیں کیا ہے۔ (جیسا کہ موصوف نے التصویبات کے شروع میں "ملاحظات و تنبیہات" کے تحت صراحت کر دی ہے) لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ آں محترم نے اپنی دانست میں چھوٹی غلطیوں کی نشاندہی کر دینے کی بھی حتی الامکان کوشش کی ہے، چنانچہ اس طویل فہرست میں بڑی تعداد ایسی غلطیوں کی ملتی ہے جنھیں "معمولی" قرار دیا جانا چاہیے۔ ذیل میں اس کی بھی چند مثالیں۔ "التصویبات" سے نقل کر کے پیش کی جا رہی ہیں۔

معمولی نوعیت کی اخطاء

بخاری کا صفحہ نمبر	حاشیہ نمبر	سطر نمبر	خطاء	صواب
۳۲۰	۲	۲	معقلات بالغین (بشکل غین)	معقلات بالفاء (بالفاء)
۳۵۱	۲	۲	فلن (بالفاء ایک نقطہ)	قلن (بالقاف، دو نقطہ)
۶۸۳	سـ ۵		جمع غصبۃ (نقطہ تھوڑا سا ہٹ گیا)	جمع عصبۃ (بالعین المہملۃ والضاد المعجمۃ)
۷۴۶	۱	۲	نہو خرمیۃ (بغیر نقطہ)	فہو خزمیۃ (بالنقطہ)
۸۲۳	۵	۴	للجاجۃ (ایک نقطہ زیادہ ہو گیا)	للحاجۃ

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی (استاذ تفسیر و حدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس) کی یہ سعی مشکور بڑی ہی نافع ہے، اور اہل علم، بالخصوص بخاری شریف کے درس و تدریس میں مشغول حضرات کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔

تمام خدام علم کی طرف سے حضرت مولانا مدظلہ بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے، اور علم و دین کی خدمت کے لیے تا دیر سلامت رکھے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار

مولانا شمس تبریز خاں، رفیق مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ

(چوتھی قسط)

حرم محترم کی بے حرمتی اور حجر اسود کی چوری

۳۱۱ھ میں سلیمان بن الحسن کا فتنہ کھڑا ہوا اس نے امیر بصرہ سبکا مقلحی کو قتل کر کے بصرہ کا خزانہ بحرین کو بھیج دیا اور ۳۱۲ھ میں متہیبر میں ۳۰ محرم کو حاجیوں کو شہید کر کے ان کے بچوں عورتوں کو قید کر لیا پھر ۳۱۲ھ میں کوفہ میں غارت گری کی ۳۱۵ھ میں مسلمان کمانڈر ابن ابی الساج کو شکست دی اور اسے قید کر لیا۔ ۳۱۷ھ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر طواف کرنے والے حاجیوں کا قتل عام کیا، کہا جاتا ہے کہ وہاں تین ہزار حاجی شہید ہوئے اور سات سو کنواریوں کا اغوا کیا اور حجر اسود کو اکھاڑ کر بحرین پھر کوفہ بھیجدیا، جہاں سے وہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن یحیٰی (نیشاپور کے عامل زکوٰۃ) کے ہاتھوں سے ۳۳۹ھ میں مکہ مکرمہ واپس بھیجا گیا، سلیمان بن الحسن ۳۱۹ھ میں بغداد گیا جہاں مقام ہیت میں ایک خاتون نے اپنی چھت سے پتھر پھینک کر اس کا کام تمام کر دیا (جیسا کہ اوپر بھی گذرا)

توہین حرم کے اس المناک واقعے کی تفصیلات ابن خلدون[۱]، احمد امین[۲]، ابن کثیر[۳] اور بہت سے مورخوں نے لکھی ہیں ہم یہاں ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) کا بیان نقل کرتے ہیں وہ ۳۱۷ھ کے حوادث کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[۱] تاریخ ابن خلدون ۴/۹۰، [۲] ظہر الاسلام ۴/۱۲۳ [۳] البدایہ والنہایہ ۱۱/۶۰-۱۳۹

"اس سال لوگوں کے ساتھ منصور دیلمی نے حج کیا اور بغداد سے مکہ گیا، راستے میں تو امن رہا مگر مکہ مکرمہ میں ابو طاہر قرمطی نے یوم الترویہ میں ان پر حملہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے حاجیوں کو لوٹا اور انھیں مسجد حرام بلکہ بیت اللہ کے اندر بھی قتل کیا اور حجر اسود کو اکھاڑ کر ہجر (بحرین) بھیج دیا۔ اس موقع پر ابن محلب امیر مکہ اشراف کی ایک جماعت کے ساتھ حاجیوں کی طرف سے سفارشی بن کر گئے مگر اس نے ان کی ایک نہیں سنی اور اس سے جنگ میں سب مارے گئے۔ ابو طاہر نے بیت اللہ کا دروازہ بھی کھود دیا اور ایک آدمی کو میزاب رحمت اکھیڑنے کے لیے اوپر چڑھایا جہاں سے وہ گر کر مرا، مقتول حاجیوں کو اس نے چاہ زمزم میں ڈلوایا اور باقی کو مسجد حرام میں بغیر غسل و کفن اور نماز جنازہ کے دفن کر دیا۔ غلاف کعبہ کو اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا، اور اہل مکہ کے گھروں کو لوٹ لیا، جب اس کی خبر (شیعی حکمراں) المہدی ابو محمد عبید اللہ علوی کو افریقہ میں ملی تو اس نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے اسے لکھا کہ "تم نے ایسا کر کے ہمارے شیعوں اور ہماری حکومت کے داعیوں کے بارے میں کفر و الحاد کا خبہ ثابت کر دیا اور اگر تم اہل مکہ اور حجاج کا مال، اور حجر اسود کو اس کی جگہ، اور غلاف کعبہ کو واپس نہ کرو گے تو میں تم سے دنیا و آخرت میں بری ہوں، جب ابو طاہر کو یہ خط ملا تو اس نے حجر اسود کو واپس کیا اور اہل مکہ کا کچھ مال بھی واپس کیا اور غلاف کعبہ اور حجاج کے مال کے بارے میں یہ عذر کیا کہ اس کی تلافی پر قادر نہیں۔

قرامطہ کا یہ امیر ابو طاہر (لعنہ اللہ) اس موقع پر باب کعبہ پر بیٹھا ہوا تھا اور حاجی اس کے آس پاس قتل کیے جا رہے تھے اور مسجد حرام و شہر حرام اور یوم الترویہ میں (جو اشرف الایام ہے) معصوم حاجیوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور وہ یہ بیت پڑھ رہا تھا کہ ؎

أنا لله وبالله أنا   يخلق الخلق وأفنيهم أنا

(میں اللہ کا ہوں، اور اللہ کے ذریعے ہوں۔ وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور میں انھیں فنا کرتا ہوں)

لوگ ان قاتلوں سے بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے چمٹتے تھے مگر اس کا بھی لحاظ کیے بغیر شہید کیے جاتے رہے اسی طرح حالت طواف میں بھی شہید ہوتے رہے۔ اس دن ایک بزرگ طواف کر رہے تھے۔ ختم طواف پر

ان پر بھی تلواریں ٹوٹ پڑیں، انھوں نے مرتے وقت یہ شعر پڑھا ؎

کفتیۃ الکھف لا یدرون کم لبثوا ترى المحبين صرعى فى ديارهم

ایک قرمطی مطاف میں داخل ہوا جو سوار تھا اور شراب پیئے تھا، اس کے گھوڑے نے بیت اللہ کے پاس پیشاب کیا، اس نے حجر اسود کو ایک کلہاڑی مار کر توڑ دیا اور پھر اکھاڑ لیا اور اس لعین نے مسجد حرام میں ایسا الحادی اقدام کیا جو پہلے اور بعد میں کسی نے نہیں کیا۔ اس شرمناک حرکت پر انھیں ان کی شدت کفر و زندقہ نے آمادہ کیا تھا۔

قرمطی مکہ میں گیارہ دن رہا اور جب اپنے وطن لوٹا تو اللہ نے اس کے بدن پر ایک طویل عرصے تک عذاب نازل کیا جس سے اس کے اعضا کٹ کٹ کر گرتے تھے اور اس کے گوشت سے کیڑے ٹپکتے تھے۔ (ص ۲۰۳)

...... اللہ تعالیٰ پہلے ڈھیل دیتا ہے پھر بڑے زور سے پکڑتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان اللہ لیملی للظالم حتی اذا اخذہ لم یفلتہ (اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو وہ بچ نہیں پاتا ہے) پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی:

(ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون، انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار)

الصلہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ابوطاہر نے کعبہ کے دروازے اکھیڑ دیئے، اور اس کا غلاف اتار لیا۔ اور اس میں موجود خلفاء کے وہ آثار لوٹ لئے جو انھوں نے بطور زینت وہاں رکھے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ماریہؓ کے کانوں کے بُندے، حضرت ابراہیمؑ کے مینڈھے کی سینگ، اور عصائے موسیٰ جو سونے جواہرات سے جڑے ہوئے تھے"[1]

حجر اسود ۳۳۹ھ میں واپس ہوا، چنانچہ ابن اثیر اس سال کے حوادث میں لکھتے ہیں:

" اس سال قرامطہ نے یہ کہہ کر حجر اسود کو مکہ واپس کیا کہ اسے ہم حکماً لے گئے تھے اور حکماً واپس لائے ہیں، امیر بجکم نے انھیں حجر اسود کی واپسی کے لئے پچاس ہزار دینار کی پیش کش کی تھی، مگر وہ اس پر راضی نہیں ہوئے، اور اس سال ذی قعدہ

---

[1] الکامل ۶/ ۲۰۳ - ۲۰۴ (بیروت ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۶۸ء)

میں بغیر کسی معاوضہ کے واپس کر دیا، وہ پہلے حجر اسود کو کوفہ لائے، اور اس کی جامع مسجد میں لٹکا دیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو اسے مکہ واپس لے گئے، قرامطہ نے حجر اسود بیت الحرام سے ۳۱۷ھ کو اکھاڑا تھا، اس طرح وہ بائیس[22] سال ان کے پاس رہا" [1]

احمد امین حرم میں قتل عام کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ

ابو طاہر گھوم پھر کر اپنے ساتھیوں کو قتل پر یہ کہہ کر ابھارتا تھا کہ ان کفّار اور بت پرستوں پر خوب حملے کرو (اجھزوا علی الکفار وعبدۃ الاحجار) اس نے اور اس کے ساتھیوں نے وہاں بارہ دن قیام اور قتل وغارت کا ایسا اقدام کیا جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں" [2]

باطنیہ کا عروج وزوال باطنیہ کی سیاست جب تک خفیہ رہتی، تو عوام اس کے فریب میں آجاتے، پھر جب انھیں ان کی اسلام دشمنی کا علم ہوتا، تو ان سے بیزار ہو جاتے، اس کے علاوہ وہ سیاسی جوڑ توڑ اور داؤں پیچ کے ذریعہ بھی مسلم علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے اور اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلم اکثریت پر حکمرانی کرتے تھے، عبد القاہر بغدادی لکھتے ہیں۔

مصر پر جب اخشدیہ کی حکومت تھی تو ان کے بعض لوگوں نے عبید اللہ باطنی کا ساتھ دیا جس نے قیروان پر قبضہ کر لیا، پھر ۳۶۳ھ میں فاطمی باطنیوں نے القاہرہ کی بنیاد رکھی جہاں ان کے پیرو رہتے ہیں، مگر اہل مصر ہمارے زمانے تک دین سنت پر قائم ہیں، اگرچہ خراج انھیں دیتے ہیں۔

ابو شجاع فناخسرو بن بویہ نے مصر کو باطنیہ سے چھیننے کی تیاری کی مگر موت نے اس کو مہلت نہ دی، فناخسرو کے بعد باطنی زعیم مصر نے مشرقی اسلامی ممالک پر اپنا تسلط جمانا چاہا، اور انھیں اپنی بیعت کی دعوت دی، قابوس بن وشمگیر نے اسے جواب دیا کہ میں تمہیں صرف بیت الخلاء میں یاد کرتا ہوں، ناصر الدولہ ابو الحسن محمد بن ابراہیم بن سیم جور نے اس کے خط کی پشت پر یَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ کی سورۃ لکھ بھیجی، اور نوح بن منصور سامانی نے باطنی سفیروں کو قتل کر دیا۔

---

[1] الکامل ۶/۳۲۵ دبیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۶۸ء) [2] ظہر الاسلام ۴/۱۳۳ دبیروت ۱۹۶۹ء)

البتہ جرجان اور خوارزم کے بعض حکمراں اس کے فریب میں آ گئے مگر باطنیت کی نحوست کے سبب اپنے ملک اور اپنے ساتھیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

پھر سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) نے ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا، اور باطنی داعیوں کو کیفرِ کردار تک پہونچایا۔ ابو علی بن سیمجور جو ان سے ملا ہوا تھا اس نے بھی اپنے کئے کا پھل پایا، اور اسے والیٔ خراسان نوح بن منصور نے گرفتار کر کے سلطان محمود کے پاس بھیج دیا، اور وہ غزنی کے اطراف میں مارا گیا، ابو القسم حسن بن علی الملقب بہ "دانشمند" (ابن سیمجور کا داعی تھا، اسے بکفوزن (سامانی فوج کے حاجب) نے نیسا پور میں قتل کیا، تاروبہ کا امیرک طوسی بھی باطنی ہو گیا تھا، چنانچہ اسے بھی غزنی بھیجا گیا اور قتل کیا گیا۔

ہندوستان میں اہل ملتان میں بھی بہت سے باطنی تھے، چنانچہ سلطان محمود نے ہزاروں باطنیوں کو قتل کیا، اور ایک ہزار کے ہاتھ کاٹ دیئے، اور اس طرح ان کا خاتمہ ہوا۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصد باطنیت کی شامت و نحوست دکھانا تھی کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔[۱]

مولانا سید عبدالحئی صاحب حسنی لکھتے ہیں:-

مصر پر اسماعیلی مذہب کی حکومت کا قبضہ ہوا۔ تو اس حکومت و مذہب کے مبلغین سندھ پہونچے، ملتان کے امراء و ملوک نے ان کی دعوت کو قبول کیا، اور اس علاقے کے باشندے شیعی اسماعیلی ہو گئے، یہ واقعہ غالباً مستنصر عبیدی حاکم مصر کے زمانہ کا ہے پھر اس علاقے میں فتنوں اور ہنگاموں کا ایک طویل سلسلہ رہا ہے مصر سے برابر مبلغوں اور داعیوں کے وفود آتے رہے، قرامطہ بھی سندھ پہونچے، اور ان کی دعوت بھی لوگوں نے قبول کرنا شروع کی، اب اس علاقہ کے لوگ مذہبی حیثیت سے دو گروہوں میں بٹ گئے، کچھ اسماعیلی مذہب کو مانتے تھے، کچھ قرامطہ کے گروہ میں شامل ہو گئے، یہ انتشار سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک رہا۔ اہل ملتان سے سلطان محمود غزنوی نے جنگ کی، اور بالآخر وہ لوگ اس کے حلقہ بگوش ہو گئے، پھر اس کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے اس علاقے کے ملاحدہ سے جنگ کی، اور

---

[۱] الفرق بین الفرق للبغدادی ص ۲۶۵ — ۲۷۰ (قاہرہ ۱۹۱۰ء)

ان کو گجرات کی طرف ڈھکیل دیا۔[1]

سلطانہ رضیہ کے ابتدائی عہد میں نور ترک نامی شخص کے ایماء سے قرامطہ و ملاحدہ گجرات وسندھ اور دہلی میں جمع ہو گئے، اور اہل اسلام کے درپے ہو گئے، نور ترک کی تقریر میں اوباشوں کا مجمع ہو جاتا، اور وہ علمائے اہلسنت کو ناصبی، مرجی قرار دیتا تھا، اور حنفی و شافعی علماء کیخلاف عوام کو بھڑکاتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دن انھوں نے جمعہ ۶ رجب ۶۳۴ھ کو ایک ہزار مسلح افراد نے جامع مسجد دہلی کو دورویہ گھیرلیا، ایک جماعت مسجد کے شمال سے آئی، اور دوسری بزازوں کے بازار کی طرف سے مدرسۂ معزی میں اسے جامع مسجد سمجھ کر داخل ہو گئی، اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا، اور جب یہ شوروغل باہر پہونچا، تو بہت سے مسلح مسلمان جامع مسجد میں پہونچ گئے، اور قرامطہ سے لڑنے لگے، جامع مسجد کے اوپر سے بھی مسلمانوں نے ان پر اینٹ پتھر برسائے اور تمام قرامطہ کو واصل جہنم کردیا۔[2]

۴۹۴ھ میں امیر برغش نے سلطان سنجر کی مدد سے باطنیہ کے بہت سے علاقوں کو مسخر کیا پھر سلطان محمد برکیاروق نے ۵۰۰ھ میں ایک مشہور باطنی احمد بن عبدالملک بن عطاش پر حملہ کیا جو اصفہان کے قریب قلعہ بند تھا، اس نے طرح طرح سے سلطان کو فریب دینے کی کوشش کی، مگر سلطان اپنے عزائم میں کامیاب رہا، اور باطنیہ کا یہ قلعہ پوری طرح مسخر کرلیا گیا، اور ابن عطاش اور اس کے لڑکے کے سر بغداد بھیج دیئے گئے، ابن عطاش کے فتنے کی سرکوبی میں بارہ سال لگے،

اسی طرح سلطان نے حسن بن الصباح کا بھی خاتمہ کیا جو ۲۶ سال سے قلعہ الموت کو اپنا باطنی مرکز بنائے ہوئے تھا، شروع میں سلطان کو دشواری پیش آئی، تو اس نے امیر انوشتگین شیر گیر سے مدد لی، وہ جب کسی باطنی قلعہ پر قابو پاتا، تو قلعے والوں کو قلعہ الموت کی طرف ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتا، اور امراء کو پابندی کے ساتھ باطنیوں کے محاصرے پر لگائے رکھتا، اخیر میں حسن ابن الصباح نے مجبور ہو کر عورتوں اور بچوں کو فریادی بنا کر بھیجا، مگر سلطان نے انھیں واپس قلعہ میں بھیج دیا، جہاں راشن کی قلت کے سبب حسن بن صباح انھیں روزانہ ایک آدمی کو ایک روٹی

---

[1] اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، ص ۲۹۳ (اعظم گڈھ ۱۹۶۹ء)

[2] طبقات ناصری: از منہاج سراج، ص ۹۸-۹۹ (لاہور ۱۹۵۲ء)

اور تین اخروٹ دیتا تھا۔ اسی درمیان سلطان محمد بن ملک شاہ کی موت سے باطنیوں کو کچھ اطمینان ملا، اور محاصرہ کرنے والی فوج میں بددلی پیدا ہوئی، مگر امیر شیر گیر نے انھیں سمجھایا، کہ اگر ہم محاصرہ اٹھا لیتے ہیں تو باطنی ہمیں شکست دیکر مال و اسباب پر قبضہ کر لیں گے، اس لئے ہمیں فتح تک ثابت قدم رہنا چاہیئے، ورنہ کم از کم تین دن ٹھہرنا چاہیئے، تاکہ ہمارا بوجھ کم ہو جائے، اور بقیہ سامان جلا کر ختم کر دیں، اس پر فوج راضی ہو گئی، مگر شام کو بغیر مشورہ کے واپس جانے لگی، تو مجبوراً امیر شیر گیر ان کے ساتھ واپس چلا گیا، اور باطنیہ نے ان کا باقی ماندہ اسباب لوٹ لیا اور یہ مہم ناتمام رہ گئی۔[1]

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

حسن بن صباح ۳۵ سال قلعہ الموت پر قابض رہا، اس عرصے میں ایک دن کیلئے بھی اس قلعہ سے باہر نہیں نکلا۔ ۹۰ سال کی عمر پاکر ۵۱۸ھ میں بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر فوت ہوا۔

حسن بن صباح کی وفات کے بعد اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس کا نام کیا بزرگ امید تھا قلعہ الموت کا حاکم اور حسن کا جانشین قرار دیا گیا، رکن الدین خورشاہ فدائیوں کا آخری بادشاہ تھا، جس کو ہلاکو خاں نے بربادی بغداد سے ایک سال پیشتر ۶۵۵ھ میں گرفتار کر کے فدائیوں کی دولت و حکومت کا خاتمہ کر دیا۔"[2]

باطنیوں اور فدائیوں کا خاص نشانہ عالم اسلام کے ممتاز افراد ہوتے تھے، ان کی اس دہشت پسندی کے سبب عوام سے لے کر علماء و حکام تک کوئی بھی اپنے کو خطرے سے باہر نہیں سمجھتا تھا ان کے ہاتھوں مقتول عوام کی تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، البتہ مورخوں نے ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے مشاہیر کے نام گنائے ہیں۔ اکبر شاہ خاں لکھتے ہیں۔

ان ملحد فدائیوں کے ہاتھ سے جو لوگ قتل ہوئے، اُن میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم سلطان الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، فخر الملک بن خواجہ نظام الملک

---

[1] تاریخ الامم الاسلامیہ: محمد بک خضری، ص ۵۹۵۔۔۔ ۶ لفضاد قاہرہ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)
[2] تاریخ اسلام ۳/۲۲۴ دہلی ۱۹۸۴ء)

جناب شمس تبریزی، پیر طریقت مولوی رومیؒ، نظام الملک معوذ بن علی وزیر خوارزم شاہ، سلطان شہاب الدین غوری اور بعض عیسائی سلاطین یورپ خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں سلطان صلاح الدین ایوبی اور حضرت امام فخر الدین رازیؒ کو بھی ملاحدہ نے قتل کی دھمکی دی تھی، مگر وہ بچ گئے"۔ [1]

فاطمین یا عبیدیین مصر

مشرق میں قرامطہ جس طرح اسلام دشمنی میں سرگرم تھے اسی طرح مصر اور افریقہ میں فاطمین نے تشیع کو فروغ دیا، اور اہل سنت پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ اس کی تفصیلات بڑی تاریخوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

استاذ محمود الملاح کے بقول قرامطہ نے اسلام کی بیخ کنی کے لئے کھلے تشدد کا راستہ اپنایا، مگر فاطمین نے تقیہ کے پردے میں اپنا یہ کام جاری رکھا۔ [2]

اکبر شاہ خاں لکھتے ہیں۔

"سلطان العادل یعنی سلطان نور الدین محمود پہلے سے سلطان صلاح الدین ایوبی کو لکھتے رہتے تھے کہ تم مصر میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھواؤ، مگر صلاح الدین یہ عذرت کر دیا کرتا تھا کہ اگر عاضد عبیدی کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ مصر میں سخت فساد اور فتنہ برپا ہو جائے (شیعیوں اور پچاس ہزار سوڈانیوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد) سلطان العادل نے پھر صلاح الدین کو لکھا کہ عاضد کے نام کا خطبہ موقوف کر کے خلیفہ مستضی عباسی کے نام کا خطبہ پڑھواؤ، یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہ عاضد بیمار اور مرض الموت میں گرفتار تھا، چنانچہ اس حکم کی تعمیل محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ کو جامع مسجد قاہرہ کے منبر پر بغداد کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا، اور کسی شخص نے اسکو ناپسند نہیں کیا، اگلے جمعہ کو صلاح الدین کے گشتی فرمان کے موافق تمام ملک مصر کی مسجدوں میں خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھا گیا، اسی عرصے میں ۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو بادشاہ عاضد عبیدی نے وفات پائی، صلاح الدین نے دربار عزاداری منعقد کیا اور قصر سلطانی کے تمام مال و اسباب کا جائزہ لیا، اس کے ساتھ ہی دولت عبیدیین

---

[1] تاریخ اسلام ۲۲۵/۳ ۔ [2] مجموع السنۃ ۱۹/۲ ۔

کا خاتمہ ہوگیا، اور ملک مصر پھر خلافت عباسیہ کی حدود میں داخل ہوا۔ صلاح الدین کے نام خلیفہ بغداد کی طرف سے حکومت مصر کی سند، خطاب سلطانی اور خلعت و علم آگیا اور دولت عبیدیین کے بعد مصر میں دولت ایوبیہ کی ابتدا ہوئی۔

دولت عبیدیین ۲۷۰ سال تک قائم رہی، ابتدائً عبیدیوں کی حکومت افریقہ یعنی ملک مغرب میں قائم ہوئی، پھر مصر پر قابض ہوکر انھوں نے قاہرہ کو دار السلطنت بنایا عبیدیین کو عام طور پر لوگ فاطمیین کے نام سے یاد کرتے ہیں، حالانکہ یہ بڑی جہالت اور غلطی ہے، عبیدیین عام طور پر اسماعیلی شیعہ تھے، انھیں کو باطنیہ بھی کہتے ہیں، عبیدیین کی حکومت میں ہزارہا صلحاء محض اس لئے مقتول ہوئے کہ وہ صحابہ کرام کو برا نہ کہتے تھے، عبیدیین سے اسلام کو کوئی نفع نہیں پہونچا، اور ان کا کوئی جنگی، علمی، اخلاقی کارنامہ ایسا نہیں جس پر فخر کیا جاسکے، بعض علماء نے عبیدیین کو خارج از اسلام اور مرتد بھی قرار دیا ہے، ان میں سے بعض مثلاً عزیز عبیدی نے عالم الغیب ہونے کا دعوا کیا تھا، شراب خوری کو یہ لوگ جائز سمجھتے تھے، اسی قسم کی بہت سی باتیں ان کے عہد حکومت میں پائی جاتی تھیں جن کے سبب ان کو علماء اسلام نے ننگ اسلام سمجھا ہے"۔[1] (باقی)

---

[1] تاریخ اسلام ۳/۲۲۱ ـ ۲۲۲ ـ

الفرقان کی ملکیت اور دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

مطابق فارم ۴ دیکھئے قاعدہ ۸

مقام ــــــ لکھنؤ ــــــ قومیت ــــــ ہندوستانی

وقفہ اشاعت ــــــ ماہانہ ــــــ پتہ ــــــ ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

ملکیت ــــــ محمد حسان نعمانی و خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ایڈیٹر کا نام ــــــ خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

پرنٹر و پبلشر کا نام ــــــ محمد حسان نعمانی

میں محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

(دستخط) محمد حسان نعمانی

مولانا سید امیر علی ملیح آبادی

بلند پایہ عالم، باکمال مترجم

امیر حسن نورانی ندوی

انیسویں صدی میں اسلامی علوم کی ترویج اور درس و تدریس میں ہندوستان کے جن باکمال علماء نے گرانقدر خدمات انجام دیں ان میں مولانا امیر علی کی حیثیت بہت نمایاں نظر آتی ہے، وہ جامع الکمالات شخصیت کے حامل تھے، لیکن ان کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی، جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے، یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ نہ تو ان کے علمی کارناموں کا جائزہ لیا گیا اور نہ دینی اور فنی شاہکاروں پر تحقیقی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی، جس طرح خود انھوں نے زندگی میں گمنام رہنا پسند کیا، اسی طرح اب بھی ان کے حالات اور خدمات پر عدم توجہ کے پردے پڑے ہوئے ہیں، حالانکہ اس دور میں بعض معمولی شخصیتوں پر تحقیقی کام ہو رہے ہیں۔

مولانا امیر علی اسلامی علوم پر تبحری نظر رکھتے تھے، خاص طور پر تفسیر، حدیث اور فقہ میں ان کو مہارت حاصل تھی، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ:

> حدیث اور علم رجال اور تفسیر میں کم لوگ ان کے پایہ کے اور ان جیسے صاحب نظر قرب و جوار میں تھے[1]

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، سوانح مولانا عبدالحئی، مکتبہ برہان، دہلی، صفحہ ۵۷۔

عربی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل تھا، اردو زبان و ادب سے خاص لگاؤ تھا، اپنی تحریروں میں آسان اور شگفتہ زبان استعمال کرتے تھے، بحیثیت مترجم انھوں نے جو کارنامے انجام دیئے وہ حیرت انگیز ہیں، عام معمولات کے ساتھ ساتھ اپنی مختصر زندگی میں تن تنہا جو کام کیا، وہ مترجمین اور مصنفین کا ایک ادارہ بھی مشکل سے کر سکتا ہے۔

مولانا امیر علی اودھ کے مشہور قصبہ ملیح آباد میں ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد سید معظم علی کا تعلق سادات کے ایک غریب خاندان سے تھا۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم قصبہ کے کسی مکتب میں حاصل کی، ملیح آباد پٹھان روسار کا اہم مرکز اور نہایت بارونق مقام تھا، مدارس و مکاتب کے علاوہ جدید تعلیم کے اسکول بھی قائم ہو چکے تھے، بہت سے علماء و فضلاء بھی موجود تھے لیکن مولینا امیر علی نے اُردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم پرانے طرز کے مطابق مکتب و مدرسہ میں حاصل کی، اس کے بعد سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، جہاں حکومت کے مقررہ نصاب کی کتابیں پڑھیں، اور ورناکیولر مڈل کا امتحان پاس کر لیا۔ مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا، ایک تو تعلیمی اخراجات زیادہ تھے، دوسرے گھر کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ یکسوئی سے تعلیم میں مصروف رہتے۔

مولانا عبدالحئی نے نزہتہ الخواطر جلد ہشتم میں مولانا موصوف کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ جب وہ پندرہ سال کے ہوئے، تو انھوں نے علوم عربیہ کی طرف توجہ کی، اور انھوں نے مولانا عبداللہ آروی، مولانا حیدر علی المہاجر، قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی، اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی۔ [۱]

لیکن مولانا کے شاگرد رشید اور ان کے خاندان سے قریبی تعلق رکھنے والے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے اپنے ماہنامہ صبح سعادت میں ان کے حالات پر جو ایک

---

[۱] مولانا سید عبدالحئی، نزہتہ الخواطر، جلد ہشتم، مطبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد (دکن)، ۱۹۷۰ء صفحہ ۷۵۔

تفصیلی مضمون لکھا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری اسکول سے مڈل پاس کرنے بعد
بعد، غربت کے باعث وہ اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرسکے، اور گھریلو حالات سے مجبور ہو کر
ملازمت کے متلاشی ہوئے، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ، انیس سال کے لگ بھگ تھی
ان کو بہرائچ کے ایک سب پوسٹ آفس میں پوسٹ ماسٹر کی جگہ مل گئی، ملازمت کی
ضرورت کے پیش نظر انھوں نے تھوڑی سی انگریزی زبان بھی سیکھ لی، اور بہت جلد
ڈاک خانہ کے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے انجام دینے لگے، افسران متعلقہ ان کی
کارگزاری سے مطمئن اور خوش تھے، مولانا بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، کبھی
بالقصد نماز ترک نہیں کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد چلے گئے
ان کی غیر موجودگی میں کوئی سرکاری افسر بغرض معائنہ پہونچ گیا، اور پوسٹ ماسٹر کو غیر حاضر
پاکر بہت براغ پا ہوا، کسی شخص نے مسجد میں جاکر مولانا کو اطلاع دی، اس وقت وہ وضو
کررہے تھے انھوں نے اس خبر کا کوئی اثر نہ لیا، اور اطمینان سے نماز ادا کرکے واپس آئے
افسر مذکورہ نے اعتراض کیا، تو مولانا نے اس کو جواب ہی نہ دیا، اور نہ معذرت کی۔
بلکہ فوراً استعفا لکھ کر پیش کر دیا، اور ملازمت سے سبکدوش ہو گئے، حالانکہ ان کیلئے
کوئی اور ذریعۂ معاش نہ تھا، اور گھر کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔[1]

اس واقعہ کا ان کی زندگی پر انقلاب انگیز اثر پڑا۔ انھوں نے اپنے شاگرد مولانا
ملیح آبادی سے کہا کہ "میرا خاندان اگرچہ غربت میں مبتلا تھا لیکن مجھے ترک ملازمت پر
کوئی افسوس نہیں ہوا۔ مجھے اس خیال سے بہت دکھ تھا کہ جس دین کے احکام پر عمل
کرنے کے باعث مجھے ملازمت سے محروم ہونا پڑا ہے خود میں اس دین کے علم سے
واقف نہیں ہوں، نماز تو پڑھ لیتا ہوں، لیکن اس کے معانی و مطالب اور حقیقت
سے نابلد ہوں، قرآن فہمی سے بھی محروم ہوں" ان خیالات نے ان کو دینی علوم کی
تحصیل پر آمادہ کیا، نزہۃ الخواطر میں ان کے جن اساتذہ کا ذکر ہے، مولانا ملیح آبادی

---

[1] ماہنامہ صبح سعادت، ماہ اپریل ۱۹۲۳ء (مضمون مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی)

نے ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ انھوں نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے مولانا امیر علی دینی علوم کی تحصیل کے سلسلے میں مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
مولانا فاروق ملک کے ممتاز ترین علماء کے استاذ تھے، جن میں علامہ شبلی نعمانی جیسی شخصیت بھی شامل ہے، جب مولانا امیر علی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ وہ زمانہ تھا، جب مولانا فاروق ہفتوں طلبہ کو درس نہیں دیتے تھے، طلباء بیٹھے ان کے پاؤں دابا کرتے تھے، اور مولانا ایک خاص کیف کے عالم میں لیٹے رہتے تھے۔
مولانا کا شوق تحصیلِ علم بڑھا ہوا تھا، ان کے لئے یہ وقت بڑا صبر آزما تھا، اس لئے وہاں سے لاہور چلے گئے، جو اسلامی علوم وفنون اور علماء وصلحاء کا ممتاز مرکز تھا، مگر حالات کو ناساعد پاکر وہ آگرہ چلے گئے، اور وہاں چند دن قیام کر کے دہلی پہونچے، جہاں اس زمانہ میں مولانا نذیر حسین محدث کا چشمہ فیض جاری تھا، مولانا امیر علی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن عربی زبان وقواعد سے بخوبی واقف نہ ہونے کے باعث درس حدیث میں شمولیت ممکن نہ تھی، اس لئے پہلے عربی زبان وقواعد، صرف ونحو کی تحصیل شروع کردی، اور اپنی غیر معمولی محنت اور شوق کی بدولت ۹ مہینے میں اس قابل ہو گئے، کہ درس حدیث میں شرکت کی اجازت مل گئی، اس زمانہ میں مولانا عبد الحلیم شرر بھی ان کے ہم سبق تھے، نزہۃ الخواطر میں جن اساتذہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا نے ان سے کس زمانہ میں تعلیم حاصل کی، ملازمت سے قبل اس کا امکان نہیں ہو سکتا کہ دہلی جانے سے قبل ان اساتذہ سے استفادہ کیا ہو، دہلی کے دوران قیام میں انھوں نے حکیم عبد المجید ابن حکیم محمود خاں دہلوی سے علم طب کی بھی تحصیل کی تعلیم سے فراغت کے بعد لکھنؤ گئے، اس زمانہ میں منشی نول کشور کے مطبع کو بڑی شہرت حاصل تھی، جو اسلامی علوم کی کتابیں بکثرت شائع کر رہا تھا، اتفاق سے مولانا کی ملاقات منشی نولکشور سے ہو گئی، جو بڑے مردم شناس اور اہل علم کے قدردان تھے انھوں نے مولانا سے درخواست کی کہ ان کے مطبع میں تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام انجام دیں، جسے مولانا امیر علی نے منظور کر لیا، پچاس روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا، جو اس

زمانہ کے اعتبار سے معقول کہا جا سکتا ہے۔

مطبع نولکشور میں ایک قلیل مدت کے اندر انھوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، جن کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، ابتدا میں مولانا مطبع کی عمارت میں بیٹھ کر کام کرتے تھے، عربی کی زیر طبع کتب کی صحت اور ان پر حواشی لکھنے کا کام ان کے سپرد تھا، اس کے بعد تصنیف و تراجم کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اس وقت منشی نول کشور نے محسوس کیا کہ گھر سے مطبع تک آنے جانے میں مولانا کا وقت بہت صرف ہو جاتا ہے، اس لئے ان سے درخواست کی کہ آپ اپنے مکان پر ہی بیٹھ کر کام کریں، مولانا نے منظور کر لیا، اور گھر میں بہت زیادہ وقت صرف کرنے لگے۔ جس سے ان کی صحت پر اثر پڑا۔ مولانا عبدالرزاق نے اپنے محولۂ بالا مضمون میں لکھا ہے کہ ایک دن میں نے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ یہ وفات سے ایک سال قبل کی بات ہے، فرمانے لگے، کہ میری عمر پچاس یا اکیاون سال ہے، مگر نولکشور نے مجھے بوڑھا کر دیا، کیونکہ انھوں نے مجھے گھر پر کام کرنے کے لئے کہا۔ اور میں اس خیال سے کہ کہیں وہ کام کو کم نہ خیال کریں، بہت محنت کی اور زیادہ سے زیادہ کام کیا، جس سے صحت بگڑ گئی، اور اب یہ حال ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

مولانا کو حقہ نوشی کا بہت شوق تھا، منشی نولکشور ان کے لئے پینے کا تمباکو روزانہ بھیج دیتے تھے، کبھی کبھی خود بھی ان کے مکان پر حاضر ہوتے، جتنا کام مولانا روز کرتے تھے، وہ منگوا لیتے اور دوسرا کام بھیج دیتے تھے، مطبع نولکشور میں مولانا امیر علی نے جو کارنامے انجام دیئے وہ حیرت انگیز ہیں۔ بہت سی عربی و فارسی کتابوں کی صحت و اصلاح اور اضافۂ حواشی سے قطع نظر انھوں نے فتاوی عالمگیری کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا، ترجمہ نہایت سلیس اور شگفتہ ہے۔ یہ ترجمہ دس ضخیم جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد میں مولانا نے فقہاء کے حالات اور اصول فقہ پر مشتمل ایک طویل مقدمہ کا اضافہ کیا، دوسرا شاہکار عین الہدایہ ہے، فقہ حنفی کی اس معروف کتاب کی چاروں جلدوں کا اردو ترجمہ کیا، اور شرح بھی لکھی، جو چار ضخیم جلدوں میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے، جس سے ہزاروں علماء و طلباء آج تک استفادہ کر رہے ہیں، اور موجودہ دور میں اس کی افادیت کو زیادہ محسوس

کیا جا رہا ہے یہ بہت بڑا کام تھا، جو انھوں نے تن تنہا انجام دیا، ان کی سب سے بڑی تالیف تفسیر مواہب الرحمٰن ہے، جس کی نظیر فارسی اور عربی زبانوں میں بھی بڑی مشکل سے ملتی ہے، یہ اردو تفسیر تیس ضخیم جلدوں میں ہے، گویا ہر پارہ کی تفسیر ایک جلد میں۔ بعض جلدیں آٹھ سو زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اس میں انھوں نے مستند عربی تفاسیر کے طویل اقتباسات کو اردو میں پیش کر دیا ہے، خاص طور پر تفسیر ابن کثیر، مدارک التنزیل، تفسیر کبیر وغیرہ، ساتھ ہی فقہی مسائل کی تشریحات، تصوف و اخلاق کے رموز و نکات پر بھی روشنی ڈالی ہے، اردو میں قرآن کی یہ سب سے بڑی تفسیر ہے، کئی بار مطبع نولکشور نے اس کو شائع کیا، اب ایک مدت سے کمیاب تھی، لیکن پاکستان کے ایک ناشر نے نہایت اہتمام سے شائع کر دی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے دوسرا عظیم الشان کام یہ کیا کہ صحیح بخاری کا اردو ترجمہ کیا اور شرح لکھی، یہ کام بڑی محنت اور جانفشانی سے انجام دیا، یہ ترجمہ اور شرح تیس جلدوں پر مشتمل ہے، لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ منشی نولکشور کی وفات کے باعث یہ شائع نہ ہو سکی، ان کے ورثا کو دوسری کتب کی طباعت و اشاعت سے فرصت نہ ملی، اور مسودہ بستہ و بغل میں پڑا رہا، جو ابھی تک اچھی حالت میں مطبع کے محافظ خانہ میں محفوظ ہے، جس کو راقم الحروف نے ۱۹۵۰ء میں پہلی بار دیکھا تھا، اور صدق جدید میں ایک مضمون بھی اس کے متعلق لکھا تھا۔ مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ نے بھی اس کی اشاعت کے سلسلہ میں اہل علم کو توجہ دلائی تھی کہ وہ مطبع کے ارباب حل و عقد کو توجہ دلائیں، یا کوئی اور ناشر ان سے حاصل کر کے شائع کر دے۔

مولانا نے فیضی کی مشہور بے نقطہ تفسیر سواطع الالہام کی طباعت سے قبل مسودہ کی صحت کی، اور اس پر بے نقطہ مقدمہ تحریر کیا جو ان کی عربی زبان میں مہارت کا ثبوت ہے، اردو زبان میں ترجمہ کا اتنا بڑا کام کسی اور نے تنہا کیا ہو ایسا کوئی نام نظر نہیں آتا وہ ترجمہ کے فن سے بھی خوب واقف تھے، ان بڑے کاموں کے ساتھ ساتھ تقریباً بارہ چھوٹی بڑی عربی و فارسی کتابوں کو اردو کا جامہ پہنایا، جن میں فقہ اکبر، اصول الشاشی

اور طب کی ایک دو کتب بھی شامل ہیں، درسی کتب کے علاوہ بعض بڑی کتب حدیث، فقہ، منطق و فلسفہ پر بھی ان کے حواشی ہیں، تفسیر عرائس البیان، احیاء العلوم امام غزالی قسطلانی جیسی بڑی کتب کی صحت بھی دورانِ طباعت ان کے ذمہ تھی۔ منشی نولکشور نے امام رازی کی تفسیر کبیر کا اردو ترجمہ بھی مولانا سے کرانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کا آغاز بھی ہو گیا تھا، مگر صحت کی خرابی کے علاوہ ملک کے عام حالات سے بھی ان کی طبیعت مکدر تھی، اس لئے انھوں نے ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز مقدس میں قیام کا قصد کر لیا، رخصت ہوتے وقت منشی نولکشور نے ایک معقول رقم بطور شکرانہ پیش کی، جو انھوں نے قبول کر لی، حجاز سے مولانا نے منشی نولکشور کے نام جو خطوط لکھے ان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ منشی جی کے حسنِ سلوک اور خوش اخلاقی سے بہت متاثر تھے، مولانا نے مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی لیکن وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی، بیمار ہو گئے، ان کے بڑے صاحبزادے کچھ دن علیل رہ کر وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے، مجبوراً مولانا کو ہندوستان آنا پڑا۔ اس سلسلے میں واپسی کے سفر خرچ کے لئے بھی منشی نول کشور نے ان کو معقول رقم ارسال کی، ہندوستان واپس آکر کچھ عرصہ اور مطبع نول کشور میں کام کیا۔ ۱۸۹۵ء میں منشی نولکشور نے وفات پائی۔ ان کے بعد بھی مولانا کام کرتے رہے۔ سبکدوشی کے بعد مطبع کی طرف سے ان کی پنشن مقرر ہو گئی تھی۔

۱۹۱۵ء میں مولانا مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے، کئی سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملنے لگی، ایک بڑے کنبہ والے غریب آدمی کے لئے بڑھاپے میں یہ رقم نعمت غیر مترقبہ تھی، لیکن مولانا کے نزدیک درس و تدریس کی بڑی اہمیت تھی، روپیہ کی کمی یا بیشی کا ان پر کوئی خاص اثر نہ تھا، یہی سبب تھا کہ چند ماہ بعد مولانا حکیم سید عبدالحیٔ (والد ماجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ناظم ندوۃ العلماء نے مولانا کو خط لکھا، کہ آپ ندوۃ العلماء میں آکر حدیث پڑھائیے، خاندان کے بااثر عزیزوں نے ہر چند منع کیا، کہ اتنی بڑی تنخواہ کی ملازمت چھوڑ کر نہ جائیے، مگر مولانا فوراً تیار ہو گئے، اور فرمایا کہ زندگی حدیث کے شوق میں گزری ہے اور اب اس کی خدمت کا موقع ملا، تو کیوں نہ جاؤں،

حالانکہ ندوہ میں انکی تنخواہ ترقی کے بعد بھی ایک سو پچاس روپیہ ماہوار تک پہونچی تھی، مولانا عبدالحیؒ (ناظم ندوۃ العلماء) خود مولانا کے شاگرد تھے، لیکن مولانا امیر علی مقابلتہً ایک چھوٹے عہدہ پر کام رہے تھے، آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے والے اکثر طلباء بعد میں نامور علماء میں شمار کئے گئے۔

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا بیان ہے کہ جب وہ مصر سے واپس آئے، تو جنگ عظیم کا زمانہ تھا، حکومت ان کو شتبہ نظر سے دیکھتی تھی اس لئے وہ کسی مدرسہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ علم حدیث کی تحصیل کریں، انھوں نے مولانا عین القضاۃؒ بانی مدرسہ عالیہ فرقانیہ (لکھنؤ) سے اپنی خواہش ظاہر کی، اور پوچھا کہ فن حدیث کس سے اور کہاں حاصل کریں، ان کے پاس ایک بڑے عالم تشریف فرما تھے، انھوں نے برجستہ فرمایا کہ مولوی امیر علی ملیح آبادی کے علاوہ اس وقت فن حدیث میں کوئی عالم نظر میں نہیں جچتا ہے، میں ندوۃ العلماء میں داخل ہو گیا، اس وقت مولانا امیر علی مہتمم تھے، ان سے ملنے کے بعد میں بے حد متاثر ہوا۔ اور جیسے جیسے ان سے قربت بڑھتی گئی، انکی عظمت کے نقوش دل پر گہرے ہوتے گئے۔" (ماخوذ از صبح سعادت، اپریل ۱۹۲۶ء)

اخلاق، عادات اور عام حالات

مولانا سید امیر علیؒ نہایت خوش اخلاق اور با مروت تھے، ان کی ذات سے کبھی کسی کو اذیت نہیں پہونچی، نہ کسی کی غیبت پسند کرتے تھے، مولانا عبدالحلیم شررؔ دہلی میں ان کے ہم سبق تھے، ایک بار کسی محفل میں ان کے اس رویہ پر اظہار افسوس کیا کہ انھوں نے مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، اور اب ناول نگاری میں وقت صرف کرتے ہیں، خدا انھیں معاف کرے، حدیث کی تکمیل کر کے دین کی خدمت کرتے تو بھلا ہوتا، یہ فرمانے کے بعد ان کو احساس ہوا کہ وہ غیبت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ خاموش ہو گئے، اور اپنی کہی ہوئی بات پر اظہار افسوس کیا۔

مولانا کو فن تفسیر، حدیث، فقہ اور معقولات میں مہارت حاصل تھی، اسی کے ساتھ

ساتھ تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی سے بھی واقف تھے، اس کے باوجود ان میں غرور اور خودنمائی کا شائبہ بھی نہ تھا، شہرت سے نفرت تھی، طبیعت میں بے حد انکسار تھا، ہر چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، اس زمانہ میں ندوۃ العلماء کے حالات اچھے نہ تھے، مسلسل ہڑتالوں اور شورشوں نے طلباء میں سرکشی کا جذبہ ابھار دیا تھا، مگر مولانا کے اخلاق اور نرم برتاؤ نے نہایت سرکش طلباء کو درست کر دیا، ان کے زمانہ میں دارالعلوم کا انتظام اچھا تھا، کبھی کسی طالب علم کو سزا نہیں دی، خطاکار طلباء کو بلا کر سمجھاتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت شفقت کا برتاؤ کرتے تھے، مریض طلباء کی عیادت کے لئے ان کے کمروں میں جاتے، اکثر روپیہ سے بھی ان کی مدد کرتے تھے، بعض طلباء ان سے قرض بھی مانگ لیتے تھے، جس کے دینے میں مولانا کو کوئی عذر نہ ہوتا، اور یہ رقم عموماً واپس نہیں ملتی تھی۔

جس زمانہ میں مولانا مطبع نولکشور میں کام کرتے تھے، وہاں کے تمام ملازمین ان کے اخلاق سے متاثر تھے، وہ مطبع کی عمارت کے احاطہ میں جامن کے ایک پرانے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے، اور گھنٹوں کام کرتے تھے، جبکہ دوسرے کارکن نہایت آرام دہ نشستوں پر بیٹھا کرتے تھے، مطبع کے ایک معمر ترین ملازم منشی شیو نرائن نے مجھے مولانا کے بہت سے حالات بتائے، منشی شیو نرائن نے ۱۹۵۱ء میں بعمر ۹۵ سال لکھنؤ میں وفات پائی اور وفات سے چند دن قبل تک فرائض منصبی انجام دیتے رہے، ان کا بیان تھا کہ مولانا اپنے کام میں اس قدر محو رہتے تھے کہ ان کو اپنے گرد و پیش کی خبر نہ ہوتی تھی، جسمانی اعتبار سے دبلے پتلے اور دراز قد تھے، چہرہ پتلا اور رنگ گندمی تھا، داڑھی گول اور بہت بڑی نہ تھی، لباس صاف ستھرا پہنتے تھے، عموماً غرارہ دار پائجامہ اور لمبے دامن کی اچکن، سر پر مراد آبادی وضع کی ٹوپی پہنا کرتے تھے، ان کی شخصیت پرکشش تھی، چہرہ سے معصومیت ٹپکتی تھی، منشی نول کشور اکثر ان سے گھر ملنے جایا کرتے تھے، اور ان کے لئے حقہ کی تمبا کو پابندی سے پہونچاتے تھے، جس کا مولانا کو بہت شوق تھا، نولکشور نے مولانا کی محنت کی بدولت بہت روپیہ کمایا، وہ ان

وصرف پچاس روپے ماہوار دیتے رہے، لیکن مولانا خود نولکشور کے مداح اور ممنونِ کرم تھے، کہتے تھے کہ اس شخص نے مجھے ایسے وقت میں سہارا دیا جب میرا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔

مولانا امیر علی ندوۃ العلماء میں زیادہ عرصہ نہیں رہے، مگر جتنا زمانہ گزارا، زیادہ سے زیادہ درس وتدریس کی خدمت انجام دی، ان کے حسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ایک بار عربی مدارس کے سرکاری انسپکٹر معائنہ کے لئے دارالعلوم میں آئے، وہ ندوہ کے سابق طالب علم تھے، مولانا نے اپنی کرسی ان کے لئے خالی کردی، اور وہ صاحب بلا تکلف اس پر بیٹھ گئے، مولانا دوسری کرسی آنے تک کھڑے رہے، انسپکٹر کا یہ برتاؤ تو مولانا نے گوارا کرلیا، لیکن جب انسپکٹر نے بعض اساتذہ سے تحکمانہ لہجے میں "تم" سے خطاب کیا، تو مولانا کو بہت ناگوار ہوا، مصلحتاً خاموش رہے اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، اس واقعہ کا بعد میں ذکر کرکے آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا، علماء کی یہ ذلت مجھے گوارا نہیں اس لئے اب استعفا دیکر گوشہ نشینی اختیار کرلوں گا، لیکن متعدد اساتذہ اور طلباء کے اصرار پر استعفے کا ارادہ ترک کردیا۔

مولانا اپنے مکان سے جو محلہ محمود نگر میں تھا، ندوہ تک ایک تانگے میں آیا کرتے تھے اور تانگے والے کو سولہ روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے، تانگے والا اکثر ناغے کرتا تھا، کبھی کبھی پندرہ دن تک غائب ہوجاتا، مگر مولانا اس کی تنخواہ نہیں کاٹتے تھے، حالانکہ انکا خاندان بڑا تھا، جس کی کفالت ان کے ذمہ تھی، اس لئے آرام وآسائش کی زندگی کبھی بسر نہ کر سکے، صبر وقناعت انکی طبیعت ثانیہ تھی، کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے جب تک زندہ رہے اپنی ذاتی محنت سے روزی حاصل کی، یہ سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔ خود تکلیف اٹھا لیتے، لیکن گھر والوں کو پریشان نہ ہونے دیتے تھے۔

مولانا کا علمی مرتبہ

ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون میں مہارت رکھنے والے علماء کی تعداد بہت

زیادہ ہے اور یہ سلسلہ قرون وسطیٰ سے جاری ہے، مختلف علوم میں خصوصی مہارت رکھنے والے بلند پایہ علماء کے حالات، تاریخ و سیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ایسی مثالیں کم ملیں گی کہ کسی شخص نے سن بلوغ کو پہونچکر ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابیں تالیف کی ہوں، بڑی بڑی کتابوں کے تراجم مکمل کئے ہوں، اور کسی دار العلوم میں درس و تدریس کی مسند گرم کی ہو، اور اس کے ساتھ انتظام اور اہتمام کی ذمہ داری بھی قبول کی ہو۔ یہ ساری خوبیاں مولانا سید امیر علی میں جمع ہو گئی تھیں، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اپنے وطن ہی میں گمنام رہے، آج کے دور میں جبکہ علمی تحقیقات کی گرم بازاری ہے، بہت کم لوگ انکے حالات اور علمی کارناموں سے واقف ہیں، مولانا عبد الحئی ناظم ندوۃ العلماء جو ان کے شاگرد تھے، غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مولانا امیر علی کی ذہانت و ذکاوت، متانت و دیانت، شریف النفسی و حسن اخلاق، قوت حافظہ اور تبحر علمی کا بڑے اچھے لفظوں میں تذکرہ کیا ہے، انھوں نے نزہۃ الخواطر میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں اعلم العلماء تھے، ان کا مطالعہ گہرا اور وسیع تھا، اور قرآن و حدیث اور علم الرجال کے ماہر تھے[۱]

مولانا کو علم حدیث میں مہارت حاصل تھی، سینکڑوں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ احادیث کے مطالب بڑے دل نشین انداز میں بیان کرتے تھے، اختلافات کی وضاحت کے علاوہ عربی زبان کے الفاظ کی تشریح میں، عرب شعراء کے کلام سے استشہاد کرتے تھے، اور فقہی مسائل پر روشنی ڈالتے تھے، فن اسماء الرجال میں بھی ان کو کمال حاصل تھا، اکثر راویان حدیث کے حالات اور سنہ ولادت و وفات بھی حفظ تھے، تفسیر کا مطالعہ اس درجہ وسیع تھا کہ مواہب الرحمٰن جیسی عظیم الشان تفسیر مرتب کر دی، اور فقہ میں فتاویٰ عالمگیری جیسی ضخیم کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا، ہدایہ کی اردو شرح ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے ترجمہ میں ان جیسی مہارت کی مثال مشکل سے ملے گی، بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اردو کے سب سے مترجم تھے، وہ خود مسلک اہل حدیث کے پیرو تھے، لیکن ان کے تراجم و تالیفات میں اس کی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔

---

[۱] مولانا سید عبد الحئی، بحوالۂ سابق صفحہ ۶۶۔

مولانا کو اردو زبان و ادب سے بھی خاص لگاؤ تھا، مشاہیر شعراء کے اچھے اشعار زبانی یاد کر لیتے تھے، اردو زبان میں ان کی قابلیت کا اندازہ ان کے تراجم سے بخوبی ہوتا ہے، اسی طرح عربی اور فارسی کے ہزاروں اشعار حفظ تھے، وہ بحث و مباحثہ کو پسند نہیں کرتے تھے، فرائض منصبی انجام دینے کے بعد زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرتے، اتباع سنت کا بہت زیادہ خیال رکھتے، نہایت کم گو تھے، تاہم کبھی کبھی اپنے ہم عصر علماء کی بے تکلف محفلوں میں مزاحیہ انداز سے بھی گفتگو کرتے تھے، الشیخ محمد عرب بن شیخ محسن یمنی رح اس دور کے ممتاز عالم تھے، اور وہ مولانا امیر علی کے سمدھی تھے، نہایت ظریف الطبع اور خوش مذاق تھے، ان کی مادری زبان عربی تھی، اور اردو سے ناواقف تھے بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کے محل میں رہتے تھے، اردو کی گالیاں بہت یاد تھیں ہر ایک کے سامنے بے دھڑک گالیاں بکتے تھے، مولانا امیر علی ان سے مذاق کرتے تھے مگر وہ کبھی ان کو گالیاں نہیں دیتے تھے، بلکہ بہت احترام کرتے تھے، انھیں شیخ محمد عرب کے صاحبزادے مولانا خلیل عرب عرصہ تک لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے راقم الحروف کے ہم محلہ تھے، کچھ دن ان سے ابتدائی عربی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے، ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبید بن محمد عرب حمیدیہ کالج بھوپال میں عربی کے پروفیسر تھے، اس خاندان کی بدولت ہندوستان میں عربی زبان کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور متعدد دوسرے علماء نے بھی خلیل عرب صاحب سے عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔

مولانا امیر علی کو اپنے وطن اور قوم سے بہت محبت تھی، وہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس زمانہ میں سیلف گورنمنٹ کی تحریک چل رہی تھی، مولانا اس کے مخالف اور کامل آزادی کے حامی تھے، فرماتے تھے کہ "آزادی کے معاملہ میں معتدل رویہ نہیں اختیار کرنا چاہئے"، بقول امام غزالی "پورے پورے یہودی ہو، ورنہ توراۃ سے کھیلنا چھوڑ دو"، مسلم ممالک سے بھی ان کو حد درجہ محبت تھی ممالک اسلامیہ کی بربادی کا حال سن کر تڑپ جاتے تھے، اور ان کی فلاح کے لئے دعائیں

مانگتے تھے، بقول عبدالرزاق ملیح آبادی، "ان کی جان بھی اسلامی ہمدردی میں گئی"، انھوں نے مولانا کی وفات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "ایک دن وہ ندوۃ العلماء کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابھی درس کا وقت نہیں ہوا تھا، اسی وقت اطلاع آئی کہ دمشق پر اتحادیوں نے قبضہ کرلیا ہے، میں نے مولانا کو یہ خبر سنائی تو وہ سناٹے میں آگئے، اور ایک دم خاموش ہوگئے، ان کا تمام جسم کانپنے لگا، میں نے حال پوچھا، تو کوئی جواب نہ دیا، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو بخار ہوگیا تھا، نقاہت بڑھتی ہوئی محسوس رہی تھی، فوراً سواری منگوا کر ان کے مکان پہونچایا، راستہ میں دھیمی آواز سے فرمایا: "خاتمہ ہوگیا! دمشق، حدیث میں مسلمانوں کا آخری قلعہ بتایا گیا ہے، کفار نے اس پر بھی قبضہ کرلیا۔ اب زندگی بیکار ہے"[1]

اس واقعہ کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ علالت نے طوالت اختیار کرلی۔ اور دو ہفتہ کے بعد ماہ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ (دسمبر ۱۹۳۱ء) میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔ (ماخوذ)

---

[1] ماہنامہ صبح سعادت ماہ اپریل ۱۹۲۸ء (مضمون مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی)

ہماری کچھ اہم مطبوعات۔ مصنفہ: مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان، بے حد دلنشیں اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ اردو -/۸ ہندی -/۱۰ انگریزی -/۲۰

دین و شریعت

اسلام کیا ہے کے بعد اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر مفصل بحث ہے -/۱۲

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے سوانح حیات مکمل آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات کا مفصل تذکرہ

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح آسان و عام فہم زبان میں -/۳

نماز کی حقیقت

نماز کے قیام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ -/۶

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب انصاف و تحقیق اور مباحث کے لحاظ سے بیحد ممتاز ہے۔ -/۸

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب

معارف الحدیث

آسان اردو ترجمہ اور عام فہم تشریح کے ساتھ مولانا مدظلہٗ کی ایک مقبول ترین تالیف گھر گھر اور مسجدوں میں پڑھنے کے لائق کتاب جس کی ترتیب و ترجمہ و تشریح میں مؤلف موصوف نے مطمح نظر صرف یہ رکھا ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن اور دل متاثر ہو اور اس میں ذوق عمل پیدا ہو۔ تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر سات جلدوں میں مکمل قیمت -/۱۹۰

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مجموعہ جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور روح پرور تشریح کے ساتھ جمع کیا گیا ہے -/۱۸

بوارق الغیب

علم غیب نبویؐ کی تردید میں مولانا مدظلہٗ کی ایک محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی تیروں سے بریلوی بدعتیوں کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت -/۸

ملفوظات مولانا الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرت کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعے سے نہ صرف آپ کو [illegible] کی تبلیغی تحریک کو بھی پوری طرح جان [illegible] نیا عکسی ایڈیشن -/[illegible]

انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت

از مولانا عتیق الرحمان سنبھلی

ایران کے اسلامی انقلاب کی حقیقت اور اس کی اسلامیت کی اصل اس کتاب میں پڑھیے۔ ذاتی مشاہدات اور براہ راست معلومات پر مبنی خیالات کا مرقع قیمت صرف -/۷

قرآن صحیح پڑھیں

قرآن کریم کو صحیح پڑھنا بہت ضروری ہے۔ ہم اکثر تلاوت میں بہت سنگین غلطیاں کرتے ہیں۔ صحیح قرآن پڑھنے کے لیے اور تلاوت کی غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہماری کتاب "رہنمائے تلاوت" کا مطالعہ ضرور کریں -/۱۲

بریلوی فتنہ کا نیا روپ

از مولانا محمد عارف سنبھلی

ارشد القادری صاحب کی تصنیف زلزلہ کا تنقیدی جائزہ اور تحقیقی جواب۔ ساتھ ہی بریلوی فتنہ کی تاریخ اور اس کے تعارف پر ایک مفصل مضمون بھی پڑھیے ۱۲

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

صحابہ کرام، تابعین، علماء و مشائخ کے ایمان افروز حالات و واقعات قیمت ۳/۵

مکتوبات خواجہ محمد معصوم

مرتبہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد رح کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصوم رح کے مکتوبات جو ان کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ ہیں۔ قیمت -/۱۸

صحبتے با اہل دل

مرتبہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

حضرت شاہ محمد یعقوب بھوپالی (عرف پیر نتھے میاں) کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ -/۱۴

تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف رح

ماہنامہ الفرقان کی بے حد مقبول اشاعت حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی، دینی اور ایمانی خصوصیات کا مرقع ان کی مشہور تبلیغی دعوت کو سمجھنے کا مستند ذریعہ ۲[illegible]

تذکرہ شاہ اسماعیل شہید رح

از حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت شاہ شہید کی مختصر سوانح حیات -/۳

تاریخ میلاد

از مولانا حکیم عبد الشکور مرزا پوری

مجلس میلاد کی مفصل تاریخ اس کے بارے میں علماء کی آراء نیز اس سلسلے میں نقطۂ اعتدال کیا ہے۔ قیمت -/۸

انیس نسواں

از بیگم اصغر حسین صاحبہ

عورتوں کے لیے بہترین اصلاحی و معاشرتی کتاب ۲/۵

اوراد فضیلہ

حضرت مولانا عبد الغفور عباسی نور اللہ مرقدہ کے صبح و شام کے چند معمولات و ظائف کا عجیب و غریب مجموعہ -/۲

الفرقان بک ڈپو - ۳۱ - نیا گاؤں مغربی - لکھنؤ

منتخب کتابیں

علم الفقہ	۶۰/-	مفاوضات رشیدیہ	۹/-	آداب المساجد	۳/۵۰
تعارف مذہب شیعہ	۱۵/-	مکاتیب رشیدیہ	۱۵/-	اسلامی حکومت کے نقش و نگار	۴/-
بہشتی زیور	۳۰/-	مطالب رشیدی	۳۵/-	غدر کے چند علماء	۴/-
تذکرہ مصلح الامت	۳۰/-	تعبیر نامہ خواب	۱۵/-	رحمۃ للعالمین	۷۵/-
ہندوستان اسلام کے سائے میں	۳۰/-	تذکرۃ الخلیل	۳۵/-	رسالتمآب	۶۰/-
آئینہ ملفوظات	۲۵/-	مدارج النبوت مکمل	۱۶۱/-	اسلامی معاشرت	۴/-
اصحاب النبی	۱۸/-	سماج کی تعلیم و تربیت	۱۵/-	مذہب مختار	۲۶/-
فروع الایمان	۷/۵۰	مختصر تذکرہ خلفاء راشدین	۶/-	رسول رحمت	۴۰/-
برکت نماز	۷/-	بہجۃ القلوب	۴/-	تقویۃ الایمان مکمل	۲۸/-
سخنوران غزل	۲۵/-	ارشادات و مکتوبات مولانا الیاس	۱۲/-	مرنے کے بعد کیا ہوگا	۱۴/-
آخری رسول	۱۸/-	عربی بول چال اول، دوم	۱۱/-	حیاۃ الصحابہ مکمل	۱۵۰/-
امام اعظم ابوحنیفہ	۲۰/-	مفتاح التبلیغ	۱۲/-	فضائل صدقات	۳۰/-
فضائل لباس	۵/-	قاموس القرآن	۳۰/-	تبلیغی نصاب اول ۳۵/-، دوم	۴۰/-
فتح حقانی	۸/-	سیرت طیبہ	۱۵/-	تعلیم و سلام	۲/۵۰
				احکام المیت	-/۵۰
جلیل حسن جلیل مانکپوری	۴۰/-	ارشاد الملوک	۱۰/-	پریشانیوں کا شرعی علاج	۴/-
اسلام مکمل دین مستقل تہذیب	۲۵/-	تاریخ ندوۃ العلماء اول ۲۵/-، دوم	۲۵/-	عورت کیا کچھ کرسکتی ہے؟	۵/-
اسلام اور عہد حاضر	۱۰/-	قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۴/-	باطل شکن	۵/۵۰
اعمال قرآنی	۸/-	حق پر کون ہے؟	۴/-	کتاب الصلوٰۃ یا نماز کی عظمت	۱۰/-
تقصیرات تفہیم	۱۶/-	بینک انشورنس اور سرکاری قرضے	۴/-	سیرت خلفاء راشدین	۱۰/-
امت کے لیے لمحۂ فکریہ	۱/۷۵	انکشاف حق	۱۶/-	سرزمین امریکہ میں اسلام کے علمبردار	۳/-

الفرقان
لکھنؤ
سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ممالکِ غیر سے

بحری ڈاک سے ۶۰/- روپے
(۴ پاؤنڈ یا ۳۵ ریال)
ہوائی ڈاک سے ۱۲۵/- روپے
(۹ پونڈ، ۴۵ ریال، ۱۵ ڈالر)

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی شمارہ ۲/۵۰

چندہ سالانہ

ہندوستان میں ۲۵/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۶۰/-
بنگلہ دیش سے ہندوستانی سکہ میں ۳۰/-

جلد (۵۳)	بابت اپریل ۱۹۸۵ء مطابق رجب ۱۴۰۵ھ	شمارہ (۴)

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیئے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائیگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اگر دوبارہ بھیجنے کیلئے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۵۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں، یا پاکستانی سکہ میں ۶۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱، نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

چودھویں صدی ہجری میں عثمانی سلطنت کا زوال اور خلافت کا الغاء ہوا۔ سیاسی و قومی لڑائیوں میں ملت اسلامیہ کو پے در پے شکستوں اور ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عالمی صہیونیت نے صلیبیوں، لادینیوں اور مشرکوں کے تعاون سے ملت اسلامیہ کو حصار میں لے لیا، اقوام عالم امت مسلمہ کے زار و نزار جسم پر اس بری طرح ٹوٹ پڑیں کہ اسکی کراہٹوں اور سسکیوں سے زمین و آسمان کی فضائیں گونجنے لگیں ــــ چنانچہ بہت سے لوگوں کو یہ صدی زوال و ادبار کی صدی اور مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں بہت ہی منفی و مایوس کن علامتوں والی صدی محسوس ہوئی۔

دوسری طرف اسی صدی میں اللہ کے ایسے اولوالعزم اور علمی و عملی قوتوں سے بہرہ ور (اولو الایدی والابصار) بندے پیدا ہوئے جنہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان شکستوں اور ہزیمتوں کا واحد سبب یہ ہے کہ یہ امت سیاسی و قومی لڑائیوں کے لئے برپا ہی نہیں کی گئی ہے۔ اس میدان میں اس امت کے جوہر نہ کبھی کھلے ہیں نہ کبھی کھلیں گے۔ اس کا واحد میدان کارِ نبوت (دعوت و ہدایت، تزکیہ و تربیت اور تعلیم کتاب و حکمت) کو نہج نبوت پر انجام دینا ہے۔ چنانچہ انھوں نے امت میں یہ آواز لگائی کہ ہم خلافت الٰہی تک خلافت نبوی کے تقاضوں کی ادائیگی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ انھوں نے ملکی و علاقائی حدود کو نظر انداز کرتے ہوئے پوری امت کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا اور امت کو میدان دعوت میں اتارنے

کے لئے اس کو یہ نظام خداوندی سمجھایا کہ اگر یہ امت صحیح ترتیب، صحیح طریقہ اور صحیح جذبہ کے ساتھ اور جانی و مالی مجاہدات کے ساتھ دعوت و ہدایت کے میدان میں اتر جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی، پھر وہی ہوگا جو پہلے ہوا تھا، آسمانوں سے مدد آئیگی، عام اور ظاہری نظام کے بالکل برعکس مغلوبیت و محکومیت، درماندگی و پسماندگی اور غربت و افلاس کے حالات میں رہتے ہوئے یہ امت قوموں اور ملکوں کی فاتح ہوگی، وہ لوگ جو انکو محکوم بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے، اسے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے، خوشامد کرکے مسند حکومت پر جلوہ افروز کریں گے اور اپنی زمینوں ہی پر نہیں، اپنے قانونی ڈھانچے ہی پر نہیں، اپنے دلوں، اپنے جذبات، اپنی تہذیب، اپنی زبان اور اپنے ظاہر و باطن کے ایک ایک گوشے پر اللہ و رسول کی بالادستی، دلی خوشی کے ساتھ قائم کریں گے۔

اس حقیقت کا اعتراف نہ کرنا اپنی ناواقفیت کی شہادت پیش کرنا ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں دعوت الی اللہ اور شہادت علی الناس کی اس عمومی ذمہ داری کا احساس امت میں بڑھا، اب ایسے لوگوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوا اور ہو رہا ہے جن کی نگاہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اربوں انسانوں پر نفرت و عداوت اور جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر نہیں، رحمت و شفقت اور جذبۂ ہدایت سے معمور ہو کر پڑتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان سب بندوں کو اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر دے اور ان کے اس تجدیدی عمل کو مبارک فرمائے جنھوں نے امت کا رخ بدلنے کے اس بنیادی کام پر اپنی توانائیاں صرف کیں، وہ جہاں بھی ہوں، جس ملک اور جس علاقے کے بھی ہوں، پوری امت کے محسن ہیں، ہم ان کا نام جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ الحمدللہ کہ ان سے محبت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ فجزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

ہمارے اس خیال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے نزدیک ہمارے زمانہ میں دعوت الی اللہ کا کام مقدار اور کیفیت دونوں پہلوؤں سے اطمینان بخش معیار پر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس خوش فہمی سے محفوظ رکھے، سچی بات تو یہ ہے کہ ابھی تو کام شروع بھی نہیں ہوا، ابھی تو کام کرنے والے تیار کئے جا رہے ہیں۔ ابھی تو دعوت کے تقاضوں کے مطابق خود امت کے

مزاج کی تربیت کا مرحلہ ہی چل رہا ہے۔ ابھی تو آگ آگ کی پکار لگائی جارہی ہے تاکہ آگ بجھانے والا عملہ حرکت میں آئے جو بہت دنوں سے اپنے کام کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ جانے کی وجہ سے اپنا کام بھول گیا ہے ـــــــ جو لوگ مزاج دعوت کو ذرا گہرائی اور تفصیل سے سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ آج عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا، دینداروں کا طبقہ بھی مزاج دعوت سے کتنا دور ہو گیا ہے؟

ہمارے مذکورہ خیال کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس صدی میں عالمی سطح پر امت کو میدانِ دعوت میں اتارنے کی کوششیں بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس پہلو سے یہ صدی فریضۂ دعوت کی طرف امت کی واپسی اور اپنے فرضِ منصبی کی بازیافت کے آغاز کی صدی قرار دی جاسکتی ہے

موجودہ زمانے میں دو بڑی طاقتیں پوری دنیا پر بالواسطہ یا بلاواسطہ قابض ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی یہی صورتحال تھی۔ اگرچہ زندگی گذارنے کے تمام طریقوں پر اسلام کے غلبہ کا خدائی اعلان عملی شکل میں اس وقت سامنے آیا جب زمانۂ خلافت راشدہ میں روم و ایران کی دونوں بڑی سلطنتوں میں اسلام پھیل گیا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ دعوتِ اسلام خود اپنے مرکز میں نہایت سخت آزمائشوں میں گھری ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود اسی زمانہ میں اسلام کی آواز مکہ اور قریش سے باہر پہنچنے لگی تھی اور دلوں کو متاثر کرنے لگی تھی۔ مظلومیت و کسمپرسی کے اس دور میں دعوت اسلام کا پھیلنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور دعوت نبوی کی صداقت کی ایک روشن دلیل تھی، اسی بناء پر سورہ انبیاء میں قریش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ	بلکہ ہوا یہ کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباد اجداد کو بھی اپنی نعمتوں سے بہرہ مند کیا یہاں تک کہ اسی حال میں ایک طویل مدت گذر گئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم ان کی زمین کی طرف اس کو اطراف سے

کم کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں تو کیا یہ اسکی علامت ہے کہ وہی غالب ہونے والے ہیں ؟

گذشتہ صدی میں دعوت الی اللہ کا جو کام شروع ہوا، اگرچہ آج اپنے ہی گھر میں اسکو زیادہ رکاوٹوں، بندشوں اور مشکلات و آزمائشوں کا سامنا ہے، لیکن برابر اطلاعات ملتی رہتی ہیں کہ اطراف و اکناف عالم میں اسلام کی دعوت پھیل رہی ہے۔ اور صنم خانوں سے کعبہ کو پاسباں مل رہے ہیں اور نأتی الارض ننقصها من أطرافها کا ایک بار پھر مشاہدہ کرایا جا رہا ہے۔ اللہ کی قدرت، اسکے وعدوں اور اسکے غیبی نظام پر ایمان، دل کو اس یقین سے معمور کر دیتا ہے کہ ماضی پھر حال بنے گا، اور اللہ کا کلمہ پھر سر بلند ہوگا ——— اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔

یہ بات اب مخفی نہیں رہی کہ امریکہ و یورپ کے عام لوگ مادیت و جاہلیت کی کیچڑ میں لت پت ہونے کی اور پیٹ سے شرمگاہ تک کی ایک بالشت کی دنیا ہی کو اپنی پوری تگ و دو اور اپنی تمام علمی و عملی کوششوں کا واحد میدان بنا لینے کی وجہ سے سخت پریشانی، ذہنی کرب اور روحانی اضطراب (معیشۃً ضنکاً) میں مبتلا ہیں۔ آزادی و اباحیت، بے حیائی و عریانیت اور طغیان و سرکشی کا بلا خیز سیلاب ان کی انسانیت کو بہائے لے جا رہا ہے۔ اور اب وہ بچاؤ، بچاؤ کی پکار لگا رہے ہیں۔ کتنا بڑا جرم ہوگا اگر ہم نے حقیر و پست مقاصد اور چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھ کر اپنے فرض کی ادائیگی میں تغافل کیا، اور کتنے خوش بخت و سعادت نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی زندگی، اپنے مزاج اور اپنے جذبات کو داعیانہ رنگ میں رنگ کر اس سیلاب میں ڈوبنے والوں کو بچانے کے لئے کود پڑیں۔

جس طرح یہ بات بالکل حق ہے کہ دنیا کے انسانوں کو ہدایت کی روشنی دینے والا اللہ اور صرف اللہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی بلاشبہ حق ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے اپنے بندوں کو استعمال فرماتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی اپنے بندوں سے اس کے کریمانہ و رحیمانہ تعلق کا ایک مظہر ہے البتہ وہ یہ عظیم سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں بخشتا، اس کے لئے تو وہ ایمان اور ایمانی صفات (توکل و تقوی، خشیت و انابت، عزم و حوصلہ، صبر و تحمل، اجتماعیت و اطاعت، جفاکشی و قناعت، ایثار و سخاوت) والی جماعت ہی کا انتخاب فرماتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ

جس میں ہر شخص میدان دعوت و تربیت میں اتر کر ان صفات سے واقعۃً اپنے کو آراستہ کر سکتا ہے۔ اور تمناؤں اور جھوٹے دعووں کے فریب سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آسکتا ہے۔ جس دن یہ مہلت والا زمانہ حکم الٰہی سے ختم ہو جائے گا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ اور دین جس منتخب گروہ کے ذریعہ قائم ہونے والا ہوگا وہ چھٹ کر الگ ہو چکا ہوگا ——— فھل من مدکر ؟

امریکہ و یورپ میں اشاعت اسلام کی جب بات چھڑی ہے تو اس مسئلہ کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ہم سنا کرتے تھے کہ بعض افریقی ممالک میں مخصوص نسلی، اخلاقی، سماجی و اقتصادی حالات کی بنا پر مصیبت زدہ عوام کے اندر اسلام کی طرف رجوع بڑھ رہا ہے ـــ اور یہ بھی معلوم ہوتا رہتا تھا کہ قادیانی تحریک پوری چستی کے ساتھ اس رجحان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے بھولے اور بےخبر عوام کو اسلام ہی کے نام سے اپنی طرف کھینچنے کی کامیاب کوشش کر رہی ہے۔ اب تازہ بات امریکہ کے بارے میں یہ معلوم ہوئی ہے کہ وہاں کی سیاہ فام نسل کے اسلام کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے قدموں کو شیعیت کی طرف موڑ دینے کی زبردست کوششیں کی جا رہی ہیں۔ وہاں سے ایک ثقہ فاضل نے (جنہوں نے شیعیت کے انقلابی مبلغوں کے ظلم و سفاکی سے بچنے کیلئے اپنے نام کے اخفار کی فرمائش کی ہے) حضرت والد ماجد مدظلہ کے نام اپنے ایک تازہ مکتوب میں لکھا ہے:

"عرصہ دراز سے میں امریکہ میں سکونت اختیار کر چکا ہوں اور مقامی لوگوں سے بہت قریبی تعلق رہا ہے۔ اس دوران جس تیزی سے اسلام ان لوگوں میں پھیلا اور اب جس تیزی سے یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی داستان ہے جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ......

۱۔　ایران میں خمینی انقلاب کے ساتھ تیز و تند آندھی، بارش اور طوفان کیطرح ایران سے شیعہ لٹریچر درآمد ہوا اور گھر گھر مفت تقسیم کیا گیا، ساتھ ہی ایران سے ایسے مجتہد اور داعی درآمد کیے گئے جو انگریزی اور عربی میں عبور رکھتے ہیں۔ ان

لوگوں نے خود کو اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (امریکی نومسلم) فوج در فوج ہم کو چھوڑ کر ان سے جا ملے۔ اور جو ہمارے دوست تھے وہ جانی دشمن بن گئے۔

۲۔ اب ان مجتہدوں کا کام یہ ہے کہ ایک شہر کو اپنا مرکز اور ڈیرہ بنا لیتے ہیں اور اس وقت تک وہاں قیام کرتے ہیں۔ جب تک ایک مضبوط شیعہ مرکز اور امام باڑہ نہ بن جائے۔ جب مرکز مضبوط ہو جاتا ہے تو دوسرے شہر میں منتقل ہو کر نئے مراکز قائم کرتے ہیں۔

۳۔ انھوں نے ایک کام یہ کیا کہ بڑے پیمانے پر تجارت شروع کی۔ جہاں مقامی لوگوں کو سروس کی طلب میں مذہب تبدیل کرنے کی مزید آسانی پیدا کر دی گئی۔ ایک انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مقامی لوگوں میں متعہ کو جائز ہی نہیں بلکہ احسن (اور اعلیٰ درجہ کی عبادت) قرار دیدیا ہے، تاکہ شیعہ مذہب کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو اور تیزی سے کھینچا جا سکے۔

آگے چل کر مکتوب نگار نے لکھا ہے:

"امریکہ میں لوگ فوج در فوج اسلام کی طرف آ رہے ہیں لیکن دعوت دینے کے لئے (اور ان کو صحیح اسلام سمجھانے اور ان کی تعلیم و تربیت کیلئے) نہ افراد ہیں اور نہ کتابیں۔"

یہ آخری دو سطریں ہم سب جو مطالعہ کر رہے ہیں، وہ ظاہر ہے۔ کاش کہ ہمارے اہل علم اس طرح اپنے علم کا استعمال فرمائیں کہ ان سے پورے عالم کے انسانوں کو حق کی روشنی ملنے لگے اور کاش کہ ہمارے اہل خیر اسلامی کتابوں[1] کو پھیلانے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے کرنے کے کام کی طرف متوجہ فرمائے اور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] اس وقت خاص طور سے ضرورت ان نومسلموں کو شیعیت کے زیغ و ضلال اور اس کی نااسلامیت سے واقف کرانے کی ہے ــــــ اس کے لئے حضرت والد ماجد مدظلہ اور حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی تصنیف کردہ کتابوں کے انگریزی تراجم کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ مولانا علی میاں مدظلہ کی کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ حضرت والد ماجد مدظلہ کی کتاب کا ترجمہ انشاء اللہ جلد ہی شائع ہو جائے گا۔

دوسری اور آخری قسط

حرمین شریفین کی حاضری

محمد منظور نعمانی

مکہ مکرمہ سے رخصت ہو کر ہم لوگ جدہ اپنے مستقل میزبان نورولی برادران کے مکان پہنچے، وہیں مولانا علی میاں بھی مقیم تھے، جو ایک دن پہلے مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تھے۔ وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ جدہ ہی میں مقیم ہمارے ڈاکٹر اشرف صاحب نے وہاں کے بڑے طبی مرکز میں میرے طبی معائنہ کے لئے کچھ ڈاکٹروں سے وقت لے رکھا ہے، اور وہ یہی وقت ہے، یہ ڈاکٹر اشرف صاحب، امراولی (سابق برار اور اب مہاراشٹر) کے ایک نہایت باتوفیق خاندان کے فرد ہیں، جسے ہم دونوں (رفیق محترم مولانا علی میاں اور اس عاجز) سے محض لوجہ اللہ اور خالص دینی رشتہ سے تعلق خاطر ہے، جو ہم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ہے۔

ڈاکٹر اشرف صاحب ہماری قیامگاہ ہی پر ہمارے انتظار میں تھے، جیسے ہی ہم پہنچے وہ ہمیں طبی مرکز لے گئے (وہ خود بھی بحیثیت ڈاکٹر اسی طبی مرکز سے وابستہ رہ چکے ہیں) ہمارے یہ ڈاکٹر اشرف صاحب خود تو مولویانہ شکل و صورت میں ہیں ہی، امراض قلب کے ماہر جن ڈاکٹر صاحب کو میرا معائنہ کرنا تھا ماشاء اللہ وہ بھی اسی وضع قطع میں تھے۔ جو اگرچہ بفضلہ تعالیٰ ان شعبوں میں اب اتنی اجنبی اور نایاب نہیں رہی، جتنی کہ کچھ مدت پہلے تک تھی، تاہم اب بھی کمیاب ضرور ہے۔ انھوں نے جدید ترین آلات اور مشینوں کے ذریعہ بڑی تفصیل سے میرا معائنہ کیا۔ ڈاکٹر اشرف صاحب خود بھی اس معاینہ میں شریک رہے، خون کی جانچ بھی کی گئی، اکسرے بھی کئی لئے گئے، دل کی حرکت کا مشینی معاینہ بھی ہوا، تمام معائنوں کی رپورٹیں خود کار مشینوں کے ذریعہ آناً فاناً مہیا ہوتی رہیں، اس طبی مرکز سے تعلق رکھنے والے

کچھ دوسرے ڈاکٹر صاحبان بھی اس معائنہ میں اور ان جانچوں میں شریک رہے، ان ڈاکٹروں نے میرے دل کی حالت کو قابل اطمینان بتلایا، کچھ دوائیں بھی تجویز کیں۔۔۔
کیا عجب ہے کہ اس معائنہ سے حکمت الٰہی کو یہ یاد دہانی بھی اس عاجز کو مقصود ہو کہ تیرے دل کی آخری جانچ قبر میں ہوگی، وہاں اگر قلب کو سلیم قرار دیا گیا تو پھر کسی قسم کی جسمانی یا روحانی تکلیف کبھی لاحق نہ ہوگی، لہٰذا اس کے علاج اور پرہیز سے کبھی غافل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائیے۔

امراض قلب کے ماہرجن ڈاکٹر صاحب نے میرا معائنہ کیا، ان سے مل کر بلکہ ان کو دیکھ کر ہی بڑی خوشی ہوئی، اور اپنے حال پر افسوس ہوا، یہ ڈاکٹر طاہر صاحب کے نام سے معروف ہیں، اپنے ہی سلسلہ کے اہل تعلق میں سے نکلے، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے ان کا تعلق ہے، اور محسوس ہوا، بلکہ آنکھوں نے دیکھا کہ اس سلسلہ کے خصوصی برکات کے وارث ہیں (کثر اللہ امثالہم) اسپتال کے کچھ اور ڈاکٹروں اور عملہ کے کارکنوں سے بھی ان حضرات نے ملاقات کرائی، سب سے مل کر خوشی ہوئی، اور سب کے لئے دعا کی توفیق ملی، دو بجے دوپہر کے قریب قیامگاہ واپسی ہوئی۔

عصر بعد احباب کی ملاقات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شام کے وقت حضرت مولانا سید احمد خاں صاحب دامت فیوضہم بھی بھائی فضل عظیم مکی کے ساتھ تشریف لے آئے، مولانا مدینہ منورہ سے عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ آئے تھے، وہیں سے جدہ تشریف لائے۔ مولانا سے ملاقات اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات میں سے ہے، ان سے اس عاجز کو محبت ہی نہیں عقیدت بھی ہے، حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کی خصوصیات کا بڑا حصہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو عطا فرمایا ہے، کچھ دیر بیٹھے اور ہمارے مدینہ منورہ کے سفر کا پروگرام طے فرما کے رخصت ہوگئے، یہ بھی طے فرما گئے کہ مدینہ منورہ کے ایام قیام میں روزانہ کم ازکم رات کے کھانے کا نظم میرے ہی یہاں رہے گا۔

اگلا دن بھی جدہ ہی میں احباب و مخلصین سے ملاقاتوں میں گزرا،
مولوی سجاد واپسی سفر کے لئے ریزرویشن اور اس سلسلہ کی دوسری قانونی کارروائی

میں مصروف رہے، شام کو ایک دوست نے اپنے مکان پر کچھ مخصوص احباب کو جمع کیا تھا عصر کی نماز کے بعد وہاں جانا ہوا، کچھ دین کی باتیں کیں، مغرب کے بعد وہیں کھانا بھی کھایا، اس کے بعد قیامگاہ واپسی ہوئی۔

اگلے دن جمعرات کو صبح مدینہ منورہ کے لئے روانگی کا پروگرام تھا، پہلے جدہ سے مکہ مکرمہ بھی بھائی ریاض احمد صاحب لکھنوی ہی نے اپنی گاڑی سے پہونچایا تھا، مکہ مکرمہ ہی میں انھوں نے یہ بھی طے کرالیا تھا کہ جدہ سے مدینہ منورہ بھی وہی اپنی گاڑی سے پہونچائینگے چنانچہ جمعرات کو صبح ہی وہ گاڑی لے کر قیامگاہ پر آگئے، اور ہمارا چھوٹا سا قافلہ ۸ بجے کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگیا، کچھ سامان جدہ ہی میں ——— چھوڑ دیا گیا، کیونکہ مدینہ منورہ سے پھر یہیں آنا تھا۔

مدینہ منورہ اور جدہ سے مدینہ منورہ تک اب جو نئی عظیم الشان شاہراہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کے بنائی گئی ہے جس سے کار کے ذریعہ جدہ کے حدود سے نکل کر صرف تین گھنٹہ میں مدینہ منورہ پہنچا جا سکتا ہے جس کا نام "الطریق السریع" ہے، اور جو نہایت ہموار اور شیشہ کی طرح صاف شفاف ہے، ہماری گاڑی اس سڑک پر برقی رفتار سے جا رہی تھی، اور مجھے ۳۶ سال پہلے کا ۱۹۴۹ء کا جدہ سے مدینہ منورہ کا اپنا پہلا سفر یاد آرہا تھا جب مکہ مکرمہ یا جدہ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے کسی سڑک کا نام نشان نہیں تھا، راستہ کا خاصا حصہ مسلسل پہاڑیوں میں سے گزر کے طے ہوتا تھا، زیادہ تر حاجی معمولی قسم کی لاریوں سے مکہ معظمہ سے جدہ ہو کر مدینہ منورہ جاتے تھے، موسم وہ تھا جو حجاز مقدس میں انتہائی گرم ہوتا ہے، جس کو وہاں سنبلہ کا موسم اور قاتل موسم کہا جاتا ہے، اس وجہ سے حاجیوں کی لاریاں صرف صبح یا شام کے نسبتہً ٹھنڈے وقت میں یا رات کے کچھ حصہ میں چلتی تھیں، اور دوسرے دن مدینہ منورہ پہنچاتی تھیں، راستہ میں پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے لاریوں کے اچھلنے سے بعض حاجی صاحبان کے سر چھت سے ٹکرا کر سخت زخمی ہو جاتے تھے، اور ان حادثوں کی وجہ سے کبھی موت کے واقعات بھی ہو جاتے تھے، اور اس سے پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر اونٹوں ہی سے ہوتا تھا۔

اللہ اللہ! دیکھتے ہی دیکھتے حالات کا رخ کتنا بدل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قوموں اور علاقوں کے حالات کی جن تبدیلیوں کو ہم اپنی محدود اور ظاہر بیں عقل و نگاہ سے بہت مشکل اور صدیوں کا عمل سمجھتے ہیں، وہ مشیت الٰہی کے ایک اشارہ پر چشم زدن میں واقع ہو سکتی ہیں اور ہر طرف ہو رہی ہیں، اس دنیا میں اور ساری کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اور ہوتا نظر آرہا ہے اگرچہ حکمت الٰہی سے اسباب کے پردہ میں ہو رہا ہے لیکن فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے تکوینی حکم ہی سے ہو رہا ہے اور سب کچھ اسی کا نظر نہ آنے والا دست قدرت کر رہا ہے۔ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔

میرے لئے راستہ بالکل نیا تھا، ایک دو کالونیاں اور منزلیں جو راستہ میں آئیں وہ بھی میرے لئے نئی اور نامعلوم تھیں، مدینہ منورہ کے راستہ کی جو منزلیں ہمیشہ سے حافظہ میں تھیں، رابغ، بدر، مُسَیجد وغیرہ ان میں سے کوئی بھی اس راستہ میں نہیں آئی، ایک جگہ ٹھہر کر جہاں ایک اچھا خاصا ہوٹل سا تھا، چائے وغیرہ لی، ساڑھے بارہ بجے کے قریب مدینہ منورہ کے آثار نظر آنے لگے، ایک بجے کے قریب مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق سیدھے حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب (اطال اللہ بقاءہ) کی قیامگاہ مسجد عمار بن یاسر پہنچے، مولانا منتظر ہی تھے، نماز ظہر ادا کی، مولانا کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہو کر مولوی محمد زکریا اور مولوی سجاد تو فوراً حرم شریف چلے گئے، اور میں قیلولہ کے لئے لیٹ گیا۔ عصر بعد مولانا نے چائے پلائی، اور ہم لوگ اپنی قیامگاہ کے لئے رخصت ہو گئے، جی تو بھی چاہتا تھا کہ قیام مولانا ہی کے پاس رہے، لیکن میری معذوریاں ایسی ہیں کہ ہر جگہ ٹھہر نہیں سکتا، نور ولی برادران ہی نے مدینہ منورہ میں بھی اپنی ایک عمارت کے ایک حصہ میں پہلے ہی سے میرے قیام کا بندوبست کر رکھا تھا، وہاں لوگوں کے لئے آنا بھی آسان تھا، اور مسجد شریف بھی وہاں سے نسبتاً نزدیک تھی، اس کے قریب ہی انہی کے ایک دوسرے مکان میں رفیق محترم مولانا علی میاں کا قیام تھا، وہاں پہنچے تو بہت سے احباب منتظر تھے، مغرب کی نماز وہیں ادا کی، پھر تیار ہو کر مسجد نبوی حاضری کی نیت سے نکلے، باب رحمت تک ہی پہونچا تھا کہ عشاء کی اذان ہو گئی، مجمع کی کثرت اور ہجوم اور اپنی معذوری کی وجہ سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی، میں باب رحمت پر ہی کھڑا ہو گیا

یہ جگہ بھی مسجد شریف کے توسیعی پروگرام کے تحت مسجد میں شامل کر لی گئی ہے، ہر نماز کی جماعت کے وقت یہاں بھی نمازیوں کی صفیں ہوتی ہیں۔ میں نے یہیں نماز ادا کی، وہیں سے صلوٰۃ وسلام عرض کر کے نماز کے بعد واپس اپنی کرسی پر بیٹھ کر سڑک تک، اور وہاں سے موٹر پر بیٹھ کر اپنی قیامگاہ واپس آگیا۔ دل و دماغ کا عجیب حال تھا۔

رات کا کھانا حسب وعدہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب لے کر خود تشریف لائے، کھانے کے ساتھ صبح کے ناشتے کے لئے بھی بہت سی نعمتیں مولانا لے آئے تھے۔ یاد آیا کہ مدینہ منورہ میں رات کا کھانا ہمیشہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے دسترخوان پر ہی ہوا کرتا تھا، کیسے پیار اور کیسی محبت سے حضرت کھلایا کرتے تھے، حضرت مولانا سعید احمد صاحب مہاجر کی ثم مدنی کو مہاجرین کی ہجرت اور انصار کی نصرت دونوں کا جو حصہ ملا ہوا ہے، وہ بھی مجھ جیسے کے لئے ہمیشہ سے قابل صد رشک ہے، اور اب تو ہر لمحہ اس وصف میں ترقیات کا زمانہ ہے، بڑا ذائقہ اس کھانے میں آیا، مولانا کھانا کھلا کر رخصت ہوئے اور میں اپنے رب کریم کے انعامات کا دھیان اور حسب توفیق اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے بستر پر لیٹ گیا، الحمدللہ عافیت کے ساتھ صبح نصیب ہوئی۔ اللّٰھم بک اصبحنا وبک نحیی وبک نموت والیک النشور ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نماز سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا، سجاد میاں کی رائے سے یہی طے کیا تھا کہ صلوٰۃ وسلام کے لئے روضۂ اقدس پر حاضری صبح ۸ بجے کے بعد ہو گی، اس وقت ہجوم نسبتہً کم ہوتا ہے، چنانچہ تیار ہو کر قریباً ساڑھے آٹھ بجے نکلنا ہوا، باب السلام کے قریب تک تو موٹر ہی جانے پہونچا دیا، وہاں سے مولوی محمد زکریا سلمہم اللہ تعالیٰ کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ اپنی بیمار روح اور ناتواں جسم کیا تھ آگے بڑھتا رہا۔ پہلے روضۃ الجنۃ میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد ادا کی، اپنے رب کریم کا شکر ادا کیا، گناہوں کی مغفرت و معافی کی، اور قبولیت کی بھیک مانگی۔ اور پھر مولوی محمد زکریا ہی کے سہارے روضۂ مبارکہ پر حاضری اور صلوٰۃ وسلام کے قصد سے اس طرف کو چلا۔ عشاق کا ہجوم اس وقت بھی اچھا خاصا تھا لیکن میرے رب کریم نے مواجہہ شریف پر متعین شرطیوں (سپاہیوں) اور زائرین کے دل میں ڈالا کہ اس بوڑھے معذور کو اطمینان سے سلام عرض کرنے کا موقع دیدیا جائے۔ الحمدللہ

مواجہہ شریف میں باطمینان کھڑا ہونا تو نصیب ہو گیا لیکن اپنے حال اور تقصیرات کے خیال اور اس بارگاہ عالی کے رعب سے دل و دماغ کی حالت ایسی ہو گئی کہ لکھا پڑھا سب غائب ہو گیا، بس صلوٰۃ و سلام ہی کسی طرح عرض کیا جا سکا۔ پھر آگے بڑھ کے شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھی سلام عرض کیا، بعد ازاں اقدام عالیہ کی طرف آ کے دو رکعت نماز پڑھ کے دعا کی، ایک گونہ اطمینان دل کو ہوا، شکر و استغفار کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا، اور قیامگاہ واپس آ گیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے حاضری نصیب ہوئی، باب عمر پر اطمینان کی جگہ مل گئی، دس سال کے بعد مسجد نبوی کے منبر سے خطبۂ جمعہ سنا، نماز ادا کی، اژدحام کے کم ہونے کے انتظار میں نماز کے بعد کچھ دیر اور بیٹھنے کا موقع مل گیا، پھر واپسی ہوئی۔

مدینہ منورہ میں کسی جلسہ وغیرہ میں جانے کا مسئلہ تو تھا ہی نہیں، اس لئے بس اپنے ذوق کے مطابق ہی وقت گذرا، معمول اس طرح رہتا کہ صبح اول وقت نماز فجر سے فارغ ہو کر چائے پی لیتے روزانہ یہ چائے مدینہ منورہ کے ایک بزرگ اور ہمارے پرانے کرم فرما صوفی اسلم صاحب بھیجتے، ان کے رفیق جو ان ہی کی طرح مخلص، بڑے فہیم اور سلیم الطبع نظر آتے تھے حافظ منظور اختر صاحب فجر سے پہلے ہی دو تھرماس چائے اور دودھ سے لبریز، اور کچھ بسکٹ، مکھن وغیرہ لے آتے تھے، نماز سے فارغ ہوتے ہی صوفی صاحب کی بھیجی ہوئی چائے پیتے، کسی دن اسی کے ساتھ اور کسی دن تھوڑی دیر کے بعد مولوی محمد زکریا و سجاد ناشتہ کا بھی انتظام کر لیتے، ناشتہ میں وہی چیزیں ہوتیں جو حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب مدظلہ دے گئے تھے، اسی وقت سے یکے بعد دیگرے احباب و مخلصین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا، خالص للٰہی اور دینی تعلق والوں کی باہمی ملاقات اللہ کی عظیم نعمت ہے اور اس سے اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ جو روحانی و قلبی مسرت حاصل ہوتی ہے، وہ اس دنیا میں جنت کی ایک لذت ہے۔

جن حضرات سے ملاقات ہوئی، ان کی بہت لمبی فہرست ہے، سب کی ملاقات سے دل خوش ہوا، خاصکر مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری جو بڑے صاحب علم اور علمائے ربانیین میں سے ہیں، مولانا عبدالمالک صاحب مرادآبادی، مولانا آفتاب عالم صاحب خلف الرشید حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ میرٹھی، صوفی محمد اسلم صاحب، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے چھوٹے صاحبزادے

مولوی عطاء المہیمن صاحب، عالم عربی میں مشہور و معروف عالم دمشق، داریب شیخ محمد المجذوب، اور ان کے ساتھ آنیوالے دیگر شامی علماء و نوجوان خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

صوفی محمد اقبال صاحب، مہاجر مدنی سے تو مکہ میں بھی ملاقات ہو گئی تھی، پھر مدینہ منورہ میں بھی وہ برابر تشریف لاتے رہے "جامعہ اسلامیہ" میں زیر تعلیم برصغیر ہند و پاک کے طلبہ بھی برابر ملتے رہے دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پاکستان کے مختلف مدارس کے تعلیم یافتہ طلبہ کی خاصی تعداد جامعہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کر رہی ہے، یہ حضرات برابر آتے رہے، دار العلوم دیوبند اور ندوہ کے طلبہ نے الگ الگ دوپہر کے کھانے کا بھی اہتمام کیا، پاکستان کے طلبہ بھی ایک مقررہ وقت پر جمع ہوئے، ان سب عزیزوں سے اپنے ٹوٹے پھوٹے انداز میں کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہا۔

مدینہ منورہ میں دو مہاجر بزرگ اور تھے جن کی زیارت و ملاقات ضروری تھی، حضرت مولانا قاری عباس بخاری اور حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب، چنانچہ ان دونوں حضرات کی زیارت کے لئے میں ایک دن ان کی قیامگاہ پر حاضر ہوا، دونوں حضرات ایک ہی رباط کے دو الگ الگ حصوں میں مقیم ہیں، ان دونوں حضرات کی ملاقات اس سفر کی خاص برکات میں سے ہے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب کئی سال سے فالج زدہ ہیں، آنکھیں بھی اپنا کام نہیں کرتی ہیں، لیکن ذکر و تلاوت اور نماز سے ایسا شغف ان کو نصیب ہے، جس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا، اس حالت کے باوجود نماز کے لئے مسجد تشریف لاتے ہیں۔ اس طرح کہ ان کا خادم انھیں گود میں اٹھا کر پہیوں والی کرسی پر بٹھا دیتا ہے، پھر کرسی سے اٹھا کر مسجد میں لا کر بٹھا دیتا ہے، ان کو دیکھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، جو چند لمحات ان کی خدمت میں گزرے، انشاء اللہ اس کی برکتیں آخرت میں ظاہر ہوں گی، ان دونوں حضرات سے خصوصیت کے ساتھ میں نے ایرانی خطرہ اور اس کے دور رس نتائج کا ذکر کیا، اور دعاؤں کے اہتمام کی گزارش کی۔

مدینہ منورہ میں پورے ایک ہفتہ قیام کی سعادت نصیب ہوئی، موسم خلاف توقع نہایت خوشگوار تھا، اگرچہ جنوری کا وسط تھا جو شدید ترین سردی کا موسم ہوتا ہے لیکن وہاں ان دنوں ہلکی سردی تھی، طبیعت بھی الحمدللہ بہت اچھی رہی۔

ایک دن صبح کے وقت میں عزیزی شمعون میاں کے گھر بھی جانا ہوا۔ اپنے ان بچوں

کو وہاں گھر بسا کر رہتے ہوئے دیکھ کر دل خوش ہوا، اپنے ان عزیزوں سے جو کچھ مناسب سمجھا وہ کہا بھی، اور دعا بھی کی، اللہ تعالیٰ ہر فتنہ سے حفاظت فرمائے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہفتہ گذر گیا، پروگرام کے مطابق جمعرات کی صبح واپسی تھی، چہارشنبہ کی نماز عشاء کے بعد مسجد شریف میں امام صاحب کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ کل صبح اشراق کے بعد نماز استسقاء ہوگی۔ چنانچہ بعد فجر متصلاً ہم لوگ مسجد شریف حاضر ہو گئے، باب جبرئیل سے داخل ہو کر "قدمین شریفین" میں جگہ مل گئی۔ پہلے تحیۃ المسجد پڑھی، اس کے بعد جب نماز استسقا شروع ہوئی تو اس میں شرکت کی سعادت و برکت بھی حاصل کی، امام صاحب کا خطبہ بھی توجہ سے سنا، جس میں بہت موثر طریقہ پر معاصی سے توبہ و استغفار اور دعا کی تلقین کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ نماز استسقاء کے بعد جب ہجوم چھٹ گیا تو "قدمین شریفین" ہی کی طرف سے الوداعی صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ دعا کی اور مسجد شریف سے رخصت ہوئے۔

یہ طے ہو چکا تھا کہ مدینہ منورہ سے جدہ کے لئے واپسی عزیزی شمعون میاں سلمہ کی گاڑی سے ہوگی، چنانچہ وہ گاڑی لے آئے، اور ہم اس پر سوار ہو کے جدہ کے لئے چل دئے۔ مدینہ سے مکہ و جدہ جانے والی نئی شاہراہ مسجد قبا کے قریب ہی سے گزرتی ہے۔ طے کیا کہ مسجد قبا میں دو رکعت ادا کر کے آگے چلیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی توفیق عطا فرمائی، اور اس کے بعد ہم لوگ اپنی گاڑی میں جدہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں جن جن حضرات نے عنایتیں کیں، میزبانی کی، یا جن کے ذریعہ میزبانی کرائی گئی، اللہ تعالیٰ ان سب ہی کو اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے۔ ؎

اس محسن کریم کے قربان جائیے
احسان جس کا صورتِ احساں میں نہ تھا

جمعرات کی دوپہر جدہ اپنی قیامگاہ بیت لنزولی الحمد للہ بعافیت پہونچ گئے، اگلی صبح سات بجے ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہو گئے، حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب دامت برکاتہم ایک دن پہلے ہی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آ گئے تھے۔ وہ بھی ہمراہ ہوائی اڈے تشریف لے گئے اور بھی بہت سے احباب تھے۔ سجاد میاں ڈاکٹر اشرف صاحب کے ساتھ آخری قانونی کارروائیاں

مکمل کراتے رہے، اچانک معلوم ہوا کہ ہوائی اڈے کے ذمہ داران کا کہنا ہے کہ طبی معائنہ کے بغیر مجھے سفر کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ایک نئی الجھن سامنے آئی، ہوائی اڈے پر طبی معائنہ کے مرکز لے جایا گیا۔ وہاں موجود ڈاکٹر صاحب نے میرا معائنہ کیا، بلڈ پریشر کی جانچ کا حکم دیا، اور یہ کہ کھڑے ہو کر دکھانا ہوگا، میں خاموش ان کی ہدایات پر عمل کرتا رہا، اور دعا کرتا رہا کہ خداوندا اس وقت بلڈ پریشر بڑھا ہوا نہ ہو، بحمد للہ قریباً نارمل ہی تھا، ڈاکٹر صاحب نے رپورٹ مرتب کی، اور مجھے قابل سفر قرار دیدیا۔ اور بالآخر سب حضرات سے رخصت ہو کر ہم لوگ اندر داخل ہوئے، تھوڑی ہی دیر کے بعد جہاز میں پہنچا دیئے گئے۔ واپسی کا سفر بھی الحمد للہ بہت ہی سہولت وعافیت سے گزرا۔ لکھنؤ کا ایک خاندان جو عرصہ سے سعودی عرب میں مقیم ہے اور وہیں کا شہری ہو گیا ہے اس کے ایک نوجوان جدہ ہوائی اڈہ ہی پر ملے تھے، وہ سعودی ایرلائنز میں ہی پائلٹ ہیں، انھوں نے بتایا کہ وہ بھی اسی جہاز سے بمبئی جا رہے ہیں، راستہ میں انھوں نے بھی بہت خیال رکھا، اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے۔

شام ۶ بجے کے بعد جہاز بمبئی اترا، یہاں بھی جہاز میں جانے اور اس سے باہر آنے کا وہ جدید انتظام موجود تھا جو جدہ اور ریاض میں زیادہ ترقی یافتہ شکل میں دیکھا تھا، اس لئے سیڑھی سے اترنے کی زحمت سے بچ گیا، سامان کے انتظار میں بہت دیر لگی، قریباً سب ہی مسافر اپنے اپنے سامان کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے، سخت بدنظمی اور عملہ کی مکمل لاپرواہی اور بے حسی جو ہمارے ملک کا قومی نشان ہو گئی ہے، ہر مسافر کے لئے سخت کوفت کا باعث ہو رہی تھی۔

یہاں یہ لکھنا بھول گیا کہ بمبئی کے ہوائی اڈے پر جہاز رکا، تو لاؤڈ اسپیکر پر میرا نام پکارا گیا اور یہ کہا گیا کہ ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے رہیں، ان کے اتارنے کا خصوصی بندوبست کیا گیا ہے۔ سجاد میاں نے بات کی تو معلوم ہوا کہ جدہ کے ہوائی اڈے کے ذمہ داروں نے بمبئی میں اپنے نمائندہ کو ٹیلکس سے اس کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ بڑی آسانی سے انھیں نمائندوں کی رہنمائی میں اترنا ہوا۔ اور تمام قانونی مراحل جلدی اور آسانی سے طے ہو گئے، سامان کے انتظار میں ٹھہرنا نہ پڑتا، تو ۵ منٹ بھی ہم کو باہر نکلنے میں نہ لگتے، لیکن یہ شعبہ سعودی ایرلائنز کے اختیارات سے خارج تھا، اس میں تو ہم کو اپنے ہی ملک کے کارکنوں کا مرہون منت ہونا تھا، اور ان کا احساس

ذمہ داری،، ملک کے ہر شعبے کی کارکردگی سے عیاں ہے۔

بعد میں سجاد میاں نے یہ بھی بتایا کہ جدہ کے ہوائی اڈہ پر اچانک طبی معائنہ والی جو الجھن سامنے آئی تھی، اس شر سے اس خیر کا اس طرح ظہور ہوا، کہ اس کی وجہ سے ان کو (یعنی سجاد میاں کو) وہاں کے ذمہ داروں سے میرا جو تعارف کرانا پڑا، اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ انھوں نے میرے بارے میں یہ خصوصی ہدایت بمبئی میں اپنے نمائندے کو بھیج دی۔ ایک بار پھر وہ نظام خداوندی سامنے آیا جس کا تجربہ صبح شام ہوتا رہتا ہے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (بقرہ آیت ع ۲۱۶)

بمبئی کے ہوائی اڈے پر بہت سے احباب و مخلصین آگئے تھے، سب کے ساتھ اپنی قیامگاہ پہونچے۔ دو دن بمبئی میں گذرے، بمبئی بھی میرا یہ آنا دس سال کے بعد ہوا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بمبئی میں مخلصین کی بڑی تعداد ہے، اس عاجز کو ان سے مل کر اور ان کو مجھ سے مل کر جو قلبی و روحانی مسرت ہوئی، اس کا الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے، جب بھی بمبئی آنا ہوتا ہے مرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا وہ ارشاد اکثر یاد آجاتا ہے جو حضرت نے ۱۹۵۰ء کے سفر حج سے واپسی پر ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کے بندوں کو محض اللہ کے لئے راحت پہونچانے والے اور محض لوجہ اللہ ان کی خدمت کرنے والے بندے اس سفر میں جاتے ہوئے بھی بمبئی ہی میں دیکھے، اور واپس آتے ہوئے بھی وہیں دیکھے۔

دوستوں کی خواہش تھی کہ قیام کچھ زیادہ ہو، لیکن میرے اور خاص کر میرے دونوں رفیقوں مولوی محمد زکریا اور مولوی سجاد کے لئے اس کی گنجائش نہ تھی، یہ دونوں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ ہیں، اور سفر کی وجہ سے ان کے اسباق کا تین ہفتہ کا ناغہ ہو چکا تھا، اس لئے بس دو دن قیام کر کے تیسرے دن دوشنبہ کو دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔

صحت کے حال میں انحطاط جدہ سے روانہ ہونے سے ذرا پہلے ہی شروع ہو گیا تھا، بمبئی کے دو روزہ قیام میں یہ انحطاط تیزی کے ساتھ جاری رہا۔ اور لکھنؤ پہونچتے پہونچتے وہ شکایات اور وہ سب عوارض واپس آگئے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اس پورے سفر میں محفوظ رکھا تھا۔ بندہ

عافیت ہی کا طالب وسائل ہے، اسی کے ساتھ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت پر راضی رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

۲۱ جنوری بروز دوشنبہ بمبئی سے ایر انڈیا کے جہاز سے دوپہر ایک بجے روانہ ہو کر تین بجے کے قریب ہم لوگ دہلی ہوائی اڈے پر اتر گئے، یہاں سامان کے انتظار میں ایک گھنٹے سے زیادہ لگ گیا۔ ایک بار پھر اپنے ملک کے کارکنوں کی سخت بدنظمی اور بے حسی کا تجربہ ہوا۔

ہوائی اڈے سے نکل کر سیدھے بھائی کرامت صاحب کے یہاں پہنچے، تھوڑی دیر وہاں آرام کر کے رات ہی کی ٹرین سے لکھنؤ کے لئے روانگی کا ارادہ تھا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دامت برکاتہم اپنے چند رفقاء کے ساتھ بنگلہ دیش تشریف لے گئے تھے، مرکز میں موجود حضرات سے ملاقات ہوئی۔

رات ساڑھے نو بجے دہلی، لکھنؤ میل سے ہم لوگ روانہ ہو کر ۲۲ کی صبح لکھنؤ پہونچ گئے اور اس طرح یہ سفر تمام ہوا جس میں اس عاجز وگنہگار بندے نے اپنے مالک کی قدرت اور رحمت دونوں کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ کوتاہیوں کو معاف فرمائے، اس سفر کے ایک ایک قدم کو قبول فرمائے۔ اور جن جن بزرگوں اور عزیزوں کی کوششیں عنایات اور دعائیں اس سفر میں ہمارے ساتھ رہیں، ان کو اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے۔

(قسط اول)

عرب قومیت

ایک تاریخی جائزہ

از ——— مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء

نبی آخرالزماں صلے اللہ علیہ وسلم ایک عالمگیر مذہب اور بین الاقوامی پیغام دے کر بھیجے گئے، ان کی تعلیمات، رنگ و نسل، ملک و وطن کے تنگ دائروں سے بلند ہوکر آفاقی صداقتوں اور عالمی حقیقتوں کی تبلیغ و اظہار کے لئے تھیں، اسلام نے دنیا میں حق و صداقت انسانی اخوت و مساوات کا پرچم بلند کیا، اور مختلف رنگ و نسل، ملک و قوم کے انسانوں کو رواداری، ہمدردی، بہی خواہی کے جذبات کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا، چنانچہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزم میں مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے عربوں کے پہلو بہ پہلو بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی پوری عزت و عظمت کے ساتھ جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔

اسلام سے پہلے عرب کے مختلف قبائل باہم دست و گریباں تھے، قبائلی نخوت و عصبیت کی بنا پر خونریز جنگیں پشتوں سے جاری تھیں، اپنے قبیلہ و خاندان کے ہر فرد کی مدد و حمایت خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، دورِ جاہلیت کی شریعت میں فرض تھی ان کے یہاں معیار فضیلت یہ تھا ؎

لا یسئلون اخاھم حین یندبھم　　فی النائبات علی ما قال برھانا

اسلام نے عربی اور عجمی نسلی اور قبائلی تعصب پر ضرب کاری لگائی، اور تمام مسلمانوں کو قبیلہ، خاندان، ملک کے تنگ دائروں سے نکال کر عالمگیر اخوت اسلامی اور

اخوت انسانی کے میدان میں لا کھڑا کیا، قبائلی اور نسلی حد بندیاں ٹوٹ گئیں، اور ہر مسلمان عالمگیر اسلامی برادری کا معزز فرد بن گیا، اسلام نے یہ حقیقت بے نقاب کی کہ کسی خاص قبیلہ، نسل اور ملک کا ہونا انسان کے لئے معیار فضیلت نہیں ہے، بلکہ شرف و فضیلت کا حقیقی معیار تقویٰ، حسن عقیدہ اور بلند کردار ہے، قرآن نے بڑی وضاحت سے اعلان کیا۔

یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر ۔ (حجرات پارہ ۲۶ رکوع ۱۴)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی صداقت کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی اعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ

(مسند احمد)

اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے، باپ ایک ہے، سن لو، پرہیزگاری اور دینداری کے سوا کسی اور بنیاد پر نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کسی سرخ کو کالے پر، نہ کسی کالے کو سرخ پر۔

ایک حدیث میں ہے۔

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ ۔

(ابوداؤد)

جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے عصبیت کی بنا پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے، جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے

ارشاد نبوی ہے۔

خیرکم المدافع عن عشیرتہ مالم یاثم۔ (ابوداؤد)

تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے خاندان، قبیلہ کی طرف سے دفاع کرے، جب تک اس سلسلے میں گناہ کا ارتکاب نہ کرے (حدود سے آگے نہ بڑھ جائے)

اسلام کی انھیں تعلیمات کا اثر تھا کہ عرب کے سارے قبائل دولت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد باہم شیر وشکر ہو گئے، صدیوں سے جاری لڑائیاں یکلخت بند ہو گئیں۔ مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج صدیوں سے برسرپیکار تھے، متعدد خوفناک جنگوں کے نتیجہ میں دونوں کے ہزاروں آدمی قتل ہو چکے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد دونوں قبیلوں میں اتنی یگانگت، محبت، ہمدردی اور غمخواری پیدا ہو گئی گویا ان میں کبھی کوئی اختلاف تھا ہی نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر آن کوشش تھی کہ مسلمانوں میں دوبارہ نسلی عداوتیں اور خاندانی عصبیتیں بیدار نہ ہونے پائیں، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ آگ اگر بھڑک گئی تو اسلام اور مسلمانوں کے نشیمن کو خاکستر بنا ڈالے گی، اس کے برعکس اسلام دشمن عناصر یہود، منافقین، مشرکین برابر اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح عصبیت کا جادو جگا کر اسلامی اتحاد کی دھجیاں بکھیریں۔ وہ لوگ کبھی اوس وخزرج کی پرانی خوفناک جنگوں کی یاد تازہ کرا کے دبی چنگاریوں کو کریدنے کی سعی ناکام کرتے، اور کبھی مہاجرین وانصار کو ٹکرانے کی کوشش کرتے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انھیں اس میں ناکامی ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت میں مہاجرین اور انصار کا قضیہ کھڑا ہوتے ہوتے رہ گیا، اس کے بعد ایک طویل زمانہ تک بنو ہاشم اور بنو امیہ کی آویزش جاری رہی، خلافت عباسیہ کے دور میں عرب وعجم کی کشمکش کے لئے فضا ہموار کی گئی۔

تاریخ اسلام کے ہر دور میں قومی، نسلی، وطنی تعصبات کو ہوا دینے کی بھرپور کوشش کی گئی، اور اسلام دشمن عناصر کو اس میں ایک حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی، لیکن آخرکار یہ تعصبات عظیم الشان اسلامی اخوت کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے، یا عالم اسلام کے وسیع سمندر کو چھوڑ کر یہ غیر اسلامی رجحانات اس کے کسی گندے نالے اور چھوٹے تالابوں

میں پناہ لیتے، غرضیکہ عالم اسلام میں ان متعصبانہ رجحانات کو کسی دور میں عمومی قبولیت حاصل نہیں ہوئی، ہر مسلمان تمام ممالک اسلامیہ کو اپنا وطن تصور کرتا، اور ہر مسلمان کو خواہ وہ کسی ملک اور نسل کا ہو اپنا مخلص اور دینی بھائی سمجھتا، اس کی نگاہ میں دنیا میں دو ہی ملتیں تھیں، ملت اسلام اور ملت کفر۔

عرب قومیت کا پس منظر

انیسویں صدی عیسوی میں جبکہ عالم اسلام مغربی استعمار کی چکی میں پس رہا تھا، اور اس کی علمی فکری قوتوں کے چشمے خشک ہوتے نظر آرہے تھے، یورپ نے عالم اسلام کے سامنے نسل پرستی اور عصبیت جاہلیہ کا نیا اڈیشن پیش کیا، اور اسے قومیت وطنیت کا نام دیا، اس بار یورپ نے اسے جدید علمی نظریہ کی صورت میں پیش کیا اور زبردست پروپیگنڈہ کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی کہ وطنیت و قومیت کا زیر بحث نظریہ مغربی مفکرین کا جدید علمی انکشاف ہے جسے اپنانے سے عالم اسلام اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتا ہے حالانکہ قومیت کا فکر و فلسفہ عالم اسلام کے خلاف گہری سازش تھا، جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل و دماغ سے عالمگیر اسلامی اخوت و اتحاد کا تصور محو ہو جائے، ہر مسلمان کی وفاداری اور جانثاری ایک ملک یا نسل کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔

انیسویں صدی میں یورپ کے استعماری ممالک بڑی تیزی سے دنیا کے مختلف حصوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کر رہے تھے، اور اپنی مقبوضات میں بڑی تیزی سے اضافہ کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ دولت عثمانیہ، ایشیا، افریقہ، یورپ کے بہترین علاقوں پر مشتمل ہے، اور یہ امپائر اپنی کمزوریوں کے باوجود ان کے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، برطانیہ، فرانس وغیرہ نے دولت عثمانیہ کا حصہ بخرا کرنے کے لئے جو حربے استعمال کئے انھیں میں سے ایک حربہ یہ بھی تھا کہ دولت عثمانیہ میں بسنے والی تمام نسلوں اور مذاہب میں قومی، نسلی، وطنی اور لسانی رجحانات کو فروغ دیا جائے، اور مختلف طریقوں سے ان میں منافرت اور عداوت کا پرچار کیا جائے تاکہ علیحدگی پسندی کے رجحانات کے نتیجہ میں دولت عثمانیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے، اور دولتِ

عثمانیہ کے کھنڈرات پر چھوٹے چھوٹے کمزور ملک نمودار ہو جائیں، جنھیں انتہائی عجلت اور سہولت سے ہڑپ کیا جاسکے، محب الدین الخطیب لکھتے ہیں۔

"جو بڑا حلقوم (یورپ) سو سال سے عالم اسلام کو نگلنے کی فکر میں تھا، اسے خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ بڑا لقمہ گلے میں نہ پھنس جائے، تو اس نے حیرت انگیز مہارت سے قومیت کے رجحانات کا پرچار کیا، جس سے عالم اسلام پارہ پارہ ہو گیا، پھر اس نے عرب قومیت کو غور سے دیکھا تو اسے یہ لقمہ بھی بڑا محسوس ہوا، لہٰذا اس نے بڑی ذہانت سے عرب قومیت سے مختلف قومیتوں کو جنم دیا، (مصری قومیت، شامی قومیت، عراقی قومیت اردنی قومیت)"۔[۱]

عرب قومیت کے بانی

دستاویزی تحقیقات کی روشنی میں یہ بات مسلمہ حقیقت بن چکی ہے کہ عرب قومیت کا نظریہ یورپ سے آیا ہے، ممالک عربیہ میں لبنان و شام کا خطہ مغربی تہذیب و تمدن افکار و نظریات اپنانے میں پیش پیش تھا، وہاں عیسائیوں کی بڑی تعداد آباد تھی، اسی بنا پر شام و لبنان میں عیسائی مشنریاں بہت تیزی سے سرگرم عمل تھیں، عیسائی مشنریوں کے اپنے ہسپتال، کالجز، جامعات اور یتیم خانے تھے، انھیں تعلیم گاہوں اور رفاہی اداروں کے ذریعہ بلاد عربیہ میں مغربی تہذیب و تمدن، فکر و فلسفہ کی نشر و اشاعت ہو رہی تھی اور مغرب کی استعماری طاقتیں بلاد عربیہ میں اپنا اثر بڑھانے اور پنجہ گاڑنے کی کوشش میں مصروف تھیں، عرب قومیت کے سب سے مستند مؤرخ لبنانی عیسائی جورج انیطونیوس لکھتے ہیں۔ "عرب قومیت کی تحریک کے بارے میں پہلی منظم کوشش عبدالحمید ثانی کی تخت نشینی سے دو سال قبل ۱۸۷۵ء میں ہوئی، جب بیروت کے شامی پروٹسٹنٹ کالج کے تعلیم یافتہ پانچ نوجوانوں نے ایک خفیہ انجمن کی تشکیل کی، یہ پانچوں عیسائی تھے، یہ لوگ مختلف مذاہب کے ۲۲ منتخب اور روشن خیال افراد کو اپنے ساتھ شریک کرنے میں کامیاب ہو گئے، اس سے پہلے ہی یورپ کے انداز کی فری مینسن

۱؎ انور الجندی ۔ المعارک الادبیہ ص۲۰۱ ۔

تنظیم شام میں قائم ہو چکی تھی، اس خفیہ انجمن کے مؤسسین اپنے ایک شریک کار کے توسط سے فری میشن تنظیم کی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، نوجوانوں کی اس خفیہ انجمن کا مرکز بیروت تھا، لیکن دمشق، طرابلس، صیدا میں بھی اس کی شاخیں تھیں، اس انجمن کے مقاصد واضح طور پر انقلابی تھے، شروع میں ان کی سرگرمیاں خفیہ جلسوں، باہمی تبادلۂ خیال، انفرادی ملاقاتوں تک محدود تھیں، تین چار سال اس طرح خفیہ سرگرمیاں جاری رکھنے کے بعد انھیں محسوس ہوا، کہ موجودہ سرگرمیاں ناکافی ہیں تو انھوں نے اپنی دعوت کا دائرہ وسیع کرنے کا عزم کیا اور شاہراہوں پر گمنام پوسٹر آویزاں کرنے شروع کر دیئے،، [۱]

مشرق وسطیٰ خصوصاً ترکی تاریخ کے مستند مؤرخ لندن یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر برناڈ لوئیس لکھتے ہیں،

"عربوں کو اپنی خوبصورت اور مالا مال زبان وادب پر بجا ناز تھا، لیکن عرب قومیت ایک سیاسی تحریک، اور نظریہ کی شکل میں اس مطالبہ کے ساتھ کہ عرب ایک علٰحدہ قوم ہیں، جن کے علٰحدہ قومی حقوق ہیں، پہلی بار انیسویں صدی کے اواخر میں رونما ہوئی شروع میں یہ تحریک معدودے چند افراد تک محدود تھی، جو عرب عوام کے نمائندے اور ترجمان نہیں تھے، بلکہ ان میں سے اکثر عیسائی تھے، اس ایک مختصر جماعت کے علاوہ پوری عرب قوم دولت عثمانیہ کے خاتمہ تک عثمانی خلافت کی ہمدرد اور وفادار رہی کیونکہ عربوں کا احساس تھا کہ ہم مسلمان ہیں، اور ایک اسلامی ملک میں آباد ہیں،، [۲]

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں، "اس تحریک کے اولین قائد و علمبردار بعض مسیحی فضلاء تھے، جن کا ترکوں سے عقیدہ و مذہب اور اخوت اسلامی کا کوئی رشتہ نہ تھا، وہ اس مغربی ثقافت کے حامل تھے، جس کی بنیاد ہی قومی عظمت اور قوم پرستی کے جذبہ پر ہے، اس وقت اس تحریک کے لیڈر ڈاکٹر فارس نمر، شیخ ابراہیم الیازجی، استاذ نجیب، العازوری لبنانی تھے،، [۳]

---

[۱] جورج انطونیوس ۔ یقظۃ العرب ۱۴۹، ۱۵۰ [۲] برنارڈ لوئیس ۔ العرب والشرق الاوسط تعریب ڈاکٹر نبیل صبحی [۳] مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، عرب قومیت اسلامی نقطہ نظر سے خطرناک کیوں؟ ص ۱۸

عرب قومیت کے سرپرست

سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں عرب قومیت کی تحریک زیادہ کامیاب نہیں ہوئی سلطان نے ایک طرف قومیت کی تحریکات کو اور اس کے علمبرداروں کو سختی سے کچلا ملک بدر کیا، دوسری طرف اپنی عرب دوستی کی پالیسی اور داد و دہش کے ذریعہ عرب کے سرداران قبائل اور شیوخ کو اپنا سرگرم حامی بنالیا، حجاز میں ریلوے لائن بچھا کر عالم عربی اور عالم اسلامی کی ایک بڑی ضرورت پوری کی، سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں استعماری طاقتوں خصوصاً برطانیہ اور فرانس نے عرب قومیت کی تحریک کو کامیاب بنانے میں بھرپور حصہ لیا، مصر جہاں عملاً برطانیہ کی حکومت تھی اور فرانس، یہی دو ملک عرب قومیت کے داعیوں کی خصوصی پناہ گاہ تھے۔ ڈاکٹر محمد محمد حسین لکھتے ہیں۔

"ممالک عربیہ میں سب سے پہلے جدید نظریہ قومیت سے شام متاثر ہوا، کیونکہ اسی ملک نے سب سے زیادہ مغربی تہذیب کی روح اور یورپین نظریات اپنائے، عرب قومیت کے رہنماؤں کا نعرہ تھا کہ ترکی استعمار کو ختم کرو، اور آزاد عرب ممالک سے ایک عربی مملکت قائم کرو، جس کا سربراہ ایک بڑا دینی پیشوا ہو، لیکن یہ تحریک سلطان عبدالحمید ثانی کی حیات میں ناکام رہی، کیونکہ سلطان کی سیاست یہ تھی کہ اہل عرب کو مائل کیا جائے، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، تاکہ عرب و ترک مل کر مسیحی دنیا کے حریصانہ منصوبوں کی راہوں میں آڑے آئیں، انیسویں صدی کے اواخر میں جب قوم پرستوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں تو سلطان اس تحریک کے رہنماؤں پر کچھ سختی کرنے پر مجبور ہوگئے، چنانچہ ایک بڑی تعداد کو ملک بدر کیا جن میں اکثر شامی تھے، ان میں سے بعض لوگ مصر میں مقیم ہوگئے، کیونکہ انگریز دولت عثمانیہ کے ہر سرکش اور باغی کو پناہ دیتے اور اس کی ہمت افزائی کرتے کچھ لوگوں نے فرانس کے زیر سایہ پناہ لی، مصر میں قیام پذیر قوم پرستوں نے جمعیۃ لا مرکزیہ قائم کرلی اور تصنیف و تالیف میں سرگرم ہوگئے، انھیں لوگوں میں سے عبدالحمید زہراوی ہیں، جنھوں نے رسالہ "الجریدۃ" میں تحریک اتحاد اسلامی کے خلاف مضامین لکھنے شروع کئے، عبدالرحمن الکواکبی، رفیق العظیم، حقی العظیم بھی انھیں لوگوں میں ہیں

فرانس میں پناہ گزیں قوم پرست مصر والوں سے کم سرگرم نہیں تھے، چنانچہ ان کے ایک رہنما نجیب عازوری نے فرانسیسی زبان میں "یقظۃ الامۃ العربیہ" کتاب لکھی، جو پیرس میں ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ ۱؎

عرب قوم پرستوں کا منصوبہ

نجیب عازوری ایک شامی عیسائی تھا جس کے دل و دماغ پر فرانسیسی فکر و فلسفہ کے گہرے اثرات تھے، اس نے اپنی کتاب "یقظۃ الامۃ العربیہ" میں عرب قومیت کا ایک لادینی اور سیکولر تصور پیش کیا ہے اور تجویز پیش کی کہ عالم عربی کو دولت عثمانیہ سے الگ کر کے حجاز میں ایک عربی اسلامی دینی حکومت قائم کردی جائے، جس کا پایہ تخت مکہ ہو، اور اس کے حکمران کو خلیفہ کا لقب دیا جائے، اسے تمام دنیا کے مسلمانوں کی دینی اور روحانی سربراہی کا حق حاصل ہو، اور ایک سیکولر عرب حکومت قائم کیجائے، جو شام لبنان اور فلسطین پر مشتمل ہو، یہ حکومت مغربی طرز حکمرانی اور مغربی تہذیب و ثقافت سے کسب فیض کر کے اپنا نظام چلائے، اس نے دول عظمیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس منصوبہ کو بروئے کار لانے میں عرب قوم پرستوں کی ہر طرح سے مدد کریں، دلچسپ بات یہ ہے کہ عرب امپائر کا خاکہ پیش کرتے ہوئے نجیب عازوری نے بلاد عربیہ کے ایک بڑے حصہ عراق یمن، خلیج عربی، الجزائر، تونس، مصر وغیرہ کو نظر انداز کردیا، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ ان ممالک کے بارے میں کوئی تجویز پیش کرنے سے قومیت عربیہ کے دونوں بڑے سرپرست سخت ناراض ہوجائیں گے، جن کی حمایت اور تحریک پر یہ سرگرمیاں جاری تھیں، اس لئے کہ الجزائر اور تونس پر فرانس کا قبضہ ہو چکا تھا، مصر میں عملاً برطانیہ کی حکومت تھی، عراق اور خلیج عربی پر گہرے برطانی اثرات تھے، اسی کے ساتھ ساتھ عرب قومیت کے مسیحی علمبرداروں کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ پورے بلاد عربیہ کی مشترکہ حکومت بننے سے اس مملکت میں عیسائیوں کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر ہوگی، اور مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت ہونے کی بنا پر کوئی لادینی حکومت نہیں قائم ہو پائے گی، غرضیکہ نجیب عازوری کی کتاب پڑھ کر ادنیٰ عقل و خرد رکھنے

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

۱؎ محمد محمد حسین — الاتجاھات الوطنیۃ فی الادب المعاصر جلد ۲ -

تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار

(پانچویں اور آخری قسط)

مولانا شمس تبریز خاں، رفیق مجلس تحقیقات و نشریات، لکھنؤ۔

خلافت عباسیہ کا خاتمہ اور تباہی بغداد

قرامطہ و باطنیہ کا سب سے بدترین اور شرمناک کردار خلافت عباسیہ کے خاتمے کے لئے ان کی سازش تھی، جس کے نتیجے میں ساڑھے چھ سو سالہ خلافت کا خاتمہ ہوا، اور اسلام اور مسلمانوں کو وہ ناقابل تلافی نقصان پہونچا جس کی تاریخ اسلام میں کوئی نظیر نہیں ملتی سیاسی زوال کے ساتھ علمی و ثقافتی پیش رفت رک گئی، اور اس کے بعد ملت اسلامیہ نئے علمی آفاق کی دریافت کے بجائے اپنے ثقافتی ورثے کی حفاظت و وضاحت میں لگ گئی، اور اس کی علمی سرگرمیوں کا تسلسل ختم ہوگیا، مورخین اسلام نے بھی اس حادثہ کے دور رس نتائج اور اس کی المناکی کو محسوس کیا ہے، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ "ولم یؤ فی الاسلام ملحمۃ مثل ملحمۃ الترک الکفار المسمین بالتترۃ"[1] (اسلام میں ترک کفار یعنی تاتاریوں کے حملہ سے زیادہ کوئی اور خونریز جنگ نہیں ہوئی)، اس المیے کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بغداد کے محلہ کرخ کے شیعہ سنی فساد کے بعد خلیفہ مستعصم کا وزیر ابن العلقمی اور نصیر الدین طوسی جیسا فلسفی اور محقق بھی تھا۔

---

[1] مختصر منہاج السنۃ ص ۳۲۸ (دمشق ۱۳۷۴ھ)

علامہ ذہبی (۶۷۳ - ۷۴۸ھ) طوسی (۵۹۷ - ۶۷۲ھ) کے بارے میں لکھتے ہیں

"طوسی بھی دشمن خدا ابن العلقمی اور اس کے مشیر ابن ابی الحدید کے ساتھ اس خوفناک قتل عام میں شریک تھا، جس کا ارتکاب امت محمدیہ میں ہلاکو نے عاصمہ الاسلام بغداد میں ۶۵۶ھ میں کیا تھا، اس میں ابن العلقمی اور اس کے مشیر کی خیانت اور اس ملحد فلسفی طوسی کی ترغیب شامل تھی، طوسی اس سے پہلے بلاد الجبل (کوہستان) میں الموت کے ملاحدہ اسماعیلیہ کے اعوان میں تھا، اس نے اپنی کتاب "اخلاق ناصری" باطنیہ کے وزیر ناصر الدین حاکم جبال کے نام پر لکھی تھی اور یہ ناصر الدین علاء الدین محمد باطنی کے خبیث ترین کارندوں میں تھا، طوسی کی ایک منافقانہ حرکت یہ بھی کہ اس نے عباسی خلیفہ مستعصم کا قصیدہ بھی لکھا تھا اور اس کے باوجود بغداد کے اسلامی المیئے کے لئے ہلاکو کو اسی نے دعوت دی تھی، شیعہ حضرات اس رسوا کن خیانت کو اور بدترین وحشت کو نصیر طوسی کے مفاخر میں شمار کرتے ہیں"۔[1]

محمد بن شاکر بن احمد الکتبی (م ۷۶۴ھ) نصیر طوسی کے بارے میں لکھتے ہیں،

"وہ ہلاکو کا بہت مقرب تھا اور اس کے مشوروں کو مانتا تھا، اسے مالی تصرف کا بھی اختیار تھا"۔[2]

الکتبی موید الدین ابن العلقمی کے بارے میں لکھتا ہے کہ

"دواادار جو غالی سنی تھا اور ابن العلقمی کے مابین کچھ اختلاف ہوا جس میں خلیفہ کے لڑکے نے دواادار کی حمایت کی جس سے ناراض ہو کر ابن العلقمی نے جیسا کہ مشہور ہے اسلام اور بغداد کی تباہی کا منصوبہ بنایا، اور تاتاریوں سے مراسلت کی، اور ہلاکو کو بغداد پر قبضے کی دعوت دی، اور ہلاکو کیسا تھ ایسی سازش کی، جس پر وہ بعد میں نادم ہوا، اور اکثر یہ مصرع پڑھتا تھا۔ وجری القضاء بعکس ما املتہ۔ کیونکہ رذیل تاتاریوں کے ہاتھ سے وہ طرح طرح سے ذلیل ہوا

---

[1] مختصر منہاج السنۃ ص ۲۰ (دمشق ۱۳۷۴ھ) [2] فوات الوفیات ۱۸۶/۲ (۱۲۸۳ھ)

اور غم و غصے میں مبتلا ہو کر دوسرے ہی سال ۶۵۷ھ میں مر گیا۔[1]

مورخ و مفسر ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کے قتل کے مشورہ دینے والوں میں وزیر ابن العلقمی اور نصیر طوسی بھی تھے، قلعہ الموت کی فتح کے بعد طوسی ہلاکو کے ساتھ رہتا تھا، اور ہلاکو نے اسے اپنا وزیر بنا لیا تھا، ہلاکو خلیفہ کے قتل میں تذبذب تھا، مگر طوسی کے اشارے پر لوگوں نے اسے گلا گھونٹ کر قتل کر دیا، ابن العلقمی اس سے پہلے فوج میں کمی کرتا رہا تھا، مستعصم کے آخری ایام میں ان کی تعداد ایک لاکھ تھی جسے اس نے دس ہزار تک پہونچا دیا تھا، اور خلافت کی کمزوری بتا کر تاریوں کو حملے کی دعوت دی، وہ اس طرح سنت کا بالکل خاتمہ اور رفض و بدعت کو فروغ دینا، اور کسی فاطمی کو خلیفہ بنانا، اور علماء و مفتیوں کو ختم کرنا چاہتا تھا۔"[2]

ابن کثیر کے قلم سے تباہی بغداد کی یہ دردناک تصویر ملاحظہ ہو،

"ہلاکو خاں نے اپنی کافر و فاجر اور ظالم فوج کے ذریعہ بغداد کے مغربی و مشرقی جانب سے محاصرہ کر لیا۔ بغداد کی فوجیں بہت کم اور کمزور تھیں، جن کی تعداد دس ہزار تھی۔ یہی باقی فوج تھی جو ابن العلقمی کے غلط مشورہ کے نتیجے میں رہ گئی تھی، سب سے پہلے وہی اپنے اہل و احباب اور خدم و حشم کے ساتھ ہلاکو سے جا کر مل گیا، اور خلیفہ کو مشورہ دیا، کہ وہ بھی ہلاکو سے ملے تاکہ صلح ہو جائے، چنانچہ خلیفہ سات سو سواروں کے ساتھ (جن میں قضاۃ و فقہاء اور امراء و اعیان بھی تھے) ہلاکو کے پاس گیا، ہلاکو نے اس سے بہت سے سوالات کئے، کہا جاتا ہے کہ خوف و امانت کے احساس سے خلیفہ صحیح جواب نہ دے سکا، اور بغداد واپس آ گیا، اس کے ساتھ نصیر طوسی اور ابن العلقمی بھی تھے جنھوں نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ وہ خلیفہ سے صلح نہ کرے، اس کے ساتھ انھوں نے خلیفہ کے قتل کا بھی مشورہ دیا، خلیفہ جب ہلاکو کے پاس آیا، تو اس نے

---

[1] فوات الوفیات ۲/۱۸۹-۱۹۰ [2] البدایہ والنہایہ ۱۳/۲۰۱ (مصر ۱۳۵۸ھ)

اس سے قتل کا حکم دیدیا، اور وہ قتل کر دیا گیا، اور ان میں سے یہود و نصاریٰ اور تاتاریوں، یا ابن العلقمی کی پناہ میں آنے والوں کے سوا کوئی نہیں بچا، کہا جاتا ہے کہ مقتولین کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی۔ منہ

تباہی بغداد پر روافض کی خوشی

ایک شیعہ اہل قلم مرزا محمد باقر خوانساری طوسی کے بارے میں لکھتا ہے۔

"ان کے بارے میں یہ مشہور و معروف ہے کہ وہ ایران میں سلطان محتشم ہلاکو خاں (عظیم تاتاری مغل سلطان)، کے وزیر بنائے گئے، اور اس سلطان (مؤید من اللہ) کے ساتھ بغداد آئے، تاکہ خلق کی خبر گیری، ملک کی اصلاح کریں، اور سلطنت عباسیہ کا خاتمہ کرکے اور اس کے حامیوں کا قتل عام کر کے فساد کی جڑ کھود دیں اور ظلم کی آگ بجھا دیں، چنانچہ ان کے گندے خون کو نہروں کی طرح بہایا، جو دجلہ میں جاکر ملا، اور وہاں سے جہنم رسید ہوا" [۲]

خلافت عثمانیہ اور ایران

خلافت بغداد کو تباہ کرنے کے بعد روافض اور طاقتور ہو گئے، یہاں تک کہ ۹۰۶ھ میں ایران پر صفویہ کی حکومت قائم ہوگئی اور انھوں نے تشیع کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیکر سرکاری طور پر مسلم دشمنی کی پالیسی اپنائی، اور اس عہد کی سب سے بڑی اسلامی طاقت (خلافت عثمانیہ) کے خلاف یورپی حکومتوں سے ساز باز شروع کی، جس کے جواب میں کئی صدی تک ایران سے آویزش جاری رہی، اور جو طاقت یورپ میں اسلامی فتوحات میں صرف ہوتی، وہ ایران میں ضائع ہو کر رہ گئی اور بالآخر خلافت عثمانیہ کمزور ہو کر ختم ہو گئی مولانا اکبر شاہ خاں سلطان سلیم (۱۵۱۲ء - ۱۵۲۰ء) کے بارے میں لکھتے ہیں

"سلطان سلیم کو اپنے بھائیوں سے فارغ ہوتے ہی ایران کی سلطنت، اور ایشیائے کوچک کے لوگوں سے الجھنا پڑا، اور حقیقت یہ ہے کہ سلطان سلیم اگر ایران کی سلطنت کے خلاف مستعدی کا اظہار نہ کرتا تو سلطنت عثمانیہ کے

---

[۱] البدایہ والنہایہ ۱۳/۲۰۰ [۲] روضات الجنات ص ۵۷۸ بحوالہ مختصر منہاج السنۃ ص ۳۲۶

درہم برہم ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی ... اگر اسماعیل صفوی سلطان سلیم کے ملک میں اپنی خفیہ سازشوں کا جال نہ پھیلاتا، اور سلطان عثمانی سے صلح و صفائی رکھنا ضروری نہ سمجھتا تو یقیناً سلیم، یورپ کی طرف متوجہ ہوتا، اور اس طویل زمانے کی مہلت کو جو بایزید ثانی کے عہد حکومت میں عیسائی بادشاہوں کو حاصل رہی ختم کر کے تمام یورپ کو فتح کرتا ہوا اندلس تک جا پہونچتا، لیکن اسماعیل صفوی نے سلیم کو یورپ والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔“ [1]

اپنے علاقوں کی واگزاری اور ایران کے مظلوم سنیوں کی دادرسی کے لئے سلطان سلیم کو شاہ اسماعیل صفوی سے وادی خالدران میں (جو تبریز سے بیس میل پر ہے)، ۲۰ رجب ۹۲۰ھ / ۲۳ اگست ۱۵۱۴ء کو فیصلہ کن جنگ کرنی پڑی جس میں اس نے شاہ اسماعیل کو شکست فاش دی، اور کردستان، عراق اور ساحل خلیج فارس تک کے تمام صوبے فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر دیئے، اور اسماعیل صفوی کی قریباً آدھی سلطنت عثمانیہ سلطنت میں شامل ہو گئی۔“ [2]

سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶-۹۷۴ھ) کے عہد میں بھی صفویہ کی حرکتیں اس کی فتوحات یورپ میں خلل انداز ہوتی رہیں اور اسے شاہ طہماسپ صفوی کے خلاف ۹۴۱ھ سے ۹۶۱ھ کے درمیان چار بار ایران پر فوج کشی کرنی پڑی، اور اس طرح وہ اپنے یورپی حریفوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، اور فریضۂ جہاد کما حقہ انجام نہیں دیا جا سکا۔

دربار عثمانی میں مامور آسٹریائی سفیر (Bus Bequiv) نے لکھا تھا

”ہمارے اور ہماری تباہی کے درمیان اہل ایران ہی صرف ایک روک ہیں، ترک ہمیں ضرور آ دباتے، مگر ایرانی انھیں روکے ہوئے ہیں، ایرانیوں کے ساتھ ترکوں کی اس جنگ سے ہمیں صرف مہلت مل گئی ہے، مخلصی اور نجات نہیں حاصل ہوئی ہے۔“ [3]

---

[1] تاریخ اسلام ۳/۴۱۵-۴۲۱ [2] ایضاً ۳/۴۲۹ [3] دولت عثمانیہ ۱/۱۹۸، از ڈاکٹر محمد عزیر (اعظم گڈھ ۱۹۸۱ء) نیز کریزی کی ”تاریخ ترکان عثمانی“، (لندن ۱۸۷۷ء ص ۲-۱۷۱)

مراد ثالث (۹۸۲ - ۱۰۰۳ھ) کے عہد میں بھی ایران سے جنگ کا سلسلہ ۹۸۵ھ سے ۹۹۸ھ تک جاری رہا، اور پھر ایران سے صلح ہو گئی، صلحنامہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ آئندہ اہل ایران خلفائے ثلثہ رضؓ کے خلاف تبرا کہنے سے باز رہیں گے۔"۱؎

سر جان مالکم (MALCOLM) سابق گورنر بمبئی اپنی "تاریخ ایران" میں لکھتا ہے

"شاہ عباس کے عہد میں جو تدبیریں دو انگریزوں کی بدولت ظہور میں آئیں، پہلے ان کا خیال بھی نہیں تھا، یعنی دو انگریز جو شریف خاندان اور جنگی فن میں مشہور و معروف تھے، عباس کے دربار میں اتفاقاً وارد ہوئے، اور وہ دونوں سر انتھونی شرلی صاحب (SHERLEY) اور سر رابرٹ شرلی صاحب نامی آپس میں بھائی بھائی تھے، ان دونوں کے ذریعہ شاہ عباس کو ملکی اور جنگی تدبیروں میں بہت بڑی مدد پہونچی (ص ۳۴۶) . . . ایک نامہ شاہ عباس نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں کے نام لکھ کر سر انتھونی شرلی صاحب کے حوالہ کیا، وہ نہایت عجیب و غریب تھا، کبھی کسی بادشاہ نے اپنے ایلچی کو ایسا نامہ لکھ کر نہیں دیا، اس میں عباس کی جانب سے عیسائی بادشاہوں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنے کی درخواست تھی (ص ۳۴۷) . . . سر انتھونی صاحب شاہنشاہ جرمنی کے دربار میں گئے، اور شاہنشاہ ممدوح اور تمام بادشاہ ان کے ساتھ نہایت تواضع، تکریم سے پیش آئے، کیونکہ ایک خبر فرحت اثر صاحب موصوف نے ایسی سنائی تھی کہ اس سے زیادہ کوئی خبر یورپ میں بادشاہوں کے حق میں اچھی نہ تھی، یعنی شاہ عباس ترکوں پر فوج کشی کرنا چاہتا ہے، جن سے یورپ کے یہ تمام بادشاہ اس زمانہ میں خائف و ترساں تھے، چنانچہ شاہ عباس نے اپنے ارادہ کے موافق قسطنطنیہ کے بادشاہ پر فوج کشی شروع کی۔"۲؎

نادر شاہ درانی ــــــــــ نے ایران، افغانستان، عراق اور ہندوستان میں جس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا، اور بے گناہ انسانوں کے خون سے جس طرح ہولی کھیلی، اس نے

۱؎ دولت عثمانیہ ۱/۱۸۲ از ڈاکٹر محمد عزیر ۲؎ تاریخ ایران: جان مالکم ۲/۲۵۱ (علی گڑھ ۱۸۷۵ء)

اس کا نام ہمیشہ کے لیے چنگیز و ہلاکو اور تیمور جیسے غارتگروں کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور ظلم و سفاکی میں ضرب المثل بن چکا ہے۔

اس کی اس بربریت کے پیچھے بھی اس کی تخریبی ذہنیت اور عجمی عصبیت کارفرما تھی اور اس کی غارتگری و مردم کشی کے پس منظر اور عملی محرکات میں تشیع کا بھی خاصا دخل تھا، بہت سے فیصلہ کن مرحلوں میں اس نے اپنے سنی حریفوں کو فریب میں رکھنے کے لئے "تقیہ" کا حربہ بھی استعمال کیا، اور اپنے کو بعض موقعوں پر سنی بھی ظاہر کیا۔

اس نے عراق اور بغداد کے مسلمانوں کو جس طرح اپنے حملوں کا نشانہ بنایا، اور عثمانی گورنر کو پریشان کیا، اس کی چشم دید روداد مشہور عراقی عالم و مؤرخ ابو الخیر زین الدین عبد الرحمٰن السویدی (م ۱۲۰۰ھ) نے مرتب کی تھی اور نادر شاہ سے ٹکر لینے والے دو عثمانی وزیروں حسن پاشا اور ان کے لڑکے احمد پاشا کے حالات حدیقۃ الزوراء فی سیرۃ الوزراء کے نام سے لکھے تھے، ان سب کا مجموعہ علامۂ عراق شیخ بہجۃ الاثری نے ابھی حال ہی میں بغداد سے شائع کیا ہے جس میں علامہ سویدی لکھتے ہیں کہ

"نادر شاہ عثمانی ترکوں سے لڑنے کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ عراقی سرحدوں میں داخل ہوا، اور ان میں بڑی تباہی مچائی، اور سات ماہ تک بغداد کا محاصرہ کئے رہا، مگر بغدادیوں اور عثمانی فوجوں کی شجاعت و استقامت کے سبب وہ اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رہا، اور عثمانیوں نے اسے "العظیم" کے معرکہ میں فیصلہ کن شکست دی، اور وہ ہمدان کی جانب روانہ ہو گیا جہاں وہ ۱۱۵۶ھ میں ٹھہرا رہا، پھر تقریباً نوے ہزار فوج کے ذریعے بصرہ کا محاصرہ کر لیا اور بیس دن تک بغداد کا محاصرہ کئے رہا، اور اس کے دیہاتوں کو لوٹتا رہا پھر شہر زور، کرکوک، اربل کو پامال کرنے کے بعد دو لاکھ فوجوں کے ذریعے موصل کا چالیس روز تک محاصرہ کئے رہا، مگر وہاں ناکام رہ کر تیسری بار بغداد کا رخ کیا، مگر اسی اثنا میں بلوچ خان نے آگے بڑھ کر اکثر ایرانی شہروں پر قبضہ کر لیا جس کے سبب نادر شاہ نے وزیر احمد پاشا سے صلح کی درخواست کی جسے اس نے

قبول کرلیا جس کے بعد وہ ایرانی سرحدوں میں لوٹ آیا، اور اس کے اسلاف کی طرح، عراق کو ایرانی مملکت کا حصہ بنا لینے کی خواہش بھی پوری نہیں ہوئی، اور بالآخر ۱۱۶۰ھ میں وہ مارا گیا،،[۱]

ہندوستان میں ایرانی تورانی کشمکش اور نادر شاہ کا قتل عام

ہمایوں، عباس صفوی کے دربار سے تشیع سے متاثر ہو کر ہندوستان واپس آیا، اور ایرانی سپاہیوں کی مدد سے دوبارہ تخت دہلی پر قبضہ کیا جس کی یہ بھاری قیمت ادا کرنی پڑی، کہ ایرانی امراء کا اقتدار بڑھتا گیا، اور اسی تناسب سے ترکی، افغانی اور مغل امراء بے اثر ہوتے گئے، اور بالآخر مغل سلاطین سید برادران حسن علی خاں اور حسین علی خاں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئے، اور سلطنت مغلیہ مفلوج اور بے اثر ہو کر رہ گئی، اور اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نادر شاہ نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور مغل سلطنت کو اتنا کمزور کر گیا کہ وہ پھر سنبھل نہ سکی، تاریخ اسلام اور تاریخ ہند کے ایک مبصر اور ممتاز عالم مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس عہد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

،، عالمگیر کے لڑکے بہادر شاہ کے انتقال کے بعد معز الدین جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں جنگ ہوئی، اس معرکہ میں فرخ سیر کی کامیابی چونکہ بالکلیہ بارہ کے سیدوں میں سے دو بھائی حسین علی خاں اور حسن علی خان کی رہین منت تھی، اس بنیاد پر فرخ سیر کے عہد میں حکومت پر انھی دو بھائیوں کا اقتدار قائم ہو گیا، اور ایسا اقتدار کہ بادشاہ بیچارہ ،، شاہ شطرنج ،، ہو کر رہ گیا، قدرۃً فرخ سیر کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت بنتی چلی جارہی تھی، سید بھائیوں اور فرخ سیر میں ان بن ہو گئی، اور اس مخالفت و معاندت نے بالآخر ان نتائج کو پیدا کیا جن کا خمیازہ آج تک ہندوستان کے مسلمان بھگت رہے ہیں، طباطبائی جو ہم مشربی کی وجہ سے بجائے فرخ سیر کے سید بھائیوں کے سخت ترین طرفداروں میں ہیں، ان کو بھی لکھنا پڑا کہ انھی فسادات سادات (۲/۷۰۴) نے آہستہ

---

[۱] ذرائع العصبیات العنصریۃ فی اثارۃ الحروب: بہجۃ الاثری، دار مجمع علمی عراقی بغداد ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء ص ۳۹

آہستہ ہندوستان کی ساری مملکت کا احاطہ کرلیا، اور تیموری سلاطین کا اقتدار قطعی طور سے فنا کی آندھی کی نذر ہوگیا ...... لیکن صحیح یہ ہے، اور واقعات اس کے مؤید ہیں کہ ایرانیوں کی قوت سادات کی تباہی سے جو کمزور ہوئی تھی اس کی تلافی کے لئے غریب تورانیوں پر نادر شاہ کو اکسا کر بلایا گیا تھا، اور بالفرض یہ سب نہ بھی ہو جب بھی واقعہ یہ ضرور پیش آیا، کہ ہمایوں نے ایرانی جراثیم کے لئے جو سوراخ پیدا کر دیا تھا، نادر گردی نے اس سوراخ کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔

نادر سے ہندوستانیوں نے شکست کھائی تھی اور ایسی شکست کھائی تھی جس کی نظیر کم از کم ہندی مسلمانوں کی آنکھوں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، شاہ عبدالعزیز کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ نادر گردی کی دہشت اس حد کو پہونچ چکی تھی کہ پرانی دلی کے شرفاء آگ میں پھاندنے کی تیاریاں کر چکے تھے،،[1]

سید فرید ہاشمی دہلی میں نادر شاہ کے قتل عام کے بارے میں لکھتے ہیں،

"یہ ظالمانہ قتل جس میں مرد و زن، جوان و پیر، تندرست و بیمار، بچہ و معصوم کسی کی رعایت نہیں کی گئی، کامل دو پہر یعنی ۸، ۹ گھنٹے تک جاری رہا، اور اس میں کام آنے والوں کا کم از کم اندازہ تیس ہزار نفوس سے کیا گیا ہے (یہ خود نادر شاہ کے ملازم مرزا مہدی مؤلف نادر نامہ کا اندازہ ہے، بعض مصنفین نے مقتولین کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ بتائی ہے) پھر شہر کے ہر مکان کی تلاشی لی گئی، اور جو کچھ زر نقد، زیورات یا قیمتی ساز و سامان ملا، سب ایرانیوں نے لوٹ لیا، ساز و سامان کے علاوہ کم سے کم روپیہ نقد تھا،،[2]

تاریخ ایران کے ایک مبصر پروفیسر براؤن E.G.BRAWN لکھتے ہیں۔

"چند روز بعد شہر میں بلوہ ہوا جس میں نادر کے کچھ سپاہی مارے گئے، اور

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱۵۹-۱۶۸ (بریلی ۱۹۴۱ء) [2] تاریخ ہند ص ۱۷۲ حیدر آباد (۱۹۲۱ء)

اس نے ان کا انتقام لینے کے لئے دہلی کے باشندوں کے قتل عام کا حکم دیدیا، جو ۹ بجے صبح سے ۳ بجے سہ پہر تک جاری رہا، اور جس میں ایک لاکھ دس ہزار آدمی مارے گئے Hoonway اپنی Revolution of Persia (جلد دوم) میں کہتا ہے کہ ہندوستان کو سب ملا کر ۱۲ کروڑ پونڈ کا مالی نقصان ہوا، اور دو لاکھ جانیں ضائع ہوئیں،[1]

نادر گردی کی وحشتناکی والمناکی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دہلی کے امیر میر قمرالدین منت نہایت عاجزی کے ساتھ نادر کے پاس گئے اور قتل عام روکنے کی درخواست کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

خود محمد شاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے کرب کے ساتھ یہ مصرع پڑھتا تھا کہ

شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت

نادر کے بعد قاچاری دور میں جس طرح اہل سنت پر مظالم ہوئے، اور پھر پہلوی دور میں رضا شاہ کو جس طرح بڑی طاقتوں نے عالم عربی کے خلاف مسلح کیا، اور اسے خلیج (عربی) اور مشرق وسطیٰ کا پولیس مین بنانے کی کوشش کی وہ حال کی تاریخ ہے، اور پھر خمینی صاحب نے ۱۹۷۹ء میں اقتدار میں آکر شاہی استبداد کی جگہ دینی و مذہبی تشدد اور استبداد قائم کر دیا۔ (اگرچہ دین کے معاملے میں ظلم و تشدد کسی مذہب میں جائز نہیں) اور ایران میں اسلامی نظام و استحکام قائم کرنے کے بجائے ۴ ستمبر ۱۹۸۰ء کو عراق کے ساتھ جنگ چھیڑ کر جنگجوئی اور مردم کشی کی ایک المناک روایت قائم کر دی، اور اسطرح اسلام دشمنی و مسلم کشی کی صدیوں پرانی تاریخ کو ایک بار پھر زندہ کر دکھایا، اور اسرائیل اور دوسری اسلام دشمن طاقتوں سے فوجی امداد لے کر بھی باطنیہ و قرامطہ کی روش کو تازہ کر دیا، خمینی صاحب نے اسلام کے نام پر ایران کے سنیوں اور کردوں پر مظالم توڑ کر عالم عربی کے ساتھ معاندانہ رویہ اپنا کر کس اسلام کی یا انسانی مقاصد کی خدمت انجام دی ہے یہ ان کے اور ان کے ہم مذہبوں اور فریب خوردہ حمایتیوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ اور سوالیہ

---

[1] تاریخ ادبیات ایران ص ۱۲۷، دہلی ۱۹۳۹ء

نشان ہے! عالم عرب اور عالم اسلامی سے ایران کو الگ کر کے اسرائیل اور اسلام دشمن طاقتوں سے افسوسناک اور شرمناک اتحاد کو دیکھتے ہوئے اور ان کے ضمیر سے اپیل کرتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

بہ بیں کہ از کہ شکستی و با کہ پیوستی

(صفحہ ۳۶ کا بقیہ)

والا انسان بھی یہ محسوس کر لیتا ہے کہ اس میں قومیت عربیہ کا جو تصور اور خاکہ پیش کیا گیا وہ صرف اور صرف استعماری طاقتوں کے اشارے پر ہے، اور اس کا واحد مقصد دولتِ عثمانیہ کی قبا چاک کرنا ہے،،[۱] (باقی)

---

[۱] ڈاکٹر عبدالعزیز محمد الشناوی۔ الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیۃ مفتریٰ علیھا جلد ۲ ص ۱۲۳۴ تا ۱۲۳۷۔

قابلِ رشک موت

مولانا محمد منظور نعمانی

جنوبی افریقہ' صوبہ ناٹال کے مرکزی شہر ڈربن میں اور اسی طرح اس ملک کے اکثر دوسرے بڑے شہروں میں بھی تجارت پیشہ مسلمان اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں، ان میں اکثر و بیشتر وہ ہیں جو ہمارے ملک کے صوبہ گجرات سے گئے ہوئے ہیں ـــ ان میں علماء کرام بھی ہیں جن میں زیادہ تر وہی ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان کے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کی ہے ـــ ان میں اس عاجز راقم سطور کے ایک بہت ہی مخلص دوست مولانا عبدالحق عمرجی ہیں۔ یہ ڈربن ہی میں ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں وہ صفات و خصوصیات جمع فرمادی ہیں جو کم لوگوں میں جمع ہوتی ہیں۔ دین کی مختلف النوع خدمتیں اللہ تعالیٰ ان سے لیتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں ـــ

گزشتہ مہینہ مارچ کے آخر میں ان کا تار ملا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ

"بھائی محمد جماعت میں گئے ہوئے تھے لوڈھیم کے مقام پر وفات پاگئے۔ وصیت کے مطابق وہیں دفن کئے گئے، مغفرت کی دعا کی جائے"

چند روز کے بعد ان کا مفصل مکتوب ملا۔ اس میں انھوں نے اپنے مرحوم بھائی اور ان کے حادثہ وفات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس نے اس عاجز کو بہت متاثر کیا۔ امید ہے کہ اس کا مطالعہ انشاء اللہ ناظرین کیلئے بھی نافع ہوگا۔ اسلئے اختصار اور تلخیص کے ساتھ مکتوب کا وہ حصہ نذرِ ناظرین کیا جارہا ہے ـــ مولانا عبدالحق صاحب نے لکھا ہے ـــ

"بھائی مرحوم ہم بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، ۱۹۳۶ء میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کھلوڑ (ضلع سورت) تشریف لائے تھے، والد مرحوم اس وقت ہندوستان میں (اپنے اصل وطن کٹھور میں جو کھلوڑ کے قریب ہی ہے) مقیم تھے۔ کھلوڑ حاضر ہو کر حضرت کے دست حق پرست پر بیعت

ہوئے ۔ بھائی محمد صاحب بھی ساتھ تھے ، عمر دس سال کی تھی ۔ حضرت نے ان کے سر پر دست شفقت پھیر کر دعا فرمائی تھی جسکا اثر تھا کہ مزاج بالکل دینی تھا ، صوم وصلوٰۃ اور احکام شریعت کی پابندی گویا ان کی فطرت بن گئی تھی ۔

ابھی کچھ دن پہلے سے تجارت ان کے بچے سنبھالے ہوئے تھے وہ گھر ہی پر رہتے تھے ، چند امراض لاحق ہو گئے تھے ، تبلیغی جماعت اور اسکے کام سے گہرا تعلق تھا ۔ باوجودیکہ مشکل سے چلتے پھرتے تھے ، مگر جماعتوں میں نکلتے رہتے تھے ـــــ کچھ نوجوان جماعتی احباب ان سے ایسا تعلق رکھتے تھے کہ وہ ہمیشہ جماعت میں بھائی محمد کی رفاقت چاہتے تھے ـــــ ۲۱ مارچ کو جماعت کے ایک جوڑ (اجتماع) میں شرکت کیلئے روانہ ہوئے ، یہاں سے چار سو میل پر ہندوستانیوں کی آبادی لودھیم نامی پرٹوریا سے متصل ہے ، وہاں جوڑ تھا ـــــ جمعہ سنیچر کی درمیانی شب میں کسی عالم نے آخرت کے احوال بیان کئے ۔ بھائی محمد صاحب پر شدید گریہ طاری ہوا ـــــ رات کے بارہ بجے بظاہر سو گئے ، دو بجے ایک ساتھی کی آنکھ کھلی ، دیکھا کہ بھائی محمد بستر پر نہیں ہیں ۔ تلاش کیا گیا تو قریب ہی ایک جگہ لیٹے ہوئے نظر پڑے ، روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی ۔ ....

بھائی حاجی پاڈیا نے فون پر گھر (ڈربن) اطلاع کی ، اسی وقت رات ہی میں اُن کے بچوں اور عزیزوں کو اطلاع دی گئی ـــــ بچوں کی اور سب کی رائے یہ ہو گئی کہ مرحوم بھائی کی وصیت کے مطابق ان کو وہیں دفن کیا جائے ـــــ وہ ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جہاں میرا انتقال ہو وہیں دفن کر دیا جائے اور موت کے بعد کوئی نامحرم عورت مجھے نہ دیکھے (جیسا کہ اکثر ہوتا ہے) الحمدللہ ان کی یہ دونوں تمنائیں پوری ہوئیں ، وہ وہیں دفن کئے گئے ، اور سوائے میری بیٹی کے جو وہاں قریب ہی تھیں (اور مرحوم کی حقیقی بھتیجی اور محرم تھیں) کسی عورت نے انکا چہرہ نہیں دیکھا یہاں سے ان کے بچے اور عزیز واقارب ہوائی جہاز سے گئے تھے ۔ سنیچر کے دن ظہر بعد تدفین ہوئی ـــــ میری بدقسمتی کہ عمر بھر ساتھ رہا لیکن اس وقت چلنے پھرنے سے قطعی معذوری کی وجہ سے دفن میں شریک نہیں ہو سکا ـــــ دعا فرمائیں کہ ارحم الراحمین مرحوم محمد بھائی کی مغفرت فرما دیں اور اپنی خاص رحمت سے نوازیں"

(مولانا عبدالحق صاحب کا یہ مکتوب ۲۹ مارچ کا لکھا ہوا ہے)

اس طرح کے سفر میں جو دین کی دعوت و محنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب آخرت ہی کی طلب میں ہو۔ اس طرح کی موت بلاشبہ بڑی قابل رشک موت ہے ــــ بدر و احد جیسے غزوات اور یرموک و قادسیہ جیسے جہاد فی سبیل اللہ کے معرکوں کا دروازہ تو صدیوں سے بند ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو درجاتِ عالیہ سے نوازنا چاہتا ہے ان کو ایسے طریقوں سے نوازتا ہے۔

ناظرین کرام سے اس عاجز راقم سطور کی استدعا ہے کہ وہ مرحوم و مغفور بھائی محمد صاحب کے لئے مغفرت و رحمت اور رفع درجات کی دعا کریں اور ساتھ میں خود اپنے لئے اور اس عاجز کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

مولانا عبدالحق صاحب نے مکتوب کے آخر میں اپنی جس معذوری کا ذکر کیا ہے جسکی وجہ سے وہ مرحوم بھائی کی تدفین میں شرکت کیلئے بھی نہیں جا سکے، راقم سطور اپنے ناظرین کو دعا کی طرف متوجہ کرنے کیلئے اس کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہے ــــ مولانا موصوف عرصہ سے ذیابطیس کے مریض ہیں۔ حال ہی میں اسی مرض کے اثر سے ایک پاؤں میں شدید تکلیف پیدا ہوئی، معالج ڈاکٹروں نے آپریشن ضروری سمجھا۔ بھائی محمد صاحب مرحوم کے حادثہ انتقال سے دو چار ہی دن پہلے جب پاؤں کی تکلیف زیادہ بڑھی تو آپریشن کیا گیا۔ مولانا نے اس مکتوب میں لکھا ہے کہ جو شدید تکلیف تھی وہ تو اب نہیں ہے، لیکن ابھی زخم مندمل نہیں ہو رہا ہے، اسکی وجہ سے چلنے پھرنے سے بالکل معذوری ہے اسی لئے تدفین میں شرکت کیلئے سفر نہیں کیا جا سکا۔

یہ عاجز راقم سطور ناظرین کرام سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مولانا عبدالحق صاحب کی صحت و شفا کے لئے اہتمام سے دعا کریں ــــ جنوبی افریقہ خاص کر صوبہ ناٹال کے بہت سے دینی کاموں کا تعلق مولانا موصوف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دینی کاموں ہی کے لئے اپنے اس بندے کو صحت و شفا عطا فرمائے۔

(محمد منظور نعمانی)

ناظرین سے چند ضروری گذارشات

(۱) ختم مدت کی اطلاع ملتے ہی اپنا چندہ منی آرڈر سے ارسال فرمائیں۔ وی، پی سے طرفین میں سے ایک کو بہر صورت غیر ضروری نقصان ہوتا ہے۔

(۲) الفرقان کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش باہتمام کریں۔

(۳) خریداری نمبر کا حوالہ۔ اور صاف و مکمل پتہ آپکے اور ہمارے دونوں کیلئے سہولت کا باعث ہے۔

سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

مدیر:
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

ماہنامہ
الفرقان لکھنؤ

فی شمارہ ۵۰/۲

چندہ سالانہ
ہندوستان میں ۲۵/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۶۰/-
بنگلہ دیش سے ہندوستانی سکہ میں ۳۰/-

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۶۰/- روپے
(۴ پونڈ یا ۲۵ ریال)
ہوائی ڈاک سے ۱۳۵/- روپے
(۹ پونڈ، ۴۵ ریال، ۱۵ ڈالر)

جلد (۵۳) | بابت مئی ۱۹۸۵ء مطابق شعبان ۱۴۰۵ھ | شمارہ (۵)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیئے۔ ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی۔ پی روانہ کیا جائے گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اگر دوبارہ بھیجنے کے لئے دفتر میں پرچہ ہوگا۔ تو ضرور بھیجا جائے گا۔

ناظرین کرام ایک ضروری اعلان اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

ناظرین کرام اور ایجنسیوں کیلئے

ایک ضروری اعلان

دسمبر ۱۹۸۲ء میں الفرقان کا ایک خصوصی نمبر "شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ" کی یاد میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے اداریہ مضمون میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ ضخامت بڑھ جانے اور وقت کی تنگی کے باعث متعدد اہم مضامین اس نمبر میں شائع نہیں کیے جا رہے ہیں، انشاء اللہ وہ مضامین نمبر کے حصہ دوم میں شائع کیے جائیں گے جو کتابی شکل میں شائع ہوگا۔

اس کے بعد دوسرے حصہ کی تیاری بعض وجوہات کی بنا پر موخر کرنا پڑی۔ اس عرصہ میں ہمارے ناظرین ہمیں اس وعدہ کے ایفا کی برابر یاد دہانی کراتے رہے ــــ بہر حال انجام خدا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ

حضرت شیخ الحدیث نمبر کا حصہ دوم ماہ جون، جولائی و اگست ۸۵ء کے تین شماروں کی جگہ انشاء اللہ ماہ اگست کے شروع میں شائع ہوگا

اس لئے یہ چند باتیں نوٹ کر لی جائیں

۱۔ جون و جولائی میں کسی شمارے کا انتظار نہ کیا جائے۔

۲۔ شیخ الحدیث نمبر حصہ دوم مستقل خریداروں کو خریداری ہی کے حساب میں، بلا کسی اضافی قیمت کے پیش کیا جائیگا

۳۔ اس حصہ دوم کیلئے کسی نئے مضمون کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کوئی نیا مضمون ارسال نہ کیا جائے۔

۴۔ ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ تعداد سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

۵۔ نمبر کتابی شکل میں نہیں۔ بلکہ رسالہ الفرقان کے خصوصی نمبر ہی کی حیثیت سے شائع ہوگا۔

۶۔ اس قیمتی نمبر کو محفوظ طریقہ پر حاصل کرنے کے لئے رجسٹری فیس ۳/- بذریعہ منی آرڈر یا ۳/- روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں، سادہ ڈاک سے ضائع ہونے پر یہ شمارہ عام شماروں کی طرح دوبارہ نہ بھیجا جاسکے گا۔

۷۔ نئے خریدار حضرات ۳۰/- روپیہ بھیج کر ایک سال کیلئے رسالہ جاری کرا سکتے ہیں، انکی خدمت میں یہ خاص نمبر رجسٹری سے بھیجا جائے گا۔

۸۔ زیادہ تعداد میں خریدنے والوں کو خصوصی رعایت دی جائے گی، شائقین حضرات خط لکھ کر معلومات حاصل کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

۲۴ر اپریل ۸۵ء کو ہندوستان کی عدالت عالیہ کی فل بنچ نے، جس کی قیادت چیف جسٹس خود کر رہے تھے مطلقہ کے نفقہ کے بارے میں زیر سماعت ایک مقدمہ کا فیصلہ صادر کیا، ہمارے سامنے "ٹائمز آف انڈیا، لکھنؤ" کا ۲۵ر اپریل کا شمارہ ہے، جس میں اس فیصلہ کے چند اہم اجزاء یو۔ این۔ آئی کے حوالہ سے MUSLIM LAW STIPULATES MAINTENANCE ALLOWANCE (مسلم قانون نفقہ کو ضروری قرار دیتا ہے) کی سرخی لگا کر شائع کئے گئے ہیں۔ اخبار نے لکھا ہے:

"سپریم کورٹ نے کل یہ فیصلہ صادر کیا کہ مطلقہ عورت کے نفقہ کے شوہر کے ذمے واجب الادا ہونے کے بارے میں دستور کی سی آر، پی سی کی دفعہ ۱۲۵۔ اور مسلم پرسنل لا کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔

فاضل ججوں کی فل بنچ نے مزید کہا کہ قرآن کی (سورہ بقرہ کی؟) آیات نمبر ۲۴۱ و ۲۴۲ سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے نزدیک اپنی مطلقہ بیویوں کیلئے گذارے کا انتظام مسلمان شوہروں کے ذمے لازم ہے۔"

فیصلہ کے مذکورہ بالا حصہ میں دو باتیں آئی ہیں:

ا۔ مطلقہ کے نفقہ کے بارے میں دستور ہند کی ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ اور مسلم پرسنل لا کے درمیان

کوئی تضاد نہیں ہے۔

۲۔ قرآن کی فلاں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مطلقہ کے لئے نفقہ کا انتظام شوہر کے ذمے ضروری قرار دیتا ہے۔

ان دونوں میں سے پہلی بات کا تعلق دستورِ ہند سے ہے، اس لئے اس کی وضاحت ماہرینِ قانون کے ذمّے ہے۔ دوسری بات کا تعلق قرآن مجید اور اسلامی فقہ سے ہے، اس لئے ہم اسی کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔

جس آیت کا حوالہ فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں دیا ہے وہ یہ ہے:

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

دستور کے مطابق مطلقہ عورتوں کو کچھ دینا ہے، یہ خدا سے ڈرنے والوں پر حق ہے، اسی طرح اللہ اپنے احکام کی وضاحت تمہارے لئے کرتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی وضاحت کے لئے ہمیں قدرے مفصل گفتگو کرنی ہو گی، ازدواجی رشتے کو خوشگواری کے ساتھ باقی رکھنے کی جب وہ تمام فطری تدابیر ناکام ہو جائیں، جن کی طرف دینِ فطرت نے اپنے سب سے اہم ماخذ قرآن کے ذریعہ مفصل رہنمائی کی ہے، اور بالآخر یہی قرار پائے، کہ بہتری اسی میں ہے کہ زوجین اپنی اپنی راہ الگ کر لیں، تو اسلام، ناپسندیدہ مگر ناگزیر حل کے طور پر اس کی اجازت تو دیتا ہے کہ طلاق کے ذریعہ ازدواجی بندھن کھول دیا جائے، لیکن ساتھ ہی وہ طلاق کے طریقہ کار اور مطلقہ عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں ایسی ہدایات بھی دیتا ہے جن کا اگر واقعی لحاظ کیا جائے تو طلاق سے پیدا ہونے والی ناخوشگواری اور تلخی میں بڑی حد تک کمی آجاتی ہے۔

ان ہدایات میں سے ایک یہ ہے کہ طلاق کے بعد شوہر کو یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ جو کچھ اس نے بیوی کو دیا تھا، اب اس کا حساب کتاب لینے اور ایک ایک چیز وصول کرنے بیٹھ جائے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۹ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا

تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تم جو کچھ

آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا ..... الاٰیة، ان (مطلقہ عورتوں کو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ بھی واپس لو۔

اسی سلسلہ میں، اس سے ایک قدم آگے کی ہدایت یہ دی گئی کہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ شوہر طلاق دینے کے بعد اپنی بیوی کو خالی ہاتھ رخصت کر دے، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اپنی گنجائش کے بقدر تحفے تحائف کے طور پر جو کچھ دے سکتا ہو دے دلا کر رخصت کرے ——

حد یہ ہے کہ اگر واقعہ کی نوعیت یہ ہو کہ ابھی صرف عقد نکاح ہی ہوا ہو، اور زوجین کی باہم ملاقات، سے پہلے ہی بالفرض۔ طلاق کی نوبت آ جائے تو اس صورت میں بھی شوہر کو ہدایت ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کے پاس تحفہ کے طور پر کچھ نہ کچھ ضرور بھجوا دے —— حالانکہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ زوجین کے درمیان قلبی تعلق کو زیادہ مستحکم کرنے کا اصل سبب ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے کچھ دن گذارنے کا اور ازدواجی زندگی کا عملی تجربہ ہوتا ہے جو اس صورت میں سرے سے پایا ہی نہیں گیا، اسکے باوجود صرف رشتے اور نسبت سے قائم ہو جانے والے قلبی تعلق کا لحاظ، ہمارے ناچیز خیال میں اس ہدایت کی روح ہے —— جو یقیناً اس کی نمایاں علامت ہے کہ اسلام اس رشتہ کی طرف کس نگاہ سے دیکھتا ہے، خالص قانونی و تاجرانہ" یا انسانی و جذباتی ہ؟؟

مطلقہ عورت کو تحفے کے طور پر حسب حیثیت کچھ دے دلا کر، خوشگواری کے ساتھ، رخصت کرنے کی جس ہدایت کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے، حوالہ کے طور پر ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ ہدایت، سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۶ میں اس مطلقہ کے بارے میں دی گئی ہے جس کا نہ تو مہر ہی نکاح کے وقت مقرر کیا گیا ہو اور نہ اس کے ساتھ اس کے شوہر نے زن و شو کا تعلق ہی قائم کیا ہو، اور اسی بنیاد پر ہمارے فقہاء میں خاصی تعداد ان حضرات کی ہے جو اس ہدایت کو لزومی و وجوبی طور پر صرف اس مطلقہ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں جس کا نہ مہر ہی مقرر ہوا ہو اور نہ اس کے ساتھ شوہر نے زن و شو کا تعلق ہی قائم کیا ہو، اس کی توجیہ ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی مطلقہ کو مہر کا استحقاق تو ہے نہیں اسلئے اس کی جگہ پر شریعت نے کچھ دینے دلانے کا حکم اس کی تطییب خاطر کیلئے دیا ہے۔

جہاں تک عام مطلقہ عورتوں کا سوال ہے تو چونکہ قرآن مجید میں اس ہدایت کا (یعنی بطور تحفہ کچھ دینے کی ہدایت کا) ذکر بعض دوسرے مقامات پر اس انداز سے آیا ہے کہ اس سے

اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس ہدایت کا تعلق ہر مطلقہ سے ہے (مثلاً سورۂ احزاب کی آیات ۲۸ و ۴۹ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۱ میں) اس لئے ان فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عام مطلقہ عورتوں کے لئے بھی شوہروں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ انھیں خالی خولی گھر سے رخصت نہ کریں، بلکہ خوشگواری کے ساتھ اور اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دے دلاکر رخصت کریں۔ البتہ اتنا فرق ان فقہاء کی رائے میں اس مطلقہ میں جس کو ازدواجی زندگی کی شروعات سے پہلے ہی طلاق دیدی گئی ہو اور مہر مقرر نہ کئے جانے کی وجہ سے اسے مہر کا بھی استحقاق نہ ہو، اور دوسری عام مطلقہ عورتوں میں ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اول الذکر قسم کی مطلقہ کے لئے تو یہ ہدایت "قانونی و لازمی حیثیت" رکھتی ہے۔ البتہ دوسری عام مطلقہ عورتوں کے سلسلہ میں یہ کہا جائے گا کہ چونکہ انھیں کل یا نصف مہر تو بہر حال ملے گا ہی، اور اس لئے بالکل خالی ہاتھ رہنے اور گویا بالکل بے قیمتی اور بے حیثیتی کا داغ تو ان پر لگے گا نہیں اس لئے شوہروں کے ذمے انھیں کچھ مالی تحفہ دے دلاکر رخصت کرنے کا حکم بس استحبابی و اخلاقی رہے گا؛ وجوبی اور قانونی نہیں رہے گا۔

ہم عام قارئین کے اطمینان کے لئے ذکر کردیں کہ صحابۂ کرام میں یہ درمیانی مسلک اختیار کرنے والوں میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور فقہی مدارس و مسالک میں حنفی اور حنبلی مدارس شامل ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر آیات الاحکام، از محمد علی صابونی، ۱/۳۷۹-۳۸۰)

علمائے اسلام میں صف اول کے لوگوں میں بھی ایسے حضرات متعدد ہیں جن کا رجحان یہ ہے کہ مطلقہ کو متاع دینے کی ہدایت یعنی تحفہ کے طور پر کچھ دینے کی ہدایت وجوبی طور پر ہر مطلقہ ہی کے لئے ہے اس مسلک کو تابعین میں حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابو العالیہ اور ائمہ میں امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۶ کی تفسیر)

مطلقہ عورت کو تحفے کے طور پر کچھ دے دلاکر رخصت کرنے کی جس ہدایت کا ہم نے سطور بالا میں تذکرہ کیا ہے اس کو قرآن میں "متاع" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ہدایت منجملہ دوسری آیات کے سورۂ بقرہ کی اس آیت ۲۴۱ میں بھی دی گئی ہے جس کا فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں حوالہ دیا ہے۔

اس حوالہ کے بارے میں خالص علمی و معروضی نقطۂ نظر سے ہماری رائے یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیوں؟ اس لئے کہ:

قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں استعمال ہونے والی اصطلاحات، تعبیرات اور احکام و مسائل کی جب تشریح کی ضرورت بیسویں صدی میں پڑے تو کسی کو ایسا محسوس ہو کہ وہ جن اصطلاحات اور احکام و مسائل کی تشریح کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس کیلئے اس کے پاس کوئی ایسا ماخذ موجود نہیں جس سے وہ اس تشریح میں مدد لے سکے، اور جس کی پابندی غلطی سے حفاظت کی ضامن کہی جا سکے ۔ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی تشریح اور جس کے احکام کی وضاحت کی سب سے بڑی اتھارٹی (AUTHORITY) وہ ذات گرامی ہے جس کے ذریعہ اللہ کی یہ کتاب دنیا کو ملی ہے ۔ پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین صحابہ و تابعین، مفسرین و محدثین اور فقہاء و قضاۃ کا لامتناہی سلسلہ ہے، جس نے قرآن مجید کے مشتملات کی تشریح بھی کی ہے اور اس کے احکام و قوانین کی تدوین اور تنفیذ بھی، مزید برآں، امت کا اجتماعی ضمیر اور صدیوں کا عملی تواتر بھی قانون کی نگاہ میں ہمیشہ سے اہم ماخذ رہے ہیں ۔ چودہ سو سال کی اس طویل مدت میں یہی سمجھا گیا ہے، یہی کہا اور یہی لکھا گیا ہے اور اسی پر عمل رہا ہے کہ "مطلقہ کے لئے قرآن نے جس متاع کا حکم دیا ہے اس سے مراد نان نفقہ نہیں، تحفے تحائف ہیں"۔ تفسیر قرآن اور قانون اسلامی میں جو ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں لکھی گئی ہیں، کوئی بھی شخص ان کے مطالعہ سے خود، ہمارے اس خیال کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہے ۔ یہ بات اتنی بدیہی اور یقینی ہے کہ اس کے لئے ہم ایک دو کتابوں کا حوالہ غیر ضروری ہی نہیں نامناسب بھی سمجھتے ہیں ۔

مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں جو اجمالی معلومات ہمیں حاصل ہوئی ہیں ان کے بموجب ہوا یہ کہ بحث کے دوران عدالت کے سامنے ایک فریق کے وکیل نے یہ نقطہ اٹھایا کہ ہمارا مطالبہ مطلقہ کیلئے MAINTENANCE ALLOWANCE (نفقہ) کا ہے ۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۱ بھی اسی کا حکم شوہروں کو دیتی ہے ۔ اور پھر اس کی تائید میں اس آیت کا انگریزی ترجمہ بھی ایک انگریزی ترجمۂ قرآن کے حوالہ سے پیش کر دیا، جس میں کہ متاع کا ترجمہ MAINTENANCE کے لفظ ہی سے کیا گیا ہے، جو نفقہ کے مترادف ہے ۔

ہم کو یہ نہیں معلوم کہ اس بارے میں دوسرے فریق کے وکلاء نے کیا بحث کی؟ ہاں یہ معلوم ہے کہ عدالت عالیہ کے فاضل ججوں نے اس دلیل کو قبول کیا، اور اسی بناء پر اپنے فیصلہ میں انھوں نے اس کا حوالہ بھی دیا ۔

مسئلہ کی علمی وضاحت کے لئے اب ہم عرض کرتے ہیں کہ عربی و انگریزی زبانوں اور قرآنی اصطلاحات سے ہماری طرح تھوڑی بہت شدبد رکھنے والے بھی یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ "متاع" کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ ترجمہ مشہور مترجم عبداللہ یوسف علی نے کیا ہے، لیکن ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ خود انھوں نے اسی لفظ کا ترجمہ بعض دوسری آیتوں میں اس سے مختلف کیا ہے۔ محولہ بالا آیت سے صرف چار آیتیں پہلے آیت ۲۳۶ کے ان الفاظ کا (ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ، متاعاً بالمعروف) ترجمہ انھوں نے اس طرح کیا ہے:

BUT BESTOW ON THEM (A SUITABLE GIFT) THE WEALTHY ACCORDING TO HIS MEANS, AND THE POOR ACCORDING TO HIS MEANS :- A GIFT OF A REASONABLE AMOUNT.

اسی طرح انھوں ہی نے سورۂ احزاب کی آیت ۴۹ کے الفاظ "فمتعوھن" کا ترجمہ (SO GIVE THEM A PRESENT) سے کیا ہے، سورۂ احزاب ہی کی آیت ۲۸ میں "امتعکن" کا ترجمہ انہی عبداللہ یوسف علی نے I WILL PROVIDE FOR YOU. کیا ہے۔

قرآن کے دوسرے مشہور انگریز مترجم پکتھال نے متاع کا ترجمہ کہیں PROVISION سے اور کہیں CONTENT سے کیا ہے۔ اور یہ دونوں بھی MAINTENANCE سے جداگانہ مفہوم رکھتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے متاع کا ترجمہ PRESENT اور BENEFIT سے کیا ہے جو اسلامی فقہ کے اعتبار سے بھی، اور لفظ متاع کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ صحیح ترجمہ ہے[1]۔

یہ تو ہوئی بات لفظ متاع کے مترادف انگریزی لفظ کے بارے میں! جس سے ہم نے

---

[1] MAINTENANCE ALLOWANCE کا مطلب مستقل طور پر نفقہ (اخراجات) کا بندوبست ہے۔ اور مذکورہ بالا دوسرے تمام الفاظ کا مفہوم وقتی طور پر کچھ دینے دلانے کا ہے۔ دونوں کے درمیان یہ فرق ماہرین قانون کی نگاہ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے۔

صرف یہ چاہا ہے کہ اگر کسی حد تک فیصلہ میں دخل ترجمہ کی غلطی کو ہے تو وہ بھی واضح ہو جائے، ورنہ ہماری بحث کی اصل بنیاد یہ ہے کہ معاملہ کسی لفظ کے ترجمہ کا نہیں، ایک اسلامی قانون کی تشریح کا ہے، اس کے لئے ہمیں اسلامی فقہ کے ماہرین کی رائے ہی کو فیصل قرار دینا ہوگا، ورنہ اگر کسی بھی زبان میں کئے گئے قرآن وحدیث کے کسی ترجمہ کو ہم نے یہ حیثیت دیدی تو اسلام کے فروعی احکام کا تو کہنا ہی کیا، عقائد کی بھی صورت مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ کون نہیں جانتا کہ "خاتم النبیین" کا ترجمہ ایک گروہ کس طرح کرتا ہے؟ اور یہ بھی کون نہیں جانتا کہ اس گروہ اور اسکے اِس ترجمہ کے بارے میں علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ کیا ہے؟

یہاں تک جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے وہ فیصلے کے صرف اُس جزو کے متعلق ہے جس میں ایک متعین قرآنی آیت کے حوالے سے مطلقہ کے نفقہ کے (اسکی دوسری شادی ہو جانے تک) طلاق دینے والے شوہر کے ذمے واجب الادا ہونے کی بات کہی گئی ہے ـــــ فیصلہ اس جزوی مسئلہ ہی تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ ٹائمز آف انڈیا کے الفاظ میں:

بنچ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے ملک کے لئے یکساں سول کوڈ کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا۔ تاکہ جداگانہ اصولوں پر مبنی قوانین کے ساتھ قائم مختلف وفاداریوں کو ختم کر کے قومی یکجہتی کے مقصد کو فروغ دیا جائے۔

ججوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ آئین (کے رہنما اصولوں کے باب کی) دفعہ (۴۴) ابھی تک نافذ نہیں کی گئی ہے۔ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ ریاست ہندوستان کے تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی تشکیل کی کوشش کرے گی۔ فاضل ججوں نے مزید کہا کہ سرکاری طور پر اس مقصد کے حصول کے لئے کسی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال رواج پا گیا ہے کہ اپنے پرسنل لا کی ترمیم کے لئے مسلمانوں کو خود پیشقدمی کرنی چاہیئے۔

فاضل ججوں کی بنچ نے مزید کہا کہ چونکہ کسی فرقہ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ رضاکارانہ طور پر بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی خدمت سرانجام دے گی، لہذا یہ ریاست

کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی تشکیل کرے کیونکہ اسے اس امر کا قانونی استحقاق حاصل ہے۔"

کہیے اس پر کیا تبصرہ کیا جائے، اجازت ہو تو شاعری کی مدد لے کر یوں گویا ہوا جائے کہ

داد دیجئے کہ ہم جی رہے ہیں وہاں
ہیں محافظ جہاں قانون کی طرح

سچی بات یہ ہے کہ ہمیں ان فاضل ججوں کا شکر گذار ہونا چاہیئے جنہوں نے ایک خاتون کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ کے فیصلے کے ضمن میں اپنے کلی طرزِ فکر کو بھی کھلے لفظوں میں ظاہر کر دیا، اور اس حسن ظن کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی کہ فیصلہ کسی قانونی استدلال کی بنیاد پر ہوا ہے۔

فیصلہ کے اس حصہ سے پیدا ہونے والی صورتحال کے متعدد پہلو ہیں۔ ہم ان پہلوؤں میں سے ایک کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

اس فیصلہ کی خبر چھپتے ہی اخبارات میں اس کے بارے میں اظہار خیال اور بیانات کا ایک سیلاب پھوٹ پڑا ہے ـــــ ان سب بیانات میں سے جتنے راقم الحروف کی نظر سے گذرے ہیں، کم از کم ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک قسم تو وہ ہے جس نے اس فیصلہ کا اس پہلو سے خیر مقدم کیا ہے کہ اس سے ہمارے مسلم معاشرے میں عورتوں پر کی جانے والی زیادتیوں کو روک لگانے میں مدد ملے گی ـــــ اس قسم کے بیانات دینے والے زیادہ تر مسلم وکلاء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ ہیں۔ ان کے نزدیک یہ فیصلہ "اسلامی روح کے مطابق" ہے۔ اس لئے اس کو خوش آمدید کہنا چاہیئے ـــــ اس قسم کے بیانات میں سے اکثر میں فیصلہ کے دوسرے جزو کو نامناسب اور غیر ضروری بھی قرار دیا گیا ہے۔

ان بیانات کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ یہ فیصلہ مسلمانانِ ہند کی مخصوص ملی شخصیت اور اللہ و رسول کے وضع کردہ قوانین میں مداخلت، اور ہندوستان کی مسلم اقلیت کو تہذیبی و قانونی طور پر اکثریت کا ہم رنگ ضمیمہ بنا دینے کی منصوبہ بند کوشش کا ایک حصہ ہے۔ ان لئے اس کے بارے میں مثبت ردعمل کا اظہار اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہوگا ـــــ ان بیانات میں سے بعض میں اس فیصلہ کی تائید کرنے والوں کو شریعت اسلامی کے مسائل

سے ناواقف اور عورت زدہ مغربی تمدن سے مرعوب بھی کہا گیا ہے۔

بیانات اور جوابی بیانات، مراسلوں اور جوابی مراسلوں کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس سے قوی اندیشہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ خود ملت اسلامیہ ہندیہ کے اندر، اور اس کے نمائندہ سمجھے جانے والے افراد کے اندر اس مسئلہ میں اختلاف برائے بلکہ باہم بدگمانیوں اور طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور اسکا فائدہ، ظاہر ہے کہ، دونوں طبقوں میں سے کسی کو نہیں پہنچے گا، نقصان البتہ دونوں ہی کا ہوگا، اسلئے فوری توجہ معاملہ کے اس پہلو کی طرف کرنے کی ضرورت ہے۔

اس ناچیز راقم سطور کی تربیت جس عملی میدان میں ہوئی ہے، اس کی ہزاروں برکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ سیکڑوں مرتبہ اس کا تجربہ، اس چھوٹی سی عمر میں اُسے ہو چکا ہے کہ اخباری مضامین و بیانات' اور قلمی بحث و تردید طرفین میں سے کسی کو دوسرے کے نقطۂ نظر کے بارے میں مطمئن نہیں کرتی، ایک نتیجہ اُس کا یہ نکلتا ہے کہ ہر لکھنے والے کے مؤیدین اسے مبارکباد دے دیتے ہیں کہ "بھئی واہ! قلم توڑ دیا، دانت کھٹے کر دیئے! خوب لکھا!" اور ادھر دوسری رائے کے ترجمان اپنے قلم کی دھار لے پڑھتے ہی تیز کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کی خلیج بڑھتے بڑھتے ناقابل عبور ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح دونوں طبقوں کی قیمتی صلاحیتوں کا خون ہو جاتا ہے۔

جہاں تک ہم نے غور کیا' زیر بحث مسئلہ کے دو رخ ہیں۔

ایک رخ تو یہ ہے کہ اسلامی قوانین اور شریعت کے احکام کی تعبیر و تشریح کا حق کس کو ہے؟ اور مسلم پرسنل لا شریعت کا جزو ہے یا نہیں؟ اور اُن کو مشوروں، منصوبوں اور اشاروں کے بارے میں ہمارا یعنی ملت اسلامیہ ہندیہ کا ردعمل کیا ہونا چاہئے جن کا مطمح نظر سیدھے اور صاف لفظوں میں ہمارا "بھارتیہ کرن" ہے۔

ہمارا خیال ہے۔ اور اس خیال کی تائید لکھنؤ کے ان بعض مسلم وکیلوں سے براہ راست ملاقات اور بالمشافہ گفتگو سے بھی ہوئی، جنھوں نے ایک بیان کے ذریعہ فیصلہ کو اسلامی روح کے مطابق قرار دیا ہے کہ، ان سوالات کے جواب میں مذکورہ بالا دونوں طبقوں کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین اور احکام شریعت کی تعبیر و تشریح کا حق صرف اور صرف علمائے اسلام اور ماہرین فقہ اسلامی کو ہے۔

اسی طرح سب یہ بھی مانتے ہیں کہ نکاح و طلاق، اور وراثت و وصیت وغیرہ معاملات اسلامی نقطۂ نظر سے نماز روزے ہی کی طرح دینی تشریعی دائرے کے اندر ہیں یعنی مسلم پرسنل لا شریعت کا جزو ہے، اور اسی وجہ سے ان معاملات میں اسلامی احکام کی تشریح کا حق بھی صرف اور صرف علمائے اسلام کو ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں بھی، ہمارے خیال میں، کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ بات سب کو تسلیم ہوگی کہ ایسی کسی کوشش کے بارے میں ہمارا ردعمل مثبت ہو ہی نہیں سکتا! کیونکہ یہ علاوہ شرعی مسئلہ کے ہماری ملی مصلحت کا بھی تقاضا ہے کہ ہم اپنے دین میں کسی بیرونی مداخلت کو گوارہ نہ کریں۔

یہ تو ہوا مسئلہ کا ایک رخ، اب آیئے دوسرے رخ پر نظر ڈالی جائے۔

مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ:

نکاح، و طلاق وغیرہ نجی و عائلی زندگی کے بارے میں اسلام نے جو اصولی ہدایات، جزئی احکام اور طور طریقے دیئے ہیں، ان کے خالص علمی و معروضی مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ، زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ان شعبوں میں بھی ان کی بنیاد انسانی نفسیات، اور فرد و معاشرہ کی ضروریات کی نہایت صحیح تشخیص پر قائم ہے اور ان میں کسی ترمیم کا مطالبہ مرض کی تشخیص اور دوا کی تجویز میں سے کسی ایک، یا ان دونوں میں غلطی کا نتیجہ ہے۔ لہذا ہمارا ایمان بھی ہے اور ہم علمی دلائل کی روشنی میں بھی اس موقف سے سو فیصد متفق ہیں کہ شرعی احکام میں کسی ترمیم کی کوئی ضرورت، خالص عقلی و فطری نقطۂ نظر سے بھی موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی اسکا مطالبہ کرتا ہے تو دراصل یہ اس کے دماغ میں گھسی ہوئی پروپیگنڈے کی اس دھول کا اثر ہے جو بڑے شاطرانہ انداز سے اسلام کے خلاف اڑائی جارہی ہے اور مرعوبیت کے ان جراثیم کا اثر ہے جو کہ غلامی و محکومیت سے متعفن فضاؤں میں لاکھوں کی تعداد میں تیرتے رہتے ہیں اور جن سے تحفظ کی کوئی صحیح کوشش بہت سے لوگ نہیں کرپاتے۔ لیکن :—

اس حقیقت کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اسلام کے احکام میں کچھ وہ بھی ہیں جن پر صحیح طور پر عمل اور انکی فطرت انسانی سے ہم آہنگی کے فوائد کے تجربہ کیلئے مناسب ماحول، اور اسلامی فضا کی ضرورت پڑتی ہے، ان احکام ہی کی روح کو زندہ رکھنے کیلئے تنفیذ کے طریقوں کو ان حالات سے ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کیلئے قانون کی روح (SPRIT OF LAW) پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اس کیلئے بیسوں مثالیں فقہ اسلامی کے ذخیرے سے دی جاسکتی ہیں۔ لیکن یہ راقم اپنے ہی ملک کے حالات کی روشنی میں عورت ہی کے مسئلہ سے متعلق دو اکابر اہل علم کی تحریروں کا حوالہ دینا بہتر سمجھتا ہے۔

انھیں پیش کرنے سے پہلے اُس مسئلہ کی بابت کچھ عرض ہے جس کے متعلق وہ حوالہ ہے۔

یہ بات مسلم بھی ہے اور معروف و مشہور بھی کہ شریعت اسلامی کی رو سے عورت کے مالی اخراجات کا تحمل اس کے دیگر حقوق کی طرح شادی کے بعد اسکے شوہر کے ذمے ہے ۔ لیکن اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور نان و نفقہ وغیرہ حقوق زوجیت ادا نہ کرے اور اسکے پاس اسکے لئے کوئی معقول عذر بھی نہ ہو ، اور عورت کیلئے نفقہ کا کوئی اور نظم نہ ہو سکے اور یہ عورت اپنے معاملہ کو شرعی عدالت میں پیش کرے تو حنفی مسلک کی رو سے قاضی ، مسئلہ کی پوری تحقیق کے بعد ، یہ فیصلہ کریگا کہ عورت شوہر کے نام پر قرض حاصل کرے اور اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرے ، پھر اس قرض کی ادائیگی شوہر کے ذمے ہوگی ، اور اسکے انکار کرنے پر حکماً اس کے مال میں سے اس قرض کو ادا کر دیا جائے گا ۔

یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ اس جزئیہ پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اسلام کو قوت حاکمہ اور قوت تنفیذیہ حاصل ہو ۔

غور فرمائیے ! ہمارے ملک کے موجودہ حالات میں اگر کوئی شوہر ایسا کرتا ہے تو کیا ہمارے پاس اسکے امکانات موجود ہیں کہ ہم اس جزئیہ پر عمل کرتے ہوئے اس مظلوم عورت سے یہ کہیں کہ تم شوہر کے نام پر قرض لو ، ظاہر ہے کہ کون اسے قرض دینے پر آمادہ ہوگا ؟ اور پھر کون اس قرض کی ادائیگی اُس شوہر کے مال میں سے کرانے کا ذمہ دار ہوگا ؟

بات بالکل سیدھی اور صاف ہے ۔ وہ یہ کہ اس جزئیہ پر عمل ، ہمارے ملک کے موجودہ حالات میں نہیں ہو سکتا ، پھر مسئلہ کا حل کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب امیر شریعت بہار و اڑیسہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری مخدومنا حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مدظلہ کی زبانی سماعت فرمائیے ! ہمارے سامنے الفرقان کی ۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء) کی فائل ہے ۔ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کے شمارے میں "نئے مسائل اور بدلے ہوئے حالات کے لئے احکام شرعی کا مسئلہ" کے زیر عنوان مولانا رحمانی مدظلہ کا نہایت فکر انگیز مضمون شائع ہوا تھا ، اس میں مولانا نے مذکورہ مسئلہ کو علماء کے فتاویٰ اور فیصلوں پر حالات اور زمانہ کے اثر کی ایک مثال کے طور پر ذکر فرمایا تھا ، مولانا نے تحریر فرمایا تھا :

"اسی طرح بیسویں صدی کے اوائل میں جب ہندوستان میں شرعی امارت کا سوال اٹھا تو بہار و اڑیسہ میں امارت شرعیہ کے ساتھ ساتھ دار القضاء کا قیام بھی عمل میں آیا ، اور ہمارے قضاۃ کے سامنے پرسنل لاء سے متعلق مختلف قسم کے مقدمات پیش ہوئے ، اور انھیں بہت سارے مسائل میں زمانہ کے تغیر ، حالات کی تبدیلی ، رفع حرج اور سد باب فتن کی خاطر کچھ نئی راہیں اختیار کرنا پڑیں ۔ مثلاً اس قسم کے بے شمار مقدمات سامنے آئے جہاں شوہر کسی بھی وجہ سے بیوی کو چھوڑ دیتا ہے ۔ نان و نفقہ ، حقوق زوجیت سے محروم رکھتا ہے اور اس طرح جوان عورت برسہا برس تک تکلیف مالا یطاق جھیلتی رہتی ہے ۔ اسکے میکہ کی طرف سے بھی اس کے نفقہ کا کوئی نظم نہیں ۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے

ارشادات "فتذروھا کالمعلقۃ" یا "فلھن مثل الذی علیھن بالمعروف" اور "الرجال قوامون علی النساء" کی وجہ سے جو ذمہ داریاں مرد پر عائد ہوتی ہیں، وہ ان سے قطعاً غافل ہے اور زمانہ فتنہ کا ہے۔۔۔ عفت و آبرو کا باقی رکھنا مشکل کام ہے، نکاح کی مشروعیت کے جو مقاصد ہیں وہ پوری طرح فوت ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف اگر قضاۃ یہ فیصلہ کریں کہ عورت شوہر کے نام پر قرض لے اور اس طرح پر نفقہ پورا کرے تو ظاہر ہے کہ آج کے حالات میں اس کی کیا گنجائش ہے؟

جبکہ حنفی فقہاء کا یہی فیصلہ ہے کہ نان و نفقہ میں تنگی تفریق کا سبب نہیں:

"ومن اعسر بنفقۃ امراتہ لم یفرق بینھما ویقال لھا استدینی علیہ"

جو شخص اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے سے قاصر ہو جائے تو ان دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ عورت سے کہا جائے گا کہ وہ قرض حاصل کرے جس کی ادائیگی اس کے شوہر کے ذمے ہوگی۔

آگے چل کر مولانا نے لکھا ہے:

لیکن آج کے حالات میں ظاہر ہے کہ اس جزئیہ پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے جبکہ مقاصد نکاح میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے طرفین کی نگاہوں میں عصمت پیدا ہوتی ہے اور آبرو محفوظ رہتی ہے۔ اس فتنہ کے دور میں ایک ایسی عورت جو معلقہ بنی ہوتی ہے، اسکی معاشی ضرورتیں اسے آسانی کے ساتھ گمراہی کے گڑھوں میں ڈھکیل سکتی ہیں، بس مقاصد نکاح کو فوت ہوتے ہوئے اور احکام قرآن کی صریح خلاف ورزی دیکھتے ہوئے مصالح شرعی کے تحفظ، سد باب فتن کی خاطر نفقہ نہ دینے کی شکل میں ہمارے قضاۃ کو تفریق کا فیصلہ کرنا پڑا۔ [۱]

ہمارے خیال میں مولانا رحمانی مدظلہ کی پیش کردہ اس مثال کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ہم دوسرے حوالہ کی طرف بڑھتے ہیں۔

الفرقان کی اسی فائل میں رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ (نومبر ۱۹۷۲ء) کے شمارے میں "اسلام کا عائلی نظام، غلط فہمیاں اور ان کی حقیقت" کے زیر عنوان، استاذ گرامی مخدومی مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، رکن مسلم پرسنل لا بورڈ، اور ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء) کے ایک مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی۔ اس قسط میں بہت تفصیل کے ساتھ اسلام میں طلاق کی مشروعیت اور اسکے بارے میں اس کی ہدایات کی حکمتوں کو بیان کیا گیا تھا، اسکے بعد ذہنوں میں اٹھنے والے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ اگر معاشرہ میں پھیلی ہوئی جہالت کی وجہ سے ان

[۱] مولانا منت اللہ رحمانی، الفرقان بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ صفحہ ۲۶ و صفحہ ۲۸۔

احکام اور ہدایات کا لحاظ کئے بغیر، مردوں کے اندر اندھا دھند طلاق کے حق کا استعمال کرکے عورت کی زندگی اور عزت سے کھیلنے کا ظالمانہ رجحان پھیلنے لگے تو اسکے انسداد کی کیا تدبیر کی جا سکتی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے تحریر فرمایا تھا:

"یہاں یہ ذکر کر دینا بھی شاید نامناسب نہ ہوگا کہ طلاق کے بے جا استعمال ہونے کی کثرت اور معاشرہ کے بگاڑ کی صورت میں علماء کے مشورے سے اسے ایک قابل تعزیر جرم بھی قرار دیا جا سکتا ہے، پھر غلط موقع اور بے ضرورت دی گئی طلاق پر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اوپر گذر چکا ہے کہ یہ معصیت ہے اور ہر معصیت پر شرعاً سزا[ع] دی جا سکتی ہے۔ اور یہ بات تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔"[۱]

ان دو تازہ مثالوں کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ ہمارے اکابر اہل علم بدلے ہوئے حالات میں اسلامی احکام پر عمل اور انکی روح کو زندہ رکھنے کیلئے تنفیذ کے طریق کار میں ترمیمیں کرتے رہے ہیں۔ پھر اگر کوئی سمجھتا ہے کہ علماء ہمیشہ احکام کی روح سے زیادہ زور انکی حرفی تطبیق پر دیتے ہیں تو حقائق کی شہادت اس الزام کی تردید کیلئے کافی ہے۔

اب آئیے ان دونوں مثالوں کی روشنی میں مطلقہ عورت کے نفقہ کے مسئلہ پر غور کریں!

اسلام جو یہ کہتا ہے کہ مطلقہ عورت کا نفقہ اسکے شوہر کے ذمے ایام عدت ہی تک محدود ہے، تو ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کے صحیح جواب تک پہنچنے کیلئے یہ اصولی بات اچھی طرح ذہن نشین اور مستحضر کرنی ہوگی کہ اسلامی قوانین اسلامی معاشرہ اسلامی ماحول اور اسلامی مزاج رکھنے والی سوسائٹی میں آئے تھے، اور اسلامی معاشرہ کی یہ چند خصوصیات، زیر بحث مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ضرور پیش نظر رہنی چاہئیں۔

ا۔ سچے اسلامی معاشرہ میں مطلقہ عورت کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا جس نگاہ سے غیر اسلامی معاشروں میں خصوصاً ہمارے ہندوستانی سماج میں دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے عموماً مطلقہ عورت کو عدت کے بعد دوسری شادی میں بہت زیادہ مشکل نہیں پیش آتی، جیسا کہ ہمارے یہاں طلاق کے بعد عورت کی دوسری شادی کسی غیر معمولی واقعہ سے کم نہیں۔

ب۔ اسلامی معاشرہ میں ہر اس فرد کی کفالت جو، کسی وجہ سے معاشی طور پر بے سہارا ہو بیت المال کے ذمے ہے۔ اسلئے اسکا کوئی تصور ہی اسلامی معاشرہ میں نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی خدا کی بندی مطلقہ ہوجانے کی وجہ سے بے سہارا رہ جائے

ع علاوہ ازیں ہر وہ قول یا فعل جس سے دوسرے کو تکلیف پہونچائی جائے، موجب تعزیر بن سکتا ہے جیسا کہ فقیہ ابن نجیم مصری نے الاشباہ میں ذکر کیا ہے۔ من اذی غیرہ بقول او فعل یعزر (اتحاف الابصار والبصائر بترتیب الاشباہ والنظائر ص ۱۹۳)

۱ مولانا برہان الدین سنبھلی، الفرقان بابت ماہ رمضان ۱۳۹۳ھ۔

ج ـ بیت المال کے اس اجتماعی نظم کے علاوہ اسلامی معاشرہ کے عام افراد باہمی تعاون کے اتنے عادی اور ایک دوسرے کی مدد کے اتنے دلدادہ ہوتے ہیں کہ یہ توقع کرنا کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی مطلقہ عورت دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردی جائے گی، اس معاشرہ کے ساتھ اسی درجہ کی بدگمانی ہوگی جس درجہ کی خود فریبی اور خوش گمانی آج کے معاشرہ سے اخلاقی حس اور اجتماعی شعور کی توقع ہے۔

اب جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ میں اسلام کا جو حکم ہے کیا اس میں اسلامی معاشرہ کی ان خصوصیات کو دخل ہے ؟ اگر ہاں تو اس کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ آج کے بدلے ہوئے معاشرہ میں اس حکم کی روح کو زندہ رکھنے کے لئے ہمارے حضرات علمائے کرام غور فرمائیں۔

اور اگر نہیں تو پھر کسی نظر ثانی کی ضرورت نہیں، بس اس نقطہ کی وضاحت ضروری ہوگی کہ مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ میں اسلام کے حکم میں اسلامی معاشرہ کی ان خصوصیات کو دخل نہیں ہے ـــ بلکہ وہ ہر معاشرہ، ہر زمانے اور ہر سوسائٹی میں یکساں طور پر واجب العمل ہیں۔

ہم اس موقع پر اپنے دلی دکھ کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ بہت سے لوگ جو عورتوں پر ہونے والے مظالم کو دیکھ کر، کچھ ایسی قانونی تدبیروں کو مفید یا ضروری قرار دیتے ہیں جو اب تک ہمارے مسلم پرسنل لا کا جزو نہیں ہیں، اور ساتھ ہی وہ ان مشوروں، فیصلوں اور تجویزوں کا بھی خیر مقدم کرنے لگتے ہیں جن پر بظاہر تو عورتوں کی ہمدردی کا جزوھا ہوا ہوتا ہے، مگر درحقیقت اس کی تہ میں مسلمانوں کو ان کے دین اور شریعت سے بیزار کرنے ان کی شدھی کرنے، یا کم از کم ان کو یہ باور کرانے کی نیت کار فرما ہوتی ہے کہ نکاح و طلاق وغیرہ شخصی معاملات کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں، وہ بڑی سطحیت اور سادہ لوحی کا ثبوت دیتے ہیں ـ اور یہی وہ احساس ہے جو ہمیشہ علماء کیلئے ان اصلاحی تجویزوں کی ہمنوائی سے، بجا طور پر مانع رہا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نظر ثانی یا غور و فکر کا جو کام ٹھنڈی فضا اور ٹھنڈے موڈ میں اور اعتماد کے ماحول میں ہی ہوسکتا ہے، وہ اس مشتعل یا کم از کم مشکوک ماحول میں نہیں ہو پاتا، اور الزامات اور جوابات کی گرما گرمی میں اصل مسئلہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔

بس جو لوگ واقعۃً ان مسائل میں مثبت پیش قدمی کے خواہشمند ہیں ـ ان سے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ اخبار کی بیانات میں جلد بازی سے کام نہ لیں، اور آگے بڑھ کر خود

ذمہ دار علمائے کرام سے مل کر اپنی ذہنی الجھنیں ان کے سامنے رکھیں۔

دوسری طرف حضرات اہل علم، خصوصاً مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ دار اہل علم و نظر کی خدمت میں ہم پورے ادب کے ساتھ یہ گزارش پیش کرتے ہیں کہ اس مسئلہ پر، اور ضرورت ہو تو دوسرے مسائل پر بھی، اس بنیادی امر کی روشنی میں غور فرمائیں جس کی طرف ہم نے سطور بالا میں اشارہ کیا ہے۔

اس موقع پر اس ضرورت کا اظہار بھی بے محل نہیں ہوگا کہ اسلامی احکام و قوانین اور ان کی حکمتوں کی تفہیم و تشریح، خصوصاً انگریزی زبان میں، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ کتنا بڑا کام ہو جائے اگر ہمارے علمی مراکز، جن کو اللہ نے افراد بھی دیئے ہیں اور وسائل بھی، نمائشی ہنگاموں میں وقت اور انرجی برباد کرنے کے بجائے ان کاموں کی طرف، اور ان کاموں کی اہلیت رکھنے والے افراد کی تیاری کی طرف توجہ کریں! مگر سب کچھ ہوتے ہوئے کام نہ ہوتے ہوئے دیکھ کر، اور کچھ نہ ہوتے ہوئے کام کے قصے سن کر ہی تو پتہ چلتا ہے کہ کام کا تعلق تو کسی اور ہی شے سے ہے اور وہ شے اب نایاب ہوتی جارہی ہے۔

آخر میں اپنی معروضات کے ایک اہم حصے کی طرف توجہ مبذول کرنے کیلئے عرض کیا جاتا ہے کہ:۔
مطلقہ کے نفقہ کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد سے دو قسم کے جو بیانات اخباروں میں آئے ہیں، اور ان سے علماء اور نئی نسل کے سوچنے کے جو انداز سامنے آئے ہیں۔ ناچیز راقم سطور نے اس مضمون میں اس کی بھی کوشش کی ہے کہ دونوں کے نقطہائے نظر دونوں کے سامنے، مثبت انداز سے آجائیں۔ شاید کہ اس سے ملت کے ان دونوں قابل قدر طبقوں کی عظیم صلاحیتوں کے صحیح استعمال، اور باہمی اعتماد کی راہ کھلے، کیونکہ راقم کا ایمان ہے کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اجتہاد

[ربیع الاول ۱۴۰۰ھ میں وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام اسلام آباد میں ایک علماء کنونشن منعقد ہوا تھا، جسکے کھلے اجلاس میں صدر پاکستان نے بھی شرکت کی تھی، اس کنونشن کا ایک موضوع یہ بھی تھا کہ "ملک میں اجتہاد کے عمل کا آغاز کس طرح کیا جائے؟"

اس موضوع کیلئے تشکیل شدہ کمیٹی نے جو تجاویز پیش کی تھیں، ان کے بارے میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے مدیر "البلاغ" اور اسلامی قانون کے عظیم ماہر حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے ایک تقریر کی تھی، جس میں اجتہاد جیسے اہم مسئلہ کے بارے میں مختصر الفاظ میں نہایت جامع اور معتدل موقف کا بڑا واضح بیان آگیا تھا۔

ہم اس تقریر کو ماہنامہ "البیان" پشاور کے شکریہ کے ساتھ ناظرین الفرقان کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں اسکی اشاعت کیوں مناسب سمجھی گئی ہے۔ اسکا فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں

——— مدیر]

جناب صدر،

معزز حاضرین۔ السلام علیکم

میری نظر میں چونکہ یہ اجتماع بڑی حد تک علماء کا ایک نمائندہ اجتماع ہے اور اس کی طرف سے جو بات بھی اس وقت طے ہوگی وہ بڑے دوررس اثرات کی حامل ہوگی، اس لئے میں مختصراً اجتہاد کے ضمن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بارے میں ہمارے معاشرے کے اند بڑی متضاد قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان متضاد غلط فہمیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات انتہا درجے کا جمود ظاہر کیا جاتا ہے اور بعض مرتبہ انتہا درجہ کی آزادی۔

میرے نزدیک اور میری یہ بات میری تنہا ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت اور فقہاء

اسلام کی آراء سے ماخوذ اور مستنبط ہے۔ اجتہاد درحقیقت ایک دو دھاری تلوار ہے۔ اس اجتہاد کو اگر صحیح طور پر سمجھ کر اس کی حدود کے اندر، اس کی شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اسکا نتیجہ اس عظیم الشان فقہی ذخیرے کے طور پر سامنے آتا ہے جس پر امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اسی اجتہاد کے ہتھیار کو غلط استعمال کیا جائے، غلط افراد استعمال کریں، یا غلط طریقے سے استعمال کریں تو اس کا نتیجہ وہ باطل نظریات ہیں اور تحریف دین کی وہ تحریکیں ہیں جن کی تاریخ ہمیں "الملل والنحل" جیسی کتابوں کے اندر تفصیل کے ساتھ ملتی ہے اور جن کا حال یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز تک ان کا شور دنیا نے سنا ہے لیکن آج سوائے کتابوں کے اوراق کے ان کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔

اسی اجتہاد کے ذریعے امت مسلمہ کے لئے علمی راستے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ اور اسی اجتہاد کے ذریعے یہ صورت حال بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ ہمارے اسی ملک کے اندر یہ اجتہاد بھی کیا گیا کہ قرآن کریم کی جو آیت ہے "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما" (۵: ۳۸) یعنی "چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو" تو "اجتہاد" کے ذریعہ اس کی تشریح اور تعبیر یہ کی گئی کہ چور مرد اور چور عورت سے مراد ہے سرمایہ دار اور "فاقطعوا ایدیھما" یعنی ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی صنعتوں کو نیشنلائز کر دیا جائے اور یہ استدلال کسی ایسے آدمی کی طرف سے پیش نہیں کیا گیا کہ جس کو کوئی علمی مقام حاصل نہ ہو۔ یہ ہمارے ہی ملک میں ایک ایسے صاحب کی طرف سے باقاعدہ چھپ کر شائع ہوا ہے۔ جن کا شمار مشہور دانشوروں میں ہوتا ہے۔

اسی طرح اسی ملک کے اندر اجتہاد کی بنیاد پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ سود حرام نہیں، اسی اجتہاد کی بنیاد پر یہ بھی کہا گیا کہ شراب حرام نہیں، اسی اجتہاد پر مغربی تہذیب کی وباء اور ہر لعنت کو حلال کرنے کی کوشش کی گئی، اور اسی کے ذریعے تحریف دین کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا گیا۔

اسی لئے میں نے عرض کیا کہ یہ دو دھاری تلوار ہے اور میں اس کی یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے پل صراط کا روایات میں ذکر آتا ہے کہ وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے اگر اس کی حدود اور شرائط کا لحاظ رکھے بغیر اور اس کی اہلیت کو کما حقہ حاصل کئے بغیر کوئی شخص یہ کام کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تحریف دین کا مرتکب ہوتا ہے اور اس سے انتہا درجے کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض حضرات اجتہاد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی عقل اور رائے کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرلیں۔ عقل اور رائے کی بنیاد پر اسلامی احکامات سے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کو وہ اجتہاد سمجھتے ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اس چیز کو آج تک کسی شخص نے بھی اجتہاد نہیں سمجھا، جو شخص اس بات کو اجتہاد سمجھے تو وہ درحقیقت بہت عظیم گمراہی میں مبتلا ہے۔ خود حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کی بنیاد پر اجتہاد کا دروازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا اور جب آپ نے کھولا تو کوئی اس کو بند نہیں کرسکتا، اس کے اندر یہ تشریح موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر کوئی بات تمہیں کتاب اللہ میں نظر نہ آئے تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟ تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ سنت پر عمل کروں گا، آپ نے پوچھا کہ اگر سنت میں بھی کوئی بات نہ ہو تو پھر کیا کروگے، تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہی حدیث صراحتاً یہ بات بتارہی ہے کہ جس چیز کے بارے میں قرآن وسنت نے کوئی حکم دیدیا اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اگر اسکے بعد اس پر کوئی اجتہاد کیا جائے گا تو وہ اجتہاد نہیں ہوگا وہ تحریف ہوگی۔

درحقیقت اگر ان معاملات میں، جن میں کہ قرآن وسنت نے کوئی واضح حکم دیا ہے اجتہاد کی اجازت اور کھلی چھوٹ دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر بعثت انبیاء کا کوئی مقصد نہیں رہتا۔ انبیاء علیہم السلام تو وحی اس غرض کے لیے لے کر آتے ہیں کہ جن معاملات کے اندر انسان اپنی عقل سے صحیح فیصلے تک نہیں پہنچ سکتا، وحی کے ذریعہ اس کو اس کا صحیح راستہ دکھایا جاتا ہے۔ اور یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ راستہ تمھارے لئے ہے۔ اگر یہ بات ہوتی کہ اپنی عقل اور رائے سے جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کرلو تو پھر قرآن وسنت کے اتباع کی چنداں حاجت نہیں تھی یہ کہہ دیا جاتا کہ ہر زمانہ کے لوگ جس طرح کا طریقہ مناسب سمجھیں اور عقل کے مطابق، اور رائے کے مطابق پائیں، مصلحت کے مطابق سمجھیں، اس کے مطابق اپنی زندگی گذاریں، قرآن وسنت کو نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے اجتہاد کے بارے میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے اور یہاں سے جو قرارداد جائے اس میں اس پہلو کی پوری رعایت ہونی چاہیے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ بعض اوقات اجتہاد کا مطلب تو یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اپنی عقل اور رائے کو قرآن وسنت کے نام پر ٹھونسا جائے لیکن جب اجتہاد کے عمل کا نام آتا ہے۔ تو

ذہن میں یہ تصور آتا ہے کہ گویا آج قرآن و سنت ہم پر پہلی بار نازل ہوئے ہیں اور اس چودہ سو سال کے اندر اس کی تشریح و تعبیر پر کوئی کام نہیں ہوا، اور اب ہم اپنی عقل اور سمجھ سے جو کچھ اس کا مطلب نکالیں گے وہ اجتہاد ہوگا اور اسی کو نافذ کرنا چاہیئے۔

یہ تصور بعض مرتبہ پھیلایا جاتا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم آج کسی خلاء میں نہیں بیٹھے، ہم ایک ایسے دور میں ہیں جبکہ چودہ سو سال تک یہ امت جس کے اندر جلیل القدر صحابہ کرام، جس میں تابعین، جس میں بزرگانِ دین، جس میں فقہائے ملت اور صلحائے امت گذرے ہیں اور جنھوں نے اپنی عمریں کھپائی ہیں اِس دین کو حاصل کرنے کے لئے، قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کے لئے۔ جنھوں نے وہ قربانیاں دی ہیں کہ آج ہم اور آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے، ایسی قربانیاں دی ہیں کہ بھوکے رہ کر، روکھی سوکھی کھاکر، موٹا جھوٹا پہن کر۔ انھوں نے قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور ہمارے لئے ایک عظیم الشان ذخیرہ چھوڑا ہے۔ لہٰذا یہ تصور کرنا کہ اس سارے ذخیرے کو دریا بُرد کرکے اور اس سارے ذخیرے کو نظر انداز کرکے ہم آج پہلی بار براہ راست قرآن و سنت سے استنباط اور اجتہاد کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ بہت بڑی خود فریبی ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ چودہ سو سال تک قرآن و سنت پر کوئی عمل نہیں ہوا اور اس کی کوئی تشریح و تعبیر نہیں کی گئی اور اس کو کسی طرح سمجھا نہیں گیا۔ اس لئے اجتہاد کا یہ مفہوم بھی اگر کسی کے ذہن میں ہے کہ وہ ماضی کے فقہی ذخیرے سے بے نیاز ہوکر از سرِ نو الف ب سے اجتہاد شروع کرے تو میں اس کی تائید نہیں کر سکتا۔ اجتہاد کا یہ تصور بڑا فتنہ انگیز ہے کہ تمام فقہی ذخیرہ کو نظر انداز کرکے پھر آج از سرِ نو ان مسائل کو اٹھایا جائے اور از سرِ نو فقہ کو ادھیڑ کر ایک نئی فقہ تیار کی جائے۔

البتہ تیسری بات یہ ہے کہ جو پرانے اصول قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ انہی کی روشنی میں نئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ اجتہاد کا یہ مفہوم درست ہے۔ بلاشبہ بے شمار مسائل ہر دور کے اندر ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کا صریح حل نہ ہیں کتاب اللہ میں یا سنت میں نہیں ملتا۔ اسی طرح فقہائے کرام کی آراء میں یا تو ان کا ذکر نہیں ہوتا، یا ان کی کما حقہٗ صراحت اور وضاحت نہیں ہوتی،

اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے ان مسائل کا حل تلاش کرنا اور اس کے لئے شارع کی مراد کو سمجھنا، اور شریعت کی مراد کو سمجھنا۔ اس کا نام اجتہاد ہے اور یہ اجتہاد وہ چیز ہے کہ آج تک کسی نے اس کا دروازہ بند نہیں کیا۔

یہ پروپیگنڈہ بالکل غلط ہے کہ اس اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس کا دروازہ کسی نے بند نہیں کیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھولا ہوا دروازہ ہے جو قیامت تک کھلا رہے گا اور جب تک اجتہاد اس کے اہل لوگوں کے ہاتھ میں رہے گا کوئی اس کو بند نہیں کر سکتا۔ یہ تیسری قسم کا اجتہاد ہے جو ہمیں اس دور کے اندر مطلوب ہے۔ بیشمار مسائل ہمارے سامنے ایسے آئے ہیں کہ جن کا صریح حکم ہمیں پہلے نہیں ملتا یا یہ کہ ان کے اندر ہمیں عملی دشواریاں پیش آتی ہیں تو ان کو حل کرنے کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

یہاں میں یہ بات عرض کر دوں کہ اس کمیٹی کے لئے عنوان جو رکھا گیا تھا وہ یہ تھا کہ "پاکستان میں اجتہاد کے عمل کا آغاز کس طرح کیا جائے" اس کے پس منظر میں یہ مفروضہ جھلکتا نظر آتا ہے کہ اب تک یہ عمل نہیں ہو رہا تھا۔ اور اب ایک ایسے عمل کا آغاز کیا جا رہا ہے جو پہلے نہیں ہوا تھا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صورت حال ایسی نہیں ہے جو اجتہاد مطلوب ہے اور جس اجتہاد کی اس دنیا میں امت مسلمہ کو ضرورت ہے وہ ایسا نہیں ہے جو پہلے نہ ہوتا رہا ہو۔ وہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور اب بہر حال اگر اس کو کوئی تنظیمی شکل دی جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو اچھی بات ہے لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ علمائے کرام اس سے پہلے اجتہاد نہیں کرتے رہے ہیں۔ جس قسم کا اجتہاد مطلوب ہے وہ پہلے بھی کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔

یہ تو تھیں چند اصولی باتیں، ہمارے سامنے جو تجویز آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس غرض کے لئے علمائے کرام کا ایک بورڈ مقرر کیا جائے جو اجتہاد کا فریضہ انجام دے اور ان مسائل کے اندر اپنی آراء کو سامنے لائے۔ اس سلسلہ میں مجھے ایک اصولی گذارش یہ کرنی ہے کہ آپ پوری چودہ سو سالہ تاریخ کے اندر نظر ڈال کر دیکھیں تو آپ کو یہ بات محسوس ہوگی کہ اسلام نے اجتہاد کے لئے عیسائیت کی طرح کوئی مقتدر اعلیٰ تنظیم قائم نہیں کی۔ اس قسم کا کوئی ادارہ کہ جس کا قول حرف آخر ہو۔ اور اس کے بعد کسی اور کو کچھ کہنے کی گنجائش نہ ہو۔ اس قسم کی کوئی اداراتی تنظیم

آپ کو اسلام کے اندر نظر نہیں آئے گی۔ یہ بات عیسائیت کے اندر ہے کہ اس میں جو کچھ پوپ کہہ دے، دین کی تعبیر کردے، تو اس کے بعد کسی اور کو اس کے اندر بولنے کی گنجائش نہیں رہتی، اس کو غلطی سے بالا اور مبرا و منزہ (INFALLIBLE) قرار دیا جاتا ہے۔

اسلامی اجتہاد کے اندر یہ طریق کار رہا ہے کہ عام طور پر اس کی کوئی مقتدر اعلیٰ ادارتی تنظیم قائم کر کے اس کو کوئی اختیار قطعی نہیں دیا گیا۔ بلکہ بعض علماء کے اجتہاد کے ذریعے جو کچھ آراء سامنے آتی ہیں دوسرے علماء کو ان پر تنقید کی کھلی آزادی ہوتی ہے، اور بالآخر قرآن و سنت کی بنیاد پر ان کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ صرف ایک طرح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ امت مسلمہ کا اجتماعی ضمیر کسی اجتہاد کو قبول اور کسی کو رد کر دیتا ہے۔ لہٰذا اجتہاد کے لئے کوئی بورڈ قائم کرنے سے اگر یہ تاثر ہے کہ یہ ادارہ ایسے اجتہاد کا ادارہ ہوگا جو اس معاملے میں حرف آخر کا درجہ رکھے گا، اور پھر اسکے خلاف دوسرے علماء کے لئے کوئی مخالف رائے قائم کرنے کا راستہ نہیں ہوگا تو یہ بھی میرے خیال میں درست نہیں

چوتھی بات یہ ہے کہ اس وقت اگر ہم الگ سے اجتہاد کے نام پر کوئی ادارہ قائم کریں تو اس کے کچھ عملی مسائل بھی ہیں اور مالی مسائل بھی ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بجائے میری تجویز یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک ادارہ پہلے سے موجود ہے، اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے، اور دوسرا ادارہ، ادارہ تحقیقات اسلامی کے نام سے موجود ہے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کے اندر کہ استنباط و استخراج اور اجتہاد کی ضرورت ہے جیسا کہ مولانا نے فرمایا، اس کی ایک فہرست تیار کرنے کے بعد یہ کام انہی اداروں کو سونپا جائے۔ البتہ یہ جب کسی پیش آمدہ مسئلے کے حل کے لئے اجتہاد کرنا چاہیں تو تو اس غور و فکر کو صرف اپنے ارکان تک محدود نہ رکھیں بلکہ دوسرے علماء کو اور اہل علم کو دعوت دیکر اور ان کی آراء معلوم کر کے اور پھر اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے اس کا فیصلہ شائع ہو۔ اس طریقے سے ایک تو شاید مالی اخراجات بھی کم ہوں گے، دوسرے یہ کہ دو عملی ختم ہوگی۔ ورنہ ایک طرف آپکا اجتہاد کا بورڈ ہوگا، اور دوسری اسلامی نظریاتی کونسل ہوگی، پھر اگر ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد پیدا ہوتا ہے تو اس کو رفع کرنے کیلئے ایک تیسری کمیٹی یا تیسرا ادارہ قائم کرنا پڑیگا۔ اسلئے اگر اسلامی نظریاتی کونسل یا ادارہ تحقیقات اسلامی کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ وہ ایسے مسائل کی فہرست تیار کر کے ملک کے مقتدر، مستند، اہل تقویٰ، اہل فتویٰ علماء کو جمع کر کے اور ان سے اس سلسلے میں

رہنمائی حاصل کرلیں اور پھر کسی متفقہ نتیجے پر پہونچیں تو بہتر ہوگا۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث "مجمع الزوائد" میں مروی ہے صحیح سند کے ساتھ اس میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے تشریف لیجانے کے بعد ایسے مسائل بھی پیش آسکتے ہیں کہ جن میں ہمارے پاس نہ تو آپؐ کی طرف سے امر ہے اور نہ کوئی نہی ہے تو اس صورت میں ہم کیا کریں ؟ تو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر الفاظ میں اس کا طریقۂ کار ہمیں بتادیا، فرمایا کہ ایسی صورت میں "شاوروا الفقهاء العابدين" ایسی صورت میں تم مشورہ کرو فقہاء سے، ایسے لوگوں سے جو فقہاء ہیں۔ دین کی سمجھ رکھنے والے اور عابدین ہیں۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے عبادت گذار ہیں۔ "ولا تمضوا فيه رأى خاصة" اور اس میں کسی خاص رائے کو اس طرح نافذ نہ کرو کہ گویا یہ پوری امت کی طرف سے اجتماعی رائے ہے۔ انفرادی آراء کے بجائے اس میں لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرو، اور لوگوں کی صفات بھی بتادیں کہ جو فقہاء اور عابدین ہوں۔ ان دو قسم کے لوگوں کو جمع کرکے مشورہ کرو۔

اگر اسلامی نظریاتی کونسل اور ادارۂ تحقیقات اسلامی ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ضرورت محسوس ہو تو علماء کو جمع کریں اور اس کے بعد اس رائے کو شائع کیا جائے۔ اور اس کے بعد دوسرے اہل علم کو اس پر تنقید کی بھی کھلی آزادی ہو اور اگر کوئی شخص اسکے خلاف کچھ کہنا چاہتا ہے تو وہ بھی کہے۔ اس طرح بحیثیت مجموعی اجتہاد کا یہ عمل اپنی اسی طبعی رفتار سے چل سکتا ہے جس طرح کہ اب تک چودہ سو سال سے چلتا آرہا ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس کے لئے ہم کوئی مصنوعی ذرائع اختیار کریں گے تو اسکے چلنے کے امکانات مجھے نظر نہیں آتے۔

آخر میں ایک بات یہ عرض کروں گا کہ حکومت کے زیر نگرانی جو اس قسم کے ادارے قائم کئے جائیں ان میں اس بات کی رعایت انتہائی ضروری ہے کہ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں اور لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس واسطے ان کے اصول ایسے ہونے چاہئیں جو ہر حال میں قابل عمل ہوں۔ اس میں افراد کا انتخاب سیاسی بنیادوں پر ہونے کے بجائے خالص علم اور تقویٰ کی بنیاد پر ہونا چاہیئے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یعنی فقہاء اور عابدین کی بنیاد پر ان کا انتخاب ہونا چاہیئے اور یہ بات اس ادارے کے بنیادی اصول موضوعہ میں طے ہو تو

(باقی ص۳۶ پر)

مولانا محمد منظور نعمانی

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں قریباً ۶۰ سال پہلے کا

اکابر علماء کا متفقہ فتویٰ!

ناچیز راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض اچھے اصحاب علم و دانش نے لکھا ہے کہ جب اثنا عشریہ کے عقائد وہ ہیں جو ان کی مسلّم و مستند کتابوں اور خود خمینی صاحب کی تصانیف سے اس کتاب میں نقل کئے گئے ہیں۔

مثلاً یہ کہ حضرات خلفائے ثلٰثہ (صدیق اکبر، فاروق اعظم، اور ذوالنورین) اور ان کے تمام رفقاء (ایک حضرت علی مرتضیٰ کو مستثنیٰ کر کے) ان کے ساتھ تعاون کرنے والے تمام اکابر صحابہ، مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین (معاذ اللہ) ایمان و اسلام سے قطعی محروم خالص منافق تھے، انھوں نے صرف حکومت و اقتدار حاصل کرنے کی ہوس میں بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، دل سے یہ اسلام اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، اور اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے یہ ہر نا کردنی کر سکتے تھے، قرآن پاک میں تحریف بھی کر سکتے تھے، جھوٹی حدیثیں بھی گھڑ سکتے تھے اور اگر کسی وقت محسوس کرتے کہ اسلام سے وابستہ اور مسلمانوں میں شامل رہ کر ان کا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے کٹ کر اور (ابولہب و ابوجہل کی طرح) کھلے دشمن بن کر ہی وہ حکومت و اقتدار حاصل کر سکتے ہیں تو وہ ایسا ہی کرتے۔[1]

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

اور مثلاً اپنے اماموں کے بارے میں ان کا عقیدہ کہ ان کا درجہ انبیاء و مرسلین سے برتر و بالاتر ہے اور ان ائمہ کے بارے میں وہ عقائد جو عقیدہ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتے ہیں۔ بلکہ ان کو مقام الوہیت تک پہونچا دیتے ہیں۔ ؎[1]

اور خاص کر یہ عقیدہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے، یہ اصلی اور کامل قرآن نہیں ہے۔ ؎[2]

الغرض اثنا عشریہ کے جب یہ عقائد ہیں، تو حضرات علمائے کرام نے ان کے خارج از اسلام ہونے کا اس طرح فیصلہ کیوں نہیں کیا، جس طرح قادیانیوں کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔

راقم سطور نے مناسب سمجھا کہ ان حضرات کو الگ الگ جواب دینے کے بجائے "الفرقان" میں لکھ دیا جائے، تاکہ جن دوسرے حضرات کے ذہن میں بھی یہ سوال ہو ان تک بھی جواب پہنچ جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور سب سے اہم قابل لحاظ بات یہ ہے کہ کسی شخص یا کسی فرقہ کی تکفیر اور اس کو خارج از اسلام قرار دینے کا معاملہ عنداللہ نہایت سنگین اور اس کے قتل کا حکم دینے کے برابر ہے، اس لئے اصحاب تقویٰ اور محتاط علمائے کرام کا یہ رویہ رہا ہے کہ کسی فرد یا کسی فرقہ کے خارج از اسلام ہونے کا فیصلہ وہ اسی وقت کرتے ہیں، جب ان کے موجب کفر عقیدہ کے بارے میں دن کی روشنی کی طرح ان کو یقین ہو جاتا ہے، اور کسی تاویل کی ان کے لئے گنجائش نہیں رہتی، اور پھر اس کی تکفیر اور خارج از اسلام قرار دینے کا فیصلہ اور اس کا اظہار و اعلان ان کا دینی فریضہ ہو جاتا ہے، اور سکوت ان کے لئے جائز نہیں رہتا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؎ یہ حاصل اور خلاصہ ہے اسکا جو خمینی صاحب نے اپنی فارسی کتاب "کشف الاسرار" میں حضرات خلفائے ثلثہ اور ان کے رفقاء اکابر صحابہ کے بارے میں تقیہ کی لاگ لپیٹ کے بغیر لکھا ہے "کشف الاسرار" کی اصل فارسی عبارتیں میری کتاب کے صفحہ ۵۳ سے ۹۶ تک دیکھی جا سکتی ہیں۔

؎[1] اس کے لئے مذہب شیعہ کی مستند کتابوں کے حوالے اور ان کی عبارتیں میری کتاب میں ص ۱۱۹ تا ۱۹۰ دیکھی جائیں۔

؎[2] اس کے لئے میری کتاب کے ص ۲۰۵ سے ۲۰۸ تک کا مطالعہ کیا جائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے بارے میں بھی یہی ہوا، کہ ہمارے اصحاب فتویٰ اکابر علماء نے ان کے مہدی و مسیح ہونے کے دعووں کے باوجود، اور اپنی تحریروں میں اپنے لئے نبی و رسول کا لفظ استعمال کرنے کے باوجود اس وقت تک تکفیر نہیں کی جب تک کہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح ان کے سامنے نہیں آگئی، کہ یہ شخص حقیقی اور شرعی معنی میں نبی و رسول ہونے کا مدعی ہے اور اس عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، جو "ضروریات دین" میں سے ہے اور اسی طرح کی دوسری موجب کفر باتیں جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔

اور ممالک عربیہ کے محتاط علماء و اصحاب فتویٰ جو مرزا غلام احمد کی اردو زبان میں لکھی ہوئی کتابیں ہماری طرح نہیں پڑھ سکتے تھے، وہ ان کی اور ان پر ایمان لانے والے قادیانیوں کی تکفیر کی تائید کرنے پر بھی ایک زمانے تک آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اب سے صرف ۳۲-۳۳ سال پہلے کا واقعہ ہے سنہ ۱۹۵۲ء میں کراچی میں "موتمر علماء اسلام" کا اجلاس تھا، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے داعی تھے، دوسرے ممالک کے اکابر و مشاہیر علماء بھی مدعو تھے اور شریک ہوئے تھے، ہندوستان سے رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں اور اس عاجز کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، یہاں مشورہ سے میرا جانا طے ہوا۔ عالم اسلام کی عظیم شخصیت سماحۃ المفتی امین الحسینی علیہ الرحمۃ اجلاس کے صدر تھے۔ اس وقت پاکستان میں قادیانیوں کو خارج از اسلام اور غیر مسلم اقلیت قرار دئے جانے کی مہم مجلس احرار ہی چلا رہی تھی (قیام پاکستان کے بعد سے اس نے اسی مسئلہ کو اپنا موضوع اور جد و جہد کا ہدف بنا لیا تھا) اس کے صدر اس وقت قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم تھے۔ وہ خود اور ان کے ساتھ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمۃ کے فرزند مولانا سید عطاء المنعم آئے۔ ان حضرات نے کانفرنس کے منتظمین کے سامنے یہ بات رکھی، کہ قادیانیوں کے خارج از اسلام ہونے کی تجویز علماء کی اس عالمی کانفرنس میں پاس ہو جائے، ان حضرات نے کہا کہ آپ اس بارے میں صدر اجلاس مفتی امین الحسینی صاحب سے بات کرلیں۔ یہ حضرات مفتی صاحب کی خدمت میں آئے، اتفاق سے اس وقت راقم سطور بھی وہیں تھا، مولانا سید عطاء المنعم صاحب نے مفتی صاحب کے سامنے اپنا مسئلہ رکھا، اور عربی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے بتلایا کہ قادیانی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی و رسول مانتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے دوسرے

موجبات کفر کا بھی ذکر کیا۔ اور چاہا کہ مفتی صاحب بھی اس سے اتفاق کرلیں، اور اس کے بارے میں اجلاس میں ایک تجویز پاس ہوجائے۔ لیکن مفتی صاحب اس وقت اس کے لئے آمادہ نہیں ہوئے، راقم سطور کے نزدیک اسکی وجہ یہی تھی کہ صرف ان حضرات کی گفتگو سے مفتی صاحب کو وہ یقین اور اطمینان حاصل نہیں ہوسکا جو ان کے نزدیک تکفیر کے لئے ضروری تھا۔ مفتی صاحب کے علاوہ بھی اس عاجز نے متعدد ایسے عرب علماء کو دیکھا جن کا یہی رویہ تھا، میرے نزدیک اس کی وجہ یہی تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیوں کے بارے میں ان کو وہ واقفیت نہیں تھی جو ہم لوگوں کو ہے، اگر ان حضرات کو وہ واقفیت ہوتی تو وہ بھی ان کی تکفیر کو دینی فریضہ سمجھتے۔

امید ہے کہ ان سطروں کے پڑھنے کے بعد ان حضرات کے لئے جنھوں نے میری کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" کا مطالعہ فرمایا ہے اس کا سمجھنا آسان ہوگا کہ شیعوں کے مذکورہ بالا عقائد کے باوجود (جو یقیناً موجب کفر ہیں) متقدمین اور متاخرین علمائے اسلام کی طرف سے ان کے خارج از اسلام ہونے کا اجتماعی اور اتفاقی فیصلہ کیوں نہیں کیا جا سکا

جہاں تک ہمارے علمائے متقدمین کا تعلق ہے، میری کتاب میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے کہ شیعہ مذہب میں کتمان (دین و مذہب کو چھپانے) کا اور تقیہ کا جو تاکیدی حکم ہے اس کی وجہ سے شیعوں کے عقائد اور ان کی بنیادی کتابوں سے ہمارے علمائے متقدمین بالکل واقف نہ ہوسکے بعد میں جب پریس کا دور آیا، اور ان کی وہ کتابیں چھپ گئیں تب بھی (باستثنائے شاذ ونادر) ہمارے علمائے اہلسنت نے ان کے مطالعہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ راقم سطور کو مختلف مدارس میں اپنی تعلیم کے ابتدائی، وسطانی اور آخری مراحل میں جن حضرات اساتذہ سے استفادے اور تلمذ کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کی تعداد ۳۰۔۔ ۴۰ سے کم نہ ہوگی، میں نے ان میں سے کسی کے درس میں محسوس نہیں کیا کہ انھوں نے مذہب شیعہ اور اس کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کو کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی جس طرح کہ خوارج معتزلہ، مرجیہ وغیرہ فرقوں کی کتابوں کے مطالعہ کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

جن اکابر علماء کو اس عاجز نے پایا، ان میں صرف حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی علیہ الرحمۃ کو دیکھا کہ انھوں نے شیعہ مذہب اور اس کی مستند بنیادی کتابوں کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ فرمایا تھا، اور اس مطالعہ سے اس فرقہ کی دوسری بہت سی گمراہیوں کے علاوہ یہ دو انتہائی سنگین گمراہانہ عقیدے روز روشن کی طرح مولانا ممدوح کے سامنے آئے۔

ایک یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دینی تعلیم و تربیت پانے والے وہ تمام صحابہ جنھوں نے حضرات خلفائے ثلٰثہ کو خلیفہ برحق مانا، اور ان کے ساتھ تعاون کیا (یعنی جمہور صحابہ، مہاجرین و انصار) سب ایمان سے محروم خالص منافق تھے۔ صرف حضرت علی اور انکے چند ساتھی (جن کی تعداد دس بھی نہ تھی) مومن تھے، لیکن ساتھ ہی ایسے تقیہ باز کہ خلفائے ثلٰثہ کے پورے ۲۴ سالہ دور خلافت میں یقین کے ساتھ یہ جاننے کے باوجود کہ یہ مومن نہیں خالص منافق ہیں۔ از راہ تقیہ برابر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، اور وفاداری و تعاون کا اظہار کرتے رہے،

الغرض شیعہ مذہب کی بنیادی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح حضرت مولانا کے سامنے آگئی کہ شیعہ حضرات کے نزدیک صحابہ کرام کی پوری جماعت میں کوئی بھی قابل اعتبار، صداقت شعار نہیں تھا، یا منافقین تھے یا تقیہ باز مومنین۔ اس عقیدہ کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ دین اسلام کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں رہتی، کیونکہ سارا دین ان صحابہ کرام ہی کے ذریعہ بعد کی امت کو ملا ہے، اور موجودہ قرآن بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ وہ بھی امت کو صحابہ کرام ہی سے ملا ہے اس لئے اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے قرآن پر ایمان کا عقلی امکان بھی نہیں۔

دوسری بات اس مطالعہ سے حضرت مولانا کے سامنے یہ آئی، کہ شیعہ مذہب کی اُن بنیادی کتابوں میں جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے ایک دو، دس بیس، سو دو سو ہی نہیں، بلکہ ہزاروں کی تعداد میں وہ روایتیں ہیں جن میں ان کے ائمہ معصومین نے اس قرآن کو محرف بتلایا ہے اور اُن کے ان علمائے متقدمین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، ان روایات کیمطابق قرآن کے محرف ہونے کے ثبوت میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ان سب کے مطالعہ کے بعد یقین کے ساتھ یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ کسی شیعہ کے لئے اپنے مذہب کی رو سے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ قرآن کو محرف نہ سمجھے، ہاں تقیہ کے طور پر تحریف کے عقیدہ سے انکار کر سکتا ہے

شیعہ مذہب اور شیعوں سے متعلق ان دو باتوں کے سامنے آجانے کے بعد حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے اپنا دینی فریضہ سمجھا کہ خواص وعوام اہل سنت کو شیعوں کے ان عقائد اور شیعہ مذہب کی حقیقت سے واقف کرانے کی امکانی کوشش کی جائے، چنانچہ مولانا نے اپنی زندگی اس مقصد اور اس کام کے لئے گویا وقف کردی۔ توفیق الٰہی ان کی رفیق ہوئی، اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ کام لیا جو اس راہ میں ہمیشہ امت کی راہ نمائی کرتا رہے گا۔ اس سلسلہ میں مولانا نے اس کی بھی ضرورت محسوس فرمائی کہ شیعہ اثنا عشریہ کے خارج از اسلام ہونے کے بارے میں ایک فتویٰ مرتب کیا جائے، اور دوسرے حضرات علماء کرام واصحاب فتویٰ کی تصدیقات کے ساتھ اس کو شائع کیا جائے۔ چنانچہ اب سے قریباً ساٹھ سال پہلے مولانا نے ایک سوال کے جواب میں وہ فتویٰ خود لکھا اور اس دور کے اکابر علماء واصحاب فتویٰ کی تصدیق کے ساتھ وہ پہلی دفعہ "شاہی پریس لکھنؤ" میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا۔

شیعہ اثنا عشریہ کے کفر وارتداد کے متعلق علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ

جہاں تک راقم سطور کا اندازہ ہے یہ نسخہ اب نایاب ہے، ہمارے اس زمانہ کے اہل علم واصحاب فتویٰ کو بھی اس کا علم نہیں ہے، حسن اتفاق سے اس کا ایک نسخہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں محفوظ تھا، وہی اس وقت سامنے ہے، بعض حضرات اہل علم کے جن خطوط کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ان کے ملنے کے بعد راقم سطور نے ضروری سمجھا کہ وہ فتویٰ بعینہٖ الفرقان میں شائع کردیا جائے اور ان حضرات علمائے کرام واصحاب فتویٰ کے اسمائے گرامی بھی جنھوں نے اس فتوے کی تائید وتوثیق فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس فتوے میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے شیعوں کے صرف عقیدۂ تحریف قرآن کا ذکر فرمایا ہے، اور اسی کو فتوائے تکفیر کی بنیاد قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں کسی کے لئے شک شبہ اور چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے

اپنی کتاب "تنبیہ الحائرین" کا حوالہ دیدیا ہے۔

اس موقع پر یہ عاجز اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہے کہ حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی علیہ الرحمۃ کی عام شہرت ایک مناظر (خاص طور سے شیعوں کے مقابلہ میں اہل سنت کے ایک کامیاب مناظر و وکیل) اور رسالہ "النجم لکھنؤ" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے تھی، اور یہ شہرت حضرت مولانا کی اصل شخصیت کے لئے بہت بڑا حجاب بنی۔ جس شخص کو مناظر یا کسی رسالہ کا ایڈیٹر سمجھا جائے، اس کے بارے میں خاص کر ہمارے اس زمانے میں علمی اور دینی لحاظ سے کبھی بلند تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عاجز راقم سطور حضرت مولانا سے کسی درجہ میں واقف تو اپنی طالبعلمی کے زمانے سے تھا، اس کے بعد قریباً ۳۰ سال تک ایسا تعلق رہا کہ سفر و حضر میں ان کے شب و روز دیکھنے کا بار بار موقع ملا۔ اپنے ذاتی علم و مشاہدہ کی بنا پر یہ عاجز شہادت دے سکتا ہے کہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ صرف راسخ العلم اور وسیع المطالعہ عالم ہی نہیں تھے بلکہ علمائے ربانیین میں سے تھے اس عاجز کا احساس و اندازہ ہے کہ وہ تحریر و تقریر اور مناظرہ بھی ادائے فرض اور عبادت کی نیت سے کرتے تھے، برصغیر کے علمائے اہل حق کو ان پر پورا اعتماد تھا، اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہم سب کیطرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں، اسی لئے شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق ان کے اس فتوے کی ان تمام علماء کرام نے تصدیق و توثیق کی جن کے پاس وہ اس وقت بھیجا گیا تھا۔ آگے وہ فتویٰ ملاحظہ فرمایا جائے۔

(مطبوعہ نسخہ میں کتابت کی جو غلطیاں محسوس ہوئیں، ان کی تصحیح کر دی گئی ہے)

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

شیعہ اثنا عشریہ کے کفر و ارتداد کے متعلق علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شیعہ اثنا عشری مسلمان ہیں یا خارج از اسلام، اور ان کے ساتھ مناکحت جائز اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں۔ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز اگر وہ کسی مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ دینا چاہیں تو لیا جائے یا نہیں۔؟

الجواب و اللہ الموفق للصواب

شیعہ اثنا عشری قطعاً خارج از اسلام ہیں، ہمارے علمائے سابقین کو چونکہ انکے مذہب کی حقیقت کما ینبغی معلوم نہ تھی بوجہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں اور کتابیں بھی ان کی نایاب تھیں، لہذا بعض محققین نے بنا بر احتیاط انکی تکفیر نہیں کی تھی، مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں، اور ان کے مذہب کی حقیقت منکشف ہو گئی، اس لیئے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو گئے ہیں، ضروریات دین کا انکار قطعاً کفر ہے اور قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ وارفع چیز ہے، اور شیعہ بلا اختلاف کیا ان کے متقدمین اور کیا متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں، ان کی معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریف قرآن شریف میں بیان کی گئی ہے۔ کمی۔ بیشی۔ تبدیل الفاظ، تبدیل حروف خرابی ترتیب۔ خرابی ترتیب سورتوں میں بھی اور آیتوں میں بھی۔ کلمات میں بھی۔ ان پانچ قسم کی تحریف

کی روایات کے ساتھ ان کے علماء کا اقرار رہا ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں، تحریف قرآن پر صریح الدلالۃ ہیں، اور انھیں کے مطابق اعتقاد ہے۔ علمائے شیعہ میں گنتی کے چار آدمی تحریف قرآن کے منکر ہیں۔ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی۔ شریف مرتضیٰ، ابو جعفر طوسی، ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان تو ان چار اشخاص کے اقوال چونکہ محض بے دلیل اور روایات متواترہ کے خلاف ہیں اس لئے خود علمائے شیعہ نے ان کو رد کر دیا ہے، پوری تحقیق اس مبحث کی میری کتاب "تنبیہ الحائرین" میں ہے۔ من شاء فلیطالعہ۔ علامہ بحر العلوم فرنگی محلی پہلے شیعوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، مگر تفسیر مجمع البیان کے دیکھنے سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، لہٰذا انھوں نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں شیعوں کے کفر کا فتویٰ دیا، اور لکھا کہ قرآن شریف کی تحریف کا جو قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔ المختصر شیعوں کا کفر بربنائے عقیدۂ تحریف قرآن محل تردد نہیں ہے علاوہ اس کے دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں۔ مثل عقیدۂ بداء۔ قذف ام المومنین وغیرہ کے مگر ان میں کچھ تاویل کی گنجائش ہے۔ لہٰذا شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام ان کا چندہ مسجد میں لینا ناروا ہے۔ ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کی مذہبی تعلیم ان کی کتابوں میں یہ ہے کہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر یہ دعا کرنا چاہئے کہ یا اللہ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے، اور اس پر عذاب نازل کر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر العباد ناچیز محمد عبد الشکور عافاہ مولاہ

حضرات علماء کرام و اصحاب فتویٰ کی تصدیقات

آگے اس فتوے پر حضرات علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ بعض حضرات نے اپنی طرف سے کچھ تحریر فرما کر فتوے کی تائید و توثیق کی ہے، اور اکثر حضرات نے صرف "الجواب صحیح"، جیسے کلمات لکھ کر تصدیق فرمائی ہے، سب سے پہلی تائید و تصدیق اس زمانے کے مفتی دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب کی ہے، انھوں نے دستخط کے ساتھ تاریخ بھی لکھی ہے ۱۹ر صفر ۱۳۴۳ھ۔

اس کے آگے جن حضرات کی تصدیقات ہیں ہم ان کے صرف اسمائے گرامی مطبوعہ فتوے کی ترتیب ہی کے مطابق ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحبؒ (چاندپوری) ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند۔
حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ (شیخ الفقہ والادب دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ شاہجہانپوری
حضرت مولانا حمید حسن صاحبؒ دیوبندی (استاذ دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا مفتی مسعود احمد صاحبؒ (مدرس دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (استاذ دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
مولانا محمد یاسین صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
مولانا اصغر علی صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (صدرالمدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ (استاذ دارالعلوم دیوبند)
مولانا عبدالوحید صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)
مولانا محمد انور صاحبؒ
مولانا خلیل احمد صاحبؒ
حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ (استاذ دارالعلوم دیوبند)
حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ (نائب مہتمم و استاذ دارالعلوم دیوبند)
مولانا محمد چراغ صاحب (استاذ انوارالعلوم گوجرانوالہ)

حضرت مولانا محمد عبدالعزیز صاحب (مفتی شہر و خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ، مصنف نبراس الساری وغیرہ)

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ)

مولانا انوار الحق صاحبؒ (صدر مدرس مدرسہ عالیہ چلہ امروہہ)

مولانا ابوالطیب محمد منظور صاحب (استاذ مدرسہ عالیہ چلہ امروہہ)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

مولانا مفتی ظہور احمد صاحب بہاریؒ (صدر مدرس و مفتی مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ)

مولانا محمد اسباط صاحب (استاذ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ)

اس مطبوعہ فتوے کے آخر میں اسی مسئلہ (اثنا عشریہ کے کفر یا اسلام) سے متعلق ایک دوسرا استفتاء اور اس کا جواب بھی شامل ہے۔ اس استفتاء میں کسی شخص مسمیٰ نذیر احمد کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ رافضی ہو گیا ہے۔ خلفائے راشدین خصوصاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کرتا ہے، اس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ وہ مرتد ہے یا مسلمان ؟

اس استفتا کا جواب اس زمانے کے دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی مولانا مسعود صاحب نے لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے

"اگر فی الواقع نذیر احمد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے اور سب شیخین کرتا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے تو وہ مرتد ہے۔ فتاویٰ عالمگیری باب المرتدین میں ہے۔ " الرافضی اذا سب الشیخین ویلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر الخ (رافضی اگر شیخین کو گالیاں دے اور ان پر لعنت کرے (معاذ اللہ) تو وہ کافر ہے۔)

آگے تحریر فرمایا ہے۔

"ان لوگوں سے مناکحت کرنا اہل سنت و جماعت کو حرام ہے، کیونکہ مسلمان اور کافر میں باہم نکاح صحیح منعقد نہیں ہوتا۔ کذا فی الشامی باب المحرمات

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

اس فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

ھو الموفق۔ اگر نذیر احمد غالی شیعہ ہو گیا ہے، یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت کا قائل ہے یا قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہیں سمجھتا۔ یا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحبت کا منکر ہے۔ یا حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے، تو بیشک وہ کافر ہے"

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

قریباً نصف صدی پہلے کے اس مطبوعہ فتوے کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، اس کا مقصد اپنے زمانے کے ان حضرات اہل علم کو اس سے صرف واقف کرانا تھا جو واقف نہیں ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو انشاء اللہ اس موضوع پر آئندہ مستقلاً زیادہ تفصیل سے لکھا جائے گا۔

(صفحہ ۲۴ کا بقیہ)

انشاء اللہ پھر یہ اجتہاد کا عمل ہمارے لیے رحمت بنے گا اور ہم ان خطرات سے بچ سکیں گے جو اجتہاد کے غلط استعمال سے ہمارے معاشرے میں پیدا ہو سکتے ہیں

واٰخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

(دوسری آخری قسط)

عرب قومیت

ایک تاریخی جائزہ

از ــــــ مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء

○ عرب قومیت اور انجمن اتحاد و ترقی

سلطان عبدالحمید ثانی کا دور ختم ہونے کے بعد انجمن اتحاد و ترقی برسر اقتدار آئی تو اس نے دولت عثمانیہ کی پالیسی میں اہم تبدیلیاں کیں۔ عرب نوازی کا رویہ ترک کر کے اس نے اہل عرب کے ساتھ معاندانہ روش اختیار کی۔ عربوں کو ترکیانے کے لئے مختلف اہم اقدامات کئے۔ پارلیمنٹ میں عربوں کو برائے نام نمائندگی دی گئی۔ آخر کار انجمن اتحاد ترقی کے معاندانہ رویہ اور ترک قومیت کے ردعمل میں عرب ممالک میں عرب قومیت کو فروغ ہونے لگا۔ عرب قومیت کا نظریہ جو اب تک عیسائیوں اور تجدد پسندوں میں متعارف تھا، ہر محفل میں بار پانے لگا، دینی حلقوں میں بھی اب اسے زیادہ بری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اسی دوران جنگ عظیم اول برپا ہوئی۔ دولت عثمانیہ اور اس کے حلیفوں کی کامیابی کے امکانات روشن تھے لیکن اسی اثناء میں شریف حسین نے برطانیہ سے ساز باز کر کے دولت عثمانیہ کے سینے میں زہر میں بجھی ہوئی خنجر پیوست کر دی جس سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔

شریف حسین کی بغاوت

ترکوں سے عربوں کو لاکھ شکایتیں سہی لیکن اس نازک وقت میں شریف حسین اور اسکے رفقاء نے جو غدارانہ اور غیر دانشمندانہ قدم اٹھایا۔ کم از کم ہم اس کی توجیہ تاویل سے قاصر ہیں۔ شریف مکہ کے اس عمل کو جاہ طلبی، ہوسِ اقتدار، ملت سے غداری کے علاوہ کوئی اور نام دینا

مشکل ہے۔ مصر میں برطانیہ کے نمائندے سر ہنری مکماہون کے توسط سے شریف حسین نے برطانیہ سے سودے بازی کی۔ اس سلسلہ میں شریف حسین اور ہنری مکماہون کی خط وکتابت پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مکماہون کے خطوط برطانوی سیاست کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس نے اپنے خطوط میں واضح جواب سے گریز، دھوکے بازی اور لفظی جادوگری کا جو رویہ اپنایا۔ وہ برطانیہ کی نیت سمجھنے کے لئے کافی تھا لیکن شریف حسین کی سادہ لوحی کہیے یا اقتدار کی بھوک کہ اس نے بہر صورت گھاٹے کا سودا کر لیا[1]۔ تاریخ اسلام کے اس دردانگیز، عبرت خیز حادثہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں "۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک پہلی عمومی جنگ ہوئی اور عرب ممالک کو اس کا بہترین موقعہ ہاتھ آیا کہ سلطنت عثمانیہ میں شگاف ڈال سکیں۔ دوسری طرف اتحادیوں نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جانا اور قومیت کو خوب ہوا دی۔ لارنس نے اس سلسلہ میں اپنا مشہور کردار ادا کیا۔ اور عربوں میں قومی جوش وخروش پیدا کرکے ان کو ترکوں سے صف آرا کر دیا۔ چنانچہ شریف حسین نے حجاز میں بغاوت کی اور اہل شام نے شام میں، ان مسلمان ترکوں کے مقابلہ میں جنہوں نے پانچسو برس تک اسلام کا علم بلند اور اس کے دشمنوں کو مرعوب و مغلوب رکھا جو اپنی ساری کمزوریوں اور خرابیوں کے باوجود اسلامی قوت وشوکت کی علامت تھی۔ عربوں نے ان اتحادیوں کا ساتھ دینا اور ان کے کیمپ میں شامل ہونا گوارہ کیا جنہوں نے کبھی کسی مسلمان کی عزت وآبرو کی پرواہ نہیں کی اور کسی عہد وپیمان کا پاس نہیں کیا اور جن کی قیادت وہ انگریز کر رہے تھے جن کے ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت ترین مظالم سے رنگین اور ان کی تاریخ اسلام دشمنی کی خونی داستانوں سے آلودہ ہے"[2]

شریف حسین کی غداری اور امریکہ کے جنگ میں کود پڑنے سے برطانیہ اور اس کے حلیفوں کو جنگ عظیم اول میں کامیابی حاصل ہو گئی، سارے بلاد عربیہ پر برطانیہ اور اس کے حلفاء کا قبضہ ہو گیا اس کے بعد برطانیہ نے عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ دنیا کی تاریخ کا سیاہ ترین حصہ ہے۔ سارے وعدوں اور معاہدوں کو بھلا کر اتحادیوں نے بلاد عربیہ کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ عراق برطانیہ کے

---

[1] شریف حسین اور مکماہون کے تفصیلی خطوط کے لئے ملاحظہ ہو۔ یقظۃ العرب ص ۵۴۳ تا ۵۷۷۔

[2] مولانا ابوالحسن علی ندوی ——— عرب قوم پرستی ص ۲۲۔۲۳

چنگل میں گیا، شام فرانس کا لقمہ بنا، فلسطین میں یہودی مملکت کی بنیاد رکھی گئی، مصر و سوڈان پہلے ہی برطانوی حرص و آز کا نشانہ بن گئے تھے۔ عظیم عرب سلطنت کا دلکش منصوبہ بکھر کر رہ گیا۔ شریف حسین کو غداری کی نقد سزا مل گئی، اسے چھ سال قبرص میں جلاوطنی کی زندگی گذارنی پڑی، اسکے بعد عمان میں ۱۹۳۱ء میں ان کی وفات ہوئی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے۔

"یہ حقیقت ہے کہ اگر شریف حسین اور اس کے بیٹے انگریزوں کے دام فریب میں آکر خلافت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرتے تو آج اسرائیل کا کہیں وجود نہ ہوتا"[1]

عرب قومیت سے اقلیمیت تک

عرب قومیت کی تخم ریزی یورپین سامراج کے اشارے پر شام و لبنان کے عیسائیوں اور عیسائی مشنریوں نے کی، لارڈ کرومر، برطانیہ و فرانس کے زیر سایہ اس کی نشو و نما ہوئی۔ لیکن دولت عثمانیہ کے سقوط کے بعد عرب قومیت یورپین سامراج کو خطرناک نظر آنے لگی۔ برطانیہ کو اندیشہ ہوا کہ عرب قومیت کے نام پر سارے بلاد عربیہ متحد ہو کر ہمارے لئے زبردست چیلنج کی شکل اختیار نہ کرلیں کیونکہ ایشیا و افریقہ کے بہت بڑے رقبہ پر یہ ایک زبان اور ایک مذہب والی عرب قوم آباد تھی، اس لئے عربوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے برطانیہ کے اشارہ پر مختلف بلاد عربیہ میں اقلیمیت کی دعوت شروع ہوئی، ممالک عربیہ میں برطانوی ایجنٹوں کی کیا کمی تھی، اشارہ پاتے ہی نیا نعرہ بلند ہوا کہ مصر مصریوں کے لئے ہے، شام شامیوں کے لئے، عراق عراقیوں کے لئے، ان ممالک کے کھنڈرات سے ہزاروں سال کی تہذیب و ثقافت کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ پرانی مشرکانہ تہذیبیں جو سیکڑوں سال قبل اپنی موت مر چکی تھیں جن کے نام سے مسلمانوں کو نفرت تھی، اب انہی تہذیبوں کو عربوں کا سرمایۂ افتخار قرار دیا جانے لگا، شام میں فنیقی تہذیب کا صور پھونکا گیا، عراق میں آشوری تاریخ کے گن گائے گئے مصر میں فرعونیت کو زندہ کیا گیا، برطانیہ کے اشارے پر سارے بلاد عربیہ میں مغربی اور مغرب زدہ اہل قلم نے بڑے زور و شور سے اقلیمیت کی دعوت شروع کی، شام و لبنان میں اقلیمیت کے علمبردار زیادہ تر مشنری اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ عیسائی تھے اور مصر میں

---

[1] شیخ نذیر حسین —— دائرہ معارف اسلامیہ ص ۲۰۷ ج ۱۱۔ مادہ شریف حسین۔ مطبوعہ دانشگاہ پنجاب۔ لاہور۔

لارڈ کرومر کے تربیت یافتہ نوجوان ، مصر میں سعد زغلول کے دوست لطفی السید ، جرجی زیدان ، عروف ، نمر ، فرح انطون اس جدید مہم میں پیش پیش تھے ، ان لوگوں کے بعد طٰہٰ حسین ، حسن صبحی ، محمد کامل حسین ، سلامہ موسیٰ ، اقلیمیت کے منادی ہوئے ۔ اقلیمیت کی دعوت کے دو اہم مقاصد تھے ۔ (۱) عرب اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ۔ (۲) اسلامی تہذیب و ثقافت سے عربوں کا رشتہ توڑ کر انھیں قدیم جاہلی ، مشرکانہ تہذیبوں سے وابستہ کرنا ۔

یہ کوشش بھی اقلیمیت کی ایک شاخسانہ تھی کہ قرآن والی فصیح عربی زبان جو تمام بلاد عربیہ کی علمی اور قابل فہم زبان تھی اور تمام بلاد عربیہ کے درمیان رابطہ کی مضبوط کڑی تھی اسے نظر انداز کر کے ہر عرب خطہ میں وہاں کی عوامی زبان کو فروغ دیا جائے ، اسی زبان میں تعلیم دی جائے ۔ کتابیں اور رسائل تیار کئے جائیں ۔ ۱۸۸۱ء میں برطانیہ نواز اخبار "المقتطف" نے یہ تجویز پیش کی ، ۱۹۰۲ء میں مصری ہائیکورٹ کے ایک انگریز جج ولمور نے "لغت القاهرة" نام کی ایک کتاب لکھی ، جس میں قاہرہ کی مقامی عربی زبان کے قواعد مرتب کئے اور تجویز پیش کی کہ علم و ادب کیلئے بھی اسی زبان کو اختیار کیا جائے اور لاطینی رسم الخط میں لکھا جائے ۔ "المقتطف" نے ولمور کی اس کتاب کو بہت سراہا ۔ ۱۹۲۶ء میں ایک دوسرے انگریز سر ولیم ولکوکس نے جو آب پاشی کا انجینیر تھا ، فصیح عربی زبان چھوڑ کر مصری عامیہ اختیار کرنے کی دعوت دی اور انجیل کے کچھ اجزاء کا اسی زبان میں ترجمہ کیا [1] ، سلامہ موسیٰ نے ولکوکس کے اس کام کو بہت سراہا ——

قرآنی عربی کے خلاف اس گھناؤنی سازش کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو دین کے اصل سرچشموں قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی سے دور کر دیا جائے کیونکہ اسلامیات کا پورا ذخیرہ اسی عربی زبان میں ہے جسے ترک کرنے پر زور تھا ، دوسرا بڑا مقصد بلاد عربیہ کے باہمی رشتہ کو کمزور بلکہ بالکل ختم کرنا تھا ، کیونکہ قرآن والی فصیح عربی زبان یکساں طور پر تمام بلاد عربیہ میں سمجھی اور بولی جاتی تھی اور بلاد عربیہ کے رابطہ کا بڑا ذریعہ تھی ، یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ یہ خطرناک سازش کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی اور مصطفیٰ صادق الرافعی وغیرہ کی کوششوں سے یہ فتنہ بڑی حد تک دب گیا ۔

---

[1] محمد محمد حسین ـــ الاتجاهات الوطنية في الأدب المعاصر ص ۳۵۹ تا ۳۶۱ ج ۲ ۔

عالم عربی کی تقسیم

ایک طرف اقلیمیت کی دعوت کے ذریعہ یورپین سیاستداں اہل عرب کے فکری اتحاد کو درہم برہم کر رہے تھے تو دوسری طرف مغربی استعمار عالم عربی کی غیر فطری تقسیم کرکے عالم عربی کی سیاسی وحدت کو پارہ پارہ کر رہا تھا، بڑی مدت کے بعد دولت عثمانیہ کی کوششوں سے عالم عربی کو سیاسی وحدت حاصل ہوئی تھی۔ سارے بلاد عربیہ غیر منقسم اکائی کی طرح دولت عثمانیہ کا دھڑکتا ہوا دل بن گئے تھے، ایک عربی پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ عالم عربی بلکہ عالم اسلامی کے کسی بھی حصہ میں جاکر آباد ہو سکتا تھا۔ اسے کہیں بھی کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی، ہر جگہ اسے عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن دولت عثمانیہ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد مغربی سامراج نے عالم عربی کے ہر خطہ کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، سارا عالم عربی اجزاء پریشان کے مانند ہو گیا، عظیم عالم عربی کی جگہ چھوٹی چھوٹی عرب سلطنتیں نمودار ہوئیں جو اپنی بقا کیلئے دول یورپ کی رہین منت ہو گئیں اور جن کا بین الاقوامی سطح پر کوئی وقار اور وزن قائم نہ ہو سکا۔ شام کے چار حصے کر دیئے گئے۔ سوریا، اردن، فلسطین، لبنان، مصر کے تین حصے ہو گئے۔ سوڈان، مصر، لیبیا

عرب قومیت کی تحریک کے مختلف مرحلے

عرب قومیت کے داعیوں نے مرحلہ وار اپنی تحریک چلائی اور ہر دور میں عربوں کی نفسیات اور ذہنی سطح کا لحاظ رکھا۔ انیسویں صدی میں اس تحریک کا آغاز ہوا، اس وقت بلاد عربیہ پر دینی گرفت مضبوط تھی۔ اسلام سے عربوں کو غیر معمولی ذہنی، قلبی، جذباتی لگاؤ تھا۔ اس زمانہ میں کسی ایسی تحریک کی کامیابی کا امکان نہیں تھا جو علانیہ مذہب کی مخالفت کرے اور متوازی قوت بن کر سامنے آئے، اس لئے شروع میں عرب قومیت کے داعیوں نے اس تحریک کو مذہبی لبادہ پہنایا، اسلام سے گہری عقیدت اور تعلق کا اظہار کیا، یہ تاثر پیدا کیا کہ قومیت کی تحریک خالص اسلامی تحریک ہے اور اس تحریک کے ذریعہ عربوں کو ان کا کھویا ہوا مقام مل سکتا ہے۔ ایک عرصہ کے بعد جب مغربی تعلیم کے نتیجہ میں نوجوانوں کے ایک طبقہ میں اسلامی عقائد و احکام کی حقانیت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور عربی معاشرہ میں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑی تو قومیت کے داعیوں نے نقاب ہٹایا، دھیمے لہجے میں اسلامی عقائد و تعلیمات پر تنقید ہونے لگی، پھر آخر کار عرب قومیت ایک

مذہب وفلسفہ اور اسلام کی متوازی قوت کی شکل میں نمودار ہوئی، ڈاکٹر عمر فروخ اور مصطفےٰ خالدی لکھتے ہیں۔ "بلاد عربیہ میں رونما ہونے والی تمام تحریکیں ابتداءً دین کی طرف واضح میلان رکھتی تھیں، پھر رفتہ رفتہ ان میں تبدیلی آنے لگی، آخر کار ہمارے دور میں ان تحریکات میں کھلی ہوئی مذہب بیزاری نظر آنے لگی، پھر یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ان تحریکات کا مقصد بلاد اسلامیہ میں اسلامی اخوت کے جذبہ واحساس کو کمزور کرنا اور بلاد اسلامیہ کے تعلقات کو صرف قومیت کی بنیاد پر استوار کرنا ہے، قوم پرست جماعتوں کے خیال میں شام، لبنان، مصر، الجزائر، مراکش کا باہمی رابطہ صرف "عربیت" یا "عربی زبان" یا "عربی تاریخ" کی بنیاد پر ہے، اسلام کا اس رابطہ وتعلق میں کوئی دخل نہیں ہے اور عرب قوم پرستوں کے نزدیک عربوں کی نگاہ میں ترکی، ایران، پاکستان انڈونیشیا کی وہی حیثیت ہے جو ہنگری، ڈنمارک برطانیہ اور فرانس کی ہے"[1]۔

وھابی اور سنوسی تحریک

اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بہت ضروری ہے۔ بہت سے اسلامی فکر رکھنے والے عرب مصنفین عرب قومیت و وطنیت کا نقطہ آغاز وہابی اور سنوسی تحریک کو قرار دیتے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ بڑی ناانصافی اور ناواقفیت ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور محمد علی سنوسی کی تحریکات خالص اسلامی تھیں۔ ان کا مقصد اسلام کی نشر واشاعت، تبلیغ واصلاح اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بازیابی تھا، خالص اسلامی بنیادوں پر یہ تحریکیں برپا کی گئیں، عرب قومیت کا ان تحریکات میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا، ان دونوں عظیم مصلحین کی دعوت وتحریک کو عرب قومیت سے وابستہ کرنا ان کی بڑی توہین اور حق تلفی ہے۔

عرب قومیت مذہب وفلسفہ کے روپ میں

مغربی سامراج نے قومیت کا جادو جگا کر عالم اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا، دولت عثمانیہ کے سقوط کے بعد اتحاد اسلامی (پان اسلام ازم) کی تحریک کا زور ٹوٹ گیا اور اتحاد اسلامی کی کامیابی کے امکانات مدھم پڑگئے۔ اس لئے بعض مسلم مفکرین نے جو اب تک اتحاد اسلامی کے زبردست داعی تھے قومیت عربیہ کے ہتھیار کو خود یورپ کے خلاف استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا، عرب قومیت کو

---

[1] مصطفےٰ خالدی، عمر فروخ ——— التبشیر والاستعمار فی البلاد العربیہ ص ۲۶۷

کوئی اسلامی چیز سمجھ کر نہیں بلکہ محض اس جذبہ سے کہ کم از کم عرب قومیت ہی کے نام پر عالم اسلام کو مزید شکست و ریخت سے محفوظ رکھا جائے اور یورپ کا ہتھیار یورپ ہی کے خلاف استعمال کر لیا جائے لیکن عرب قومیت دفاعی ہتھیار اور عبوری مرحلہ تک محدود نہیں رہی بلکہ قوم پرستوں نے اسے مستقل فکر و فلسفہ اور اسلام کی متوازی ایک طاقت کی شکل میں پیش کیا، اس دعوی کے ثبوت میں قوم پرستوں کے متعدد بیانات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

قومیت عربیہ کے ایک مشہور داعی عمر فاخوری اپنی کتاب "کیف ینھض العرب" میں لکھتے ہیں۔

"عرب اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے جب تک کہ عربیت اور عربی اصول ان کا مذہب بن جائے، اور وہ اس کیلئے اتنے غیرت مند احساس، پر جوش نہ ہونگے جتنے مسلمان قرآن کیلئے، پروٹسٹنٹ لوتھر کی اصلاحی تعلیمات کیلئے اور فرانس کے انقلابی روسو کے جمہوری اصولوں کیلئے ہیں، اور اس کیلئے ایسا تعصب نہ برتیں گے جس کا مظاہرہ سینٹ پیٹر کی دعوت پر صلیبیوں نے کیا تھا۔[1]

لبنان کے فاضل قوم پرست علی ناصر الدین نے اپنی معروف کتاب "قضیۃ العرب" میں یہی بات دوسرے پیرایے میں کہی ہے۔

"عربوں کا مسئلہ ایک آزاد فطرت، عاقل، شریف، صالح، فاضل، خوددار اور بلند نظر عرب کی نگاہ میں ایمان کے مسئلے سے کم نہیں، وطن پر ایمان وطن کیلئے ٹھیک اسی طرح جس طرح اللہ پر ایمان اللہ کیلئے ہو سکتا ہے اور بس۔"[2]

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"قومیت عربیہ پر راسخ ایمان رکھنے والے ہم عرب قوم پرستوں کے نزدیک عروبہ خود ایک دین ہے، اسلئے کہ اسلام اور مسیحیت دونوں میں پہلے دنیا میں اس کا وجود تھا اگرچہ عروبہ" آسمانی مذاہب کے اخلاق و معاملات اور فضائل کا خود بھی حامل و داعی ہے۔[3]

---

[1] محمد المبارک ——— الامۃ العربیۃ فی معرکۃ تحقیق الذات ص۱۲

[2] ملاحظہ ہو العرب والاسلام ص۱۰ از مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

[3] 〃 〃 ص۱۱

عرب قومیت کے اسی خطرناک پہلو پر تنقید کرتے ہوئے محمد المبارک لکھتے ہیں۔

"ہمارے عقائد پر جو خارجی حملے ہو رہے ہیں انھیں روکنے کی صرف ایک شکل ہے کہ ہمارے پاس زندہ اور صحیح نظامِ عقائد ہو، جس کا ہم سے اور ہماری تاریخ سے مضبوط رشتہ ہو، محض عرب قومیت کی نسبت ہمارے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ قومیت تو صرف ایک نسبت ہے، زندگی کا کوئی عقیدہ نہیں ہے اگر ہم لوگوں نے قومیت کو عقیدہ و مذہب کا مقام دیدیا تو ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جو میدان چھوڑ دے اور حملہ آور دشمن کو بلا مزاحمت قبضہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔"[1]

علامہ اقبال کی بصیرت اور دور اندیشی

عرب قومیت کی تحریک میں مذہب بیزاری اور اسلام دشمنی کا واضح رجحان تو بعد میں پیدا ہوا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ملحدانہ جراثیم اس میں شروع سے شامل تھے، اس لئے کہ جدید قومیت کی تحریک عرب کی پیداوار نہیں تھی بلکہ اسے یورپ سے درآمد کیا گیا تھا، یورپ میں قومیت اور وطنیت نے مذہب کی جگہ لی اور مستقل فکر و فلسفہ کی صورت اختیار کرلی، یہی قومیت عرب میں امپورٹ کی گئی تو اسے ان عناصر اور جراثیم سے پاک نہیں کیا جا سکا جو شیرِ مادر کی طرح اس کے رگ و ریشے میں حلول کر گئے تھے، کوئی بھی نظریہ اور فلسفہ جس ملک اور ماحول میں پروان چڑھتا ہے اس کے اثرات سے اسے مکمل طور سے پاک کرنا بڑا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی فکر و فلسفہ کا بہت قریب سے اور بہت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اس لئے انھوں نے بھانپ لیا کہ قومیت کے سرخ بادل میں عالم اسلام کے لئے کیسی کیسی بجلیاں پوشیدہ ہیں، اس لئے انھوں نے وطنیت اور قومیت کے خلاف بار بار آواز بلند کی، اور مسلمانوں کو اس کی زہرناکی سے آگاہ کیا، اپنے روح پرور اشعار میں وہ اس نظریہ اور تحریک کی نقاب کشائی کرتے ہیں ؎

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

---

[1] محمد المبارک ——— الامۃ العربیۃ فی معرکۃ تحقیق الذات ص ۵۵

عرب قومیت کے احیاء میں جمال عبدالناصر کا کردار

جنگ عظیم اول کے بعد مغرب زدہ اہل سیاست اور اہل قلم کی جانب سے قومیت عربیہ اور اقلیمیت کی دعوت زور شور سے جاری رہی، پروپیگنڈہ اور پریس کی اعلیٰ سے اعلیٰ طاقت اس مہم میں صرف ہوتی رہی مصر نے اس سلسلہ میں قائدانہ کردار ادا کیا، مصر اور عالم عربی کے اسلام پسند اہل قلم اور مفکرین نے بڑے عزم و ہمت اور پامردی سے قومیت اور اقلیمیت کے اس طوفان کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ ان کے پاس نہ پروپیگنڈہ کے زبردست وسائل تھے نہ انھیں حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ [1]

جولائی ۱۹۵۲ء میں انقلاب کر کے جمال عبدالناصر عالم عربی کے سیاسی اسٹیج پر نمودار ہوئے، ۱۹۵۶ء میں ان کی قیادت میں نہر سویز کا معرکہ سر ہوا، اسکے جمال عبدالناصر عربوں کے ہر دلعزیز رہنما بن گئے۔ پوری عرب قوم خصوصاً عرب نوجوانوں نے ان سے عربوں کی سربلندی، ناقابل تسخیر عرب سلطنت کے قیام کی امیدیں وابستہ کیں، اور انھیں سارے عرب کا نجات دہندہ تصور کیا، مصری پریس اور ذرائع ابلاغ نے زبردست پروپیگنڈہ مہم کے ذریعے عربوں کو یہ باور کرانے کی کامیاب کوشش کی کہ جمال عبدالناصر کی قیادت میں مصر نہ صرف اسرائیل بلکہ مغربی طاقتوں سے بھی پنجہ آزمائی کی اہلیت رکھتا ہے۔ جمال عبدالناصر نے قومیت عربیہ میں سوشلزم کے اجزاء شامل کر کے اسے دو آتشہ بنا دیا جس کے نشہ میں عالم عربی کا نوجوان اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ مخمور نظر آنے لگا، جمال عبدالناصر نے ایک ایسی عرب سوسائٹی تشکیل دینی چاہی جو "حریت، سوشلزم اور اتحاد کو زندگی کی اساس اور جدوجہد کے اعلیٰ مقاصد یقین کرتی ہو اور مصری جدوجہد کی جڑوں کو وہ فرعونی تاریخ میں تلاش کرے جو مصری اور انسانی تہذیب کی سب سے اولین بانی ہے اور امت عربیہ کی وحدت کے لئے جدوجہد کرے۔

جمال عبدالناصر کے نزدیک امت عربیہ کی وحدت، زبان، تاریخ اور آرزو کی وحدت پر قائم ہے اسلام کا اس وحدت کی تشکیل میں کوئی کلیدی مقام نہیں ہے۔

جون [illegible] میں اچانک اسرائیل نے جمہوریہ عربیہ متحدہ مصر پر حملہ کر کے چند گھنٹوں میں مصر کی فضائی طاقت کا خاتمہ کر دیا، اسرائیل نے مصر کے بہت بڑے خطہ پر قبضہ کر لیا، چند روز کے اندر مصر نے بلا شرط جنگ بندی قبول کر لی، اس وقت عالم عربی بلکہ پوری دنیا کو جمال عبدالناصر کے بلند بانگ دعاوی کی حقیقت

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو الاتجاهات الوطنیۃ فی الادب المعاصر۔ ڈاکٹر محمد محمد حسین، معارک ادبیہ، انور الجندی

معلوم ہوئی اور اہل نظر نے محسوس کیا کہ عربوں نے ایمانی، اخلاقی طاقت اور اسلامی حمیت کو نظر انداز کرکے اور خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر اپنا کر کتنا بڑا خسارہ اٹھایا، دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب قوم پرستی اور اشتراکیت ایک ہوا بھری ہوئی مشک کی طرح تھی جس میں سوئی چبھوتے ہی ساری ہوا[1] نکل گئی۔

میشیل عفلق اور البعث العربی

لبنانی عیسائی میشیل عفلق نے البعث العربی پارٹی قائم کی اور اس کا دستور اور خاکہ اس فہانت اور چابک دستی سے مرتب کیا کہ اس کی اسلام دشمنی بلکہ عرب دشمنی کا اندازہ مشکل سے لگایا جا سکے۔ میشیل عفلق نے قومیت عربیہ کے جسم میں مزید ملحدانہ جراثیم داخل کئے اور سوشلزم اور کمیونزم کے مضر اجزاء اس میں شامل کیے۔ عرب قومیت کی تشریح اس انداز سے کی کہ اسلام کو اس میں ادنیٰ مقام بھی حاصل نہیں ہوا۔

البعث العربی کی پارٹی شام اور عراق میں برسر اقتدار آئی۔ ان دونوں ملکوں میں عرب قومیت کا دم بھرنے والے حکمرانوں نے وہاں کے عرب باشندوں پر وہ وہ مظالم ڈھائے جن کا تصور بھی لرزہ خیز ہے، شام میں نصیری فرقہ نے البعث العربی کے پرچم تلے فوجی برتری کی بنا پر بدترین استبدادی حکومت کا آغاز کیا، اسرائیل کے مقابلہ میں تو اسے ہمیشہ پسپائی ہوئی لیکن شام کے صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کے خلاف شامی حکومت نے بڑی "شجاعت" اور "فوجی برتری" کا ثبوت دیا۔ ہزاروں، لاکھوں سنی مسلمان شہید کئے گئے، دین اور اہل دین کی سخت توہین کی گئی۔ ہزاروں علماء، ادباء اور تعلیم یافتہ افراد کو ترک وطن کرنا پڑا۔ اور یہ ملک جو ہمیشہ خوشحال و شاداب، جنت نشاں اور امن و امان کا گہوارا تھا، اجاڑ اور بنجر ہو کے رہ گیا۔

البعث العربی کے زیر سایہ عراق کی بدحالی شام سے کچھ کم نہیں رہی۔ دین اور اہل دین کو دبانے اور مٹانے کی کوششیں عراق میں کسی دوسرے ملک سے کم نہیں ہوئیں۔ عالم عرب کے باشندوں کو عرب قومیت کے علمبرداروں کے ہاتھوں جو کچھ جھیلنا پڑا، اس کا دسواں حصہ بھی کسی بدیسی طاقت نے ان پر مظالم نہیں ڈھائے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو، خصوصاً عربوں کو ہدایت دے، اور اس کے لئے جو کوشش عملاً مفید ہو سکے کرنے کی ہم سب کو توفیق ملے۔

---

[1] حقیقۃ القومیۃ العربیہ ص ۲۰۱ تا ۲۰۲

مرحوم ومغفور مولانا محمد عثمان صاحب

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

محمد منظور نعمانی

۲ مئی، جمعرات کا دن تھا، دارالعلوم دیوبند کے مبلغ مولانا ارشاد احمد صاحب فیض آبادی تشریف لائے اور بیٹھتے ہی فرمایا کہ بھائی مولانا محمد عثمان صاحب کے بارے میں تو معلوم ہو گیا ہوگا؟ —— میں نے کہا خیریت تو ہے؟ میرے علم میں کوئی نئی بات نہیں۔۔۔ انھوں نے بتایا کہ ۲۷-۲۸ اپریل کو میں گورکھپور تھا، وہاں کے ایک اخبار میں ان کے انتقال کی خبر شائع ہوئی تھی —— میں نے کہا یہاں کے تو کسی اخبار کے بارے میں میں نے نہیں سنا کہ اس میں یہ خبر شائع ہوئی ہو، کسی اور ذریعہ سے بھی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے —— اگر کئی دن پہلے یہ حادثہ ہوا ہے تو یہاں کے اخبارات میں پہلے یہ خبر آجانی چاہیے تھی —— میرے اس کہنے سے خود مولانا ارشاد احمد صاحب بھی شبہ میں پڑ گئے —— لیکن اگلے ہی دن دارالعلوم کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا مکتوب ملا جو ۷ شعبان (۲۸ اپریل) کا لکھا ہوا ہے۔ مولانا نے تحریر فرمایا ہے۔

کل اچانک بھائی محمد عثمان صاحب کا سانحہ وفات پیش آگیا —— وہ کل صبح اپنے معمول کے مطابق دارالعلوم تشریف لائے اور اپنی نشستگاہ جاتے وقت مولانا سلطان الحق صاحب کے پاس ان کے کمرہ میں بیٹھ گئے۔ اس وقت سانس پھولا ہوا تھا، مولانا سلطان الحق صاحب نے لیٹ جانے کو کہا، کچھ دیر لیٹے پھر بیٹھ گئے، بار بار لیٹتے بیٹھتے رہے۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے۔ مکان جانے کے لئے کہا گیا لیکن آمادہ نہیں ہوئے۔ جب تکلیف زیادہ بڑھی تو رکشہ سے مکان چلے گئے۔ ڈاکٹروں کو بلایا گیا، انھوں نے انجکشن لگائے، مگر بلڈ پریشر ڈاؤن ہی ہوتا چلا گیا۔ آکسیجن منگایا گیا، ابھی وہ لگایا

نہیں گیا تھا کہ جاں بحق ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) ــــ ۱۱ بجے دن میں یہ سانحہ پیش آیا ۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے اور اپنے خاص کرم سے درجات عالیہ عطا فرمائے ــــ نماز جنازہ اور تدفین عصر کے بعد ہوئی ــــ دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ شہریوں کی بھی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی ــــ ظہر کے بعد لوگ دارالحدیث میں ایصال ثواب کے لئے قرآن پاک کی تلاوت اور دعا میں مشغول ہے ــــ سالانہ امتحان کا سلسلہ جاری ہے لیکن آج تعطیل کر دی گئی اور امتحان مؤخر کر دیا گیا ۔ آج بھی اساتذہ و طلبہ ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن اور دعا میں مشغول ہے ۔"

یہ مولانا محمد عثمان صاحب جن کو ہم سب لوگ بھائی عثمان ہی کہا کرتے تھے حضرت شیخ الہندؒ کے نواسے تھے ، دارالعلوم کے فاضل تھے ، سن ۶۵ سال سے کچھ اوپر ہی تھا ، مدرس کی حیثیت سے دارالعلوم سے وابستہ تو بہت مدت سے تھے ، اسی زمانے میں ۲۶ سال مسلسل دیوبند میونسپل بورڈ کے چیرمین بھی رہے ۔ قریباً چار سال پہلے دارالعلوم میں تدریس کے بجائے نیابت اہتمام کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی گئی تھی ۔ اسی وقت سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے ۔

ادھر قریباً دو سال سے تیزی کے ساتھ صحت میں انحطاط آ رہا تھا ۔ ذیابیطس نے بہت ہی مضمحل اور کمزور کر دیا تھا ۔ ایک دفعہ پہلے بھی ہارٹ اٹیک (قلبی دورہ کا حملہ) ہو چکا تھا ــــ مولانا ارشاد صاحب نے بتلایا تھا کہ کچھ دنوں سے ان پر فکر آخرت اور رقت کا بہت غلبہ تھا ۔ بات کرتے کرتے رونے لگتے تھے ۔

بہت ہی مبارک ہے وہ بندہ جس کو خاص کر عمر کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حالت نصیب ہو جائے ــــ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ــــ ناظرین کرام سے بھی حسب توفیق دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی استدعا ہے

مترجم قرآن مجید ترجمہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
" " ۲۲×۳۶ " (پرنٹ سادہ لائی) ۳۶/-
" " ۲۶ " " ۳۵/-
" " ۱۸ " " ۵۲/-
" " ۱۲۶ " " ۳۰/-
" " ۵۵۵ عکسی بدو ترجمہ ۶۲/-
(مولانا شاہ رفیع الدین و مولانا تھانوی)
ترجمہ قرآن مجید ۲۲×۳۶ ترجمہ از مولانا فتح محمد صاحب جالندھری) ۴۵/-
مترجم قرآن مجید ہندی مع متن ۵۲/-
پاروں کا سیٹ ۱۲۶ ۶۰/-
" " ۳ ۷۵/-

تصانیف مولانا صدیق احمد باندوی مدظلہ العالی

آداب المعلمین ۲/۵۰
آداب المتعلمین ۴/-
ارکان نماز ۱/۵۰
احکام المیت ۶/۴۰
حق نما ۳/۸۰
تسہیل التجوید ۳/-
تسہیل المنطق ۲/-
تسہیل الصرف اول ۴/۵۰ دوم ۲/۵۰

مولانا مسیح اللہ صاحب دامت برکاتہم کی مایہ ناز تصانیف

اصول تبلیغ ۵/-
اجتہاد اور تقلید ۶/-
مواعظ حصہ اول ۷/- دوم ۶/-
ملفوظات مکمل سیٹ ۱۸/-
شریعت و تصوف اول ۱۵/- دوم ۱۲/-

ذکر الٰہی ۵/- ذکر النبی ۵/-
فضل الباری فی درس البخاری اول تا سوم ۴۱/-
فضیلت علم ۵/-
ملفوظات اشرفیہ ۳/۵۰

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی کچھ تصانیف

قاموس القرآن (قرآنی ڈکشنری) ۳۵/-
سیرت طیبہ ۱۵/-
کلام عشرتی ۵/-
بیان اللسان زیر طبع

مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کی تصانیف و مواعظ

بیاض اشرفی ۱۲/۵۰
الکلام الحسن ۵/-
مزید المجید ۶/-
مجالس الحکمۃ ۱۵/-
کلمۃ الحق ۹/-
اصلاحی نصاب ۴۵/-
بہشتی زیور مکمل مدلل ۴۰/-
فروع الایمان ۷/۵۰
جزاء الاعمال ۳/-
احکام اسلام عقل کی روشنی میں ۳۵/-
اعمال قرآنی ۷/-
اصلاح الرسوم ۸/-
دین کی باتیں ۱۲/-
اشرف المواعظ ۱۳/-
اکرم المواعظ ۱۴/-
احسن المواعظ ۱۶/۵۰
افضل المواعظ ۱۴/-
پردے کے شرعی احکام ۳/۵۰

ترجمہ قرآن کا مکمل نصاب از مولانا محفوظ الرحمٰن نامی

رحمانی قاعدہ اردو ۱/۲۵ عربی ۱/۲۵
مفتاح القرآن اول ۱/۲۵ دوم ۲/- سوم ۳/۷۵
" چہارم ۴/- پنجم ۴/۵۰
" مکمل سیٹ ۱۵/۲۵
معلم القرآن ۲/۵۰
قرآن مجید کی پہلی کتاب (عبدالسلام ندوی) ۳/-

تصانیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ارکان اربعہ ۲۲/- تحفہ مشرق ۴/-
دستور حیات ۱۸/-
کاروان زندگی اول ۳۵/- دوم ۳۰/-
سیرت سید احمد شہید مکمل ۸۰/-
پرانے چراغ مکمل ۴۳/-
سوانح حضرت شیخ الحدیث ۲۰/-
دریائے کابل سے یرموک تک ۱۶/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۵ جلد ۱۴۸/-
تزکیہ احسان یا تصوف و سلوک ۱۰/-
نبی رحمت ۴۰/- تحفہ دکن ۶/-
کاروان ایمان و عزیمت ۱۲/-
مذہب و تمدن ۷/- تحفہ انسانیت ۲۵/-
عالم عربی کا المیہ ۱۳/-
معرکہ ایمان و مادیت ۸/-

کتاب	قیمت
تحفة الاخوان	-/۲
تجربات خاندان ولی اللٰہی	-/۳
اسلام اور امن عام	-/۶
سخنوران غزل	-/۲۵
جلیل حسن جلیل مانک پوری	-/۴۰
تجلیات	-/۸
المنطق	۱/۵۰
الفلسفہ	۱/۵۰
شکوہ جواب شکوہ	۱/۲۵
فاتح بیت المقدس	-/۳
بدعات محرم وتعزیہ	-/۴
کرامات امدادیہ	۳/۵۰
نکاح شریعت کے آئینہ میں	-/۱
فاتحہ کا صحیح طریقہ	-/۵
پردے کی حقیقت	-/۳
آئینہ نماز	-/۵
وعظ بے نظیر	-/۱۰
قربانی	۳/۶۰
نماز کی اہمیت	۱/۸۰
چہل حدیث	۳/۵۰
زلزلہ در زلزلہ	-/۱۰
تکفیر کے پردے میں	-/۸
تقریر کیسے کریں اول، دوم، سوم	-/۱۵
زور معجزات وکرامات	۲/۵۰
ام الامراض	۵/۵۰
حقوق الوالدین	-/۶
حقوق والدین	۲/۵۰
بدعت کیا ہے؟	۱۳/۵۰
نعتیں وسلام	۲/۵۰
دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں	-/۱۰

کتاب	قیمت
فیروز اللغات کلاں	-/۹۰
فیروز اللغات جدید ومتوسط	-/۲۷
جیبی جامع اردو لغات	-/۱۲
لغات فیروزی	-/۲۴
القاموس الجدید اردو عربی	-/۲۷
" عربی اردو	-/۲۲
جدید عربی ٹیچر ہندی	۶/۵۰
جدید عربی ٹیچر اردو	-/۷
اسٹینڈرڈ ڈیلیٹسٹ پریکٹیکل ڈکشنری (انگریزی اردو)	-/۳۰
اسٹینڈرڈ انگریزی سے انگریزی و اردو ڈکشنری	-/۱۰۰
پاپولر پریکٹیکل ڈکشنری اردو وانگریزی	-/۲۷
ٹوینتھ سنچری ڈکشنری (انگریزی سے انگریزی و ہندی)	-/۳۶
اسٹوڈنٹ انگلش اردو ڈکشنری	-/۴۰
اسٹوڈنٹ لیٹسٹ پریکٹیکل "	-/۶۶
اسٹینڈرڈ اردو انگریزی "	-/۶۶
پاپولر انگلش اردو "	-/۱۳
اسٹینڈرڈ اردو انگلش ٹیچر	-/۹
اسمارٹ اردو انگریزی ٹیچر	۷/۵۰
اسمارٹ لیٹر رائٹر	-/۶
پاپولر اردو لغات	۷/۵۰
جم آکسفورڈ ڈکشنری (انگریزی سے انگریزی ہندی واردو)	-/۱۲
پاپولر انگلش ٹو انگلش ڈکشنری	۷/۵۰
القاموس العجیب عربی انگریزی ڈکشنری	-/۲۴
القاموس العجیب انگریزی عربی ڈکشنری	-/۲۴

کتاب	قیمت
کیا مردے سنتے ہیں؟	-/۷
رسالہ سماع پر تبصرہ	-/۷
بچوں کا بہشتی زیور	۴/۵۰
تذکرۃ الفنون	-/۱۵
تجہیز وتکفین کے احکام	-/۳
قصص الاولیاء مکمل مجلد	-/۶۵
مسنون دعائیں	-/۳
چار ستارے	-/۱۵
میاں بیوی کے حقوق	-/۳
رسول اللہ کے تین سو معجزات	-/۷
مشکل کشا	-/۸
ارکان اسلام	-/۸
جنت کی کنجی	-/۱۲
اللہ والوں کے پچیس قصے	-/۶۰
تعارف مذہب شیعہ	-/۱۵
مذہب شیعہ کے چالیس بنیادی عقیدے	-/۳
شیعوں کے گیارہ اہم سوالات کے جوابات	-/۳
عقد ام کلثوم	-/۳
راہ نجات	-/۳
اسلام کے چار رکن	۶/۵۰
توحید کا خنجر	-/۱۴
صحبتے با اولیاء	-/۹
زاد کارواں	-/۵
نماز کی اہمیت اور اسکے اثرات	-/۳
دوزخ کا کھٹکا	-/۸
حضرت مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت	-/۱۵
مکتوبات ماجدی	-/۱۴
وصایا -/۱۰ موت کا جھٹکا	-/۳۰
تاریخ مظاہر (۲ حصے)	-/۳۵

سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

مسلم پرسنل لا
اور اسلام کا عائلی نظام
از شمس تبریز خاں رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ
اپنے موضوع پر اردو میں پہلی مستقل کتاب جو اپنے مباحث و موضوعات کے تنوع اور
مسلم پرسنل لا کے مکمل و مدلل تعارف کیلئے امتیاز خاص رکھتی ہے جس میں مسلم پرسنل لا کی
شرعی حیثیت اور اس کے امتیازی پہلوؤں سے تفصیلی اور تحقیقی بحث کی گئی اور کتاب و سنت
اور علوم عصریہ سے یکساں طور پر استفادہ کیا گیا ہے
اس کے ساتھ ہی
عورتوں سے متعلق
اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چند اہم عنوانات یہ ہیں:-
(۱) مسلم پرسنل لا کی شرعی حیثیت
(۲) مسلم پرسنل لا کے امتیازی پہلو
(۳) عورت غیر اسلامی تہذیب و شریعت میں
(۴) اسلام میں عورت کا مقام
(۵) اسلام کے عائلی نظام کی چند جھلکیاں۔ وغیرہ
مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم (سابق ناظم دار المصنفین) کے مقدمہ اور دو نئے ابواب کے اضافے کے ساتھ
دوسرا ایڈیشن
• معیاری کتابت • عمدہ کاغذ • آفسٹ طباعت • صفحات ۲۸۶ • قیمت مجلد ستر روپے
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ لکھنؤ

چندہ سالانہ	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	ممالک غیر سے
ہندوستان میں ۲۵/-	اس شمارہ کی قیمت ۵/-	بحری ڈاک سے ۶۰/- روپے (۴ پونڈ یا ۲۰ ریال)
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۶۰/-		ہوائی ڈاک سے ۱۳۵/- روپے
بنگلہ دیش سے ہندوستانی سکہ میں ۳۰		(۹ پونڈ ۴۰ ریال ۱۵ ڈالر)

جلد (۵۳) بابتہ جون جولائی ۱۹۸۵ء مطابق شوال و ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ شمارہ (۶-۷)

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیئے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائیگا

نمبر خریداری:- براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں، جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:- کوشش کیجاتی ہے کہ الفرقان انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ ہوجائے، اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں، اگر دوبارہ بھیجنے کیلئے دفتر میں پرچہ ہوگا تو ضرور بھیجا جائیگا۔

پاکستان کے خریدار حضرات:- مبلغ ۵۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ دفتر الفرقان کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں مبلغ ۶۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

سخنہائے گفتنی

حضرت شیخ الحدیث نمبر (دوم)

ماہ دسمبر میں

جون و جولائی کا یہ شمارہ اگست میں آپ کی توقع اور ہمارے سابقہ اعلان کے برخلاف آپ کو ملے گا، کیونکہ ہم نے مئی کے شمارے میں اعلان کیا تھا کہ اب جون، جولائی اور اگست کے شماروں کی جگہ، اگست میں حضرت شیخ الحدیث نمبر کا حصہ دوم ہی شائع کیا جائے گا۔

لیکن ہوا یہ کہ مئی کے شمارے میں اثنا عشریہ کی تکفیر کے بارے میں علمائے کرام کا جو متفقہ فتوی شائع ہوا تھا، اور ادارتی صفحات میں مطلقہ کے نفقہ کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلہ پر جو تبصرہ کیا گیا تھا، ان دونوں موضوعات کے بارے میں بعد میں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی، اور پھر ان ہی دنوں مولانا سعید احمد اکبر آبادی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، اور حضرت والد ماجد مدظلہ پر ان کے دیرینہ تعلق کے پیش نظر اس داعیہ کا غلبہ ہوا کہ الفرقان کے صفحات میں ان کا تذکرہ بلا تاخیر آنا چاہیئے۔

ان وجوہ کے پیش نظر رمضان کے بعد یہ طے ہوا کہ فی الحال دو ماہ کا شمارہ پیش کر دیا جائے۔ اور پھر اگست کا بھی شمارہ حسب معمول شائع کر دیا جائے۔ اور ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے شماروں کی جگہ دسمبر میں حضرت شیخ الحدیث نمبر (حصہ دوم) شائع کیا جائے۔

چنانچہ اس پروگرام کے مطابق جون و جولائی کا یہ شمارہ حاضر خدمت ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جلد سے جلد اگست کا شمارہ بھی روانہ کر دیا جائے۔ الحمد للہ حضرت شیخ الحدیث نمبر (دوم) اب انشاء اللہ ماہ دسمبر میں آپ کو ملے گا۔ نمبر کے مضامین کی ایک جھلک آئندہ صفحہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پروگرام کی اس تبدیلی سے جو اذیت آپکو ہوئی، ہم اس کیلئے تہہ دل سے معذرت خواہ ہیں۔ خدا کی خدائی اور بڑائی ہے۔ اور بندوں کی بندگی انکے ارادوں کے بدلتے رہنے ٹوٹتے رہنے ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا کا فیصلہ ہی ہے جو نہیں بدلتا بلکہ ہر حال میں وہی نافذ ہو کر رہتا ہے۔ عرفت ربی بفسخ العزائم۔

—— مدیر

حضرت شیخ الحدیث نمبر

حصۂ دوم کی ایک جھلک

ہماری کوشش ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نمبر حصۂ دوم میں بھی حصۂ اول کی طرح موضوعات کا تنوع برقرار رہے، اس کا اجمالی اندازہ اس کے اہم مضامین کے درج ذیل مختصر تعارف سے کیا جا سکتا ہے:

علماء و اولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار، مسند الوقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

از عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی دامت برکاتہم

یہ مضمون کیا ہے، ایک عارف کی کہانی ایک عارف کی زبانی ہے، حضرت مولانا محمد اشرف صاحب نے محبت و عقیدت میں ڈوب کر حضرت شیخ کی زندگی و خصوصیات کا جو حسین و دلآویز مرقع اپنے قلم اشہب رواں سے کھینچا ہے وہ واقعی اس نمبر میں خاصے کی چیز ہے۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ ——— حضرت شیخ رح اور حضرت مولانا نعمانی مدظلہ، کے مابین عقیدت و محبت کا تعلق تقریباً نصف صدی تک قائم رہا۔ اس طویل تعلق کی کچھ مفید یادیں اور کچھ سبق آموز واقعات و تاثرات حضرت مولانا نعمانی کے سادہ بے تکلف اور موثر قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔

شیخ الحدیثؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ

از: مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ

مولانا اکبرآبادی اب خود اس عالم میں ہیں جہاں ان کا ممدوح ہے۔ انھوں نے یہ مضمون نمبر کے حصۂ اول کے لئے لکھا تھا لیکن نمبر کی تیاری بلکہ اشاعت کے بھی بعد وہ ہمیں ملا تھا۔ اب حصۂ دوم میں یہ امانت قارئین کے سپرد کی جا رہی ہے۔ مولانا کا جچا تلا انداز اور علمی و متوازن انداز فکر اس مضمون میں بھی نمایاں ہے۔

حضرت شیخ کی آپ بیتی کی تلخیص

از: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ ——— حضرت شیخ کی مشہور زمانہ "آپ بیتی" جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اس کی تلخیص کا ایک حصہ آپ نمبر کے حصۂ اول میں پڑھ چکے ہیں۔ اب حصۂ دوم میں پانچویں جلد سے آخر تک کے اہم واقعات کی تلخیص، حضرت مولانا نعمانی ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے:

حضرت شیخ - کچھ نقوش و تاثرات

مولانا فرید الوحیدی (جدہ) کے قلم سے

محترم مضمون نگار حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے حقیقی مرحوم بھتیجے سید وحید احمد (اسیر مالٹا) کے فرزند ہیں۔ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے اس لئے پرورش اور تعلیم و تربیت حضرت مدنی رحمۃ اللہ ہی کے آغوش میں ہوئی۔ اس تعلق سے ان کو حضرت شیخؒ کی خاص شفقت و عنایت حاصل تھی اور ان کو حضرت شیخ کے ساتھ خصوصی درجہ کی عقیدت و محبت۔ انھوں نے اپنے اس مضمون میں زیادہ تر وہی واقعات لکھے ہیں جو اس تعلق کے آئینہ دار ہیں۔

شیخ الحدیث نمبر دوم کے شائقین توجہ فرمائیں

- یہ نمبر انشاء اللہ مستقل خریداروں کی خدمت میں بلا کسی اضافہ قیمت کے پیش کیا جائے گا۔
- نئے خریدار حضرات بھی ۲۸ روپئے بھیجکر یہ نمبر خریداری کے حساب میں حاصل کریں نمبر ان کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری روانہ کیا جائے گا۔
- قدیم خریداروں سے ایک بار پھر گذارش ہے کہ اس نمبر کو محفوظ طریقہ پر حاصل کرنے لئے رجسٹری فیس ۳/ ارسال فرمائیں، سادہ ڈاک سے ضائع ہونے پر یہ نمبر دوبارہ نہ دیا جا سکے گا۔
- خریدار یا ایجنٹ حضرات میں سے جن کے ذمہ ادارہ الفرقان کا کچھ بقایا واجب الادا ہو وہ اکتوبر تک حساب بے باق کردیں ورنہ یہ نمبر ان کی خدمت میں ارسال نہیں کیا جائے گا۔
- وی پی کے ذریعہ نمبر منگانے کیلئے کم از کم چوتھائی رقم پیشگی بھیجنا ضروری ہے۔

پاکستانی حضرات کیلئے ● پاکستانی خریداران مبلغ ۶/ (رجسٹری فیس) ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرمائیں۔

- جو حضرات نمبر سے خریدار بننے کے خواہشمند ہوں وہ ستمبر ۸۵ء تا اگست ۸۶ء کے لئے ایک سال کا چندہ مع رجسٹری فیس ۶۶/ روپئے ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور کو ارسال فرمائیں اور منی آرڈر رسید ہمیں روانہ کریں۔

بیرونی ممالک سے شیخ نمبر دوم طلب کرنے والے حضرات دو پونڈ یا دس ریال یا اسکی مساوی رقم ارسال کریں، بیرونی ممالک کے حضرات اگر بہ تعداد بیجا طلب فرمائیں تو کفایت ہوگی اس کے لئے سعودی عرب کے حضرات ۵۰ روپئے یورپ افریقہ ممالک والے ۱۶۵/ روپئے (۳ پونڈ) اور امریکہ کے شائقین ۸۰ روپئے کا ڈرافٹ بھیجیں، شیخ نمبر اول کی طرح یہ نمبر بھی زیادہ تعداد میں طلب کرنے والوں کو رعایتی شرح پر پیش کیا جائے گا۔

رعایتی شرح

۵ عدد نمبر طلب کرنے پر ۱۰٪ فی صد رعایت اور محصول ڈاک فری
۶ سے ۱۰ " " " ۱۵٪ " " " "
۱۱ سے ۲۵ " " " ۲۵٪ " " " "
۲۶ سے ۹۹ " " " ۳۳٪ " " " " "کرایہ ریل و پیکنگ بذمہ خریدار"
۱۰۰ یا اس سے زائد " " ۴۰٪ " " " "

نوٹ:
ان رعایتوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے پوری رقم ایڈوانس آنا ضروری ہے

شیخ نمبر اول بھی محدود تعداد میں موجود ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولین

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

گذشتہ شمارے میں مطلقہ کے نفقہ کے بارے میں سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کے متعلق ان صفحات میں جو کچھ لکھا گیا تھا، خصوصیت کے ساتھ اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اس فیصلہ کے بارے میں جو دو طبقے مثبت اور منفی ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ دونوں ایکدوسرے کے نقطہائے نظر کو ذرا قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ہماری صفوں میں انتشار و اختلاف پیدا کرکے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی کوششوں کو ناکام بنا دینے کی سازش کامیاب نہ ہو پائے۔

ہمارا اندازہ ہے کہ جسطرح اس فیصلہ کی مذمت کرنے والے حضرات میں اکثریت ان حضرات ہی کی ہے جنہوں نے محض دینی حمیت اور دینی جذبہ کے تحت بجا طور پر یہ موقف اختیار کیا ہے، اسی طرح اس فیصلہ کی، اور زیادہ محتاط الفاظ میں اسکے اس جزو کی جس میں مسلمان مطلقہ عورت کا نفقہ اسکے سابق شوہر پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ تائید کرنے والوں میں یقیناً ایسے لوگ بھی ہیں جن کو کوئی محتاط شخص اسلام کا دشمن اور اللہ و رسول سے بغاوت کا مجرم قرار نہیں دے سکتا، ہاں! اسلامی شریعت کے مزاج، اسکے اصولوں اور تعلیمات سے براہ راست اور تفصیلی ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس پروپیگنڈے کے شکار ہو گئے ہیں جو طلاق اور اسکے اثرات مابعد کے بارے میں، اور اسلام کے پورے نظام زندگی کے بارے میں بہت زور و شور سے کیا جا رہا ہے۔

ہو سکتا ہے اس گروہ میں یہ قسم اُس قسم کی بہ نسبت تعداد کے لحاظ سے کم ہی ہو، اور اکثریت انہی لوگوں کی ہو جو یا تو منافقین کی فہرست میں آتے ہیں یا " الذین فی قلوبہم مرض" کی لیکن اس میں ایسے بھی ہزاروں لوگ ہیں جو موجودہ ماحول، نظام تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ سے ابلتے ہوئے زہریلے سیلاب کا مقابلہ علم و ایمان کے لحاظ سے اپنی اندرونی کمزوری کی وجہ سے نہیں کر پاتے اور نتیجۃً غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔۔۔ ہم چاہتے تو ایک ہی فہرست میں سب کو رکھکر زبان و قلم کی ایک ہی حرکت سے سب کو ضمیر فروش، خدا فراموش، اللہ و رسول کے دشمن اور نہ جانے کیا کیا قرار دے دیتے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ اس طبقہ کی حق تلفی بلکہ اس پر ظلم ہو۔ اور اس کے نتائج مثبت کم منفی زیادہ برآمد ہوتے ہیں ۔۔۔۔ ہمارے نزدیک اس طبقہ کا حق ہے کہ ہمدردانہ انداز سے اس کے اشکالات کو سنا جائے، اور پھر مثبت انداز سے "بالتی ھی احسن" انکے اشکالات کے جوابات دیئے جائیں۔ اس کے دماغ کی پھانسیں دور کی جائیں تاکہ ایسے لوگ غلط فہمی کے اندھیرے سے نکل کر علم و اطمینان کی روشنی میں آئیں اور مکمل اسلامی زندگی کو سیکھنے، سمجھنے اور برتنے کا جذبہ و حوصلہ ان میں ترقی کرے، اور پھر انکی صلاحیتوں کا استعمال دین کی خدمت و اشاعت کے اس کام میں کیا جا سکے جو ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور جس کے لئے ہر طبقہ اور ہر صلاحیت کی ضرورت ہے۔

مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا تھا۔

"یہ اقوام و ملل اور افکار و اقدار دونوں کی تاریخ کا مسلسل تجربہ ہے کہ جب کوئی غلط یا صحیح سوال سامنے آجاتا ہے یا ذہنوں میں کوئی خلش پیدا ہو جاتی ہے یا کر دی جاتی ہے یا کسی حقیقت کو (خواہ وہ کتنی ہی بدیہی ہو) چیلنج کیا جاتا ہے تو اس کو محض جذبات کے اظہار، درد و کرب کی بڑی سے بڑی مقدار، خطابت کی شعلہ بیانیوں اور احتجاج کی بلند آہنگیوں سے نہیں روکا جا سکتا۔ اس کے لئے علمی مورچے کی ضرورت ہوتی ہے جہاں ترکی بہ ترکی نہیں، علمی دلائل کی سنجیدگی اور فکر و نظر کے وقار کے ساتھ جواب دیا جائے، اور دماغوں کی تشفی اور طالب حق ذہنوں کے اطمینان و تسلی کا انتظام کیا جائے،

اگر دماغ کی سلوٹوں میں واقعی کوئی پھانس رہ گئی ہو یا کوئی گرہ پڑ گئی ہو تو اسکو زور دستی نہیں (جس سے کام اکثر بگڑ جاتا ہے) بلکہ سبک دستی اور کسی قدر چابکدستی کے ساتھ نکالنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے لئے جوش کے بجائے ہوش، خطابت و انشاپردازی کے بجائے دلسوزی، دیدہ ریزی اور جگر کاوی کی ضرورت ہے....."

(ماخوذ از مقدمہ "معاشرتی مسائل"

از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)

خیر! یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر نوک قلم پر آگئی ___ آج کی صحبت میں ہمارا ارادہ مطلقہ کے نفقہ کے مسئلہ پر اس سوال کی روشنی میں کچھ عرض کرنے کا ہے جو گزشتہ ماہ کے اداریہ میں ان حضرات کے نقطہ نظر کی وضاحت کیلئے اٹھایا گیا تھا جن کے نزدیک طلاق دینے والے شوہر کے ذمے اسکی مطلقہ بیوی کا نفقہ تا زندگی یا تا نکاح ثانی ضروری قرار دینا اسلامی نقطہ نظر سے مناسب اور قابل تائید فیصلہ ہے۔

سوال یہ تھا کہ اگر معاشرہ اسلامی ہو، جس میں کہ اول تو طلاق ہی بہت کم اور نہایت ناگزیر اور معقول اسباب کی وجہ سے واقع ہوتی ہے، اور جس میں عمومی اخلاقی شعور اور بیت المال کے اجتماعی نظم کیوجہ سے اس کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی شخص، مرد ہو یا عورت، اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جائے ___ نیز جسکی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مطلقہ عورت کی دوسری شادی کوئی مشکل مسئلہ نہیں، اسلئے ایسے معاشرہ میں اگر قانون یہ ہو کہ طلاق دینے والے شوہر کے ذمے اپنی مطلقہ بیوی کا نفقہ صرف عدت تک ہی لازم ہے تو یہ بات قرین قیاس ہے، لیکن ہمارے موجودہ معاشرہ میں جس میں اسلامی معاشرہ کی مذکورہ خصوصیات میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے اسی قانون پر اصرار کہاں تک مناسب ہوگا؟

راقم سطور اس سوال کا قدرے مفصل جواب ذیل کی سطروں میں عرض کرتا ہے جس کے ضمن میں اس مسئلہ کے دیگر اہم پہلوؤں کی وضاحت بھی انشاء اللہ ہو جائے گی۔

نفقۂ مطلقہ کے بارے میں اسلامی حکم کا ماخذ: سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ نفقۂ مطلقہ کے متعلق اسلام کے اس حکم کا ماخذ کیا ہے کہ وہ صرف عدت تک ہی شوہر کے ذمے واجب الاداء ہے۔

آیا یہ حکم قرآن مجید یا سنت نبوی سے براہ راست ماخوذ ہے، یا ماہرین قانون نے کلی دلائل سے اس جزوی قانون کا استنباط کیا ہے۔ یہ معلوم ہونا اسلئے ضروری ہے کہ دونوں صورتوں کی قانونی حیثیت مساوی نہیں ہے سو اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ سورۂ طلاق کی آیت ۶ میں ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ..... الآیۃ،

تم ان (مطلقہ) عورتوں کیلئے اپنی وسعت کے مطابق وہیں رہائش کا انتظام کرو جہاں تم رہتے ہو اور انکو تنگ کرنے کیلئے انھیں اذیت نہ پہنچاؤ، اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ولادت تک انکو خرچ دو....

اس آیت میں شوہروں کو اپنی مطلقہ بیویوں کے ساتھ معاملہ کے سلسلہ میں چار احکام دیئے گئے ہیں:

۱۔ زمانہ عدت میں ان عورتوں کیلئے اس معیار کی رہائش مہیا کریں جو خود ان کی اپنی رہائش کا معیار ہو تاکہ ان کی خودداری مجروح نہ ہو۔

۲۔ اس دوران کسی پہلو سے ان کو تنگ کرنے کی تدبیریں نہ اختیار کریں کہ چند ہی دن میں پریشان ہوکر وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

۳۔ اگر وہ حالت حمل میں ہوں تو انکی ضروریات (نفقہ) کا انتظام بچہ کی ولادت تک شوہروں کے ذمے ہے۔

۴۔ اس کے بعد اگر دودھ پلانے کا مسئلہ آئے تو شوہروں کے ذمے ہے کہ دودھ پلانے کے زمانہ میں اپنی مطلقہ بیویوں کو معاوضہ کی اتنی رقم دیتے رہیں جو ان کے معیار زندگی اور وقت کے دستور کے مطابق ہو۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس آیت میں دوران مدت مطلقہ عورت کی رہائش کے معقول انتظام کا حکم شوہروں کو دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں ان کی ضروریات (نفقہ) کے انتظام کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ "اگر وہ حالت حمل میں ہوں....." تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت کے دوران جس مطلقہ کا نفقہ شوہر کے ذمے ہے وہ صرف وہ مطلقہ ہے جو حالت حمل میں ہو؟ متعدد اہل علم نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا ہے جن میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن ایک دوسرا گروہ اسلامی قانون کے

ماہرین کا وہ ہے جنکے نزدیک عدت کی مدت میں ہر مطلقہ کا نفقہ شوہر کے ذمے ہے خواہ وہ حالت حمل میں ہو یا نہ ہو، فقہاء میں سے اس گروہ کی نمائندگی امام ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوری کرتے ہیں۔ صحابۂ کرام میں حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی یہی رائے تھی۔[1] (یاد رہے کہ یہ اختلاف صرف اس مطلقہ کے بارے میں ہے جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو، جہاں تک رجعی طلاق والی مطلقہ کا معاملہ ہے تو سب اہل علم اس بارے میں متفق ہیں کہ اسکے لئے رہائش اور نفقہ کا انتظام (عدت کی مدت تک) شوہر کے ذمے لازم ہے۔ اسی طرح طلاق بائنہ والی مطلقہ اگر حالت حمل میں ہو، تو اسکے بارے میں بھی سب ہی کو اتفاق ہے۔ اختلاف صرف اس مطلقہ کے سلسلہ میں ہے جسے طلاق بائن دی گئی ہو اور وہ حالت حمل میں بھی نہ ہو۔)

ہمیں یہاں ان مسلکوں کے سلسلہ میں کوئی تقابلی گفتگو نہیں کرنی ہے۔ اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات فقہ وحدیث کی کتابوں میں ان دونوں کے دلائل دیکھ سکتے ہیں۔ ابن قدامہ نے المغنی (۷/ ۶۰۶ - ۶۰۸) میں پہلے مسلک اور جصاص رازی نے احکام القرآن (۳/ ۴۵۹ تا ۴۶۲) میں دوسرے مسلک کی قانونی بنیادوں کو واضح کرنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں ہم سورۂ طلاق کی مذکورہ آیت کے حوالہ سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ آیت ہے جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ کا نفقہ شوہر کے ذمے عدت تک ہی ہے۔ (اس آیت میں "حتی یضعن حملھن" کے الفاظ سے یہ معلوم ہوا کہ مطلقہ اگر حالت حمل میں ہو تو اسکی ضروریات کا انتظام اسوقت تک شوہر کے ذمے رہے گا جب تک کہ وہ اس مرحلہ سے گذر نہ جائے۔ یہ بات معلوم ہی ہے کہ اسکی عدت بھی اسی وقت ختم ہوگی۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ عام مطلقہ کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عدت تک ہی رہے گی) ـــــ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حتی کا مفہوم عربی زبان میں وہی ہے جو انگریزی میں TILL یا UNTILL کا مفہوم ہے۔ جس کے بعد ذکر کیجانے والی مکانی یا زمانی علامت "انتہائی" ہوتی ہے، اور وہ انتہائی علامت حتی (UNTILL) سے پہلے ذکر کئے جانے والے امر کی آخری حد ہوتی ہے۔

---

[1] حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو۔ احکام القرآن للجصاص الرازی ۳/ ۴۵۹۔ المغنی لابن قدامہ ۷/ ۶۰۶۔

مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۷ میں رمضان کی رات میں کھانے پینے کی اجازت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر۔

اور کھاؤ اور پیو اس وقت تک جبتک سفید دھاگہ (صبح کی روشنی) تمہارے حساب سے سیاہ دھاگے سے الگ نہ ہو جائے۔

اس آیت کا انگریزی ترجمہ یہ ہے:-

AND EAT AND DRINK UNTILL THE WHITE THREAD BECOMETH DISTINCT TO YOU FROM THE BLACK THREAD.

اسی طرح سورۂ طلاق کی آیت (وانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن) (تو ان پر خرچ کرو تا آنکہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں) کا ترجمہ انگریزی میں یہ کیا گیا ہے۔

(THEN SPEND FOR THEM TILL THEY BRING FORTH THEIR BURDEN)

توجسطرح روزہ سے متعلق سورۂ بقرہ کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کی اجازت مذکورہ علامت کے ظاہر ہونے تک ہی محدود ہے اسکے بعد ہرگز نہیں، اسی طرح سورۂ طلاق کی مذکورہ آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ مطلقہ کی ضروریات کا بندوبست شوہر کے ذمے انتہائے عدت تک ہی محدود ہے، اسکے بعد نہیں۔

اس پوری وضاحت سے ہم یہ بات صاف کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مسئلہ براہ راست قرآن مجید کی ایک آیت سے ماخوذ ہے۔ آیت اپنے مدعا میں بالکل واضح ہے اور مدت کی تعیین کے بارے میں اس میں ایسا لفظ (حتی) استعمال کیا گیا ہے جو جیساکہ عرض کیا گیا، دوسری صورت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتا، اور یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معتبر عالم، قرآن کے کسی مفسر، قانون اسلامی کے کسی شارح و مدون نے یہ نہیں کہا کہ عدت کے بعد بھی شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی کی ضروریات کے بندوبست کی ذمہ داری ہوا کی گئی یا ڈالی جاسکتی ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا، بلکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہوتا، اور اس میں اختلاف رائے ہوتا تو ظاہر ہے کہ مسئلہ کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی لیکن ایک ایسے حکم میں جو پوری صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہو،

اور جس کے بارے میں ایسی قطعیت کی بناء پر ہی پوری امت کے اہل علم و نظر متفق ہوں، ترمیم کی جرأت ایسے کسی شخص کو نہیں ہو سکتی جس کے دل کو اللہ، قرآن اور آخرت میں اللہ کے سامنے حاضری کے بارے میں ایمان و یقین کی دولت حاصل ہو۔ یہ جرأت تو صرف ان لوگوں کو ہو سکتی ہے جن کے دل شک، نفاق اور مرعوبیت کے روگی ہیں۔ اور رندی کے ساتھ جنت کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دینے کی خواہش کی وجہ سے جب کبھی اسلام اور قرآن کی بلندی تک ان کے ذوق و مزاج کی پستیاں نہیں پہونچ پاتیں تو وہ اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ قرآن کو اسکی بلندی سے اتار کر اپنی پستیوں میں فٹ کر لیں۔ گویا ع

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ایسے ہر موقع پر احساس ہوتا ہے کہ کاشکہ ہمارا ایمان و اسلام اس درجہ کا ہوتا کہ صرف اتنی وضاحت ہمارے لئے کافی ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور بس یہ سنتے ہی دل ایمان و تسلیم سے معمور ہو جاتے، اور حکمتوں اور مصلحتوں کے سمجھنے کا انتظار کئے بغیر ہمارے دل و دماغ ایمان و اطمینان سے لبریز ہو جاتے، نہ کوئی تردد باقی رہتا نہ اشکال،

یہ تمنا نہایت مبارک تمنا ہے، اور ہرگز کسی انہونی کی تمنا نہیں، لیکن بہر حال واقعہ یہ ہی کہ ہماری اکثریت اس حال میں نہیں ہے۔ خصوصاً وہ طبقہ جو ہمارا مخاطب ہے۔ ہمارے خیال میں اس کیلئے ضروری ہے کہ اسکے اشکالات کے ازالہ کیلئے اس قانون کی بعض عقلی و نفسیاتی حکمتوں کی وضاحت کی جائے، شاید کہ ہمارے بھائیوں اور بہنوں کے دلوں کو اطمینان کی ٹھنڈک اور بصیرت کی روشنی مل جائے۔

مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہی کیوں؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کون سے اسباب ہوتے ہیں جنکی بناء پر قانون کی نگاہ میں کسی کے اخراجات کی ذمہ داری خود اسکی ذات سے ہٹا کر کسی دوسرے پر ڈالی جاتی ہے۔

بنیادی طور پر دو سبب ہیں۔

۱۔ عجز / قرابت [۱] ۲۔ احتباس۔

(۱ کا حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عجز سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کمسنی، یا بیماری و معذوری کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو کہ وہ کسی صحیح راستے سے اپنی معاشی ضروریات کا انتظام کر سکے۔ اس صورت میں ایک خاص ترتیب سے اسکے رشتہ داروں کے ذمے اسکی ضروریات کا انتظام ہے۔ اس ترتیب کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں تاہم صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ جس ترتیب سے ایک شخص کے جو رشتہ دار اسکے ترکہ کے وارث ہونے کے حقدار ہوتے ہیں اسی ترتیب سے اسکے وہی رشتہ دار ناداری و عجز کی مذکورہ صورت میں اسکی ضروریات زندگی کے بندوبست کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں اور اس طرح رشتہ داری سے جس ترتیب سے حقوق قائم ہوتے ہیں۔ اسی ترتیب سے ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ (الغرم بالغنم، والخراج بالضمان) حقوق و فرائض کی اسی دوطرفہ تقسیم کو لازم قرار دینے والے ہمارے اصول و قانون ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام نے صرف عورت ہونے کو بھی ایک ایسا سبب قرار دیا ہے جسکی وجہ سے اسکی ضروریات زندگی کا انتظام خود اسکے ذمہ عام حالات میں نہیں ہوتا بلکہ مردوں ہی کے ذمے ہوتا ہے شادی سے پہلے اسکے رشتہ دار مردوں (والد اور والد کے نہ ہونے یا نادار ہونے کی صورت میں حسب اصول وراثت دادا، چچا، بھائیوں وغیرہ) پر یہ ذمہ داری رہتی ہے تاکہ اسکی صنفی خصوصیات، طبعی نزاکت، عزت و عصمت، اور شرم و حیا کے بیش قیمت اور نازک جواہر روزی روٹی کی گراں بار محنت کے ناگزیر اثرات سے متاثر نہ ہوں۔ اور وہ ہستی جس کے دم سے تصویر کائنات میں رنگ ہے اپنے وجود کی مقصدیت و افادیت اور اپنی کشش سے محروم ہو کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو کی تکمیل کی تمنا ہی لئے اور تلافی کی کوشش میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) عام طور سے اسلامی قانون کے ماہرین پہلا سبب "قرابت" ہی کو قرار دیتے ہیں — چونکہ قرابت وہ رشتہ ہے جسکی بنا پر کسی کے ذمہ کسی کا نفقہ لازم ہوتا ہے لیکن جس کا نفقہ لازم ہوتا ہے۔ دراصل اسکی ناداری (یعنی خود کفالتی نہ کر سکنا) ضروری ہے۔ اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ اصلی سبب عجز ہے نہ کہ قرابت۔ بہرحال راقم سطور نے ان دونوں ہی کو ایک ساتھ ذکر کر دینا بہتر سمجھا

اور انسان نما درندوں کے ہاتھوں اپنی آبرو کا سودا کر کے دنیا سے ایک ناکام اور تشنہ زندگی کی یادیں لے کر رخصت ہونے پر مجبور نہ ہو[1]۔

دوسرے سبب احتباس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے جزوی یا کلی حقوق کسی کے سپرد کردے، یا اپنے کو کسی کا پابند بنالے جسکی بنا پر اس کیلئے دوسرے امکانات منقطع ہوجائیں۔ شادی کے بعد بیوی کے اخراجات کی پوری ذمہ داری اسی احتباس (پابندی) جسکو تمکین، سپردگی بھی کہا جاتا ہے) ہی کی وجہ سے شوہر پر آجاتی ہے[2] (یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ازدواجی رشتے کے قیام کے عوض کے طور پر آتی ہے، کیونکہ اس کا عوض تو مہر ہے جو کہ نکاح کے فوراً بعد شوہر کے ذمے لازم ہوجاتا ہے — جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے وہ اسوقت تک شوہر کے ذمے نہیں ہوتا جب تک کہ وہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں آکر وہیں کی ہوکر نہ رہ جائے۔

اب آپ غور فرمائیں۔ طلاق کے بعد عدت تک عورت کی یہ پابندی اور شوہر کے حق میں اسکی ذات اور حقوق کا احتباس باقی رہتا ہے — لیکن عدت کے بعد اس شوہر سے متعلق کسی قسم کی کوئی ذمہ داری، کوئی پابندی اس عورت کے ذمہ باقی نہیں رہتی، تو اب آخر اس سابق شوہر کے ذمے اس عورت کے اخراجات کا بندوبست پوری زندگی کیلئے یا اس کی دوسری شادی تک باقی رکھنے کا کیا قانونی جواز ہے؟

کسی شخص کی مالی کفالت کا بوجھ کسی پر محض جذباتی نعروں کی بنا پر نہیں رکھا جاتا، اس کیلئے قانونی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے — اگر کسی کے ذہن میں اس بارے میں کوئی شک شبہ ہو تو اسے چاہیئے کہ اچھی طرح اس حقیقت کو مستحضر کرلے کہ طلاق کے بعد عدت گذرتے ہی مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوجاتے ہیں۔ نیز حقوق اور ذمہ داریوں کی تقسیم (RIGHTS - DUTIES) ہر عادلانہ قانون میں یکطرفہ نہیں دوطرفہ ہوتی ہے اور ان کی یکطرفہ تقسیم ہی معاشرہ میں نابرابری اور نفرت کو جنم دیتی ہے۔

---

[1] فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب ردالمحتار میں ہے! ... فمجرد الانوثة بعجز الا اذا کان لها زوج، ردالمحتار ۲/۶۴۳

[2] اسلامی قانون کی اہم کتاب ہدایہ میں ہے "لان النفقة جزاء الاحتباس (ہدایہ ص ۴۱ ج ۲)

اس موقع پر بہت سے ذہنوں میں ایک نہایت اہم اور جذباتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آخر مطلقہ عورت کہاں جائے، کیا اسلام کی منشا یہ ہے کہ اسے بے سہارا چھوڑ دیا جائے اور در بدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا جائے اور کیا اس سے بے شمار برائیاں جنم نہیں لیں گی ؟

یہ سوال اگر صرف ان ذہنوں میں پیدا ہوا ہوتا جن کی نشو و نما اور ساخت ان گروہوں، تہذیبوں اور سماجی ڈھانچوں کے درمیان ہوئی ہے جنہوں نے عورت کی کفالت کیلئے اسکی زندگی میں پیش آنے والے مختلف حالات کے اعتبار سے ایک مفصل جامع اور مرتب نظام پہلے ہی سے وضع نہیں کر رکھا ہے، اور جن کے لاشعور میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ طلاق دینے والے مرد کو اپنے اس مکروہ فعل کی سزا ضرور بھگتنی چاہیئے (قطع نظر اس کے کہ طلاق کن حالات میں دی گئی اور اسکے معقول اسباب موجود تھے یا نہیں ؟) پھر وہ اس کا تشفی بخش جواب ڈھونڈھ پاتے.. .. تو اس میں تعجب اور حیرت کی کوئی بات نہ تھی،

لیکن اگر یہ سوال اس دین فطرت کے نام لیواؤں بلکہ اس کے نمائندہ سمجھے جانے والے دانشوروں کے ذہنوں میں بھی ۔ ابھرنے لگے جس نے اس معاملہ کے لئے بقیہ تمام انسانی معاملات کی طرح ایک فطری و آسان حل پہلے ہی سے وضع کر دیا ہے تو یقیناً یہ نادرست اور غیر فطری صورتحال ہے، جسکی حکمت، نرمی اور ہم آہنگی کے ساتھ اصلاح ان تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے، جو اس کے اہل ہیں ۔

ہم نے اس صورتحال کو نادرست اور غیر فطری اس لئے کہا ہے کہ جس ملت کے ایک ایک فرد کا منصب و مقام یہ تھا کہ وہ عام انسانی ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کے تشفی بخش جوابات دنیائے انسانیت کے سامنے نہ صرف یہ کہ زبانِ قال سے پیش کرتا بلکہ اس کی زبانِ حال اور عملی زندگی بھی مجسم جواب بن جاتی، وہ خود مجسم سوال بنا سائلوں بلکہ معترضوں کی صف میں کھڑا ہے۔

بلاشبہ یہ صورتحال غیر فطری ہے لیکن اس کی ذمہ داری ہم پر بھی ہے ۔ اگر ہم نے عمومی دعوت و تربیت اور انفرادی و اجتماعی رابطوں اور افہام و تفہیم کے کام کو اسکے حق اور ضرورت کے مطابق اہمیت دی ہوتی، اور عوام و خواص دونوں طبقوں سے براہ راست رابطے کے ذریعہ نبوی صبر و حکمت، اور سادہ و موثر اسلوب میں ان کی عمومی ذہنی و فکری

اور علمی و عملی تربیت کا کام ہمہ گیر اور عالمگیر پیمانے پر کیا ہوتا تو یہ صورتحال کم از کم اس درجہ میں موجود نہ ہوتی جس نے اس شکوے کو جواز فراہم کر دیا ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اب آئیے دیکھیں کہ زیر بحث مسئلہ کا اسلام نے کیا حل پیش کیا ہے ؟

اس سلسلہ میں پہلی اور اصولی بات یہ ذہن میں مستحضر کر لیجیے کہ اسلام نے عورت کی اپنی معاشی ضروریات کی فراہمی بھی خود اسکے ذمے نہیں رکھی ہے — اسکے ذمے تو وہ کام کیے گئے ہیں جن کے لیے قدرت نے اسے وجود بخشا ہے، چنانچہ اسکی تخلیق اور اسکی جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی خصوصیات کی ساخت بھی قدرت نے اس کے صنفی فرائض اور تقاضوں کے عین مطابق بنائی ہے۔ جہاں تک اسکی اپنی معاشی ضروریات کا سوال ہے، ان کی فراہمی اسلام نے مرد کے ذمے ہی رکھی ہے تاکہ عورت اپنے فرائض منصبی کے لیے یکسو رہ سکے، زندگی کے ہر مرحلے میں، (کم از کم عام حالات میں) یہ ذمہ داری مرد ہی کی ہے خواہ وہ بیٹی، ماں، بہن، بیوی یا دیگر خونی رشتوں کے روپ میں "عورت" کی معاشی ضروریات کی فراہمی کے لیے جد و جہد کرے۔

ہمارا خیال ہے کہ نہایت ہی نظام اس لائق تھا کہ دنیا کا ہر باذوق انسان اسکی پذیرائی کرتا اور اس کے آئینہ میں صنف نازک کے ساتھ اسلام کے معاملہ کو دیکھ کر دل و جان سے اس نظام کے خالق کائنات کی طرف سے ہونے اور اسکے انسانی نفسیات کے سو فیصد مطابق ہونیکے بارے میں مطمئن ہو جاتا۔

لیکن اسے عقل و خرد کی بربادی نہ کہیے تو کیا کہیے کہ ہمارے بہت سے مہربان الٹا اس حکم کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ یہ عورت کی توہین ہے، اور اس سے عورت مرد کی دست نگر ہو کر رہ جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ عورت کو خود کمانے کھانے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ اسے اپنی معاشی ضروریات کے لیے کسی مرد کا ممنون ہونے کی ضرورت نہیں ...... اور یک طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہی لوگ جب ٹیلیویژن پر یہ منظر دیکھتے ہیں کہ امریکہ کے صدر جب کبھی اپنی اہلیہ کے ساتھ کار سے اترتے ہیں

تو وہ خود ہی آگے بڑھ کر ان کے لئے دروازہ کھولتے ہیں..... تو یہ دیکھ کر ہمارے یہ دانشور عش عش کرنے لگتے ہیں اور دل و جان سے اس تہذیب پر فدا ہونے لگتے ہیں جس میں "عورت کی نزاکت کی اتنی رعایت کی جاتی ہے"۔

آپ ہی بتائیے کہ اس دوہری نظر کو ہم کوتاہ بینی اور مرعوبیت کے سوا اور کیا نام دیں! ؏

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

عورت کی معاشی ضروریات کے بارے میں اسلام کی اس اصولی ہدایت کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکی چاہے بالغ ہو یا نابالغ شادی سے پہلے اس کی معاشی ضرورتوں کا انتظام سو فیصد اسکے ولی (بالترتیب والد، دادا، چچا، بھائیوں) کے ذمے رہتا ہے۔ شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر پر آجاتی ہے اور پھر شوہر سے علیحدگی کی صورت میں عدت کے درمیان یہ ذمہ داری شوہر ہی کے ذمے رہتی ہے اور اگر شیر خوار بچہ موجود ہو تو یہ ذمہ داری عدت کے بعد بھی بچہ کا دودھ چھوٹنے تک بھی اسی کے ذمے رہتی ہے ـــــ اور عدت کے بعد پھر اسکے اخراجات کی ذمہ داری شادی سے قبل کی طرح اپنے قریبی رشتے داروں والد، دادا، چچا، بھائیوں اور اگر اولاد اس قابل ہے تو اولاد پر آجاتی ہے ـــــ اور اگر بالفرض کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو یا کوئی اس لائق نہ ہو تو پھر اس عورت کا حق ہے کہ وہ بیت المال سے اپنا حصہ وصول کرے (شرعی حکومت نہ ہونے کی صورت میں علاقہ کے عام مسلمان ان اجتماعی ضرورتوں کی کفالت کے سلسلہ میں اس کے قائمقام ہوتے ہیں)

اب ہم عرض کرتے ہیں کہ یہی تو اندیشہ آپ کو لاحق تھا کہ عدت کے بعد یہ بے سہارا عورت کہاں جائے گی؟ سو دیکھا آپ نے! اسلامی نظام میں اس کا کوئی سوال ہی نہیں ہے کہ کوئی عورت ایک دن کے لئے بھی واقعۃً "بے سہارا" ہو جائے ـــــ یہ سوال وہاں البتہ پیدا ہونا چاہیئے جہاں عورت کو یہ مقام حاصل نہیں، لیکن جہاں مختلف حالات کے اعتبار سے کئی کئی مرد ایک عورت کی معاشی ضروریات کے بندوبست کے باقاعدہ قانونی طور پر مکلف ہوں۔ اور گویا مضبوط انتظامات کا ایسا تسلسل ہو جس کی نظیر کا تصور بھی کسی دوسرے سماجی ڈھانچے میں نہیں کیا جا سکتا، وہاں اس سوال کا پیدا ہونا ہی اس پورے نظام سے ناواقفی کا نتیجہ ہے اور جیسا کہ بار ہا عرض کیا جا چکا ہے جب تک کسی بھی نظام کو کلی طور پر پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔

الگ الگ کر کے اس کے اجزاء کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں ایک پہلو اور ہے جس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

کہا جا سکتا ہے بلکہ کہا جا رہا ہے کہ آخر ان رشتے داروں کا کیا قصور ہے کہ ان کے ذمے ایک مطلقہ عورت کا تازندگی یا تانکاح ثانی نفقہ تھوپ دیا جائے؟ یہ سزا تو اسی کو ملنی چاہیئے جس نے اچانک ایک عورت سے رشتہ ناطہ توڑ کر یہ صورتحال پیدا کر دی!۔

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ اس سوال کی تہہ میں دو احساسات کام کر رہے ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ طلاق ایک جرم ہے جسکی سزا۔ بہرحال۔ شوہر کو ضرور ملنی چاہیئے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ عورت کے اخراجات کا انتظام تاوان یا جرمانہ جیسی کوئی چیز ہے جو جرم کرنے والے پر ہی عائد کی جانی چاہیئے نہ کہ کسی اور پر ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ طلاق اگر ان شرطوں اور اصول وقیود کی رعایت کے ساتھ دیجائے جو اسلام نے اسکے لئے لازمی قرار دیئے ہیں تو اول تو طلاق کی شرح ہی بہت زیادہ گھٹ جائیگی، اور پھر جہاں واقع ہوگی وہاں اسکے معقول اسباب موجود ہوں گے جن کی بناء پر طلاق کے جرم ہونے کا خیال دل و دماغ میں راہ نہیں پا سکے گا۔ بلکہ یہ بات بلا بتلائے سمجھ میں آجائے گی کہ اس کا سبب یا تو شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کی ایسی جسمانی بیماری ہوئی ہے جس کی بناء پر دونوں کے مابین ازدواجی رشتے کا باقی رہنا گوناگوں پہلوؤں سے مضر ہوتا، یا پھر عورت کی آزادروی، سرکشی اور شرم و حیا اور محبت و وفا جیسے جواہر نسوانیت سے محرومی ہے۔ اس لئے کہ اسلامی مزاج میں اسکی کوئی گنجائش نہیں کہ بلا کسی معقول وجہ کے شوہر اپنی اس رفیقۂ حیات کو طلاق دے کر گھر سے نکال دے جسے اس نے اللہ کے نام پر اپنے انسانی و ایمانی وجود کی تکمیل کے سامان کے طور پر قبول کیا ہے۔

لیکن آج ہو یہ رہا ہے کہ ایک طرف تو مختلف مقاصد کے تحت طلاق کے مسئلہ کو اسلام دشمن حلقے مسلسل نشانہ بنائے ہوئے ہیں، اور دوسری طرف ہمارے معاشرہ میں طلاق کے جو واقعات ہو رہے ہیں اکثر و بیشتر معقول اسباب اور اپنے مقررہ اصولوں کی بغیر

ہو رہے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں کی بنا پر بکثرت طلاق مغلظہ دی جا رہی ہے۔

چنانچہ پروپیگنڈے اور مشاہدے دونوں کے اثر سے بہت سے ذہنوں میں یہ بات شعوری یا غیر شعوری طور پر جم گئی ہے کہ طلاق ۔ بہرحال ۔ ایک جرم ہے ۔ اگر معاشرہ میں طلاق اپنی اصل شکل ہی میں ہوتی ، اور لوگ یہی دیکھتے کہ شاذ و نادر طلاق کے واقعات ہوتے ہیں اور جہاں ہوتے ہیں وہاں اس کے معقول اسباب موجود ہوتے ہیں اور اسکا فطری و مسنون طریقہ بھی موجود ہوتا ہے تو اس پر انگلی اٹھانے کی ہمت شاید ہی کسی منصف مزاج کو ہوتی ؟

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی طلاق کے واقعات میں سے سب کے سب ہی مردوں کی زیادتی کا نتیجہ نہیں ہوتے ۔ خاصا تناسب ان واقعات کا آج بھی ہے جن میں کہ طلاق کا سبب عورت کا رویہ ہی ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ چونکہ اکثریت ان ہی واقعات کی ہوتی ہے جن میں زیادتی مردوں ہی کی ہوتی ہے اور پھر ایسے واقعات کو خوب اچھالا بھی جاتا ہے ، اور اس کے برعکس دوسرے قسم کے واقعات اور ان کی تفصیلات کے اخفار کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے ۔ اس لئے غیروں کے ساتھ اپنوں کے ذہنوں میں بھی اگر وہ سوال پیدا ہو جسکی تہہ میں طلاق کو جرم سمجھنے کا احساس کام کر رہا ہے تو ہمیں زیادہ شکوے اور تعجب کا حق نہیں ہے ۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کے کردار میں فرق کو ملحوظ رکھنے ، اور مسلمانوں کی زندگی کو دیکھ کر اسلام کے بارے میں رائے قائم نہ کرنے کی بات اصولی و نظریاتی طور پر خواہ کتنی ہی صحیح ہو ، عملی طور پر عام انسانی مزاج سے بعید ہے ، جو گفتار کو کم کردار کو زیادہ دیکھتا ہے اور جو روزمرہ کے تجربوں سے کسی گروہ کے اخلاقی ، سماجی اور قانونی ڈھانچے کے بارے میں رائے قائم کرتا ہے ، اور اس کے لئے کتب خانوں میں جاکر مذہب اخلاق اور قانون کی ضخیم جلدوں کا مطالعہ کرنے اور ایک ایک مسئلہ کی تفصیلات جاننے پر نہ وہ قادر ہے ، نہ اسکا عادی ۔

اس سلسلۂ کلام کو ہم آگے مکمل کرنے کے ارادے سے یہاں لے روک کر موضوع کیطرف واپس لوٹتے ہیں ۔ ہم نے اس سوال کے تجزیہ کے ضمن میں ، کہ آخر مطلقہ عورت کے رشتے داروں کا کیا قصور ہے جن کے ذمہ اس کے نفقہ کے لازم ہونے کی بات کہی جا رہی ہے ، کہا تھا کہ آگے تہہ میں

دو احساسات کام کر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ طلاق ایک جرم ہے جس کی سزا بہر حال شوہر کو ملنی چاہیئے۔ اس احساس کی تصحیح کیلئے جو کچھ ہم نے عرض کیا۔ اس کا حاصل مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اسلامی طلاق ہرگز جرم نہیں ہے۔ بلکہ وہ ناگزیر حل ہے۔ اور اگر انہیں پورے اصول و شرائط کا لحاظ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ طلاق کے واقعات کا تناسب بہت زیادہ گھٹ جائے گا بلکہ خاندانوں اور معاشرہ پر اس کے مثبت اثرات بھی کھلی آنکھوں نظر آئیں گے۔

جہاں تک دوسرے احساس کا سوال ہے یعنی یہ کہ عورت کا نفقہ سابق شوہر کے ذمے بطور جرمانہ لازم کرنا چاہیئے، تو صاف ظاہر ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر جو کچھ اپنی دلی خوشی کے ساتھ اور محبت اور ذمہ داری کے پاکیزہ جذبوں کے تقاضے سے خرچ کرتا ہے اس سے دونوں میں الفت و محبت کا بڑھنا ایک فطری اور مجرب امر ہے لیکن جو نفقہ ایک ناکردہ گناہ کے ذمے سزا یا جرمانہ کے طور پر لازم کیا جائے گا۔ اس کے منفی اثرات معاملہ کو کہاں تک لے جائیں گے اس کا اندازہ عام انسانی نفسیات بالخصوص مرد کی افتاد طبع سے واقف لوگوں کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیئے [1]

اصل سوال کا جواب بھی امید ہے کہ سطور بالا سے واضح ہو گیا ہوگا تاہم اسکی مزید وضاحت کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ اسلامی قانون میں مطلقہ کے نفقہ کا معاملہ کسی جرم اور سزا کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک انسان کی معاشی ضروریات کسی دوسرے انسان کے ذمے کرنے کا مسئلہ ہے جو جزیاتی نہیں

---

[1] یہ ایک الگ سوال ہے کہ بے ضرورت طلاق قابل تعزیر جرم ہے یا نہیں؟ ہمارے ناچیز خیال میں اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی قانون کے مشہور عالم استاذنا مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی زید مجدہ کی ایک تحریر کا حوالہ گذشتہ ماہ میں بھی کیا جا چکا ہے — لیکن اس مسئلہ کو مطلقہ کی معاشی ضروریات کے انتظام کے مسئلہ سے ہرگز نہیں جوڑا جانا چاہیئے جو ایک انتظامی مسئلہ ہے، اور اس کا تعلق معاشی ضروریات کے انتظام اور حقوق اور ذمہ داریوں کے باب سے ہے، جرم و سزا کے باب سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اسے یہ رنگ دینا بہت سی الجھنوں اور پیچیدگیوں کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

اصولی و قانونی بنیادوں کی روشنی میں طے کیا جانا چاہیئے۔ قانون کی رو سے بھی، اور انسانی فطرت اور غیرت و خود داری کے لحاظ سے بھی کسی کی معاشی ضروریات کسی اجنبی اور بے تعلق آدمی کے ذمے نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے لئے طرفین کے درمیان ایسا رشتہ ہونا ضروری ہے جس سے دونوں کو فائدہ پہنچتا ہو، تاکہ دونوں کو ایک دوسرے سے متعلق کوئی ذمہ داری بھی دی جا سکے۔ کیونکہ حقوق کے ساتھ ذمہ داریوں کے جڑنے ہی سے انسانی رشتوں اور ان کے تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے ــــــ چونکہ طلاق کے بعد اور پھر عدت کے گذر جانے کے بعد وہ مرد اس عورت کے لئے بالکل پہلے ہی کی طرح اجنبی ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی حق اس عورت پر باقی نہیں رہتا ہے اسلئے اس پر کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہونی چاہیئے اسلئے کہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ حقوق اور ذمہ داریوں کا نظام یکطرفہ ٹریفک (ONE WAY TRAFFIC) کی طرح نہیں چلتا)۔ ..

لہٰذا بعد عدت مطلقہ عورت کے رشتے داروں کے ذمے اسکی معاشی ضروریات کا بندوبست قانون اور فطرت کے اصولوں سے سو فیصد ہم آہنگ ہے اور یہ ذمہ داری سابق شوہر پر ڈالنا عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے اور قریبی رشتے داروں کی موجودگی میں ایک عورت کے اخراجات کی ذمہ داری ایک اجنبی مرد پر ڈالنا حد درجہ کی بے غیرتی، بے عقلی اور ناانصافی ہے، اسکے سوا کچھ نہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ طلاق کے بعد عورت کی معاشی ضروریات کے اسلامی انتظام کی مذکورہ بالا وضاحت کے بعد یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ "مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ میں اسلام کا جو حکم ہے۔ اس میں اسلامی معاشرہ کی چند خصوصیات مثلاً بیت المال کے نظم اور عمومی اخلاقی شعور اور احساس ذمہ داری وغیرہ کو دخل ہے"؟ کیونکہ یہ سوال دراصل یہ فرض کر کے ہی قائم ہو سکتا ہے کہ عدت کے بعد مطلقہ کے نفقہ کا کوئی متعین قانونی انتظام اسلام میں موجود نہیں ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس کے بارے میں یہ توجیہ کی جاتی کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ جس معاشرہ میں یہ قانون آیا تھا، اس میں طلاق کے بعد کسی عورت کی دوسری شادی کوئی مشکل مسئلہ نہیں تھی۔

اور پھر اس معاشرہ میں بیت المال کے انتظام اور عام اخلاقی شعور کی وجہ سے بھی اس کا اندیشہ نہیں تھا کہ وہ عورت معاشی طور پر بے سہارا ہو جائے گی۔

لیکن یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ اسلام نے مطلقہ کی معاشی ضروریات کے سابق شوہر کے ذمے نہ ہونے کی منفی ہدایت ہی پر بات ختم نہیں کر دی بلکہ مستحکم خونی رشتوں کی بنیاد پر عورت کے کنبہ کو قانونی طور پر یہ ذمہ داری سونپ کر اس مسئلہ کا پائیدار فطری اور دائمی حل بھی پیش کیا ہے ..... ان اندیشہائے دور و دراز کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی جو مطلقہ عورت کی شخصیت اور عزت و آبرو کی سلامتی کے بارے میں بہت سے ذہنوں میں ابھر رہے ہیں اور جن کی وجہ سے بسا اوقات بڑی نیک نیتی سے اسلامی قانون میں ترمیم کی تجویز ان ذہنوں کو بھی اپیل کرنے لگتی ہے۔ جن کی گرفت میں اسلامی قوانین کی تفصیلات نہیں ہوتی ہیں ـــــ

اب آخر میں ایک اہم بات اور عرض کرنی ہے۔

مرد و عورت کے تعلقات، مختلف رشتوں کے اعتبار سے ان کے فرائض و اختیارات اور حقوق و واجبات نیز ازدواجی زندگی اور اس کے مختلف حالات کے بارے میں اسلام کے اصولی و جزوی احکام و ہدایات ہر اس شخص کو نہایت متوازن، دلکش و دلپذیر اور افراط و تفریط سے سو فیصد محفوظ نظر آتی ہیں۔ جو ان کا مطالعہ ایک باذوق انسان کی حیثیت سے کسی بھی مثبت یا منفی خارجی تاثر سے خالی ہو کر کرتا ہے۔

جتنی صحیح یہ بات ہے اتنی ہی صحیح یہ بات بھی ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام شعبوں کی طرح بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی یہ احکام و ہدایات ہماری عملی زندگی میں بڑی حد تک موجود نہیں ہیں؛ ـــــ ہماری امت کی اکثریت ـــــ بلا مبالغہ غالب اکثریت ـــــ ایسی ہے

جس کے کان بھی ان احکام سے آشنا نہیں ہیں۔ غیر تو غیر ہیں، اپنوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ کسی گھر میں سامنے آتا ہے یا کسی گھر کے مسئلہ کی شہرت کسی بھی وجہ سے کچھ بڑے پیمانے پر ہو جاتی ہے تو اس مسئلہ کے بارے میں اسلام کے احکام کو کتابوں کے حوالوں کے ساتھ بیان کرنا پڑتا ہے۔ اور بہت سے لوگ بے ساختہ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ چلو اس بہانے ہمیں بہت سی نئی باتیں معلوم ہو گئیں۔

اگر آپ کو یہ تلخ حقیقت تسلیم کرنے میں کچھ تردد ہو تو ایک نظر اپنے گھروں، اپنے خاندانوں اپنے محلّوں اور اپنے معاشرہ پر ڈالیے، عدالتوں اور کچہریوں میں جا کر مسلم گھرانوں کے مقدمات کی تفصیلات حاصل کیجیے اور پھر بتائیے کہ ہمارے کتنے فیصد گھروں میں نکاح و طلاق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہو رہا ہے۔ رشتوں کے انتخاب سے لے کر پیغام نکاح، عقد و مہر اور نکاح و شادی کے دوسرے مراحل تک، کتنے لوگ ہیں جو اسلامی طریقے پر عمل کرتے ہیں، ایسے خاندان کتنے فیصد ہیں جنھوں نے جہیز، تلک اور جوڑے کے لین دین اور مطالبوں جیسی کافرانہ رسموں کو اپنا کر "سول کوڈ" خوشی خوشی اپنے اوپر نافذ نہیں کر لیا ہے؟

پھر شادی کے بعد کتنے گھر ہیں جہاں خوشگوار گھریلو زندگی کو ساس بہو، نند بھاوج اور سسرال و میکہ کے جھگڑوں اور نسبی و سسرالی رشتوں کی رسہ کشی مکدر نہیں کر رہی ہے؟

پھر طلاق کے واقعات کا بھی جائزہ لیجیے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ۸۰ سے ۹۰٪ تک واقعات میں طلاق بغیر کسی معقول سبب کے دی جا رہی ہے؟ جہاں تک طلاق کے صحیح اسلامی طریقہ کا تعلق ہے تو شاید ایک نہیں ہزار واقعہ میں بھی اسے نہیں برتا جاتا۔ کتنے واقعات میں آپ نے یہ سنا ہے کہ طلاق دینے والے شوہر نے بیوی کو دی ہوئی کوئی چیز واپس نہیں لی بلکہ کچھ تحفے تحائف دے کر عزت و احترام کے ساتھ اسے اپنے گھر سے رخصت کیا؟

راقم الحروف اپنے وطن کی متعدد مظلوم لڑکیوں کے واقعات سے براہ راست واقف ہے جن کے حالات میں قدرِ مشترک یہ جزو ہے کہ صاحبزادے صاحب کو جب اپنی مطلوبہ "جنس" نہیں ملی تو شادی کے چند روز بعد بیوی کو اس کے گھر بٹھا دیا، نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ لے کر جاتے ہیں۔ پھر جب مجبور ہو کر لڑکی والے یہ کہتے ہیں کہ بھئی خدا کے لئے طلاق ہی دے کر لڑکی کو آزاد کر دو تو صاحبزادے

یہ فرماتے ہیں کہ پہلے مہر کے حق سے دستبرداری کی تحریر ملے اور وہ سب چیزیں واپس ہوں، جو مابدولت نے بیوی کو دی تھیں اس کے بعد طلاق دی جائے گی ورنہ اسی طرح معلق رکھا جائے گا۔

ایک طرف تو ازدواجی زندگی کے بارے میں اسلام کے حسین وجمیل دستورِ عمل کو رکھیے، اور دوسری طرف اپنی غالب اکثریت کی اس غیر اسلامی روش کو دیکھئے، اور پھر سوچئے کہ کیا موجودہ صورتحال کی اصلاح ہماری اپنی موجودہ روش کو بدلے بغیر ممکن ہے؟

میرا احساس تو یہ ہے کہ اگر ہمارے اپنے معاشرہ کا عام حال یہ نہ ہوتا تو ہندوستان میں عدل و انصاف اور قانون کی حفاظت کے ذمہ دار اعلیٰ کی زبان سے وہ جملہ نہ نکلتا جس میں انہوں نے اسلام اور ہندو دھرم دونوں میں عورت کی مظلومانہ حیثیت کی دہائی دی ہے اور اگر کسی جذبہ سے مغلوب ہو کر کوئی شخص ایسی بات کہہ بھی دیتا تو اس کی تردید میں کتابوں کے حوالوں کے بجائے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی مسلم آبادی کی معاشرتی زندگی کا حوالہ کافی ہوتا جو کہیں زیادہ مؤثر اور تشفی بخش ہوتا ہے۔ وہ جملہ یہ ہے:

"Na Stree Swatantra marhati" Said MANU, THE LAW GIVER: THE WOMAN DOES NOT DESERVE INDEPENDENCE. AND IT IS ALLEGED THAT THE FATAL POINT IN ISLAM IS THE DEGRADATION OF WOMAN.

(قانون ساز منو نے کہا تھا: عورتیں آزادی کی مستحق نہیں ہیں" اور یہ بات بعینہٖ طور پر کہی جاتی ہے کہ اسلام کا تاریک پہلو یہ ہے کہ اس نے عورتوں کا درجہ گرا دیا ہے۔")

ہندو دھرم اور ہندو سماج میں عورت کا قانونی مقام کیا ہے اور اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جا رہا ہے یہ بحث۔ فی الحال۔ ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے۔ ورنہ ہم اس سلسلہ میں ان کی مذہبی کتابوں کے بیسوں احکام نقل کر سکتے تھے، تاہم ایک عام آدمی جو ان مذہبی کتابوں تک نہیں پہنچ سکتا، اس تک اخبارات کے ذریعہ روزانہ ہندو عورتوں کے جلائے جانے یا خودکشی کرلینے کے واقعات تو پہنچ ہی رہے ہیں۔ بہرحال اب ہندو عورت کی حالت زار

کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے، — بلکہ حال ہی میں ٹائمز آف انڈیا (لکھنؤ) کے ۱۳ر جولائی ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں صفحہ پر (IN BRIEF) "مختصر خبریں" والے کالم میں یہ عجیب و غریب خبر شائع ہوئی ہے:

لندن سے یو۔ پی۔ آئی نے خبر دی ہے کہ (وہاں کے) ہیتھرو ایرپورٹ پر جب ایک ہندو سوامی آئے تو وہاں موجود تمام خواتین مسافروں اور کارکنوں سے کہا گیا کہ وہ یا تو چھپ جائیں یا سوامی جی کی طرف نہ دیکھیں، کیونکہ انکی جھلک پڑتے ہی سوامی جی پر نحوست کے بادل چھا جائیں گے۔ اور ان کا کنوارا پن ٹوٹ جائے گا، ۲۳ سالہ خاتون ارمینیلا کرو نے بتایا کہ مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنا سر دوسری طرف کرلوں، کیونکہ اگر میری نگاہ سوامی جی پر پڑ گئی تو ان کے لئے نحوست کا سبب بن جائے گی، پہلے تو مجھے یہ سب مذاق لگا پھر جب میں نے دیکھا کہ یہ ہدایت مجھے سنجیدگی سے دی جارہی ہے تو مجھے سخت توہین محسوس ہوئی۔

اخبار نے مزید لکھا ہے کہ ہندوؤں کے سوامی نرائن فرقہ کے لیڈر سوامی تری پرکھ کے ماننے والوں کی تعداد ساڑھے تین کروڑ ہے، اور وہ کسی بھی عورت سے کم از کم ۱۵ قدم دور رہنا ضروری سمجھتے ہیں....."

ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر ہمارے قارئین میں سے کسی کو یہ خیال ہو کہ اب ہمارے قلم کا رخ ہندو سماج میں عورت کے حال زار کی تصویر کشی کی طرف ہو جائے گا — سچی بات یہ ہے کہ اسکا قانونی بلکہ اخلاقی حق بھی ہر اس مسلمان کو حاصل ہے جس کے سامنے اس سماج کا کوئی فرد عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرے جس میں خود عورتوں پر ناقابل تصور مظالم کئے جاتے ہوں۔ پس اگر کوئی شخص اس تلقین کے جواب میں ان واعظوں اور ناصحوں کو مخاطب کرکے صرف یہ کہہ دے تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ ؎

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

لیکن ہم اس طرز کو خود اپنے لئے، اور اپنی ملت کے لئے مضر سمجھتے ہیں کیونکہ اس سے اس جھوٹے احساس برتری اور جھوٹے فخر کی اس نفسیات کو شہہ ملتی ہے جس کی وجہ سے دوسروں کی بہ نسبت

بہتر ہونے کے زعم میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے ہم اپنے احتساب اور اپنی اصلاح کی سنجیدہ فکر و کوشش سے غافل ہوگئے ہیں حالانکہ کرنے کا اصل کام، اور اعتراضات اور پروپیگنڈے کا اصل جواب یہی ہے۔

اسی لئے ہمارا یقین ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے، اور اسلام کے عقائد و تعلیمات پر اڑائی جانے والی پروپیگنڈے کی دھول سے اسے نکال کر اسکے حسین و جمیل نقوش دنیا کے سامنے رکھنے کے عظیم کام کے لئے سب سے زیادہ جس کام کی ضرورت ہے وہ یہ کہ پورے اسلام کو مسلمانوں کی زندگی کے اندر زندہ کرنے کی جدوجہد کی جائے اور نسلی مسلمانوں کو اصلی مسلمان بنانے کے کام کو اسکے حق کے مطابق اولیت و اہمیت دی جائے۔

اس سلسلہ میں ایک یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہاں ذکر ایک ایسی قوم کی اصلاح و تربیت کا ہو رہا ہے جس کی غالب اکثریت کو اس سلسلہ میں اپنی محتاجی اور ضرورتمندی کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے، اور دین کو سمجھنے سیکھنے اور برتنے کی طلب بھی اس کے عوام و خواص کی اکثریت میں نہیں ہے۔

اس صورتحال میں کام کے دو تقاضے ہیں۔

ایک تو یہ کہ ان میں پہلے تو دین کی ضرورت، دین کی عظمت کا احساس بیدار کر کے ان کے اندر اسے سیکھنے سمجھنے اور برتنے کا طالبانہ جذبہ بیدار کیا جائے اور ماننے اور عمل کرنے کی استعداد پیدا کی جائے، جو زندہ ماحولوں میں رہے بغیر اور دین کے لئے بدن کو کچھ تھکائے بغیر اور وقت و مال کی قربانی کے بغیر ممکن نہیں۔ اور پھر مساجد میں درس قرآن و حدیث کے حلقوں، جمعہ کے خطبہ سے پہلے کی مختصر تقریروں اور نشر و اشاعت اور تعلیم و تربیت کے دوسرے وسائل کو بھی استعمال کر کے زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام کو ان کی عظمت کے بیان اور ان کی حکمتوں کی تشریح کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے رکھا جائے جن کے اندر عمل کی استعداد اور ماننے کا جذبہ کسی درجہ میں بیدار ہو چکا ہو اور پھر اگلے مرحلے میں جب کہ علاقہ میں زمین ہموار ہوجائے تو ......

...... معاشرت و معاملات کے سلسلہ کے اللہ تعالیٰ کے احکام پر صحیح عملدرآمد کی

نگہداشت کیلئے امارت کا اجتماعی نظام بھی صحیح خطوط پر قائم کرنے کی کوشش کی جائے،

مقام شکر ہے کہ یہ دونوں کام کسی نہ کسی درجے میں ہمارے ملک میں ہو رہے ہیں۔ ان کے نتائج نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان بنے بنائے نقشوں سے کھلے دل سے فائدہ اٹھایا جائے اور کسی قسم کی گروہی عصبیت یا شخصی تعلق کو اس راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔

یہ ناچیز راقم سطور آخر میں اس طرف بھی اشارہ ضروری سمجھتا ہے کہ اگر ہم نے اپنی قوم کو خصوصاً نوجوانوں کو کرنے کے مثبت کاموں میں نہ لگایا تو حالات کی مار انھیں انتہائی تدبیروں کی طرف لے جائے گی جن کا مشورہ کوئی سمجھدار موجودہ حالات میں نہیں دے سکتا، جو لوگ ہمارے بڑوں کو احتجاجوں اور مظاہروں میں گھسیٹ رہے ہیں وہ امت کے ساتھ ان بڑوں پر بھی زیادتی کر رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کی طرف نسبت رکھنے والے معمولی سے طالب علم کا منصب و مقام یہ ہے کہ وہ قرآنی و نبوی مزاج و منہاج کے مطابق امت کی دنیوی و اخروی صلاح و فلاح کے لیے کی جانے والی ہر جد و جہد میں امت کو اور اس کے تمام طبقوں کو حکمت و بصیرت کے ساتھ استعمال کرے، نہ یہ کہ وہ لوگ جن کو کہ اسلام کی بصیرت حاصل نہیں ہے (خواہ درد و فکر کی دولت انھیں کتنی ہی حاصل ہو) اہل علم کو استعمال کرنے والے بن جائیں۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد، اور غلطیوں اور خطاؤں پر اس سے استغفار اور اسکے نبی سیدنا وسید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) پر درود و سلام ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی

اثنا عشریہ سے متعلق اکابر علماء کا فتویٰ

دلائل کی روشنی میں مزید وضاحت

الفرقان کے گذشتہ شمارے (بابت مئی) میں ایک فتویٰ زیر عنوان "شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں قریباً ۶۰ سال پہلے کا اکابر علماء کا متفقہ فتویٰ"، شائع ہوا تھا۔ اس میں اصل فتویٰ حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی علیہ الرحمۃ کا تحریر فرمایا ہوا تھا، اور اس میں اثنا عشریہ کے صرف عقیدۂ تحریف قرآن کو تکفیر کی بنیاد قرار دیا گیا تھا، اور اس کے بارے میں بھی کسی تفصیل و وضاحت کی اور کتابوں کے حوالوں کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی، اس کے لیے حضرت مولانا نے اپنی تصنیف "تنبیہ الحائرین"، کا حوالہ دینا کافی سمجھا تھا۔ (اور فی الواقع "تنبیہ الحائرین"، کے مطالعہ کے بعد اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہی ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے، اسمیں رد و بدل بھی ہوا ہے، اور کمی و بیشی بھی۔ اور جس شخص یا فرقہ کا یہ عقیدہ ہو، وہ بلاشبہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔)

الفرقان میں اس فتوے کی اشاعت کے بعد بعض اہل علم کے بھی خطوط آئے کہ اس مسئلہ پر زیادہ وضاحت سے لکھا جائے، اور مزید روشنی ڈالی جائے، انھیں دنوں میں معلوم ہوا کہ یہی فتویٰ ایک مقدمہ اور چند ضمیموں کے ساتھ پاکستان میں بھی شائع ہوا ہے۔ پھر اس کا ایک نسخہ راقم سطور کو حاصل بھی ہو گیا۔ اس کو جناب مولانا سید صادق حسین بخاری (صدر سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ جھنگ، پاکستان) نے مرتب فرمایا ہے۔ شروع میں خود محترم مرتب کا مقدمہ ہے۔ اور آخر میں چند ضمیمے ہیں۔

اس کے مطالعہ کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ اس مقدمہ اور ان ضمیموں کے مضامین پر کچھ اضافہ کے ساتھ ایک مضمون مرتب کر دیا جائے، اور اس کو فتوی کے ضمیمہ کے طور پر شائع کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس فتوی کے بارے میں جس مزید وضاحت کی ضرورت بعض حضرات محسوس کر رہے ہیں، وہ انشاء اللہ اسی سے پوری ہو جائے گی۔ واللہ الموفق وھو المستعان۔

ایک ضروری تنقیح

ایمان و اسلام اور کفر کی حقیقت اور ان کی حدود

سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان و اسلام اور کفر کی حقیقت کیا ہے۔ اور ان کی کیا حدود ہیں۔ اور کسی شخص یا فرقہ کو کب مومن و مسلم یا کافر و دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دل سے اللہ کا رسول مانا جائے، اور جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلائیں، اس سب کی تصدیق اور اس کو قبول کیا جائے۔ اور اس پر ایسا یقین کیا جائے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ان کی کسی ایک ایسی بات کا بھی انکار کرنا اور اس کو قبول نہ کرنا موجب کفر ہو گا۔ البتہ جن مسلمانوں نے حضورؐ کا زمانہ نہیں پایا۔ اور ان کو آپ کی تعلیم بالواسطہ پہونچی (جیسا کہ ہمارا حال ہے) ان کے لئے یہ حیثیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صرف انہی تعلیمات اور احکام کی ہو گی جو ایسے قطعی اور یقینی طریقہ سے ثابت ہیں جن میں کسی شک و شبہ کی اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً یہ بات کہ آنحضرتؐ نے شرک و بت پرستی کے خلاف توحید کی تعلیم دی، قیامت و آخرت اور جنت و دوزخ کی خبر دی۔ ایک مستقل مخلوق کی حیثیت سے فرشتوں کے وجود کی اطلاع دی۔ قرآن پاک کو ہمیشہ

محفوظ رہنے والی اللہ کی کتاب اور اپنے کو اللہ کا آخری نبی تبلایا جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف
سے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور مثلاً پانچ وقت کی نماز۔ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ و حج
کے فرض ہونے کی تعلیم دی، اور اس طرح کی اور بھی بہت سی دینی حقیقتیں اور دینی احکام
ہیں جن کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے کے بارے میں کسی شک و شبہ کی
گنجائش نہیں۔ تو کسی کے مومن و مسلم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی تمام باتوں کی تصدیق
کی جائے، ان کو دل سے مانا جائے قبول کیا جائے۔ اور ایسی کسی ایک بات کا انکار بھی موجب
کفر ہو گا۔ مثلاً کوئی بدبخت کہے کہ میں توحید، رسالت، نماز، روزہ وغیرہ سب باتوں کو تو مانتا
ہوں، لیکن قیامت اور جنت و دوزخ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے میں اس کو
نہیں مانتا۔ یا مثلاً کہے کہ میں یہ تو مانتا ہوں کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ سب برحق ہے لیکن
میں یہ نہیں مانتا کہ وہ خدا کا کلام ہے۔ بلکہ میرے نزدیک وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا کلام ہے (جیسا کہ قریب ہی زمانے میں ہمارے ملک کے بعض ملحدین نے کہا اور لکھا بھی تھا) یا
مثلاً کہے کہ میں یہ نہیں مانتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا
اور آپ کے بعد کبھی کوئی نبی نہیں آئے گا (جو قادیانیوں کا موقف ہے) تو ظاہر ہے کہ اس
کا یہ عقیدہ اسلام سے اس کے رشتہ کو کاٹ دے گا۔ اور اس کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج
قرار دیا جائے گا، اگرچہ وہ اور تمام ایمانیات کا اقرار کرتا ہو، نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو
زکوٰۃ اور حج ادا کرتا ہو، اس کے باوجود اس کو کافر ہی کہا جائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے
لئے قادیانیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اس کے بعد گذارش ہے کہ "اثنا عشریہ" سے متعلق اکابر علماء کا جو فتویٰ الفرقان کے
گذشتہ شمارے میں شائع ہوا تھا، اور اب اس کے ضمیمہ کے طور پر جو لکھا جا رہا ہے۔ ناظرین
کرام ایمان و اسلام اور کفر کی اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو سطور بالا میں بیان کی گئی
ہے۔ ان کا مطالعہ فرمائیں۔

جناب مولانا سید صادق حسین صاحب کا مقدمہ

جناب مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب نے اپنے مقدمہ

میں شیعوں کی مسلم و مستند کتابوں سے زیادہ تر وہ عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جن میں خاص طور سے حضرات شیخین (سیدنا ابو بکر صدیق رضی اور سیدنا فاروق اعظم رضی) کو منافق و کافر بلکہ فرعون وہامان سے بھی بدتر درجہ کا کافر بتلایا گیا ہے، اور دوزخ کے بدترین اور سخت ترین عذاب میں ان کو گرفتار دکھلایا گیا ہے، اور ان پر لعنت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بدبخت شخص یا فرقہ شیخین کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھے، کسی صاحب ایمان کو اس کے کفر میں شک نہیں ہو سکتا، کیونکہ حضرات شیخین کا مومن صادق، اور مقبول بارگاہ خداوندی اور جنتی ہونا صرف تاریخی مسئلہ نہیں ہے بلکہ قرآن پاک کی بہت سی آیات نے ان کے (دوران کے رفقاء حضرت عثمان و حضرت علی اور تمام سابقین اولین من المہاجرین والانصار رضی اللہ عنہم کے بھی) مومن کامل، مقبول بارگاہِ خداوندی اور جنتی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی بے نظیر تصنیف "ازالۃ الخفاء" میں ان آیات پر مفصل کلام فرمایا ہے، ان کے بعد حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی نے ان آیتوں کی تفسیر میں مستقل رسائل لکھے ہیں۔ جن کا مطالعہ کر کے ہر وہ شخص جو عقل سلیم اور نور ایمان سے محروم نہیں کیا گیا ہے، اسی نتیجے پر پہونچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں خاص معجزانہ انداز میں حضرات شیخین اور ان کے تمام رفقاء کے مومنین صادقین اور جنتی ہونے کی شہادت محفوظ کر دی ہے، پھر ان قرآنی آیات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ بالمعنی کی شہادت بھی یہی ہے، ان قرآنی آیات اور بے شمار احادیث کے سامنے آجانے کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے مومن صادق اور جنتی ہونے کی شہادت دی ہے۔ لہٰذا جو شخص یا فرقہ حضرات شیخین ... ... رضی اللہ عنہم کو منافق کافر اور معاذ اللہ جہنمی کہتا ہے، وہ قرآنی آیات اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ کی تکذیب کرتا ہے، اور اس کا رشتہ اسلام سے کٹ جاتا ہے۔

ہمارے فقہائے کرام اور اصحاب فتویٰ نے اپنی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے کہ جو بدبخت حضرات شیخین کی شان میں گستاخی کرے، ان کو منافق و کافر ... ...

کہے، اور ان پر لعنت کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

مولانا سید صادق حسین بخاری نے اپنے مقدمہ میں شیعہ اثنا عشریہ کی تکفیر کے سلسلہ میں اسی پہلو سے زیادہ کلام کیا ہے۔ شروع میں انھوں نے ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی کی "کتاب الروضہ" سے جو مذہب شیعہ کی مستند ترین کتابوں میں سے ہے، دو روایتیں نقل فرمائی ہیں جن میں حضرات شیخین کو (معاذ اللہ) منافق و کافر اور جہنمی کہا گیا ہے، اور ان پر لعنت کی گئی ہے، اس کے بعد مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم، ان کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی کی کتاب "جلاء العیون" سے (جو فارسی زبان میں ہے) اسی سلسلہ میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں، ہم ناظرین کی سہولت فہم کے لئے ان عبارتوں کا عام فہم آزاد ترجمہ کریں گے۔

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام جناب مولانا سید صادق حسین صاحب بخاری کے مقدمہ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کلینی نے کتاب الروضہ میں پوری سند کے ساتھ شیعوں کے ساتویں امام معصوم ابو الحسن موسیٰ کا ایک طویل مکتوب روایت کیا ہے، اس کے آخری حصہ میں شیخین کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

فلعمری لقد نافقا قبل ذالک وردا علی اللہ جل ذکرہ کلامہ وھزیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھما الکافران علیھما لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔

(کتاب الروضہ صفحہ ۱۲۵ طبع لکھنؤ)

میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ دونوں پہلے سے منافق تھے، انھوں نے اللہ کے کلام کو رد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ تمسخر اور مذاق کیا۔ وہ دونوں قطعی کافر ہیں ان پر اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت۔

۲۔ اور اسی کتاب الروضہ میں شیعوں کے پانچویں امام معصوم امام باقر کا یہ ارشاد شیخین کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔

ان الشیخین فارقا الدنیا ولم

یہ دونوں دنیا سے چلے گئے اور انھوں نے

میتو یا ولم یتن اکراما صنعا بامیر المومنین علیہ السلام فعلیھما لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین

(صفحہ ۱۱۵)

امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے توبہ نہیں کی اور اس کو یاد بھی نہیں کیا، تو اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ۔

۳ ۔ ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں حضرت علیؑ سے منسوب کر کے یہ روایت نقل کی ہے ۔

در جہنم تابوت ہست کہ دوازدہ کس دراں تابوت ہستند ۔ شش کس از گزشتگاں وشش نفر از ایں اُمت ، وآں تابوت در چاہے ہست در قعر جہنم وبر آں چاہ سنگے افتادہ است کہ حق تعالیٰ ہر گاہ بخواہد کہ جہنم را مشتعل سازد امر میفرماید کہ آں سنگ را از سر چاہ بردارند ۔ چوں سنگ را برمیدارند جمیع جہنم مشتعل شود از حرارت آں چاہ ۔ پس من در حضور شما پرسیدم کہ آنہا کیستند ؟ فرمود کہ اما از پیشینیاں پس ایں شش نفر ، قابیل ، وفرعون ونمرود وپے کنندہ ناقہ صالح ودو کس از بنی اسرائیل کہ بعد از موسیٰ وعیسیٰ دین ایشاں را تغیر دادند ، وامت ایشاں را گمراہ کردند ۔ اما ازیں اُمت پس دجال است وپنج نفر ابوبکر وعمر و ابو عبیدہ بن جراح وسالم مولیٰ حذیفہ

جہنم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ آدمی بند ہیں، چھ پچھلی امتوں کے، اور چھ اس امت کے، اور وہ صندوق جہنم کے ایک آتشی کنوئیں میں ہے اور وہ کنواں ایک پتھر سے بند کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب جہنم کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا، تو حکم فرمائے گا، کہ جس پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹا دیا جائے، جب وہ پتھر ہٹا دیا جائے گا تو اس کنوئیں کی آگ سے سارا جہنم بھڑک اٹھے گا (آگے راوی کہتا ہے) میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق میں بند ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے چھ آدمی تو یہ ہیں ۔ قابیل، نمرود، فرعون اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل ۔ اور بنی اسرائیل میں سے وہ دو آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے بعد ان کے دین کو بدل ڈالا اور ان کی امتوں کو گمراہ کیا ۔ اور اس امت

وسعد بن العاص۔ (جلاء العیون ص ۱۵۹)

کے چھ آدمی یہ ہیں، دجال اور ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ بن الجراح، سالم مولیٰ حذیفہ اور اور سعد بن العاص۔

راقم سطور محمد منظور نعمانی عرض کرتا ہے کہ اسی مجلسی نے جہنم کے اس آتشی تابوت کی روایت جس میں بارہ آدمی بند ہیں، جن میں (معاذ اللہ) شیخین بھی ہیں، اپنی دوسری کتاب حق الیقین میں بھی ذکر کی ہے۔ (حق الیقین ص ۵۰۲)

۴۔ اور اسی جلاء العیون میں ملا باقر مجلسی نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر و عمر (۱۴۴)

وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسول پر ہرگز ایمان نہ لائے، یعنی ابوبکر اور عمر۔

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ملا باقر مجلسی نے یہ روایت "حق الیقین" میں بھی ذکر کی ہے ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر، پس لعنت خدا و رسول بر ایشاں باد، و بر ہر کہ ایشاں را مسلمان داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید۔

(جلاء العیون ص ۱۴۵)

کسی صاحب عقل کے لئے اس کی مجال اور گنجائش نہیں ہے کہ عمر کے کافر ہونے میں شک کرے، پس خدا و رسول کی لعنت ہو عمر پر اور ہر اس شخص پر جو اس کو مسلمان جانے اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے (یعنی لعنت کرنے سے زبان کو روکے)

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہ بدبخت مجلسی خاص کر حضرت فاروق اعظم رض کے بارے میں اس قدر بدزبان ہے کہ اپنی تصانیف میں ان کا ذکر کرتا ہے تو لکھتا ہے "عمر بن الخطاب علیہ اللعنۃ والعذاب"

جناب مولانا صادق حسین بخاری نے اپنے مقدمہ میں مجلسی کی "جلاء العیون" ہی سے اور بھی متعدد ایسی عبارتیں نقل کی ہیں، جن میں حضرات شیخین کو منافق و کافر کہا گیا ہے، اور ان کی شان میں انتہائی درجہ کی دل خراش گستاخیاں کی گئی ہیں (اور یہ سب شیعوں کے ائمہ معصومین کی روایات اور ان کے ارشادات کی حیثیت سے کتاب میں درج کی گئی ہیں) ہم ان سب خرافات کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ البتہ مجلسی ہی کی دوسری کتاب "حق الیقین" سے بھی ایک روایت حضرات شیخین ہی سے متعلق نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ حضرات شیخین کے بارہ میں شیعی عقیدے اور اصل شیعی ذہنیت کو سمجھنے کے لئے تنہا یہ روایت کافی ہے، مجلسی نے یہ روایت "حق الیقین" میں شیخ مفید کی کتاب "اختصاص" کے حوالہ سے امام جعفر صادق سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ وہ شیعوں کے بارہویں امام کے غائب اور غار میں روپوش ہو جانے کے بعد (غیبت صغریٰ کے زمانے میں) سفیروں کے ذریعہ ان سے خط و کتابت کرتے تھے، شیعوں کی معتبر کتاب "احتجاج طبرسی" میں ان کے نام امام غائب کے خطوط موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتمدین میں سے تھے[1] اس لئے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ روایت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے، اسی لئے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس پوری روایت کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ (نقل کفر کفر نباشد) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ۔

شیخ مفید در کتاب اختصاص از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمود کہ روزے بیرون رفتم از پشت کوفہ، و قنبر در پیش روئے من راہ می رفت ناگاہ ابلیس پیدا شد، گفتم من کہ

شیخ مفید نے "کتاب اختصاص" میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام نے بیان فرمایا، کہ ایک دن میں شہر کوفہ کے پیچھے باہر گیا، اور قنبر (خادم و غلام) میرے آگے جا رہا تھا کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آگیا۔ میں

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھا جائے۔

عجب پیر گمراہ شقی ہستی تو! گفت چرا ایں را می گوئی یا امیر المومنین ع بخدا سوگند ترا حدیثے نقل کنم از خود و از خدا وند عزوجل، و در مابین ما ثالثے نہ بود، بدرستیکہ چوں مرا بزمین فرستاد خدا بسبب آں خطائے کہ کردم۔ چوں بآسمانے چہارم رسیدم، ندا کردم کہ الہیٰ و سیدی گمان ندارم کہ از من شقی تر خلقے آفریدہ باشی، حق تعالیٰ وحی فرمود سوئے من کہ بلکہ آفریدہ ام خلقے را کہ از تو شقی تر است، برو بسوئے خازن جہنم تا صورت او را و جائے او را بتو بنماید۔ رفتم بسوئے مالک و گفتم خدا وند تو را سلام میرساند و می فرماید کہ بہ من بنمائے کسے را کہ از من شقی تر است مالک مرا بر د بسوئے جہنم و سر پوش بالائے جہنم را بر داشت، آتشے

نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ بدبخت ہے تو! اس نے کہا اے امیر المومنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں، خدا کی قسم کھا کے میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں، جو میرے اور خداوند عزوجل کے درمیان ہوئی، اور ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے میری اس خطا کی بنا پر جو میں نے کی تھی آسمان سے زمین پر بھیجدیا، تو جب میں چوتھے آسمان پر پہونچا، تو میں نے خداوند عزوجل سے عرض کیا کہ اے میرے خدا اور میرے مالک و آقا، میں گمان نہیں کرتا کہ تو نے مجھ سے زیادہ شقی اور بدبخت کوئی مخلوق پیدا کی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو تجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے، تو جہنم کے داروغہ کے پاس جا۔ تاکہ وہ تجھ کو اس مخلوق کی صورت اور اس کی جگہ دکھلا دے۔ تو

حاشیہ صفحہ گذشتہ لے امام غائب اور انکے خطوط کے بارے میں یہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے، ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے۔ اس کیلئے راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، خمینی اور شیعیت" کا مطالعہ کیا جائے۔ صفحہ ۱۶۸ تا ۱۷۰۔

سیاہ بیروں آمد کہ گماں کردم کہ
مرا و مالک را خواہد خورد، مالک
باں گفت کہ ساکن شو، ساکن شد،
پس مرا برد بطبقہ دوم۔ آتشے بیروں
آمد ازاں سیاہ تر و گرم تر، پس گفت
ساکن شو، ساکن شد، و ہمچنیں کہ بہر
مرتبہ اے کہ میبرد از مرتبہ سابق
تیرہ تر و گرم تر بود تا بطبقہ ہفتم
برد، آتشے ازاں بیروں آمد کہ گمان
کردم کہ مرا و مالک را و جمیع انچہ خدا
آفریدہ است خواہد سوخت، پس
دست بدیدہائے خود گزاشتم و گفتم
اے مالک امر کن او را کہ سرد و
ساکن شود والا می میرم، مالک گفت
تو نخواہی مرد تا وقت معلوم، پس صورت
دو مرد را دیدم کہ در گردن ایشاں
زنجیرہائے آتش بود، و ایشاں را
بجانب بالا آویختہ بودند بر سر آنہا
گروہے ایستادہ بودند گرزہائے
آتش در دست داشتند و برایشاں
می زدند، گفتم مالک، اینہا کیستند؟
گفت مگر نخواندی انچہ در ساقِ
عرش نوشتہ بود، و من دیدہ بودم

میں جہنم کے داروغہ کے پاس گیا اور میں
نے اس سے کہا کہ خداوند عزّ وجلّ تجھ کو
سلام کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مجھے اس
آدمی کو دکھلا دے جو تجھ سے بھی زیادہ شقی اور
بدبخت ہے تو وہ مجھے جہنم کی طرف لے گیا
اور جہنم کے اوپر جو سرپوش تھا وہ اس نے
اٹھایا، اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی آگ باہر
نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ
جہنم کو بھی کھا جائے گی، داروغہ جہنم نے اس
سے کہا کہ ساکن ہو جا، تو وہ ساکن ہو گئی
پھر وہ مجھے جہنم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا
تو اس میں سے ایسی آگ نکلی جو پہلی والی آگ
سے بھی زیادہ سیاہ اور گرم تھی، تو داروغہ
جہنم نے اس آگ سے کہا کہ ساکن ہو جا۔
تو وہ ساکن ہو گئی، اسی طرح داروغہ جہنم جس
طبقہ میں مجھے لیجاتا اس میں سے ایسی آگ
نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی آگ سے
زیادہ تیرہ و تار اور زیادہ گرم ہوتی، یہاں
تک کہ وہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقے میں لے گیا
اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ
یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی اور اللہ کی
پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم کر
دے گی، تو میں نے اس آگ کی دہشت اور

کہ خدا بر ساق عرش دو ہزار سال
پیش از آنکہ دنیا را یا آدم را خلق
کند نوشتہ بود "لا الٰہ الا اللّٰہ
محمد رسول اللّٰہ ایدتہ ونصرتہ
بعلی" اینہا دو دشمن ایشان و
دو ستم کنندہ بر ایشانند، یعنی ابوبکر
و عمر۔

(حق الیقین ص ۵۰۹ و ۵۱۰)

خوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور
اس طرح آنکھیں بند کرلیں، اور میں نے
داروغہ جہنم سے کہا کہ اس آگ کو حکم دو کہ یہ
ٹھنڈی اور ساکن ہو جائے، ورنہ میں مر
جاؤنگا، داروغہ جہنم نے کہا تو ہرگز اس
وقت تک نہیں مرے گا، جب تک وہ وقت
نہ آجائے جو تیری موت کے لئے خدا کیطرف
سے مقرر اور اس کے علم میں ہے (آگے
ابلیس بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنم کے
اس ساتویں طبقے میں دو آدمیوں کو دیکھا
کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں،
اور ان کو اوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے اور
اُن کے سر پر دو گروہ کھڑے ہیں اور آگ کے
گرز ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ اُن
دونوں آدمیوں پر آگ کے وہ گُرز مارتے ہیں
میں نے کہا کہ اے داروغہ جہنم یہ دونوں کون
ہیں؟ اس نے کہا کہ تو نے وہ نہیں پڑھا جو
عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا؟ (ابلیس کہتا
ہے کہ) میں نے دیکھا تھا کہ خدا نے دنیا
کے یا آدم کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال
پہلے لکھ دیا تھا کہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد
رسول اللّٰہ ...... بعلی" (کوئی معبود
نہیں اللّٰہ کے سوا، اور محمد اللّٰہ کے رسول

ہیں، ہیں نے محمد کی مدد علی کے ذریعہ کی اور
قوت بخشی، یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں
آتشی زنجیریں ہیں اور جن پر آگ کے گرزوں
کی مار پڑ رہی ہے) یہ دونوں علی کے دشمن
اور ان پر ظلم و ستم کرنے والے ہیں یعنی یہ ابوبکر
اور عمر ہیں۔

ہمیں اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ اس طرح کی ساری خرافاتی روایتوں کا اصل سرچشمہ ابلیس ملعون ہی ہے، اسی کے القاء و تلقین سے ان لوگوں نے جو شیعہ مذہب کے اصل بانی اور موجد ہیں، حضرت جعفر صادق وغیرہ ان بزرگوں کے نام سے جو شیعوں کے نزدیک ائمہ معصومین ہیں اس طرح کی روایتیں گھڑ کے ان لوگوں میں پھیلائی ہیں جو محبت اہل بیت کے عنوان سے ان کے فریب کا شکار ہو گئے، ان روایتوں کا شاید سب سے بڑا خزانہ ملا باقر مجلسی کی کتابیں ہیں جو شیعی دنیا میں غالباً سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ یہاں تک کہ روح اللہ خمینی صاحب نے جو اس وقت شیعی دنیا کے گویا امام اور امام غائب کے نائب و قائمقام ہیں اپنی فارسی کتاب "کشف الاسرار" میں ایسے لوگوں کو جو صرف فارسی زبان کی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے ملا باقر مجلسی ہی کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے (کشف الاسرار صـ۱۲۱) اور خاص کر مجلسی کی کتاب "حق الیقین" ہے جس سے مذکورہ بالا شیطان والی روایت نقل کی گئی ہے) خمینی صاحب نے اسی کشف الاسرار میں اس کے حوالوں سے روایات نقل کی ہیں، یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ مجلسی کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہی اثنا عشریہ کا مذہب ہے۔

اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا مجلسی نے یہ شیطان والی روایت شیخ مفید کی کتاب "اختصاص" کے حوالے سے نقل کی ہے اور شیخ مفید کا شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک جو مقام ہے وہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہرحال اس شیطانی روایت کے مطالعہ کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ شیخین (حضرت صدیق اکبرؓ اور

فاروق اعظمؓ) صرف کافر ومنافق ہی نہیں ہیں، بلکہ (معاذ اللہ) ابوجہل وابولہب، فرعون وہامان حتیٰ کہ شیطان ملعون سے بھی زیادہ شقی ہیں۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

اب حضرات اہل علم واصحاب فتویٰ غور فرمائیں کہ ملا باقر مجلسی کی جلاء العیون اور حق الیقین سے جو چند عبارتیں اوپر نقل کی گئی ہیں (جو فی الحقیقت مشتے نمونہ از خروارے ہیں[۱]) ان سے حضرات شیخین کے بارہ میں اثنا عشریہ کا جو عقیدہ معلوم ہوا، کیا اس عقیدہ کے موجب کفر ہونے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہے۔؟

ہرگزم باور نمی آید ز روئے اعتقاد   ایں ہمہ را گفتن ودین پیمبر داشتن

مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب نے اپنے مقدمہ میں، فتح القدیر، درمختار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ وفتاویٰ اور مختلف ادوار کے علمائے محققین کی چند وہ عبارتیں بھی نقل فرمائی ہیں جن میں سب شیخین (یعنی صدیق اکبر وفاروق اعظمؓ کی شان میں گستاخی وبدگوئی) ان کی خلافت کے انکار، ان کی تکفیر اور ان پر لعنت کو اور حضرت صدیق اکبر کی صحابیت کے انکار کو بھی موجب کفر قرار دیا گیا ہے، آخر میں مولانا موصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کی تکفیر سے متعلق متعدد علمائے کرام کے فتوے بھی نقل کیے ہیں۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب کے اس مقدمہ سے متعلق تھا اور ایک گونہ اس کی وضاحت تھی جو انھوں نے اثنا عشریہ سے متعلق اکابر علماء کے اس فتوے پر لکھا ہے جو الفرقان کے گزشتہ شمارہ میں شائع کیا گیا تھا، مولانا موصوف نے اپنے اس مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ وہ فتویٰ شائع کیا ہے[۲] اور آخر میں اس کے ساتھ دو ضمیمے اور چند تائیدی فتوے بھی شامل کر دیے ہیں۔

---

[۱] راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، خمینی اور شیعیت" میں صفحہ ۱۹۰ سے ۲۲۰ تک حضرات شیخین کے بارہ میں شیعوں کی اصح الکتب، الجامع الکافی سے اور مجلسی کی تصانیف سے جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ بھی ضرور ملاحظہ فرمائی جائیں۔

[۲] مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب نے حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب کے (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

پہلا ضمیمہ مولانا محمد صاحب رفیق دار المبلغین کے قلم سے ہے اس میں انھوں نے شیعوں کے چار موجب کفر عقائد کا ذکر کیا ہے، ایک[۱] عقیدہ تحریفِ قرآن، دوسرے[۲] عقیدہ بدا، تیسرے[۳] حضرات شیخین کی شان میں گستاخی۔ ان کی تکفیر اور ان پر لعنت۔ چوتھے[۴] عقیدہ امامت، جس سے عقیدہ ختم نبوت کی نفی ہوتی ہے۔ پھر علمائے متقدمین و متاخرین کی کتابوں کے حوالہ سے وہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں، جنمیں ان عقائد کی بنیاد پر شیعوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا ہے۔ ان میں یہ کتابیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ کی "کتاب الشفاء"، شیخ عبد القادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ کی "غنیۃ الطالبین"، علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی "شرح فقہ اکبر"، علامہ بحر العلوم لکھنوی متوفی ۱۲۲۵ھ کی "فواتح الرحموت" ابن عابدین شامی کی "ردالمحتار"، اور "فتاوی عالمگیری"۔ اس سلسلہ میں سب سے آخر میں شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی "تفہیماتِ الٰہیہ" سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔

در حقیقت ختم نبوت را منکر اند، گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفتہ باشند۔ (تفہیمات الٰہیہ ص ۲۴۴)

در حقیقت یہ شیعہ اثنا عشریہ (عقیدہ امامت کی وجہ سے) ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہوں۔

دوسرا ضمیمہ مولانا احمد عباس رفیق دار المبلغین کے قلم سے ہے، اس میں امام ابن حزم اندلسی کی "کتاب الفصل"، قاضی عیاض کی "کتاب الشفاء"،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تحریر فرمائے ہوئے فتوے کا جو متن شائع کیا ہے اس میں کچھ الفاظ اور جملوں کا اضافہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نے فتوے کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت نظر ثانی فرمائی ہے اور ان الفاظ اور جملوں کا اضافہ فرمایا ہے، اصل فتویٰ وہی ہے جو الفرقان کے گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ محمد منظور نعمانی

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی "الصارم المسلول"۔ یہ وہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں جن میں شیعہ اثنا عشریہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ (ان دونوں ضمیموں میں جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، وہ انشاء اللہ ناظرین کرام آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے)

مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب نے ان دو ضمیموں کے بعد چند فتوے بھی شامل فرمائے ہیں، ان میں سب سے پہلا "جامعہ اسلامیہ ڈابھیل" کا فتویٰ ہے، جو جامعہ کے اس دور کے مفتی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا تحریر فرمایا ہوا ہے، اس کا متن حسب ذیل ہے۔

روافض کا جو طبقہ غالیہ صحبت صدیق اکبرؓ (یعنی ان کے صحابی رسول ہونے) کا منکر ہے، صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھتا ہے، سبّ شیخین اس کا شعار ہے، وہ اہل اسلام کے متفقہ فیصلہ کے مطابق کافر و مرتد ہے مسلمانوں کو اس کے ساتھ مناکحت قائم کرنا، اس کے جنازہ میں شریک ہونا اور اس کے میت پر نماز پڑھنا، یا دوسرے اسلامی یا معاشرتی علائق و روابط باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔ کتبہ ۔ عتیق الرحمٰن عثمانی[1]

مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۔ ۱۴ ر شوال ۱۳۴۹ھ

(ماخوذ از ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ بابت مئی ۱۹۳۱ء)

---

[1] ندوۃ المصنفین دہلی کے بانی اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (جنہوں نے ابھی صرف ۴ مہینے پہلے مئی ۸۴ء میں وفات پائی) ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۷ء) تک دارالعلوم دیوبند میں استاذ اور نائب مفتی تھے۔ اسی ۱۳۴۵ھ کے اواخر میں کچھ اختلافات کی بنا پر دارالعلوم کے بعض اکابر اساتذہ نے دارالعلوم سے قطع تعلق کر لیا، انکے ساتھ مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب نے بھی استعفا دیدیا، اور پھر یہ سب حضرات ڈابھیل (ضلع سورت، گجرات) کے جامعہ اسلامیہ میں چلے گئے، وہاں مفتی عتیق الرحمٰن صاحب جامعہ کے مفتی بھی تھے، اور استاذ بھی۔ اسی زمانہ میں انھوں نے کسی کے سوال کے جواب میں یہ فتویٰ لکھا تھا۔ اور ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ (پنجاب) کے مئی ۱۹۳۱ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب نے اسی سے یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔ محمد منظور نعمانی۔

مولانا سید صادق حسین بخاری صاحب نے دوسرا اہم تائیدی فتویٰ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت فیوضہم کا نقل فرمایا ہے، مفتی صاحب موصوف کو یہ شرف وامتیاز حاصل ہے کہ ابتدائے عمر ہی سے ان کو حکیم الامت حضرت تھانوی کی تربیت وسرپرستی نصیب رہی، پھر وہ حضرت ہی کے زیر سایہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے وابستہ رہے اور فتویٰ نویسی اور تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دیتے رہے، ملک کی تقسیم کے بعد وہ پاکستان منتقل ہو گئے، لاہور کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ کے وہی مفتی ہیں۔ ان کے تائیدی فتوے کا متن درج ذیل ہے۔

مبسملاً ومحمداً ومصلیاً ومسلماً۔ جو شیعہ کسی قطعی ویقینی حکم کے منکر ہیں کافر ہیں، خواہ حضرت علی کو خدا، یا ان میں خدا تعالیٰ کا حلول، یا اصل نبی حضرت علی کو اور جبرئیل علیہ السلام کا غلطی سے وحی محمد کو دینا یا حضرت ابو بکر صدیق کو غیر صحابی، یا حضرت عائشہ پر تہمت، یا قرآن شریف میں ردوبدل کے قائل ہونا ان سے کسی مسلمان مرد وعورت کا نکاح درست نہیں۔ بالکل باطل ہے، ایسے ہی ذبیحہ وجنازہ وغیرہ ۔۔۔ اور جو شیعہ عقائد اہل سنت والجماعت کے موافق رکھتے ہیں، مگر نوحہ وماتم وتعزیہ وتفضیل علی میں مبتلا ہیں وہ کافر تو نہیں بدعتی ہیں۔ مگر مسلمان عورت کے کفو نہیں۔ پھر ان کے یہاں تقیہ کے عبادت ہونے سے کسی بات پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خود اس کی برات معتبر نہ ہوگی، اس پر بعض نئے لوگوں کے شبہات کے جوابات حضرت حکیم الامت مخدومی مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۵۲ پر دیکھے جائیں۔ فقط جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

۲۸ - ج ۲ ۱۴۰۵ھ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی دامت فیوضہم کے اس فتوے پر جامعہ اشرفیہ اور پاکستان کے مختلف مقامات کے دینی مدارس کے علماء واصحاب فتویٰ کی تصدیقات ہیں ان کے علاوہ بعض مستقل تائیدی فتوے بھی ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تائید

اور

اشکالات وشبہات کے جوابات

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے اپنے مندرجہ بالا جواب کے آخر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے شیعوں کی تکفیر کے فتوے سے متعلق "بعض نئے لوگوں کے شبہات کے جوابات"، کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے لئے امداد الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۵۳۱ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ یہ دراصل اس مسئلہ سے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کا ایک نہایت اہم اور بصیرت افروز مکتوب اور فتویٰ ہے۔ مسئلہ کی مزید وضاحت اور تنقیح کے لئے ہم اس کو بھی یہاں بتمامہ نقل کر دینا مفید بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا شانِ ورود یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کی تکفیر سے متعلق جب وہ فتویٰ پہلی بار چھپ کر شائع ہوا، جو الفرقان کے گذشتہ شمارہ (بابت مئی) میں زیر عنوان "شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں قریباً ۶۰ سال پہلے کا اکابر علماء کا متفقہ فتویٰ" ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں، تو جناب مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم ومغفور نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں اس پورے فتوے کی نقل بھیجی، اور اس کے ساتھ ایک خط میں فتوے کے بارے میں اپنے تاثرات اور اشکالات وشبہات تحریر فرمائے اور حضرت سے جواب کی درخواست کی[1] حضرت حکیم الامت کا معمول تھا کہ اس طرح کے خطوط اور سوالات کے ہر جز کا الگ الگ جواب تحریر فرماتے تھے۔ حضرت نے اپنے معمول کے مطابق

---

[1] جناب مولانا عبدالماجد دریابادی رح کا حضرت حکیم الامت سے خاص نوعیت کا مسترشدانہ تعلق تھا، اس کی تفصیل اور تاریخ انکی تصنیف "حکیم الامت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس کا جواب تحریر فرمایا۔ اور مولانا شبیر علی تھانوی رح کے زیر ادارت خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے شائع ہونے والے ماہنامہ "النور" میں (جس میں حضرت کے اصلاحی مکتوبات اور ملفوظات شائع ہوتے تھے) وہ جواب بھی شائع ہوگیا۔ پھر "النور" ہی سے نقل ہوکر وہ رسالہ "النجم" لکھنؤ میں بھی شائع ہوا، وہی اس وقت راقم سطور کے سامنے ہے اسکو بجنسہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

"السوال" اور "تتمۃ السوال" کے زیر عنوان مولانا دریابادیؒ کے خط کی عبارت ہے۔

اور "الجواب" اور "تتمۃ الجواب" کے زیر عنوان حضرت حکیم الامتؒ کا جواب ہے، اس میں ایک حاشیہ بھی ہے وہ ادارہ "النجم" کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد ناظرین کرام وہ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں۔

السوال۔ ایک فتوے کی نقل مرسل خدمت ہے۔ اسپر علاوہ دوسرے معتبر و مستند علماء کے حضرت مولانا[1] تک کے دستخط ثبت ہیں۔ لیکن میں عرض کروں کہ مجھے شرح صدر اب بھی نہیں، شیعوں کو مبتدع، فاسق، فاسد العقیدہ وغیرہ اور جو کچھ کہہ لیا جائے اس کا میں بھی پوری طرح قائل ہوں۔ لیکن کافر اور خارج از اسلام کہنے سے جی لرز اٹھتا ہے۔

الجواب۔ یہ علامت ہے آپ کی قوت ایمانیہ کی۔ مگر جنہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے اس کا منشا بھی وہی قوت ایمان ہے کہ جس کو ایمانیات کا منکر دیکھا بے ایمان کہہ دیا۔

تتمۃ السوال۔ اگر ہر گمراہ فرقہ یوں ہی خارج از اسلام ہوتا رہا تو مسلمان رہ ہی کتنے جائیں گے۔

تتمۃ الجواب۔ اسکا کون ذمہ دار ہے۔ کیا خدا نہ کردہ اگر کسی مقام میں کثرت سے لوگ مرتد ہو جائیں اور تھوڑے ہی مسلمان رہ جائیں تو کیا اس مصلحت سے انکو بھی کافر نہ کہا جاویگا۔

---

[1] اس سے مراد حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح ہیں، مولانا دریابادی بیعت، تو حضرت مولانا مدنی سے ہوئے تھے، لیکن ان ہی کی ہدایت اور مشورے کے مطابق مسترشدانہ اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت سے قائم کیا تھا اسکی دلچسپ تفصیل مولانا دریابادی کی تصنیف "حکیم الامت" میں دیکھی جا سکتی ہے، جو قابل مطالعہ ہے۔

تتمۃ السوال۔ شیعوں سے مناکحت اگر تجربہ سے مضر ثابت ہوئی ہے تو بس تہدیداً اس کا روک دینا کافی ہے۔

تتمۃ الجواب۔ اس تہدید کا عنوان بجز اسکے کوئی ہی نہیں۔ غور فرمایا جائے۔

تتمۃ السوال۔ میرا دل تو ان دیانیوں کیطرف سے ہمیشہ تاویل ہی تلاش کرتا رہتا ہے۔

تتمۃ الجواب:۔ یہ غایت شفقت ہے لیکن اس شفقت کا انجام سیدھے سادھے مسلمانوں کے حق میں عدم شفقت ہے کہ وہ اچھی طرح ان کا شکار ہوا کریں گے۔

تتمۃ السوال:۔ جو بناء تکفیر قرار دی گئی ہے یعنی عقیدہ تحریف قرآن مجھے اس میں تامل ہے، اگر یہ عقیدہ انکے مذہب کا جز ہوتا۔ تو حضرت شاہ عبدالعزیز وغیرہ سے مخفی نہ رہتا۔ لہ

لہ شاہ صاحب کی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشریہ مطبوعہ نولکشور پریس کے صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲ کی عبارت ذیل غالباً عبدالماجد صاحب کی نظر سے نہیں گذری۔

اما کتاب اللہ پس نزد شیعہ از درجہ اعتبار ساقط شدہ ومثل توریت وانجیل قابل تمسک نماندہ زیراکہ تحریف بسیار دروراہ یافتہ واحکام بسیار از و منسوخ شدہ وآیات وسور بسیار کہ ناسخ احکام ومخصص عموبات بودند، بدزدی رفتہ وانچہ باقیست بعضے الفاظ او مبدل وبعضے زائد وبعضے ناقص روی الکلینی عن ھشام بن سالم عن ابی عبداللہ ع ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ وروی عن محمد بن نصر عنہ انہ قال کان فی لم یکن اسم سبعین رجلا من قریش باسماءھم

اب سنو کہ کتاب اللہ تو شیعہ کے نزدیک درجہ اعتبار سے ساقط ہوئی اور توریت وانجیل کی طرح قابل تمسک کے نہ رہی۔ اسواسطے کہ اس میں تحریف بہت ہوگئی اور بہت احکام منسوخ ہوئے، بہت آیتیں اور سورتیں کہ ناسخ احکام اور مخصص عام باتوں کی تھیں چوری گئیں اب جو کچھ باقی ہے بعض الفاظ اس کے مبدل بعض زائد بعض ناقص ہیں۔ روایت کی کلینی نے ہشام ابن سالم اور اس نے ابی عبداللہ سے کہ ہر آئینہ وہ قرآن جو جبرئیل پاس محمد صلعم کے لائے، سترہ ہزار آیتیں تھیں، اور روایت کی محمد بن نصر نے اس سے یہ کہا اسنے سورہ لم یکن میں ستر آدمیوں کے نام قریش سے تھے کہ ان کے نام بھی تھے اور ان کے آباء کے نام

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

تتمۃ الجواب: جب ان کی مسلم کتابوں کی جزئیت ثابت ہے پھر حضرت شاہ صاحب کا اگر سکوت ثابت ہو جس کی مجھ کو تحقیق نہیں تو ان کے سکوت میں کچھ تاویل ہوگی نہ کہ جزئیت میں۔

تتمۃ السوال: بہت زائد خلش مجھے اس امر سے ہو رہی ہے کہ ابتک … اور عیسائیوں کے سامنے کلام مجید کے غیر محرف ہونے کو بطور ایک بالکل مسلم و غیر مختلف فیہ عقیدہ کے پیش کرتے رہے ہیں۔ اب لوگوں کے ہاتھ میں ایک نیا حربہ آجائیگا، کہ دیکھو خود تمہارا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

واسماء ایشاں و نزد ایشاں ثابت و مقرر و مشہور است کہ بعضے سور تمامہا ساقط شد مثل سورۃ الولایۃ۔

بھی … اور یہ بھی انکے نزدیک ثابت اور مقرر ہے اور مشہور کہ بعض سورتیں بالکل ساقط کر ڈالی ہیں مثل سورۃ الولایۃ (ہدیہ مجیدیہ)

اسکے ماسوا تتمۃ الباب چہارم میں جو تقریباً بیس صفحے "دلائل شیعہ" پر ہیں ان میں متعدد جگہ شیعوں کے عقیدہ تحریف قرآن کا ذکر ہے۔

شاہ صاحب کے بعد مولانا حیدر علی فیض آبادی نے اپنی کتاب منتہی الکلام مطبوعہ ۱۲۸۲ھ میں اور مولانا خلیل احمد امبیٹھوی نے اپنی کتاب ہدایت الرشید مطبوعہ ۱۳۲۶ھ میں شیعوں کے قائل تحریف قرآن ہونے کو واضح کیا ہے، ہدایات الرشید میں ص ۶۱۲ سے ص ۶۵۱ تک یہی بحث ہے اور ص ۶۴۹ پر لکھنؤ کے دور آخر کے نامور مجتہد مولوی دلدار علی کی کتاب عماد الاسلام کی یہ عبارت درج کی ہے۔

بعد اللتیا والتی مقتضی تلک الاخبار ان التحریف فی الجملۃ فی ھذا القرآن الذی بین ایدینا بحسب زیادۃ بعض الحروف ونقصانہ بل بحسب بعض الالفاظ وبحسب الترتیب فی بعض المواضع قد وقع بحیث مما لا اشک فیہ مع تسلیم تلک الاخبار۔

چناں و چنیں کے بعد مقتضی ان احادیث کا یہ ہے کہ اس قرآن میں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے باعتبار زیادتی اور کمی بعض حروف کے بلکہ باعتبار بعض الفاظ کے اور بعض مواقع میں باعتبار ترتیب کے بالتحقیق تحریف اسطرح واقع ہوئی ہے جس میں بعد تسلیم ان روایات کے کچھ شک نہیں کیا جا سکتا

ہی کلمہ پڑھنے والے اور تمہارے قبلہ کو ماننے والے لاکھوں کروڑوں افراد قرآن کو ناقص اور محرف مان رہے ہیں ؎[۱]

تتمۃ الجواب :- اس سے تو اور زیادہ ضرورت ثابت ہوگئی ان کی تکفیر کی، پھر ہمارے پاس صاف جواب ہوگا کہ وہ مسلمان ہی نہیں۔

تتمۃ السوال :- حضرت حاجی صاحبؒ کا جو مکتوب سرسید احمد کے نام تھا مجھے اس قدر پسند آیا تھا کہ میں نے اہتمام کے ساتھ اسے "پیچ" میں شائع کیا تھا۔ پس میری فہم ناقص میں اسی کو معیار بنا لینا چاہیئے اور اسی کے مطابق معاملہ تمام گمراہ فرقوں سے رکھنا چاہیئے۔ یعنی نہ مداہنت نہ اتنی مخالفت کہ ان میں اور آریوں، عیسائیوں وغیرہ میں کوئی فرق ہی نہ رکھا جائے۔

تتمۃ الجواب :- لیکن اگر وہ خود ہی اپنے کو کافر بنائیں (بالنون)، تو کیا ہم اس وقت بھی ان کو کافر نہ بتائیں (بالتاء) دنیا میں اپنے کو آج تک کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ کوئی عیسائی کہتا ہے کوئی یہودی۔ مگر چونکہ ان فرقوں کے عقائد کفریہ دلائل سے ثابت ہیں اس لیے ان کو کافر ہی کہا جاویگا، تو مدار اس حکم کا عقائد کفریہ پر ٹھہرا۔ تو اگر ایک شخص اپنے کو فرقہ شیعہ سے کہتا ہے اور کوئی عقیدہ کفریہ اس مذہب کے اجزاء یا لوازم سے ہے تو اپنے کو اس فرقہ میں بتلانا بدلالت التزامی اس عقیدہ کو اپنا عقیدہ بتلانا ہے تو عدم تکفیر کی کیا وجہ۔ اور اگر ان کے یہاں یہ عقیدہ مختلف فیہ ہوتا تب بھی کسی کی تکفیر میں تردد ہوتا۔ لیکن یہ بھی نہیں اور جو اختلاف ہے وہ غیر معتد بہ ہے جس کو خود ان کے جمہور رد کر رہے ہیں

اس حالت میں اصل تو کفر ہوگا، البتہ کوئی صراحۃً کہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے یا کوئی فرقہ اپنا لقب جدا رکھ لے۔ مثلاً جو علماء ان کے تحریف کے نافی ہیں ان کی طرف اپنے کو منسوب کیا کریں، مثلاً اپنے کو صدوقی یا قمی یا مرتضوی یا طبرسی کہا کریں، مطلق شیعی نہ کہیں تو خاص اس شخص کو یا اس فرقہ کو اس عموم سے مستثنےٰ کہدیں گے۔ لیکن ایسے استثناؤں سے قانونی حکم نہیں بدلتا ہے، حرمت نکاح وحرمت ذبیحہ احکام قانونی ہیں۔ اس پر بھی جاری ہونگے، جب تک وہ فرقہ متمیز ومشہور نہ ہو جائے۔ خصوص جب تقیہ کا بھی شبہ ہو تو خواہ

---

[۱] ناظرین اسی مضمون میں آگے ملاحظہ فرمائیں گے کہ اب سے قریباً ایک ہزار سال پہلے عیسائیوں کی طرف سے یہی اعتراض کیا گیا تھا۔ علامہ ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب الفصل میں جواب دیا ہے کہ شیعہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ (نعمانی)

سوء ظن نہ کریں، مگر احتیاطاً عمل تو سوء ظن ہی ایسا ہوگا، البتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ وہ اس کے عقیدہ کے مطابق ہوگا۔ اگر کوئی ہندو توحید کا بھی قائل ہو اور رسالت کا بھی، لیکن اپنے کو ہندو ہی کہتا ہو، گو کچھ تاویل ہی کرتا ہو، تو اس کے ساتھ آخر کیا معاملہ ہوگا۔ یہی حالت یہاں کی ہے۔ ضلع فتحپور میں ہندوؤں کی ایک جماعت ہے جو قرآن اور حدیث پڑھتے ہیں اور نماز، روزہ کرتے ہیں، مگر اپنے کو ہندو کہتے ہیں لباس اور نام سب ہندوؤں جیسا رکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کو ہندو کہیں اور اپنا مشرب ظاہر نہ کریں تو کیا سامع کے ذمہ تفصیل واجب ہوگی کہ اگر ایسے عقیدہ کا ہے تو مسلمان۔

تتمۃ السوال:۔ آپ کو ہر معاملہ میں اپنا کچا چٹھا لکھ کر بھیجتا ہوں، خدا کرے اس باب میں بھی آپ کا جواب باصواب میرے حق میں ذریعہ تشفی ہو۔

تتمۃ الجواب:۔ تشفی کا ذمہ تو مشکل ہے خصوصی اسی خشیت کا غلبہ خود مجھ پر ہے، مگر حضرت جنیدؒ نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے حسین ابن منصورؒ کے خلاف فتویٰ لکھا تھا۔ محض حفاظت شرع کیلئے، ہم لوگ بھی انھیں کے متبع ہیں اور راز اس کا وہی ہے کہ اس رعایت میں سادہ لوح مسلمانوں کی ہلاکت ہے۔ مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر و جامع اور مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے۔ بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا، مگر ان کی تقریر و تحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہوگیا۔ وہ عنقریب چھپ جاویگا۔ میں نے اسکا نام رکھا ہے "وصول الافکار الیٰ اصول الاکفار"۔ (منقول از ماہنامہ "النور" خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون)

حضرت مولانا تھانویؒ نے مولوی محمد شفیع صاحب کے جس رسالہ کا اوپر ذکر فرمایا ہے وہ ۱۳۵۲ھ میں چھپ چکا ہے۔ اس میں:۔

"کفر و اسلام کی حقیقت اور اسکا صحیح معیار مفصل و مکمل بیان کیا گیا ہے کہ کس صورت میں کسی مسلمان کو کافر یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے"

کیونکہ نص قرآنی کے رو سے کسی شخص کو کافر یا مسلمان قرار دینے میں بہت احتیاط لازم ہے۔ اسی رسالہ کے آخر میں، چکڑالوی، قادیانی، روافض، اور آغا خانی فرقوں کے عقائد لکھ کر ان کے بارے میں احکام بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ روافض کے بارہ میں ص ۲۹-۳۰ پر تحریر ہے کہ:۔

"مختصر اور محقق و جامع کلام روافض کے بارہ میں یہ ہے کہ بہ لحاظ احکام روافض کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ان میں سے کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور سے ثابت ہو جائے کہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے اگرچہ انکار میں تاویل بھی کرتا ہو اور صاف انکار کرنے سے تبری بھی کرتا ہو، مثلاً قرآن مجید کے محرف و ناقابل اعتبار ہونے پر اگر کسی شخص کی ایسی صاف عبارت ہے کہ اس سے یقینی طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے پھر باوجود اس کے وہ اپنی عبارت کو غلط مان کر اس سے رجوع ظاہر نہیں کرتا، مگر عقیدہ تحریف قرآن سے تبری کرتا ہے تو اس تبری کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ باتفاق و باجماع کافر مرتد ہے، اس کے ساتھ کسی قسم کا اسلامی معاملہ رکھنا جائز نہیں، نہ اس سے کسی مسلمان کا نکاح جائز، اور اگر نکاح کے بعد اس کا عقیدہ ایسا ہو گیا تو نکاح فسخ ہو جاویگا۔ نہ اسکے ہاتھ کا ذبیحہ حلال، نہ اس پر نماز جنازہ جائز وغیر ذالک من الاحکام۔ اور دلیل اس کی وہ تمام عبارات فقہا ہیں جو سوال اول کے جواب میں ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر کے متعلق لکھی گئی ہیں، نیز علامہ شامی کی عبارت ذیل بھی اس کے لئے کافی ہے۔

نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوھیت فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی الخ

شامی استنبولی

جلد ۳ صـ ۴۶

ہاں کچھ شک نہیں اس شخص کی تکفیر میں جو جناب سیدہ یعنی حضرت عائشہ کو تہمت لگائے، یا حضرت صدیق کے صحابی ہونے کا منکر ہو، یا حضرت علی کی الوہیت کا معتقد یا یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ جبرئیل نے وحی پہونچانے میں غلطی کی، یعنی بجائے حضرت علی کے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے وحی پہونچادی۔

جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند و مصنف رسالہ "وصول الافکار الی وصول الاکفار" کے دستخط بھی اس فتوی پر موجود ہیں جس کے متعلق عبدالماجد صاحب نے حضرت مولانا تھانوی کو خط لکھا تھا۔ (ماخوذ از "النجم" لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ) (باقی آئندہ)

مولانا محمد منظور نعمانی

الیٰ رحمۃ اللہ
مولانا اکبرآبادی مرحوم و مغفور

الفرقان کے ناظرین میں اب غالباً کوئی صاحب بھی ایسے نہ ہوں گے، جنکو دارالعلوم دیوبند کے معروف و ممتاز فاضل، ماہنامہ "برہان دہلی" کے مدیر اور دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہند اکیڈمی کے سربراہ و ڈائرکٹر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے حادثۂ رحلت کی اطلاع نہ ہو چکی ہو۔ قریباً ۸-۱۰ مہینے سے مولانا مرحوم علیل تھے، گزشتہ سال اگست میں ان کو کتے نے کاٹ لیا تھا۔ اس کے زہر کے اثر کے ازالہ کے لئے مقررہ کورس کے مطابق انجکشن لگوائے گئے۔ یہ انجکشن پیٹ میں لگائے جاتے ہیں، اور معلوم ہوا ہے کہ ان سے وہ فائدہ تو حاصل ہو جاتا ہے جس کے لئے وہ لگوائے جاتے ہیں، لیکن عام صحت پر ان کا اثر اکثر برا پڑتا ہے، خاص کر اعضائے ہضم جگر وغیرہ ان انجکشنوں سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ان انجکشنوں کے چند روز بعد سے مولانا کو بخار رہنے لگا۔ کچھ دن کے بعد مرض نے یرقان کی صورت اختیار کر لی، جو جگر کی خرابی کی آخری شکل ہے اور خطرناک مرض سمجھا جاتا ہے،

گزشتہ نومبر میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا جلسہ لکھنؤ ہی میں ہوا تھا، مولانا مرحوم اس کے اہم رکن تھے، اور اس کے ایک شعبہ شیخ الہند اکیڈمی کے سربراہ اور ڈائرکٹر بھی، وہ انکی اس علالت ہی کی حالت میں اس میں شرکت کے لئے علی گڑھ سے لکھنؤ تشریف لائے۔ اور تین دن تک شوریٰ کی تمام نشستوں میں شرکت فرماتے رہے، مجلس شوریٰ کے ان کے رفقاء میں سے کسی کے دل میں یہ خطرہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ دارالعلوم کی شوریٰ میں یہ ان کی آخری شرکت اور ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔ شوریٰ سے فارغ ہو کر

علی گڈھ تشریف لے گئے، ماہر ڈاکٹر دل اور حاذق طبیبوں کے زیر علاج رہے، لیکن مرض اور اس کے ساتھ ضعف بڑھتا ہی رہا۔ ان کی منجھلی صاحبزادی جو کراچی میں ہیں، ان کو مولانا کی علالت کی کیفیت اور رفتار خطوط سے معلوم ہوتی رہتی تھی۔ جنوری میں وہ اس ارادہ سے آئیں کہ علاج کے لئے وہ ان کو اپنے ساتھ کراچی لے جائیں گی۔ اور بالآخر اصرار کر کے وہ ان کو لے گئیں۔ وہاں پاکستان کے نامور ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا اور ان کے زیر علاج رہے، لیکن قضا و قدر کا فیصلہ اب صحت و حیات کا نہیں تھا، مرض اور ضعف برابر بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ ۳ رمضان المبارک (۲۴ جولائی) جمعہ کے دن مغرب سے کچھ ہی پہلے قضا و قدر کے فیصلہ کا ظہور ہو گیا، معلوم ہوا ہے کہ مولانا نماز مغرب کے لئے وضو کر کے غسلخانہ سے اپنے کمرہ کی طرف جا رہے تھے، چند قدم ہی چلے تھے کہ حرکت قلب بند ہو گئی اور راستہ ہی میں گر گئے، اٹھا کر بستر پر لٹا دیا گیا۔ روح نے جسم اور ہماری اس فانی دنیا کو الوداع کہا، اور اس رب کریم کے حضور پہونچ گئی، جس کے سامنے سجدہ ریز ہونے اور نماز ادا کرنے کے لئے مولانا وضو کر کے جا رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس عاجز کے لئے تو بڑا قابل رشک ہوا ان کا یہ خاتمہ۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم منزلہ ووسع مدخلہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیئاتہ۔

اگلے دن دوپہر کو نماز جنازہ ہوئی جس میں کراچی شہر کے غالباً وہ سبھی علماء، صلحاء اور اہل دین شریک ہوئے جن کو اطلاع ہو سکی، اور ہماری جماعت کے معروف بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے قائم کئے ہوئے دار العلوم (کورنگی) کے قبرستان میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے قریب ہی میں تدفین ہوئی ——— آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

کچھ قابل ذکر حالات

ولادت اور دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ — مولانا اکبرآبادی مرحوم نے گزشتہ ہی سال مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی مرحوم کے حادثۂ انتقال کے بعد "برہان" میں "مفتی صاحب کی کہانی میری زبانی" کے عنوان سے ایک سلسلہ مضمون شروع کیا تھا (افسوس کہ وہ پورا نہ ہو سکا) اس کی پہلی قسط میں یہ بتلانے کے لئے کہ مفتی صاحب سے تعلق اس وقت سے ہوا جب میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے دار العلوم دیوبند میں داخل کیا گیا۔ اپنی ولادت، اور دینی تعلیم کے فیصلہ سے متعلق اپنے والد ماجد مرحوم و مغفور کا ایک بیان نقل کیا ہے

جو نہایت سبق آموز ہے، ہم وہی بیان نقل کریں گے، لیکن اس سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ مولانا کے والد ماجد ڈاکٹر محمد ابرار حسین صاحب کا اصل وطن ہمارے ضلع مراد آباد کا قصبہ بچھرایوں تھا جو دیندار رؤسا اور شرفا کی ایک بستی تھی، ڈاکٹر صاحب نے اب سے قریبا ایک صدی پہلے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی تھی اور جلد ہی وہ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے سرکاری ملازمت میں لے لئے گئے، شروع میں ہمارے صوبہ یوپی ہی کے مختلف شہروں میں رہے، بعد میں آگرہ آ گئے، اور پھر مدت ملازمت کے ختم تک یہیں رہے اور یہیں سے پنشنیاب ہوئے، اور یہیں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا اکبر آبادی کی ولادت آگرہ ہی میں ہوئی، اسی لئے ان کو اکبر آبادی کہا اور لکھا جاتا ہے۔ ان کے والد ڈاکٹر محمد ابرار حسین صاحب کا دینداری اور دنیوی مفاد کے مقابلہ میں آخرت کے مفاد کی ترجیح کے بارے میں جو حال تھا، وہ تو ناظرین کو آئندہ سطروں سے معلوم ہو جائے گا۔[1] لیکن چونکہ شہر آگرہ کے نامور ڈاکٹر تھے، اسلئے ان کے زیادہ تر دوست احباب اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے حضرات، حکام، وکلا یا ان کے ہم پیشہ ڈاکٹر صاحبان تھے۔ جب مولانا اکبر آبادی کی تعلیم شروع ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کے ان دوست احباب کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے اس اکلوتے اور ہونہار بیٹے کو عربی پڑھانے اور مولوی بنانے کا ارادہ کیا ہے، تو انھوں نے اپنے اپنے طور پر ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ یہ کیا غضب اور اس بچہ پر کیسا ظلم کر رہے ہیں کہ اس کو ملا مولوی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ مولوی ہو کر کیا کرے گا۔ اس کو اعلیٰ انگریزی تعلیم دلوائیے، بہت ذہین بچہ ہے یہ ڈپٹی کلکٹر یا اچھا بیرسٹر یا کامیاب ڈاکٹر ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ان دوستوں کی یہ باتیں سنتے رہتے تھے۔ مولانا اکبر آبادی نے پوری تفصیل سے یہ صورتحال لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ۔ ایک روز ان احباب خاص کی مجلس میں والد صاحب نے فرمایا۔

سعید میاں کی پیدائش سے پہلے میری ایک لڑکی تھی قمر النساء نام تھا، یہ بچی دس برس کی تھی کہ آگرہ میں طاعون پھیلا۔ خدا کی شان ہے اس مرض کے کتنے ہی بیمار میرے

---

[1] راقم سطور (محمد منظور نعمانی) نے مولانا اکبر آبادی کے والد ماجد ڈاکٹر ابرار حسین مرحوم کو نہ صرف یہ کہ دیکھا تھا بلکہ اس عاجز کے ساتھ انکا معاملہ غیر معمولی شفقت و عنایت کا تھا، ایک دفعہ میرے وطن اصلی (سنبھل ضلع مراد آباد) تشریف بھی لائے تھے اور چند روز ہمارے مکان ہی پر قیام فرمایا تھا۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ وہ ان عباد اللہ الصالحین میں تھے جن کی عنداللہ مقبولیت اور بلند مقامی کا علم ہم جیسوں کو ان شاء اللہ آخرت میں پہونچکر ہی ہوگا۔

ہاتھوں اچھے ہو گئے تھے، لیکن خود میری بچی اس کا شکار ہو گئی، قمر کے بعد میرے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا، اس لئے اب کیا توقع ہو سکتی تھی، میرا جی دنیا سے اچاٹ ہو گیا، اور میں نے ہجرت کا پکا ارادہ کر لیا۔ لیکن اجازت طلبی کے لئے جب میں نے اپنے پیرو مرشد حضرت قاضی عبد الغنی صاحب منگلوری[1] کو خط لکھا، تو انھوں نے جواب میں ہجرت نہ کرنے کا حکم دیا، اور ساتھ ہی لکھا تم گھبراؤ نہیں، اور مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ تم کو «فرزند سعید» عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اس بشارت کے کئی برس بعد یہ بچہ پیدا ہوا۔۔۔ اس کے علاوہ ایک واقعہ یہ ہوا کہ اس بچہ کی ولادت سے دو تین گھنٹے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی تشریف لائے ہیں، میں نے انھیں دیکھا تو سرو قد کھڑا ہو گیا۔ علیک سلیک کے بعد عرض کیا، حضرت تشریف رکھیئے! ادھر سے ارشاد ہوا «ڈاکٹر فرزند سعید مبارک ہو، ہم بیٹھیں گے نہیں، اسی مبارکباد کی غرض سے آئے تھے، بس یہ فرمایا اور رخصت ہو گئے۔

والد صاحب نے اس کے بعد فرمایا۔

«پیرو مرشد کی بشارت اور پھر یہ خواب دونوں میں فرزند سعید کے الفاظ مشترک تھے میں نے غور کیا تو میں سمجھا کہ یہ سب کچھ اشارہ غیبی ہے اس امر کی طرف کہ میں بچہ کا نام سعید رکھوں، اور دیوبند میں اسے عربی اور دینی تعلیم دلاؤں۔[2]

مولانا اکبرآبادی نے اپنے والد ماجد مرحوم کا یہ بیان ذکر کرنے کے بعد اسی سلسلہ مضمون میں اپنی دینی تعلیم کے مختلف مراحل اور اس سلسلہ میں اپنے والد ماجد کے غیر معمولی اہتمام کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اسی سے معلوم ہوا کہ دار العلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دیوبند میں ان کا قیام پانچ سال رہا، ۱۹۲۵ء (شعبان ۱۳۴۳ھ) میں وہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

---

[1] یہ حضرت قاضی عبد الغنی منگلوری اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاضی اسماعیل صاحب منگلوری کے خلیفہ تھے اور ان کو اجازت و خلافت حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمہ کے پیر بھائی حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی، حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے شاگرد تھے۔ نعمانی۔

[2] ماہنامہ ... دہلی بابت اگست ۱۹۸۴ء۔

فراغت کے بعد حج بیت اللہ

دار العلوم کے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مولانا کے والد ماجد نے طے فرمایا کہ وہ اسی سال اپنی والدہ ماجدہ کو ساتھ لیکر حج کر آئیں، حسن اتفاق اور مولانا اکبر آبادی کی (جو اسوقت صرف "مولوی سعید" تھے) بڑی خوش قسمتی کہ اسی سال انکے خاص عربی استاذ حضرت مولانا سراج احمد رشیدی نے بھی (جن کے ساتھ اور جن کی خصوصی تربیت اور نگرانی میں وہ دار العلوم دیوبند کی اپنی تعلیم کے آخری تین سالوں میں رہے تھے) فریضۂ حج ادا کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ اوران کی رفاقت و رہنمائی کی سعادت مولانا اکبر آبادی کو حاصل ہوگئی، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی۔ مزید برآں یہ ۱۳۴۴ھ وہ سال تھا جس میں سلطان عبد العزیز بن سعود نے (حجاز مقدس پر جن کے اقتدار کا ایک سال پورا ہو چکا تھا) موسم حج ہی میں پورے عالم اسلام کی ایک موتمر (کانفرنس) منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اس میں شرکت کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کی دو تنظیموں، جمعیۃ علمائے ہند اور آل انڈیا خلافت کمیٹی کو خاص طور سے دعوت دی تھی، اور ان دونوں نے اپنے وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا، جمعیۃ العلماء کے وفد کے ارکان یہ حضرات تھے، اسکے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا عبد الحلیم صدیقی صاحب۔ یہ سب حضرات بھی مولانا اکبر آبادی کے بزرگوں میں تھے۔ خلافت کمیٹی کے وفد کے ارکان میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا عرفان سرحدی کے علاوہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ حجاز مقدس جانیوالے جب جہاز سے سفر کا ان دونوں وفدوں کا پروگرام بنا، اسی جہاز سے ان سب حضرات کے ساتھ حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی کی معیت میں مولانا کا بھی سفر ہوا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا۔

اس سفر حج کا ایک واقعہ مولانا نے ذکر کیا تھا کہ میری والدہ ماجدہ مکہ معظمہ میں سخت مریض ہوگئیں، جو علاج معالجہ میسر ہو سکا وہ کیا، لیکن مرض تیزی سے بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ حالت تشویشناک اور پھر مایوس کن ہوگئی۔ اس وقت میرے دل کی جو حالت اور کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے، میں سیدھا حرم شریف آیا اور ملتزم پر آکے دعا شروع کی، اللہ تعالیٰ نے دل کو اس وقت اضطرار کی خاص کیفیت نصیب فرمادی، دعا سے فارغ ہوکے قیامگاہ پہ آیا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے والدہ ماجدہ کو اتنی ہی دیر میں ایسا افاقہ ہو چکا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا

تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَمَّن یُّجِیبُ المُضطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکشِفُ السُّوٓءَ کا تجربہ تھا۔ پھر انکی حالت تیزی سے بہتر ہوتی چلی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انکو کامل صحت عطا فرمادی۔

اس سفر حج سے واپسی کے بعد مولانا اکبرآبادی چند روز اپنے والد ماجد کے پاس آگرہ رہے اور پھر دارالعلوم آگئے، اور بعض اسباق کی سماعت شروع کر دی۔ انکا قیام حسب سابق حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ کے کمرہ کے بغل والے کمرہ میں رہا۔ ان کا خورد و نوش بھی حضرت مولانا کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ اسی سال یہ عاجز راقم سطور دورۂ حدیث کا طالب علم تھا۔ جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا، مولانا اکبرآبادی دورۂ حدیث سے اس سے پہلے سال فارغ ہو چکے تھے۔

دارالعلوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہجرت

اسی سال ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم میں وہ نامبارک اختلاف پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں دارالعلوم کے اکابر اساتذہ میں سے اس کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور حضرت مولانا سراج احمد رشیدی کو دارالعلوم سے قطع تعلق کر لینا پڑا۔ ان حضرات اکابر کے ساتھ تحتانی درجات کے اساتذہ میں سے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور مولانا محمد یحییٰ تھانوی نے بھی قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا۔

پھر ان سب حضرات نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع سورت، گجرات) کی دعوت پر وہاں جانے کا فیصلہ فرمالیا۔ مولانا اکبرآبادی جو ایک سال پہلے فارغ ہو چکے تھے اور اپنی علمی استعداد اور خاص صلاحیتوں کے لحاظ سے دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں تھے اور اپنے ان اکابر اساتذہ کے ساتھ انکو خصوصی درجہ کا تعلق تھا، وہ بھی جامعہ کے استاذ کی حیثیت سے ان حضرات کے ساتھ بلا لئے گئے۔ اجتماعی طور پر ان سب حضرات کے پہونچ جانے سے ڈابھیل میں دوسرا "دارالعلوم دیوبند" قائم ہو گیا۔ جامعہ اسلامیہ میں مولانا اکبرآبادی خصوصیت سے ادب کے اسباق پڑھاتے تھے، عربی ادب میں ان کو ایک درجہ امتیاز حاصل تھا۔

ڈابھیل سے دہلی

کچھ عرصہ کے بعد مولانا اکبرآبادی مدرسہ فتحپوری دہلی میں استاذ مقرر ہو گئے اور دہلی آگئے۔ مولانا کی تعلیم کے سلسلہ میں یہ بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ جب انکے

والد ماجد نے آگرہ میں ان کو فارسی عربی تعلیم شروع کرائی، اور اس کے لئے معقول تنخواہ پر بہت اچھے استاذ باہر سے بلوا کر رکھے، تو اسی کے ساتھ ایک گریجویٹ ماسٹر بھی مقرر کئے گئے، جو شام کے دو گھنٹوں میں ان کو انگریزی اور حساب وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ تعلیم کے یہ دونوں سلسلے اس وقت تک ساتھ چلتے رہے، جبتک کہ دینی عربی تعلیم کے لئے ان کو باہر بھیجنے کا فیصلہ نہیں کیا گیا، اسطرح ابی انگریزی تعلیم بھی خاصی ہو گئی تھی۔ بعد میں انھوں نے اپنی طالبعلمی کے زمانے میں اور پھر مدرسی کے دور میں بھی انگریزی کے ساتھ اپنے اس تعلق کو برقرار رکھا۔ تو جب وہ مدرسہ فتحپوری دہلی میں استاذ مقرر ہو گئے تو کچھ عرصہ بعد انگریزی امتحانات کا سلسلہ شروع کر دیا، یہانتک کہ دہلی یونیورسٹی سے انھوں نے عربی میں فرسٹ ڈویژن ایم اے کر لیا۔ اس کے بعد وہ دہلی یونیورسٹی کے سینٹ اسٹوڈین کالج میں عربی فارسی کے استاذ مقرر ہو گئے۔ اسی دور کے ان کے شاگردوں میں پاکستان کے موجودہ صدر جنرل ضیاء الحق بھی ہیں، جو اب تک بھی مولانا کے ساتھ ایک سعادتمند شاگرد کا سا تعلق رکھتے ہیں، کالج کے اس تعلق سے مولانا اکبرآبادی کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اسی دور میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا اکبرآبادی نے دہلی میں ادارہ "ندوۃ المصنفین" قائم کیا، اور ماہنامہ "برہان" جاری کیا جس کی ادارت کی ذمہ داری مولانا اکبرآبادی نے سنبھالی، اور زندگی کے آخری دن تک وہی اس کے مدیر رہے، ان کی تمام تصانیف ندوۃ المصنفین ہی سے شائع ہوئیں، جو ان کے طرز فکر اور علم وتحقیق کی آئینہ دار ہیں۔ الفرقان کی اسی اشاعت میں ناظرین کرام مولانا اکبرآبادی پر جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب (مدیر معارف اعظم گڈھ) کا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے، اس میں مولانا کی شخصیت، صفات، وامتیازات اور خاصکر تصنیفات پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اسنے اس بارے میں کچھ لکھنے سے مستغنی کر دیا ہے۔

اب ہم مولانا کی زندگی کے صرف اس آخری دور کا ذکر کریں گے، جب وہ یہ محسوس کر کے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو اس وقت ان کی خدمت کی ضرورت ہے یہ طے کر کے دارالعلوم آ گئے کہ حیات مستعار کا باقی حصہ اس مادر علمی کی خدمت ہی میں صرف کرنا ہے اور اس کو انھوں نے اپنی زندگی کا "خاتمہ بالخیر" سمجھا، لیکن یہ قصہ ذرا تفصیل طلب ہے۔

مادر علمی کے آغوش میں

رجب ۱۴۰۱ھ (جون ۱۹۸۱ء) میں دارالعلوم دیوبند کی

مجلس شوریٰ کا جلسہ دار العلوم میں ہوا۔ اس جلسہ میں شوریٰ کے سبھی ارکان شریک تھے۔ ایک مرحلہ پر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم و مغفور نے فرمایا کہ دار العلوم کے صد سالہ اجلاس میں یہ تجویز پاس ہوئی تھی کہ دار العلوم میں ”شیخ الہند اکیڈمی“ قائم کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ابھی تک کچھ نہیں ہو سکا ہے، میری رائے اور تجویز ہے کہ اسی اجلاس میں اکیڈمی کے قیام کا فیصلہ ہو جائے، مولانا اکبر آبادی پر آج کل کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ان کو اس کا ڈائرکٹر تجویز کر دیا جائے، ہماری جماعت میں اس کام کے سب سے زیادہ اہل وہی ہیں۔ سب ہی ارکان نے اس تجویز کو قبول کر لیا، مشاہرہ کی رقم کا ذکر بھی آ گیا، سب کو امید تھی کہ مولانا اکبر آبادی اس کو قبول کر لیں گے، اور تجویز لکھ لی جائے گی مولانا کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں کی توقع کے خلاف انھوں نے فرمایا۔ کہ ابھی اکیڈمی کا وجود نہیں، اس کا خاکہ بھی نہیں بنا ہے، مقصد اور طریقہ کار بھی طے نہیں ہوا ہے۔ میں ایسی حالت میں کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتا۔ جب یہ مرحلے طے ہو جائیں گے۔ اس وقت میں کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔ ان سے کہا گیا کہ بہر حال یہ کام آپ ہی کو کرنا ہے، آپ ہی اس کا خاکہ بنا دیں، اور آئندہ مجلس شوریٰ میں پیش کر دیں۔ مولانا نے اس کو منظور کر لیا، لیکن اس کے بعد شوریٰ کا جو جلسہ ہوا۔ اس میں مولانا شریک نہیں ہو سکے، وہ اس زمانے میں جنوبی افریقہ کے سفر پر تھے۔ اس جلسہ کے بعد بدقسمتی سے وہ اختلاف شروع ہو گیا جس سے الفرقان کے ناظرین واقف ہیں، یہاں تک کہ کچھ مدت تک دار العلوم بند رہا۔ پھر جب کھلا اور شوریٰ کا جلسہ ہوا۔ تو مولانا سے کہا گیا کہ موجودہ حالات میں دار العلوم میں آپ کے قیام کی ضرورت ہے، تشریف لے آئیں۔ اور اکیڈمی کا کام شروع ہو جائے، اس وقت بھی مولانا نے عذر کیا کہ میں اس کا خاکہ اور نقشہ کار ابتک نہیں بنا سکا ہوں۔ الغرض اس وقت بھی وہ آمادہ نہیں ہوئے۔ پھر وہ وقت آیا کہ مولانا نے خود بھی محسوس کر لیا کہ اس وقت دار العلوم میں ان کا قیام دار العلوم کی ضرورت ہے اور یہ ان پر دار العلوم کا حق ہے اس وقت وہ آمادہ ہو گئے اور انھوں نے خود اپنی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے لئے اس مشاہرہ سے پانچ سو روپے کم مشاہرہ تجویز کیا جس کی پیش کش رجب ۱۴۰۱ھ کی مجلس شوریٰ میں ان کو کی گئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اکیڈمی کے مسئلہ سے قطع نظر، اس وقت مولانا جیسی بلند قامت اور مسلّم و تجربہ کار شخصیت کے دار العلوم میں قیام کی شدید ضرورت تھی، وہ اس کے حالات و معاملات سے پورے

واقف اور اس کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے، ان کو ہائرے دار العلوم جیسے دینی مدارس کے علاوہ کالجوں، یونیورسٹیوں کا بھی تجربہ تھا، ان سب کے ساتھ وہ دار العلوم کے موجودہ ارباب انتظام اور اساتذہ میں بھی مختلف حیثیتوں سے سب سے بڑے تھے، اور سب ان کو بڑا ہی مانتے اور ان کے مشوروں کو قبول کر لیتے تھے، دار العلوم دیوبند جیسے اداروں میں ایسی کسی ہستی کا وجود اس کی بڑی ضرورت اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انھوں نے دار العلوم آکر اوپر کے درجات کے لائق طلبہ کو "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دینا بھی شروع کیا تھا۔ جو طلبہ کے علمی فائدے کے علاوہ طلبہ کے ساتھ ان کے رابطہ کا بھی وسیلہ تھا۔

ہم ظاہر بینوں کے نزدیک دار العلوم کو ان کی اب بھی ویسی ہی ضرورت تھی جیسے کہ پہلے تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ غنی عن العالمین اور ساتھ ہی علیم و حکیم ہے، وہی اپنے فیصلوں کی حکمت جانتا ہے۔ ان کو صرف تقریباً دو سال ہی مادر علمی کی خدمت کا موقع ملا۔ دار العلوم کے گزشتہ تعلیمی سال کے آغاز میں کچھ ہی دن ان کا قیام دار العلوم میں رہا، پھر علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا اختتام ۳ رمضان المبارک کو ان کے سفر آخرت پر ہوا۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔

آخری ایام میں اُن کا حال

راقم سطور کو یہ معلوم کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ زندگی کے آخری دنوں میں مولانا مرحوم کا حال کیا رہا؟ اس کے لئے میں نے ان کے داماد عزیز مکرم پروفیسر اسلم صاحب کو لاہور خط لکھا تھا اس کا جواب کل (۲۶ جولائی کو) ٹھیک اس وقت ملا جب کہ یہ عاجز وہ آخری سطریں لکھ رہا تھا، جو ناظرین کرام نے ابھی اوپر پڑھیں۔ اسلم صاحب کے اس خط کے مندرجہ ذیل چند اقتباسات نذر ناظرین ہیں۔

"مولانا مرحوم کو شدید علالت کی حالت میں ۱۸ جنوری کو کراچی لایا گیا تھا۔ وہاں ان کی بڑی بیٹی مسعودہ اور سب سے چھوٹے فرزند جنید احمد رہتے ہیں، کراچی آنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا سرطان میں مبتلا ہیں، علاوہ ازیں پتہ میں پتھریاں بھی ہیں۔ ہومیوپیتھی علاج سے ان کو بڑا سکون ملا۔ تاہم کمزوری بڑھتی رہی

۱۸ جنوری تا ۲۲ مارچ مرحوم ہشاش بشاش تھے، ان کے داماد ابو المحمود سعید شام کے وقت مولانا مرحوم کو کار میں بٹھا کر کسی باغ میں لیجاتے، مرحوم وہاں ٹہلتے، اور قریبی مسجد میں نماز مغرب باجماعت ادا کرتے۔ یہ سلسلہ ۲۲ مارچ تک چلتا رہا۔

۲۳ مارچ کو کراچی کے ایک معروف طبیب انکی عیادت کو آئے، انھوں نے مولانا سے کہدیا کہ وہ کینسر میں مبتلا ہیں۔ اسی دن سے انھوں نے شام کو باہر جانا بھی ترک کر دیا، پورے دو ماہ انھوں نے گھر ہی میں گزارے ہے۔

اپریل کے وسط میں حاضر خدمت ہوا۔ ایک ہفتہ کراچی میں اُن کے ساتھ رہا۔ انتہائی جسمانی کمزوری کے باوجود مرحوم نماز کھڑے ہو کر اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے۔ نماز کے وقت ان کے جسم میں خدا جانے کہاں سے طاقت آجاتی تھی۔ ان دنوں اٹھتے بیٹھتے، کھاتے، پیتے حتیٰ کہ کروٹ لیتے وقت بھی زبان پر یہ مصرعہ جاری رہتا تھا۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم

وسط اپریل میں کمزوری اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ چلنے میں بھی دشواری پیش آنے لگی۔ کینسر کے ساتھ اسہال بھی شروع ہو گئے تھے، حدیث میں آیا ہے کہ اسہال میں فوت ہونے والا بھی شہید ہے۔ شاید یہ مرتبہ بھی ان کی قسمت میں لکھا تھا، مولانا مرحوم کے حادثہ رحلت کی تفصیل اس مضمون کے شروع میں ذکر کی جا چکی ہے اور یہ بھی کہ ان کی تدفین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے قائم کردہ دارالعلوم (کورنگی)

لہ ان طبیب صاحب کا مولانا مرحوم سے یہ کہدینا کہ آپ کینسر کے مرض میں مبتلا ہیں انکے اعزہ کو ناگوار ہوا ہوگا۔ اور ایک پہلو سے یہ ناگواری صحیح ہے۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے بعد سے مولانا یقیناً سفر آخرت کی تیاری کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے ہونگے، اور خود مولانا کے حق میں بلاشبہ یہی بہتر تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ علم دین کی دولت بھی عطا فرمائی تھی۔ اور ایسے خوش نصیبوں کے حق میں یقیناً یہی بہتر ہے۔

کے قبرستان میں ہوئی۔ اس قبرستان کے بارے میں پروفیسر اسلم صاحب نے اپنے مکتوب کے آخر میں لکھا ہے کہ

"مولانا کی قبر ایسے قبرستان میں ہے جس کی ایک انچ زمین پر بھی دھوپ نہیں پڑتی، ناریل کے درختوں کا سایہ رہتا ہے، قبرستان میں گنتی کی چند قبریں ہیں جو صرف علماء، وصلحاء کی ہیں دارالعلوم میں برابر قال اللہ تعالیٰ و قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا شغل رہتا ہے اذان کی آواز بھی قبرستان میں سنائی دیتی ہے، کیونکہ مسجد بھی اس سے چند ہی فٹ کے فاصلہ پر ہے"

مرحوم و مغفور حاجی محمد عمر احمد آبادی

اللہ کے بہت سے بندے ہوتے ہیں جو نہ علمائے دین میں شمار ہوتے ہیں نہ بزرگان دین میں، نہ کوئی انکو "حضرت" کہتا ہے لیکن انکی زندگی اور انکے اعمال و احوال دیکھتے ہوئے پوری امید کیجاتی ہے کہ ارحم الراحمین آخرت میں انکے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے گا، اس عاجز کے خیال و گمان میں (و لا ازکی علی اللہ احدًا) اسی قبیل کے بندگان خدا میں سے راقم سطور کے ایک قدیمی مخلص دوست احمد آباد کے یہ حاجی محمد عمر تھے جنکا لباً اپنے کاروبار کی نسبت سے "حاجی محمد عمر باجیس والے" کے نام سے معروف تھے) الفرقان سے انکا تعلق اسکے قدیم دور سے تھا، دینی دعوت کے اس کام سے بھی گہرا تعلق تھا جسکو عام طور سے "تبلیغ" کہا جاتا ہے، اسکے ساتھ دینی خدمت کے ہر سلسلہ کی قدر اور حسب توفیق اس کے ساتھ تعاون کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انکو سلامت فہم اور اعتدال کی نعمت سے خاص طور سے نوازا تھا۔ سن ۸۰ اور ۹۰ کے درمیان رہا ہوگا۔ طویل مدت سے علیل اور صاحب فراش تھے، انکو اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ میرا آخری مرض ہے، اور وقت موعود زیادہ دور نہیں ہے، ایسی حالت میں سفر آخرت کی تیاری کی جو فکر کسی بندۂ مومن کو ہونی چاہیئے وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیب فرمادی تھی۔ ۱۳ شعبان کی شب میں وہ گھڑی آگئی جو انکے سفر آخرت کیلئے مقرر تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اللھم اغفرلہ وارحمہ واجعل الجنۃ مثواہ ـــــ انکے صاحبزادے حافظ منیر اللہ صاحب نے راقم سطور کو انکے حادثہ رحلت کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا

والد صاحب کو ایک عرصہ سے غشی اور غنودگی کی کیفیت رہتی تھی، اسی حالت میں اکثر قرآن پاک کی آیتیں دعائیں اور ذکر کے کلمات زبان پر رہتے تھے۔ ضعف کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ کروٹ لینا اور ہاتھ پیر ہلانا بھی دشوار ہوگیا تھا۔ اس حالت میں بھی کبھی کوئی حرف شکایت زبان سے نہیں سناگیا۔ الحمد للہ آخری رات جبکہ سانس لینے میں تکلیف ہوتی تھی، اللہ اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کی آواز نکلتی رہتی تھی، آخری سانس بھی کلمہ طیبہ ہی پر پورا ہوگیا

یہ عاجز راقم سطور ناظرین کرام سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وہ جانے والوں کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کریں، اور ہوسکے تو حسب توفیق ایصال ثواب بھی۔ اس بندے پر بھی احسان ہوگا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی یاد میں

آہ! جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب،
مدیر معارف، اعظم گڑھ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی دنیا کے بکھیڑوں، زندگی کے ہنگاموں اور اپنے علمی جھمیلوں سے آزاد ہو کر اب وہاں ہیں جہاں اکرامِ الٰہی کی سلسبیل سے کوئی سیراب ہو جائے تو پھر اس کیلئے وہاں مغفرت کے مینا اور رحمت کے ساغر چھلکتے ہیں، بارہ گاہ ایزدی میں ان کے اعمال کی کتاب کھولی جائے گی تو یقین کرنے کو جی چاہتا ہے کہ عدل خداوندی کی میزان میں ان کی نیکیوں اور نیکوکاریوں کا پلڑا بھاری رہے گا، اس جہان فانی میں انکی رحلت پر علم سوگوار ہوا، فضل غمناک ہوا اور وہ لمحات بھی مغموم ہوئے جنھیں وہ اپنے قلم کی سیاہی سے اپنے داغ دل کو داغ لالہ بنا دیتے تھے۔ میری طرح ان کے بہت سے قدردان ان کو اب یاد کر کے اپنے خشک آنسوؤں کے ساتھ بے چین ہوں گے، اور آئندہ ان پر بہت کچھ لکھا جائے گا ؎

درین آشوبِ غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم　　　جہانے را جگر خون شد ہمیں تنہا نہ من گریم

دل کے اس شیون کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی یادوں کا جلوس کہاں سے شروع کر کے کہاں پر ختم کیا جائے، اپنی کج مج بیانی حائل ہو رہی ہے، پھر بھی جو سطریں یہاں پر لکھی جا رہی ہیں، وہ محض ایک دیرینہ نیازمند اور عقیدت مند کے بارِ غم کو ہلکا کرنے کے لئے ہیں۔

ان کی پیدائش ۱۹۰۸ء میں آگرہ میں ہوئی، ان کا آبائی وطن بچھرایوں ضلع مرادآباد تھا، ان کے والد بزرگوار ڈاکٹر تھے، اپنی سرکاری ملازمت کی وجہ سے ان کا آخری زمانہ آگرہ میں گزرا تو وہیں سکونت پذیر ہو گئے اور یہیں مولانا سعید احمد کی ولادت ہوئی، اسی مناسبت سے

اکبر آبادی لکھتے تھے، ان کے نام کے اس جزو کے ساتھ پرانے اکبر آباد کی بہت سی روایتیں ان کی طبیعت اور روزمرہ کی زندگی میں پیوست ہو گئی تھیں، اکبر آباد کی تاریخ کی طرح ان کی زندگی میں بھی بڑی رنگا رنگی رہی۔

اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، وہاں سے سند حاصل کر کے دہلی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم پائی، پھر اسی کے اسٹیفن کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے، یہاں ان کی مختلف صلاحیتوں کا اندازہ لگایا گیا، تو کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے، وہاں ان کی شہرت کو اور چار چاند لگے تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے صدر کی حیثیت سے بلائے گئے، یہاں سے ریٹائر ہوئے تو ہمدرد نگر تعلق آباد نئی دہلی میں ان کی علمی خدمات حاصل کی گئیں، وہیں سے ترمیم یونیورسٹی میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے بلائے گئے، پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسلامک اسٹڈیز میں بھی کچھ دنوں پروفیسر رہے۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہند اکاڈمی کے ڈائرکٹر تھے، اس اثنا میں ان کا علمی سفر کینڈا، نیویارک، پرنسٹن، لندن، مصر، سعودی عرب اور جنوبی افریقہ وغیرہ کا بھی ہوتا رہا، پاکستان تو خدا جانے کتنی بار وہاں کی علمی کانفرنسوں میں بلائے گئے، ہندوستان کی کوئی اہم علمی کانفرنس ایسی نہ ہوتی جس میں وہ مدعو نہ ہوتے، پھر اپنے سیاسی ذوق کی وجہ سے آل انڈیا مسلم کنونشن کے صدر بھی منتخب ہوئے ان کو جمہوریہ ہند کے صدر کی طرف سے عربی میں سند اعزاز بھی ملا، کلکتہ کی ایک ادبی انجمن کی طرف سے دس ہزار کا انعام بھی پیش کیا گیا۔

وہ جہاں رہے، گل رعنا بن کے رہے، کسی علمی کانفرنس میں شرکت کرتے تو اس کے گل سرسبد بن جاتے، کسی سے ملتے تو گل نیلوفر کی طرح کھلے ہوئے نظر آتے، مجلس میں بیٹھ کر باتیں کرتے تو علم، فضل، شعر اور ادب کا گلدستہ بنے ہوئے دکھائی دیتے۔

اس برصغیر کے بڑے اچھے مقرروں میں شمار کیے جاتے، تقریر کرتے وقت اپنی علمیت، زبان کی فصاحت، طرز ادا کی بلاغت اور خطابت کی پوری شان دکھاتے، مگر اس میں الفاظ کی بھنبھناہٹ اور خطابت کا تصنع نہ ہوتا، بلکہ ان کو سنتے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی اہل علم اپنی بصیرت سے اپنے سامعین کے ذہن میں ضیا پاشی کر رہا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اپنے

فن خطابت سے وہاں کے اساتذہ اور طلبہ کو برابر متاثر رکھا، وہ اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں کے مقرر تھے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اس وقت دنیا کے بہترین خطیبوں اور مقرروں میں شمار کئے جاتے ہیں، لیکن مولانا سعید احمد اکبرآبادی جب کبھی دارالعلوم ندوۃ العلماء پہونچ جاتے تو ان کی تقریر کو سننے اور سنانے کیلئے ضرور کوئی مجلس منعقد کراتے، وہ بولتے تو حضرت مولانا کے چہرے سے ظاہر ہوتا کہ وہ ان کی قوت گویائی سے متاثر ہو رہے ہیں اور تحسین بھری نظروں سے حاضرین کو بھی دعوت دے رہے ہیں کہ وہ بھی حظ اٹھائیں۔

گذشتہ سال مارچ میں وہ سندھ کے سیمنار میں تشریف لے گئے، یہ راقم بھی اس میں مدعو تھا، اس کا افتتاح کراچی میں جنرل ضیاء الحق نے کیا، بڑا اچھا مجمع تھا، پورا ہال اکابر سے بھرا ہوا تھا، مولانا اس مجلس کے مہمان خصوصی بنائے گئے، اس میں ان کو سندھ کی علمی اور ثقافتی حیثیت پر کچھ اظہار خیال کرنا تھا، جب وہ بولنے لگے تو سارا مجمع متاثر نظر آیا، مختصر بولے مگر بہت ہی پیارے انداز میں بولے، جنرل ضیاء الحق کے ساتھ ہر شخص کی زبان پر تھا کہ ایسی پیاری تقریر بہت دنوں کے بعد سننے میں آئی۔

پاکستان میں ان کی مقبولیت راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی، ۱۹۸۰ء میں پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر اسلام آباد میں ایک بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس تھی، وہ وہاں بلائے گئے تھے، یہ خاکسار بھی مدعوئین میں تھا، اس کا افتتاح جنرل ضیاء الحق نے کیا، جس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا، تو جنرل ضیاء الحق کی نگاہ مولانا پر پڑی، بہت بے تکلفانہ انداز میں ان سے مخاطب ہو کر بولے حضرت آپ کا ایک شاگرد آپکے سامنے کھڑا ہے، اس کو اسٹیفن کالج میں آپکی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی تھی، خود مولانا کو اس وقت کے ضیاء الحق کی صورت یاد نہ تھی، دونوں نے بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا، مجمع اس قران السعدین سے محظوظ ہو رہا تھا، جنرل ضیاء الحق نے رخصت ہوتے وقت ان سے وعدہ لیا کہ وہ ان کے یہاں آکر کچھ دنوں مہمان رہیں گے۔

۱۹۸۴ء کے مارچ میں سندھ کے مذکورہ بالا سیمنار میں بھی جنرل ضیاء الحق کی نظر مولانا پر پڑی تو بڑی محبت سے ان کو ڈائس پر بلا کر اپنے بغل میں بٹھایا، اور پھر اپنی تقریر میں انکی تعلیم و تربیت کا بھی ذکر کیا، اس مرتبہ بھی مولانا کو اسلام آباد میں اپنے یہاں مدعو کیا۔

پاکستان میں ان کے ساتھ ایک دلچسپ لیکن عجیب غریب علمی سفر کی یاد بھی اسوقت بے اختیار آرہی ہے، ۱۹۷۶ء میں وہاں کی پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں ہم دونوں مدعو تھے، جب اس کی ایک نشست کراچی میں ہوئی تو حیدرآباد سندھ سے کچھ لوگ مولانا قاری محمد طیب مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اپنے یہاں کسی سیرت کے جلسہ میں مدعو کرنے آئے تو مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو بھی دعوت دی، پھر مجھ سے بھی شرکت کرنے کو کہا گیا، میں تو جانے کیلئے تیار نہیں ہوا کیونکہ سیرت کی کانفرس میں مقالے تو پڑھ لیتا ہوں، مگر کوئی لمبی تقریر کرنے کا عادی نہیں ہوں، وہاں جانے سے انکار کیا، لیکن مولانا نے یہ کہہ کر چلنے پر مجبور کیا کہ مولانا قاری محمد طیبؒ کا وعظ اتنا لمبا ہو جائے گا کہ ہم لوگوں کے بولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا ان کی اس ضمانت پر چلنے کو تیار ہو گیا، دوسرے دن موٹر ہم لوگوں کو لے کر مولانا قاری محمد طیبؒ کی قیام گاہ پر پہونچی تو انھوں نے جانے سے معذرت کی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی پریشان ہوئے، اور میری سراسیمگی کی کوئی حد نہ تھی ہم لوگ واپس بھی نہیں ہو سکتے تھے، پریشانی میں جلسہ گاہ پہونچے تو ہزاروں کا مجمع دیکھا جو مولانا طیبؒ کو سننے کے لئے بے چین تھا، نعرہ تکبیر کی بار بار صدا بلند ہو رہی تھی، ہم لوگوں کے پہونچتے ہی جلسہ شروع کر دیا گیا، مولانا مائک پر بلائے گئے، موٹر کے لمبے سفر سے ہم لوگ تھکے ہوئے تھے۔ مولانا پر بھی تکان کا اثر تھا، وہ بولنے کے لئے تیار ہو کر بھی نہیں آئے تھے، انھوں نے مجبوراً تقریر شروع کر دی، لیکن یہ جم نہیں رہی تھی، میں پریشان تھا کہ اتنے بڑے مجمع میں میرا بولنا اور بھی مشکل ہوگا۔ یکایک ایک صاحب میرے پاس آئے، وہ میری کتاب بزم صوفیہ پڑھ چکے تھے، میرے کان میں کہنے لگے کہ صوفیائے کرام کے واقعات سے مجمع کا رنگ بدل جائے گا، کیونکہ یہاں کے لوگ ان کے واقعات بہت شوق سے سنتے ہیں، جب مائک پر پہونچا تو ان بزرگان دین کی باتیں یاد آتی گئیں دو چار واقعات سنائے ہوں گے کہ تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے، میرا حوصلہ بڑھا اور مجمع کے ذوق کے مطابق ان بزرگوں کے واقعات دیر تک سناتا رہا، تائیدِ ایزدی بھی ساتھ دیتی رہی جب بول کر مولانا کے پاس بیٹھا تو انھوں نے یہ کہہ کر گلے لگا لیا کہ ہندوستان کی اچھی نمائندگی ہو گئی، مگر میں نے عرض کیا کہ آپ نے تو یہاں لاکر تختۂ دار پر چڑھا دیا تھا، خیریت ہوئی کہ اس پر سے صحیح سالم اتر آیا۔

وہ ایک بہت ممتاز اہل قلم کی حیثیت سے بھی مشہور رہے، ان کی زبانی بارہا سنا کہ وہ شروع سے مولانا شبلیؒ اور دارالمصنفین کی تصانیف سے متاثر رہے ہیں، دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں ان کے پاس ان کتابوں کو دیکھ کر وہاں کے طلبہ اور اساتذہ کو تعجب ہوتا تھا، اور یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ان کی ذات اور ان کی تحریر دل پر دبستان شبلی کا بڑا اثر رہا، جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب دہلی میں مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن نے ملکر ایک ادارہ قائم کیا اور اس کی تاسیس میں ان کی بھی شرکت ہوئی تو دارالمصنفین ہی کی تقلید میں اس کا نام ندوۃ المصنفین رکھا گیا اور پھر ان کی ادارت میں رسالہ 'برہان' ندوۃ المصنفین سے نکلنا شروع ہوا تو اس میں معارف ہی کی طرح خاص خاص عنوانات رکھے گئے، ان کا بس چلتا تو ندوۃ المصنفین کو دارالمصنفین ہی کی طرح ایک علمی ادارہ بنا دیتے مگر بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر یہ اشاعتی ادارہ بن کر رہ گیا، پھر بھی اس کی طرف سے اب تک جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سے اردو زبان کے مذہبی اور تاریخی لٹریچر میں بڑا قابل قدر اضافہ ہوا ہے، مولانا کا رسالہ 'برہان' اس کیلئے اس حیثیت سے مفید رہا کہ اسکی وجہ سے یہ علمی ادارہ ہی سمجھا جاتا رہا۔

مولانا نے اس رسالہ کی ادارت کے فرائض جس شان سے انجام دیے، وہ اردو زبان کی تاریخ میں جلی حروف سے لکھے جائیں گے، ان کا کوئی معاون نہیں رہا، وہ خود ہی اسکے مضامین کے حک و اصلاح اور ترتیب میں لگے رہتے، اس کے لئے لمبے لمبے مضامین بھی لکھتے، اس میں ریویو کے لئے جو کتابیں آتیں، ان پر ریویو بھی قلم بند کرتے، البتہ اس کی کتابت اور طباعت کی ذمہ داری مولانا مفتی عتیق الرحمٰن پر ہوتی، ورنہ سینتالیس ۴۷ سال کی طویل مدت تک ادارت کا سارا کام تنہا ان ہی کے ذریعہ انجام پاتا رہا، کسی مہینہ اس کی اشاعت نہیں رکی، جو ان کا زبردست علمی کارنامہ ہے۔ اس میں 'نظرات' کے عنوان سے ان کی ادارتی تحریریں ہوتیں جن میں ملک کے ہر قسم کے مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کر کے اپنے قلم اور علم کا جو جوہر دکھاتے رہے، اس کی طرف پورے علمی حلقہ کی نظر اٹھتی رہی، بعض وقت اپنی رائے کا اظہار بڑی جرأت اور بے باکی سے کرتے، نظری حیثیت سے وہ نیشلسٹ مسلمان تھے، لیکن حق بات میں ان کی نیشلزم ان کے قلم پر روک نہیں لگاتی، نظرات میں کبھی وہ اپنے مذہبی خیالات کے مروارید بکھیرتے، کبھی اپنے جذبات کے تلاطم سے اپنی تحریر کو

پُرشور کر دیتے، کبھی علمی نکتہ آفرینیوں سے اپنے ناظرین کو محظوظ کرتے، کبھی مشاہیر کی وفات پر اپنے غمناک تاثرات کا اظہار کر کے دوسر دل کو بھی اپنا شریک غم بنا لیتے، کبھی اس میں ادب و انشا، کا سحر دکھا کر اپنی تحریر سے مسحور کرتے، اگر ان کے نظرات کتابی صورت میں مرتب کئے جائیں تو بہت سی جلدوں میں منتقل ہو کر نظر، فکر، روشن ضمیری، خود اعتمادی اور تبحر علمی کے قیمتی راس المال ثابت ہوں گے۔

وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہوتے۔ جن میں کچھ یہ ہیں: فہم قرآن' غلامانِ اسلام' وحی الٰہی' صدیق اکبر' مسلمانوں کا عروج و زوال، چار مقالات، تفتۃ المصدور، اور ہندوستان کی شرعی حیثیت' مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد، حضرت عثمان غنی ذی النورین، اور خطبات اقبال پر ایک نظر، ان کی تمام تصانیف پر ایک مستقل کتاب لکھ کر ان کے تصنیفی اور علمی کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی ضرورت ہے، یہاں ہم ان کی دو تصانیف وحی الٰہی اور صدیق اکبر کی کچھ جھلکیاں دکھانے پر اکتفا کریں گے۔ وحی الٰہی میں وحی کی ضرورت وحی کی مختلف صورتیں' قرآن اور وحی' خدا کی صفات' وحی اور محققین یورپ' تسلسل وحی اور نزول جبرئیل' قرآن مجید وحی الٰہی کیوں ہے؟ قرآن مجید کا اسلوب بیان' اور بعض عیسائی مصنفین پر جواب کے مباحث ہیں' ان کو پڑھ کر ان کی علمی فضیلت اور جلالت کا بڑا اثر پڑتا ہے، جس ایمانی حرارت اور مذہبی راسخ العقیدگی سے یہ لکھی گئی ہے اس کے بعض مباحث بارگاہ ایزدی میں بھی ضرور مقبول ہوئے ہوں گے' اسکی وجہ تصنیف جس دلچسپ انداز میں بتائی گئی ہے اسکو پڑھ کر اس کتاب کی نوعیت کا نہ صرف اندازہ ہوگا، بلکہ ناظرین کے ایمان میں نور اور ذہن میں سرور پیدا ہو کر ان کے بہت سے شکوک و شبہات کافور ہو جائیں گے، لکھتے ہیں!

"دنیا میں سیکڑوں سوالات ہیں۔ جن کے جواب میں انسان سب کچھ کہنے کے بعد آخر میں ایک ایسے مرحلے پر پہونچتا ہے کہ پھر اس کے لئے جواب کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، ہاتھی بعقد فربہ اور توانا کیوں ہے؟ چیونٹی کیوں اتنی نحیف و زار ہے، آم کے درخت پر آم ہی کیوں لگتے ہیں' جامنیں کیوں نہیں پیدا ہوتیں؟ غم سے رونا اور خوشی سے ہنسنا ہی کیوں آتا ہے؟ اس کے برعکس کیوں نہیں ہوتا؟ یہ اور اسی طرح سیکڑوں سوالات ہیں' جن کے جواب کا

آخری رتبہ یہ ہے کہ ان تمام اشیاء کے طبعی خواص اور ان کی نوعی مخصات پر محمول کر دیا جائے، پھر اگر اس کے بعد بھی یہ سوال کیا جائے کہ اس شے کی یہ طبعی خاصیت کیوں ہے؟ اور یہی کیوں ہے؟ اور چیز کیوں نہیں، تو اس کے جواب میں ایک ملحد کہے گا کہ مادہ کی ترکیب اسی طرح ہوئی ہے، لیکن موحد جواب دے گا کہ خدا نے ہر شے کی صورت نوعیہ میں ایک الگ خاصیت رکھی ہے، جواب دونوں کے مختلف ہوں گے، لیکن ہر ایک کا یہ جواب ایک آخری جواب ہوگا کہ اس کے بعد میں سائل 'کیوں' سے سوال کرے تو اسکے جواب میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

وحی کا مسئلہ اسی طرح کے مسائل میں سے ہے، اسکی حقیقت کے سمجھانے میں ہم بتا سکتے ہیں کہ خدا کلام کرتا ہے، خاص خاص انسان (انبیاء) اس کا کلام سنتے اور سمجھتے ہیں، اور ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ان دو دعووں پر جو عقلی اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کو رفع کر دیں، لیکن اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص "کیوں ہوتا ہے"؟ کہہ کر ہم سے سوال کرے گا تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ اچھا پہلے تو ہمارے ہزاروں کیوں کا جواب دے دو، پھر ہم بھی تمھیں سمجھا دیں گے کہ خدا انبیاء ہی کیوں کلام ربانی کو سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے؟ ہم شما میں کیوں یہ صلاحیت نہیں ہوتی؟ زیر نظر کتاب میں وحی الٰہی پر جو بحث کی گئی ہے اس کا مقصد ان ہی سوالات کا جواب دینا ہے جو واقعی ایک طالب تحقیق کے دل میں اس مسئلہ پر غور کرنے کی راہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، انکے علاوہ جو لوگ از راہ بغض و عناد اپنے کیوں کا سلسلہ کہیں ختم نہیں کرتے وہ اسکے مخاطب نہیں مولانا کی اس پر کیف تحریر کو پڑھنے کے بعد اس کے ناظرین کے بہت سے مذہبی خیالات میں جلا پیدا ہو سکتی ہے۔

ان کی کتاب صدیق اکبرؓ بہت مقبول ہوئی، انھوں نے اس کے دیباچہ میں اس کے ماخذوں پر جو بحث کی ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اس کی تدوین کرنے میں کیسی محنت شاقہ کی گئی ہے۔ پھر جس دلنشین پیرایہ میں یہ شروع سے آخر تک لکھی گئی ہے، وہ اسکی اصلی خوبی ہے، اس میں ان کے ابر قلم کے جو رشحات ہیں ان کے دو چار نمونے یہاں پر پیش

کرنے کو جی چاہتا ہے، تاکہ ناظرین میری طرح تھوڑی دیر کیلئے ان کے اسلوب اور طرز بیان سے بھی لطف اٹھائیں، حضرت ابوبکرؓ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"تاریخ کا ایک طالب علم کہہ سکتا ہے کہ دنیا میں سکندر اعظم، ہنی بال، چنگیز خاں، تیمور اور بھی بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں، جنھوں نے نہایت عظیم الشان فوجی کارنامے انجام دیے، لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی عظیم الشان فاتح ایسا بھی گذرا ہے جس نے دنیا کی تاریخ کا ورق الٹ دیا، لیکن اسکے باوجود اسکے سر پر تاج زرفشاں ہو اور نہ اورنگ سلطانی ہو، معمولی سے معمولی آدمیوں کی طرح رہتا سہتا ہو، اس میں اور دوسرے لوگوں میں شان و شوکت اور وجاہت و سطوت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہو، وہ محلہ کی بکریوں کا دودھ بھی دوہ دیتا ہو، رات کے وقت چھپ چھپ کر نابینا عورت کے گھر کا سارا کام بھی کر آتا ہو، معمولی کپڑے پہنتا ہو، موٹا جھوٹا کھاتا ہو، اسکے پاس نہ خدم و حشم ہوں اور نہ محلات و قصور، نہ خزانے ہوں، اور نہ زر و سیم کے انبار، نہ چوکیدار، نہ دربان، نہ ملٹری گارڈ اور نہ پولیس کا حفاظتی دستہ، ایک معمولی سے معمولی انسان بھی برملا اسکو سر راہ ٹوک سکتا ہو، ایک ادنیٰ حیثیت کا شخص بھی بھرے مجمع میں اس سے باز پرس کر سکتا ہو۔"

کیسی مؤثر اور باوقار تحریر ہے، اس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں :

"جب وہ اپنی فوج کو کسی مہم پر روانہ کرنے کے لیے دور تک مشایعت کے لیے جاتے تو اس شان سے کہ وہ خود پا پیادہ ہوتے اور ان کا نو عمر اور نوجوان امیر فوج گھوڑے پر سوار ہوتا، اس کی بیٹی اپنے شوہر کے گھوڑوں کا دلیہ خود دلتی ہو اور پھر نو نو میل اسے سر پر رکھ کر پیدل چلتی ہو، اور خود اس کا اپنا حال یہ ہو کہ وہ کپڑوں کا گٹھر اپنے سر پر رکھ کر بازار میں پھرتا ہو، بتاؤ فوجی و حربی کامگاری کے ساتھ جمہوریت اور یہ مساوات و برابری، یہ تواضع و فروتنی پوری تاریخ عالم میں کہیں اور بھی نظر آتی ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ جمہوریت اور مساوات کی جو مثال حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں قائم کی وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کی بے نفسی اور انتہائی سادگی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ بھی کہہ پڑے : اے ابوبکر! تم نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے بڑی مشکلات پیدا کر دیں، یعنی تمھارے نقش قدم پر چلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔"

حضرت ابو بکرؓ کی سیرت کو نمایاں کرنے کے لیے جس دلنواز طرز ادا کی ضرورت تھی اس کو مولانا نے اپنی تحریر کے ذریعہ سے فراہم کیا، پھر ان کو یہ سب کچھ لکھنے میں ایسی لذت ملی کہ ان کا قلم روکے نہیں رکا، بے ساختہ طور پر ان کے قلم سے یہ تحریر بھی نکل پڑتی ہے :

"پھر فاتحین و کشور کشایان عالم میں کتنے ہیں جن کے لشکروں نے شہروں کو نہ اجاڑا ہو، آبادیوں کو ویرانہ میں تبدیل نہ کر دیا ہو، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ترس کھایا ہو، کھیتوں کو آگ نہ لگائی ہو، درختوں کو نہ کاٹا ہو، لیکن یہاں کیا عالم تھا، فوج روانہ ہوتی تھی تو بڑی تاکید سے ان امور کی نسبت ہدایات دی جاتی تھیں، اور کسی کی مجال نہ تھی کہ فرمانِ خلافت سے ذرا سرتابی کر سکے، ان سب چیزوں کا اثر یہ تھا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں شمشیر آزما بن کے آتے تھے، جب ہوا کا رخ پلٹتا تھا تو ان ہی کی زبانیں فاتحین کیلئے دعائیں کرتی تھیں، جنگ کے ختم ہونے کے بعد جنگ کی ہولناکیوں کا نام و نشان جنگ سے باہر نہیں نظر آتا تھا، اور ملک میں پہلے سے زیادہ خوشحالی اور آسودگی پیدا ہو جاتی تھی"۔

جو باتیں اوپر لکھی گئی ہیں، وہ کچھ ایسی نئی نہ تھیں جو پہلے کبھی نہ لکھی گئی تھیں، لیکن مولانا نے ان کو اپنے قلم کی جس گرمی سے لکھا ہے وہی اس تحریر کی جان ہے، انکو حضرت ابو بکرؓ سے جو والہانہ عقیدت تھی، اسکو والہانہ انداز میں اپنی تحریر میں منتقل کر دیا ہے، اور جب وہ یہ لکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ بول رہے ہیں اور کانوں میں امرت گھول رہے ہیں :

"جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تکمیل کو نہ پہونچا تھا، خلیفۂ اول کے ہاتھوں اس کی تکمیل ہوئی، پوری عرب قوم کو متحد کرنے کے علاوہ قرآن مجید کو جمع کرنا اور اس کو ضیاع سے بچا لینا بے شبہ ایک پیغمبرانہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے خود اللہ تعالیٰ کا وعدہ ان علینا جمعہ پورا ہوا، قرآن جس پر اسلامی شریعت کی اساس قائم ہے، اس کو جمع کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دینا، زکوٰۃ و صدقات کے احکام کی تبلیغ و اشاعت اور ان کی تفصیل و تشریح، جیش اسامہ کی روانگی،

مرتدوں اور باغیوں کی سرکوبی، مدعیان نبوت کا استیصال، ایران اور روم کی ان کے اسلام دشمن منصوبوں کی بنا پر گوشمالی، اسلام کی تبلیغ و اشاعت، قبائل عرب کا باہمی اتحاد و اتفاق، اسلام کا عربوں کے لیے قومی مذہب بن جانا، یہ سارے اہم کام جو کل سوا دو برس کی مدت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئے ان سب کو سامنے رکھو اور بتاؤ کہ کیا ان سے صاف طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکرؓ پیغمبر نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے، لیکن ان کے یہ تمام کارنامے پیغمبرانہ تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر ابوبکرؓ نہ ہوتے تو خدا کی عبادت نہ کی جاتی، گویا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کہہ کر پیغمبر آخر الزماںؐ کے ساتھ جس کی جسمانی معیت و رفاقت پر مہر تصدیق ثبت کی تھی، ازل میں اس کے لیے یہ سعادت بھی مقدر کر دی گئی تھی کہ جسمانی رفاقت کے ساتھ معنوی اشتراک عمل اور باطنی رفاقت کا بھی اس سے مظاہرہ ہو۔" (صدیق اکبرؓ۔ شایع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ ص ۸۷-۴۲۷)۔

اس ایک پیراگراف میں حضرت ابوبکرؓ کے سارے کارنامے سامنے آجاتے ہیں، مولانا نے جس بے ساختگی کے ساتھ ان کو قلمبند کیا ہے اس کی داد ان کو کیسے نہیں مل سکتی ہے، ان ہی ساری باتوں کا اطناب اس کتاب میں ملے گا، اردو میں حضرت ابوبکرؓ پر اتنی مفصل اور سیر حاصل کتاب پہلی دفعہ لوگوں کے ہاتھوں میں آئی، جس میں اس دور کے اہم دینی، سیاسی، فقہی اور تاریخی واقعات اور کوائف پر بڑی جامعیت کے ساتھ مفید مباحث بھی ہیں۔

ان کی یہ کتاب ان کی دستار علم کی ایک بہت ہی تابدار اور زریں کلغی ہے۔

مولانا سے جو عقیدت رہی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کی تمام کتابوں پر کچھ نہ کچھ لکھ کر لطف اٹھاتا، مگر زیر نظر تحریر تو محض تعزیتی اور تاثراتی ہے، اس لیے اس میں اس کی گنجائش نہیں اوپر کی کچھ باتیں غیر ارادی طور پر قلم سے نکل پڑی ہیں، ان کے عام طرز تحریر کا جب تجزیہ کیا جائے گا تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس میں جہاں ادبی انشار کا جمال ہے، وہاں ان کے اسلوب میں عالمانہ وقار، منطقیانہ وزن اور ماہرانہ استدلال کی متانت بھی ہے، وہ عالم بھی تھے، انگریزی

تعلیم یافتہ بھی تھے، اس لیے قدیم و جدید رنگ کی آمیزش سے ان کا قلم بعض اوقات اس مصور کا موئے قلم ہو جاتا جو مختلف رنگوں کے حسین امتزاج سے اپنے آرٹ کو دیدہ زیب اور جاذب نظر بنا دیتا ہے' ان کو قرآن مجید' احادیث اور فقہ کا ادراک و فہم حاصل تھا، اکابر اسلام سے بے پناہ عقیدت تھی' مسلمانوں کے ماضی کی عظمت کا احساس تھا، اس لیے ان کے قلم میں ایمانی حرارت بھی ہوتی، تب و تاب زندگی بھی، دعوت اصلاح بھی، درس عمل بھی، سلف صالحین کی قدروں کا احترام بھی' اور موجودہ دور کی حریت فکر بھی' روشن ضمیری بھی، اور تھمے ہوئے جذبات کی لہریں بھی' ان اجزائے ترکیبی سے ان کی تحریریں جہاں کہیں بھی چھپی ہوئی دکھائی دیتیں ممکن نہ تھا کہ وہ پڑھی نہ جاتیں، اس طرح ان میں مقناطیسیت بھی تھی۔

راقم سے ان کے ملنے ملانے کی روداد بڑی طویل ہے، پہلی بار ان سے دہلی میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن کے یہاں ملاقات ہوئی، کلکتہ میں جب وہ مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل ہوئے تو اس بنگلہ میں بھی حاضری دی جہاں ان سے پہلے بہت سے انگریز پرنسپل رہ چکے تھے، وہ علی گڑھ آئے تو جب جب وہاں گیا ان کے در دولت پر یا ان کے شعبے میں جا کر ان سے ضرور ملا، ۱۹۶۵ء میں وہ دارالمصنفین کی طلائی جوبلی کے موقع پر اعظم گڑھ تشریف لائے، ۱۹۶۹ء میں یہاں علی گڑھ کے اسلامک اسٹڈیز کی ایک کانفرنس ہوئی، تو اس میں بھی شرکت کی، ۱۹۸۲ء میں اسلام اور مستشرقین پر یہاں جو سیمینار ہوا، تو اس موقع پر بھی آکر اس کی رونق بڑھائی، ایک بار اعظم گڑھ کے قصبہ بلریا گنج کے مدرسہ کے طلبائے قدیم کو مخاطب کرنے گئے، تو یہاں بھی تشریف لاکر ہم لوگوں کی عزت افزائی کی۔

وہ کہتے کہ اور لوگ تو دارالمصنفین پاؤں کے بل آتے ہیں، مگر وہ اپنی پلکوں کے بل آتے ہیں، اس برصغیر کی علمی کانفرنسوں میں تو برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے سالانہ جلسہ میں یا اس کی کسی اور تقریب میں لکھنؤ آتے تو یہ راقم بھی موجود ہوتا، ہم دونوں جب اور جہاں ملتے تو وہ دیکھتے ہی ایسی تواضع کرتے جو قلاقند سے زیادہ شیریں ہوتی، شاداں و فرحاں ہو کر گفتگو شروع کر دیتے، تو معلوم ہوتا کہ ان کی بذلہ سنجیوں کی مے ارغوانی

چھلک رہی ہے، اچھل رہی ہے، پئے ہوئے ہیں، پلا رہے ہیں

معارف کے کسی مضمون یا شذرات کا ذکر خیر کرنے لگتے تو کہتے کہ تم اپنی نثر میں شاعری کرتے ہو

میں عرض کرتا کہ کاش میں آپ کی طرح ملک الشعرائی کرتا، کبھی کہتے کہ تم جیسے جیسے بوڑھے ہوتے ہو تمہاری تحریر جوان ہوتی جارہی ہے، میں جواب دیتا کہ لکھتے وقت آپ کی عمر رفتہ کو آواز دیتا رہتا ہوں، کبھی کہتے کہ میری نواسیاں تمہاری تحریر کو میری تحریر سے زیادہ پسند کرتی ہیں، میں کہتا اسلئے کہ آپ نے اپنے پرتکلف دسترخوان پران کو اپنے یہاں کے مرغ مسلم کو دال برابر سمجھنے کی تربیت دی ہے پھر کہتے کہ کیا یہ تصور کرنا صحیح نہیں کہ ہم دونوں کو علم کے دربار عام میں بقائے دوام حاصل ہوگی، میں عرض کرتا کہ اس میں تو آپ کے لیے آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی جگہ متعین کردی گئی ہے، میری زندگی میں بہت سی محرومیاں رہی ہیں، یہ محرومی بھی پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، وہ اپنی اس قسم کی باتوں کو میری تصانیف پر رسالہ برہان میں تبصرہ کرتے وقت لکھ بھی جاتے۔

اب وہ نہیں ہیں تو ان کی تمام باتوں کو اپنی یادوں کے شیش محل میں فانوس فروزاں کی طرح برابر جگمگاتا ہوا دیکھتا رہوں گا۔

ان کو استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے بڑی عقیدت تھی ——— وہ جب دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پا رہے تھے تو ان کی خواہش تھی کہ دو تین سال انکے زیر تربیت رہ کر اپنے تصنیف و تالیف کے ذوق کی تکمیل کریں، لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا تو مراسلت کے ذریعہ استفادہ کرتے رہے، ایک بار اپنی ایک نظم معارف میں چھپنے کے لئے ان کے پاس بھیجی تو انھوں نے اسکو واپس کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ آپ اس نظم نویسی کے چکر میں کہاں پڑ گئے، آپکے رتبہ سے گری ہوئی چیز ہے، کچھ محنت کیجئے، اور مقالہ نویسی پر توجہ کیجئے، قوم کو آپ سے اسی کی توقع ہو سکتی ہے، اور یہی ہونی چاہیے اس تحریر کا اثر ان کے ذہن پر گہرا پڑا، اور انھوں نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا ؎

کون ہوں کیا ہوں، کہاں ہوں، سب حقیقت کھل گئی
تو نے وہ ٹھوکر لگائی چشم غفلت کھل گئی

وہ حضرت سید صاحبؒ کے اعلیٰ رتبہ اور بلند پایہ کے بڑے قائل تھے، اور جب ان کی وفات کے بعد معارف کا سلیمان نمبر نکلا تو اس کے لیے بڑی دلسوزی کے ساتھ ایک بہت ہی عمدہ مضمون لکھا، جس کی ابتدار انھوں نے اس طرح کی ہے:

"مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ایک بہت بڑے محقق، نامور

مصنف، بلند پایہ عالم اور صاحب طرز انشا پرداز تھے، ایک عام اور معمولی پیرایۂ بیان ہے جس سے مولانا کا اصل مقام اور رتبہ متعین نہیں ہوتا، اور نہ ان کا صحیح حق ادا ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی کے ذہن و فکر اور یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں خواہ وہ طرز قدیم کا ہو یا طرز جدید کا، نصف صدی کے اندر مذاق تصنیف و تالیف طریق فکر و استدلال اور تہذیبی اسباب و عوامل کے اعتبار سے جو عظیم الشان انقلاب ہوا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کے علمی و عملی کارناموں کو اس میں بڑا دخل ہے۔"

مولانا کی اس تحریر کی روشنی میں حضرت سید صاحبؒ پر بڑا کام کیا جا سکتا ہے، انکو دار المصنفین سے جو لگاؤ رہا اس کا اظہار اپنی ایک تحریر میں اس طرح کیا ہے:

"دار المصنفین اعظم گڑھ، برصغیر ہند و پاک کا ایک مشہور اور نہایت وقیع ادارہ ہے، جو گذشتہ نصف صدی سے اردو زبان میں اسلامی علوم و فنون کی اہم خدمات انجام دے رہا ہے، اس ادارہ نے سیرۃ، اسلامی تاریخ، شعر و ادب، فلسفہ و تصوف اور تذکرہ و تراجم پر جو کتابیں شائع کی ہیں، وہ مواد، ترتیب اور زبان و معانی کے لحاظ سے بھی کسی بھی زبان کے ادب کے لئے سرمایۂ فخر بن سکتی ہے، آج ہند و پاک میں اسلامی علوم و فنون پر ریسرچ اور تحقیق کا جو سنجیدہ ذوق پایا جاتا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ اس کی آبیاری میں اور چیزوں کے ساتھ اس ادارہ کی کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے، اس ادارہ نے خود کام کیا اور دوسروں کو کام کرنے کی راہ دکھائی، اور اسی کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج اردو زبان میں اسلامیات پر ایسا قیمتی اور وسیع لٹریچر پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کسی اسلامی موضوع پر ریسرچ اردو زبان کے جانے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔"

(برہان، اکتوبر ۱۹۶۴ء)

پھر اس گھرانے سے لگاؤ کی وجہ سے اس کے ہر فرد سے بڑی محبت کرتے تھے، جناب شاہ معین الدین احمد ندوی سابق ناظم دار المصنفین کی وفات ہوئی تو بہت ہی دلگیر ہو کر لکھا:

"ان کی وفات کی خبر اچانک سنی تو قلب و دماغ پر بجلی گر پڑی، شاہ صاحب ندوۃ العلماء کے گل سرسبد، نہایت پختہ قلم مصنف، تاریخ اسلام کے وسیع النظر محقق، اردو زبان کے ادیب، اور سو باتوں کی ایک بات یہ کہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح جانشین اور ان کے

قائم مقام تھے، اور اس میں شک نہیں کہ تقسیم ہند کے بعد سے اب تک انھوں نے دار المصنفین کے علمی قدر اور مرتبہ کو قائم رکھا اور ملک کے نہایت سخت طوفانی دور میں بھی اس باغیچۂ علم و ادب کی جس طرح حفاظت کی اور دل و جان سے اس کی آبیاری کی وہ ان کی قبائے فضل و کمال کا تکمۂ زریں ہے، علم و فضل اور تحقیق و تصنیف کے علاوہ اخلاق و عادات اور کردار و عمل کے اعتبار سے بھی وہ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ نہایت مخلص، بے لوث، عابد و زاہد، خندہ جبیں، شگفتہ طبع، ملنسار، متواضع اور مرنجاں مرنج تھے"! (برہان، جنوری ۱۹۷۵ء)

ان کے دل میں حضرت سید صاحبؒ، دار المصنفین اور یہاں کے لوگوں کے لیے جو انتہائی نرم گوشہ تھا اس کے بعد ان کی ذات گرامی کی طرف کیوں نہ کشش ہوتی، وہ محبوب بھی تھے اور حبیب بھی، دلبر بھی اور دلربا بھی ع

تصور چاہیے رونے میں اس کے روئے خنداں کا

جب میری کوئی کتاب شایع ہوتی تو اس کو اصرار کر کے ضرور منگواتے اور رسالہ برہان میں اس پر تبصرہ کرتے، میری حقیر تصانیف بزم تیموریہ، بزم صوفیہ، ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں فوجی نظام، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، غالب مدح و قدح کی روشنی میں، اور صوفی امیر خسرو پر اس رسالہ میں جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے ان کے وزن اور اہمیت میں ضرور اضافہ ہو گیا ہے، لیکن بعض اوقات ایسی بات لکھ جاتے جس کا مستحق اپنے کو نہ سمجھتا، مثلاً میری کتاب ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کے فوجی نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

> "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو تو اردو کسی زبان میں بھی اس خاص موضوع پر اس قدر عظیم مواد اور وہ بھی اس ترتیب کے ساتھ کہیں یکجا نہ ملے گا، مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب عرب و ہند کے تعلقات کے بعد اس پایہ کی دوسری کتاب ہے، جو تاریخ ہند کے ایک بالکل نئے موضوع پر اردو میں پہلی مرتبہ شایع ہوئی ہے اور جس نے اردو لٹریچر کو چار چاند لگا دیئے ہیں"
>
> (رسالہ برہان، دسمبر ۱۹۶۲ء صـ ۳۸۳)

اس کو پڑھ کر اس حیثیت سے انقباضی کیفیت پیدا ہوئی کہ میری اس کتاب کا ذکر حضرت الاستاذ کی بے مثال تصنیف کے ساتھ نہ کیا جاتا، اس کے بعد مولانا سے فوراً ہی ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے

احتجاجاً کہا کہ خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت جو آپ نے یہ لکھ دیا ہے، کہنے لگے کہ ان پر جو اثر ہوا وہ لکھ دیا ہے، لیکن اپنے متعلق ان کی ایسی تحریروں سے کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی کبھی پیدا نہیں ہوئی، البتہ ان کی کریم النفسی اور قلمی فیاضی کے بارے دبا رہا۔

نومبر ۱۹۸۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے حضرت سید صاحبؒ پر ایک سیمنار تھا، جس نشست میں مجھ کو اپنا مقالہ پڑھنا تھا اس کی صدارت مولانا ہی نے کی، اپنی صدارتی تقریر میں میرے مقالہ پر اپنی محبت میں بہت کچھ کہہ رہے تھے کہ یکایک رک گئے، پھر ہنسے اور ہنس کر اپنی تقریر کا رخ دوسری طرف موڑ دیا، جیسے کوئی خاص بات ان کی نوک زبان پر آگئی تھی، وہ کہنا چاہتے تھے، لیکن کہہ نہ سکے، جلسہ ختم ہوا تو تنہائی میں مجھ سے کہا کہ تمہارے متعلق ایک دلچسپ جملہ زبان پر آگیا تھا لیکن کہنا مناسب نہیں سمجھا، پوچھا وہ کون سا جملہ تھا؟ برملا کہہ دیا، وہ بھی ہنسے، مجھ کو ہنسی آگئی، لیکن میں نے اپنی بے تکلفی میں ان سے عرض کیا کہ وہ یہ کہہ دیتے تو میں اسی وقت صدارت کی کرسی کے پاس پہونچ کر گریباں گیر ہونے کی جرأت تو نہ کرتا لیکن دامن گیر ضرور ہو جاتا۔

اس کے دوسرے دن اپنے گھر پر مدعو کیا، علی گڑھ میں ایک بہت ہی آرام دہ بنگلہ بنا لیا تھا، جس کو اپنی خوش سلیقگی سے سجائے رکھتے تھے، وہ بڑی اچھی رہائش کے عادی رہے، اپنے خورد و نوش کا بھی بڑا اہتمام کرتے، کھانے پر مدعو کرتے تو ان کے دسترخوان کی آرائش دیکھنے کے لائق ہوتی، ان کا بس چلتا تو کھانے کے تمام اقسام سے اس کو سجا دیتے، بہت عمدہ باورچی اپنے یہاں ملازم رکھتے، ان کی دعوت قبول کرنے میں ہچکچاتا، ان کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر اپنے کام و دہن کی لذت کی تسکین تو خوب ہو جاتی، لیکن ان کو اس کے لیے جھمیلوں کا جو سامنا کرنا پڑتا اس کو سوچ کر تردد ہوتا مگر ان کی زندگی کی ایک بڑی لذت یہی تھی کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر اچھا وقت گذاریں۔

یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی، اس موقع پر ان کی باتوں میں پہلے جیسی شگفتگی اور رعنائی نہ تھی، کچھ عرصہ پہلے ان کی رفیقۂ حیات کی رحلت ہو گئی تھی، ان کی دائمی جدائی پر برہان کے نظرات میں جو اپنے غمناک جذبات ظاہر کئے تھے وہ سوگوارانہ رومانی ادب کا ایک شہ پارہ ہے، ان کے بڑے لڑکے کی وفات بھی ہو گئی تھی، ان کے ہمدم اور غمگسار مفتی عتیق الرحمٰن بھی حال ہی میں ان سے جدا

ہو گئے تھے، پھر وہ یکایک یرقان میں مبتلا ہو گئے، ایک کتے نے بھی ان کو کاٹ لیا تھا، ان امراض سے وہ جاں بر تو ہو گئے تھے، لیکن صحت گر رہی تھی، اپنی ایک لڑکی کی پریشانیوں سے بھی پریشان تھے، مگر دلگیر اور دل فگار ہونے کے باوجود اپنی خوش طبعی کا کچھ نہ کچھ اظہار کرتے رہے، ان کی دو نواسیاں یونیورسٹی میں تعلیم پا رہی تھیں، وہ وہاں سے واپس آئیں تو ان کو دیکھتے ہی پکارا کہ آؤ! معارف کے شذرات یہاں بیٹھے ہیں، ان سے مل لو، ان سب کے ساتھ میں بھی ہنس پڑا۔

کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ وہ اپنے علاج کیلئے پاکستان چلے گئے ہیں، ان کی خیریت انکے داماد ڈاکٹر محمد اسلم شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے معلوم کرتا رہا، ۲۴ رمئی ۱۹۸۵ء کو یکایک ریڈیو سے سننے میں آیا کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس خبر کو سنتے ہی آنکھوں کے سامنے فلمی پردہ کی طرح وہ آتے جاتے رہے، وہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں، قدم قدم پر نئے گل کھلا رہے ہیں، سیمینار میں بول رہے ہیں، کانفرنس میں مقالہ پڑھ رہے ہیں، اپنے دسترخوان پر طرح طرح کی چیزیں کھلا رہے ہیں، آہ! ان کی ملاقاتیں کیسی پر کیف ہوتیں، ان میں گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح رنگینی اور عطر مجموعہ کی طرح شامہ نوازی ہوتی، ان کے قہقہے چہچہے، برجستہ اشعار، علمی نکات، ادبی مطائبات اور دلچسپ مذاکرے اب کہاں سننے میں آئیں گے، ان کے ساتھ جو ساعتیں گذریں اب وہ کسی اور جگہ کہاں میسر ہوں گی، مگر اب ان کی یادوں کی جو تربت میرے دل میں بن گئی ہے، اسکے لوح تعویذ پر انکی ساری باتیں کندہ ضرور نظر آئینگی۔

آہ! ان کے بربط ہستی کا سرود اب خاموش ہے، علم کا ایک طائر ملکوتی عالم بقا کی فضائے بسیط میں پرواز کر گیا، اس برصغیر کا علمی حلقہ ایک باوقار اہل علم، ایک شگفتہ قلم، اور ایک باوزن انداز بیان سے محروم ہو گیا، معاشرہ سے ایک آب و رنگ کی شخصیت کی دلاویزی اور رعنائی چھین لی گئی، ان کے دوستوں کی بزم سے ان کے تفردات کی شیوہ بیانی اور شیریں گفتاری ختم ہو گئی ان کے ہم جلیسوں پر ان کی قربت کا جو نشاط تھا وہ جاتا رہا، ان کی جبیں پر ان کی شگفتگی جو ہنستی رہتی، وہ اب ان کے ملنے والے کہاں دیکھیں گے، سلام علیک و رحمۃ الی یوم التلاق۔

اے ذوالجلال والاکرام! ان کی علمی خدمات کی بدولت جس سے انھوں نے بعض اسلامی روایات کو سربلند کرنے کی کوشش کی، ان کے ان دینی جذبات کی خاطر جن سے وہ کبھی بے حد مضطرب اور

بے چین رہے، ان کی بے نفسی اور پاک طینتی کے بدلے میں جن سے وہ اپنے معاصروں میں مقبول رہے ان کو اپنی عاطفت کے سایے میں لے کر وہی جگہ عطا فرما جہاں تیری بے پناہ رحمت کا لازوال نور تاباں اور درخشاں رہتا ہے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی گرانقدر تصانیف

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب آسان اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ

مولانا موصوف کی مقبول و معروف تالیف جس میں مولانا مدظلہ نے خاص طور پر ان احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا انسانوں کی فکری، اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں اُمت محمدیہ کیلئے ہدایت کا خاص سامان ہے سات جلدیں الحمد للہ شائع ہو چکی ہیں جنمیں سے ۵ جلدیں عکسی طباعت سے مزین ہیں۔ قیمت مکمل مجلد سیٹ ۲۰۶/-

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بہجد دلنشین انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ ان بندوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے جن کی زندگیاں اس کتاب نے بدل دیں انہیں دین کی ضروری واقفیت ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے قیمت مجلد ۸/-

دین و شریعت

"اسلام کیا ہے؟" کے بعد اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے اسلامی تعلیمات کے بارے میں ذہنی اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ بالکل کافی ہے۔ قیمت مجلد ۱۲/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا جامع مرقع، بالکل نئے طرز کی کتاب، جو قرآن کی دعوت و تعلیم سے روشناس کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجاز بیان سے بھی لذت شناس کرتی ہے۔ قیمت مجلد صرف ۱۸/-

مولانا مودودی کیساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف

اپنے طرز بیان کی پہلی کتاب ہے جس میں مولانا موصوف نے مولانا مودودی کی ان باتوں اور ان نظریات کی نشاندہی کی ہے جو اُمت کیلئے بالخصوص ان کے متبعین کیلئے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں، نیا عکسی ایڈیشن قیمت ۱۵/-

ملفوظات / منتخب تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلو سمیٹے ہوئے ہے ہر تقریر دردِ سیرت، عام فہم اور دل کی گہرائیوں تک پہنچنے والی آپ نئی کتابت، عکسی طباعت اور نئے خوبصورت گرد پوش کے ساتھ۔ قیمت صرف ۱۸/-

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمہ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۳/-

نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اور اس کی روح سے واقف ہونے کے لئے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے قیمت ۶/-

بوارق الغیب

علم غیب نبوی کی تردید میں مولانا نعمانی کی ایک معرکۃ الآرا محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیات سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے

قیمت ۱۸/-

ہمارا پتہ الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ یوپی

اپنے لئے بہترین کتب کا انتخاب کیجئے

تفسیر ابن کثیر ۳۵۰/-
ترجمان القرآن ۱۲۰/-
تفسیر تدبر قرآن جلد اول ۳۶/-
لغات القرآن ۱۳۵/-
قاموس القرآن ۳۰/-
قصص القرآن ۱۶۰/-
صحیح بخاری شریف مترجم ۳۰۰/-
صحیح مسلم شریف اردو ۶۰/-
ترمذی شریف مترجم ۱۵۰/-
ترمذی شریف اردو ۸۰/-
تقریر بخاری اول ۱۸/- سوم ۱۸/-
غنیۃ الطالبین ۵۰/-
سیرت النبی ﷺ مکمل ۷ جلد (مولانا شبلی نعمانی) ۲۴۸/-
(مجلد کیلئے ۵/- فی جلد مزید)
سیرت النبی (ابن ہشام) ۱۶۰/-
نبی رحمت ۴۰/-
سیرت طیبہ ۱۵/-
ہادی عالم (سیرت بے نقط) ۲۵/-
حجاز و ماورائے حجاز ۶/۵۰
داڑھی کی قدر و قیمت ۳/-
نظریۂ اشتراکیت ۱/-
اسرار نبوت ۲/-
اسلام اور عہد حاضر ۱۰/-
آسان عربی زبان اول ۳/۵۰
" " دوم ۵/-
الفقہ المیسر (عربی) ۳۵/-
گھریلو جھگڑے اور ان کا حل ۳/-

مسائل بہشتی زیور ۱۵/-
قرآن وحدیث کی دعائیں عکسی ۶/-
حدیث احسان ۱/۵۰
دین کی ضروری باتیں ۱/۵۰
سچی نماز ۴/-
خلفائے راشدین عکسی ۱۲/-
رضیہ کا شاہی دسترخوان ۱۰/-
شریعت یا جہالت ۵۰/-
معرکہ سنت و بدعت (مکمل ۲ حصے) ۲۵/-
اقوال زریں ۳/۵۰
احکام حج ۶/-
مفتاح التبلیغ ۱۲/-
موت کا منظر ۵/-
موت کا منظر (ضخیم) ۱۸/-
آسان عربی بول چال ۴/۵۰
روحانی علاج ۸/-
سبزیوں سے علاج ۱۲/-
پھلوں سے علاج ۱۲/-
ارکان نماز ۱/۵۰
برکت نماز ۷/-
فضائل لباس ۵/-
فضائل نکاح ۳/۵۰
مشرق وسطی کی ڈائری ۴۰/-
اللہ والوں کے ۲۵ قصے ۶/۰۰
اصلاحی تقریریں ۶/-
تاریخ اسلام مکمل ۳ حصے (محمد میاں صاحب) ۱۶/-
حقیقت دعا و استغفار ۶/-

شرح مائۃ ۷/۵۰
فصول اکبری ۱۰/-
سبع معلقات ۳/-
سوانح ابوذر غفاری ۱۰/-
اسلام کا نظام تعلیم و دولت ۳/۵۰
رضا خانی ترجمہ و تفسیر پر ایک نظر ۲۰/-
پنج سورہ ۵/-
فضائل مسواک ۴/-
فضائل تہجد ۶/-
اسلامی تاریخی کہانیاں ۷/-
غذا اور صحت ۷/-
بلڈ پریشر ۷/-
نیک بیبیاں ۸/-
پیارے نبی ۸/-
انبیائے کرام ۸/-
ایمان کا نور ۳/-
مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی ۱۵/-
مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں ۱۲/-
مکتوبات تصوف یا مکتوبات شیخ اول ۱۵/-
مکتوبات شیخ دوم ۵/- سوم ۵/-
تقویۃ الایمان عکسی ۳۳/-

ملنے کا پتہ
الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں
مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

درج ذیل کتابوں کی ضرورت ہے

	کتاب	مؤلف	اجزا
١	اعراب ثلاثین سورة	ابن خالویه	١
٢	جامع مسانید الامام الأعظم	ابوالمؤید الخوارزمي	٢
٣	مسند أبي عوانة	أبوعوانة	٥
٤	التاریخ الکبیر	البخاري	٨
٥	فتح المتعال	احمد المغربي	١
٦	الجواهر المضیئة	عبدالقادر الحنفي	٢
٧	احکام الوقت	هلال البصري	١
٨	کتاب التیجان في ملوک حمیر	ابن هشام	١
٩	دول الاسلام	شمس الدین الذهبي	٢
١٠	مرآة الجنان	الیافعي	٤
١١	مرآة الزمان في تاریخ الاعیان	یوسف بن قزو	٢
١٢	ذیل مرآة الزمان	قطب الدین الیونیني	٤
١٣	کتاب المعاني الکبیر	ابن قتیبه	٣
١٤	المستقصی في أمثال العرب	الزمخشري	٢
١٥	کتاب الأمثال	ابن رفاعة	١
١٦	جمهرة اللغة	ابن درید	٤
١٧	الفائق في غریب الحدیث	الزمخشري	٢
١٨	الأزمنة والأمکنة	ابوعلي المرزوقي	٢
١٩	الاستیعاب في معرفة الأصحاب	ابن عبدالبر	٢
٢٠	الرجال	النجاشي	
٢١	بیان خطاء البخاري في تاریخه	ابوحاتم الرازي	

اجزا والی کتابوں کے سارے اجزا ہوں، طباعت ہندوستانی ہو، تصویر نہ ہو، کاغذ بوسیدہ ہو تو مطلع کیا جائے، جو صاحب مہیا کرسکیں قیمت کے ساتھ لکھیں۔

مطلوب احمد ھارون رحمانیہ جدید تیسری منزل کمرہ ٩

DARUL ULOOM NADWATUL ULAMA P.B 93 LUCKNOW 226007

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226018

VOL 53 NO. 6, 7 JUNE, JULY 1985 Phone : 45547

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
خصوصی اشاعت
بیادِ زکریا
ولادت ۱۳۱۵ھ
وفات ۱۴۰۲ھ
شیخ الحدیث حضرت مولانا
محمد زکریا
رحمۃ اللہ علیہ
سرپرست
حضرت مولانا
محمد منظور نعمانی
مدیر
خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

۵۳ ویں جلد کا آخر شمارہ

ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۵ء — محرم الحرام تا ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

دوسری خصوصی اشاعت بیادگار:ـــ

شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ محمد زکریا نور اللہ مرقدہ

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مرتب

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

۱۶ روپے

سالانہ چندہ
ہندوستان سے: ۲۵/-
پاکستان سے: ۶۰/-
بنگلہ دیش سے: ۳۰/-

پاکستان و بیرونی ممالک کے حضرات ملاحظہ فرمائیں

سالانہ چندہ
ممالک غیر سے
بحری ۶۰/- (یا ۴/- £)
ہوائی ۱۴۰/- (یا ۱۰/- £)

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے آپ کی خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔ منیجر

دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

یہ عاجز خود بھی اس کیلئے اپنے رب کریم سے برابر دعا کرتا ہے اور ان سطور کے پڑھنے والے تمام حضرات سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ بھی اس گنہگار بندے کیلئے یہی دعا فرمائیں اور میرے انتقال کے بعد جب یاد آجائے مغفرت کی دعا فرما کے اس گنہگار پر احسان فرمائیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسکی بہتر جزا عطا فرمائے ۔۔۔

دو ضروری باتیں

(۱) "الفرقان" میں پہلے بھی بار بار اعلان کیا گیا ہے کہ رسالہ "الفرقان" اور کتب خانہ "الفرقان" کے انتظامی اور دفتری معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے (بلکہ اب تو ملکیت اور الفرقان کی ادارت کا بھی تعلق نہیں ہے جیسا کہ اب سے تین سال پہلے "شیخ الحدیث نمبر" میں بھی اعلان کیا جا چکا ہے) لہٰذا ان کے بارے میں کوئی خط کتابت مجھ سے نہ کی جائے ۔۔۔ اس کے باوجود بعض حضرات رسالہ یا کتب خانہ سے متعلق خطوط میرے نام بھی لکھ دیتے ہیں اور اُن میں بعض ایسی باتیں بھی لکھدیتے ہیں جو مجھ ہی سے متعلق ہوتی ہیں اور مجھ سے جواب چاہتے ہیں، آج پھر عرض کرتا ہوں کہ ایسے خطوط نہ لکھے جائیں، مجھے معذور سمجھا جائے ۔

(۲) کسی فقہی یا علمی مسئلہ کے بارے میں بھی استفسار نہ فرمایا جائے، اس بارے میں بھی معذور تصور فرمایا جائے ۔ بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے عظیم دینی علمی مراکز موجود ہیں ۔ ان کی طرف رجوع فرمایا جائے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ یکم دسمبر ۱۹۸۵ء

نگاہ اوّلین

مدیر

"سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، کہ فوج تھی، عَلَم تھا، پولیس تھی، جلّاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا، کہ درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔

صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی، کہ دعا تھی، جھاڑ تھا پھونک تھا، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنّث (چلّہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے، جس کو جو کچھ کہہ دیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔

مگر سچ یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اس لئے کہ وہ سب کے لئے تھا آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔"

یہ محبت اور معرفت میں ڈوبے ہوئے الفاظ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے ہیں جو انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "النبی الخاتم" میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم اور معجزانہ جامعیت کا نقشہ

کھینچنے کے لئے لکھے ہیں جو ارشاد باری " فبھداھم اقتدہ " کا ثمرہ ، اور آپ کے اس مخصوص منصب و مقام کا نتیجہ تھا جس کی بنا پر آپ کو اللہ تعالیٰ نے " خاتم النبیین " قرار دیا اور آپ پر سلسلۂ نبوت و رسالت کو ہمیشہ کے لئے ختم فرما دیا۔

اہلِ نظر سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک واقعہ میں آپ کی دوسری تمام خصوصیات کی طرح یہ شانِ جامعیت پوری طرح جلوہ فروز نظر آتی ہے لیکن اسکے باوجود آپ کی اس شان کی صحیح سمجھ ، اس کا ہمہ وقتی استحضار اور عملی طور پر اس کی تطبیق ، ہر کسی کے بس کی بات نہیں ع

ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسنداں باختن

اور اسی لئے عموماً سیرت نبوی کا صرف وہی گوشہ ہمارے ذہن و دماغ کی گرفت میں آتا ہے جو اپنے لاشعور میں کسی بھی وجہ سے رچ بس جاتا ہے۔ جب ذوق و مزاج کا اتنا اثر عقل و فہم بلکہ سمع و بصر پر پڑتا ہے کہ اس جامع الکمالات شخصیت کی سیرت اور اوصاف و کمالات پر غور کرتے وقت بھی ہم اس اثر سے۔ بسا اوقات نکل نہیں پاتے جس کی سیرت کی جامعیت اور بوقلمونی ، معجزانہ حد کو پہنچی ہوئی ہے اور بدیہی حقیقتوں میں سے ہے۔ تو ، اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ ماضی بعید یا قریب کی شخصیتوں ، بلکہ اپنے معاصر علماء و مشائخ اور مصلحین و مجددین کے اوصاف و خصوصیات کا بھی تعارف کراتے وقت ہمارے اپنے ذوق و مزاج کا کتنا سایہ۔ غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر ۔۔ ہم پر پڑتا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جن شخصیتوں کے مزاج میں یہ جامعیت اور تنوع زیادہ ہوتا ہے ان کے عقیدتمندوں ، اور سوانح نگاروں میں زیادہ تر وہ ہوتے ہیں جو انکی زندگی کے کسی مخصوص گوشے سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی ایک پہلو یا رنگ کے ناقل اور حامل بن جاتے ہیں اور اپنے احساس و مشاہدہ کے اثر سے بے ساختہ ایسا انداز اختیار کرنے لگتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو اس میں ان کے

ذاتی ذوق و مزاج کا فصل صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخصیت کے نہایت قریبی حلقے دو یا دو سے زیادہ گروہوں میں منقسم ہو جاتے ہیں، اور پھر جب ایک تیسرا خالی الذہن اور ناپختہ و غیر آزمودہ کار شخص ان دونوں کی زبانی اس شخصیت کا تعارف سنتا یا پڑھتا ہے تو عجیب سے تضاد کا اسے تجربہ ہوتا ہے۔

ہندوستان ہی کے مصلحین و مجددین میں اس کی بڑی واضح مثال حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات ہے۔ جنہوں نے ہر اختلافی مسئلہ میں نقطۂ اعتدال کو ملحوظ رکھنے، اور دائیں یا بائیں طرف ذرہ برابر جھکے بغیر درمیانی اور عادلانہ رویہ اختیار کرنے اور اسے عملی طور پر زندگی بھر برتنے میں بے مثال کامیابی حاصل کی اور جن کی زندگی جامعیت اور اعتدال و توازن کا شاہکار تھی، اور جن کا مشن ہی فاصلوں کو کم کرنا اور مصنوعی و خود ساختہ دوریوں کو سمیٹ کر متقابل بلکہ متحارب گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا اور جنہوں نے مختلف ذوق و مزاج کے لوگوں کو عصبیت اور منافرت کے جذبات سے پاک کرکے باہم قدر و محبت اور تعاون کے پاکیزہ جذبات سے آراستہ کرنے اور ان کی تمامتر صلاحیتوں اور توانائیوں کو اسلام اور صرف اسلام کی خدمت و نصرت پر مرکوز کردینے کی بھرپور محنت کی تھی۔

انہی۔ شاہ ولی اللہؒ۔ کو بعد میں آنے والے ان کے بہت سے نام لیواؤں نے انہی اختلافی بحثوں میں گھسیٹ لیا جن کی اہمیت کو کم کرنا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا، اور اب صورتحال یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کا ہر گروہ انہیں اپنا مقتدا و مرجع بلکہ بانی و مؤسس قرار دے رہا ہے اور ان کی شخصیت کے اتنے ہی حصہ کو نمایاں کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے جس سے اس کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہو اور بہت سے ولی اللہی ذوق و مزاج سے ذوقی و حقیقی مناسبت رکھنے والوں کو "ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفاً مسلماً"

کے قرآنی طرز پر شاہ صاحب کی شخصیت کے اصل خد و خال نمایاں کرنے کیلئے زبان و قلم اور دل و دماغ کی توانائیوں کو استعمال کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ اس واضح قرآنی بیان کے باوجود ذاتِ ابراہیمی کی یہ شانِ "حنیفیت" بحیثیت مجموعی آیت میں مذکور تینوں گروہوں کیلئے بدستور اجنبی ہی بنی رہی، اور وہ تینوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اپنے خیموں میں گھسیٹ کر محصور کر لینے ہی پر اصرار کرتے رہے ۔۔۔ بعد میں آنے والے انبیاء کرام اور مجددین و مصلحین کو اس ابراہیمی مرکزیت و جامعیت میں سے جتنا حصہ ملتا ہو شاید اسی قدر ورثہ ان کو اس آزمائش میں سے بھی ملتا ہے۔ یہ بات فکر انگیز بھی ہے اور تسلی بخش بھی،

جن اہل نظر کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھنے اور ان کے مزاج کو سمجھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اُن کی دلپذیر و دلنواز شخصیت میں ان کے اپنے مخصوص رنگ کے ساتھ اس عجیب و غریب جامعیت، اور اسلام اور امت مسلمہ کی خدمت کے مختلف شعبوں اور ان میں لگے ہوئے باتوفیق اکابر و اصاغر کے بارے میں اس حیرت انگیز اور بے مثال اعتدال کی کارفرمائی دیکھی ہے جو اب خدا جانے کب اور کہاں دیکھنے کو ملے گی؟ وہ ایک طرف علوم شریعت کے امین، ناشر سنت، حدیث کے بلند پایہ مدرس و شارح، دینی مدارس کے سب سے بڑے بہی خواہ و پشت پناہ، استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ تھے، ہر علمی کام کی اور اس کے انجام دینے والے کی جس طرح وہ ہمت افزائی اور تائید فرماتے تھے، وہ انہی کا حصہ تھا۔

دوسری طرف وہ دین کے فروغ اور عمومی اصلاح کے لئے ہر وقت بے چین و مضطرب رہتے، اس سلسلہ میں ہر اس کام کی قدر کرتے اور اس کے لئے دعا گو رہتے جس کا رخ اور مزاج کم از کم ان کی دانست میں صحیح ہوتا۔

نسبی اعتبار سے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ان کے چچا تھے، اور روحانی اعتبار سے ہم شیخ و ہم نوالہ، اور ان دونوں رشتوں کی وجہ سے جو تعلق ان دونوں کے مابین تھا، وہ دو طرفہ محبت و اعتماد اور للّٰہی تعلق و خلوص کہ

تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو مشیت الٰہی نے "طریق نبوت" اور "کار نبوت" کی تجدید و احیاء کے جس عہد آفریں و عالم گیر کام کیلئے منتخب فرمایا تھا، طریق ولایت کے ان کے حامل ہمدم و ہم درد بھتیجے ہر لمحہ اس کے لئے مضطرب رہتے، ان کے روئیں روئیں سے اس کے لئے دعائیں نکلتیں اسکی ترقی سے خوش، اور مسائل و مشکلات سے متفکر ہوتے، ان کی دعاؤں اور ان کی فکرمندی کے اس عظیم کام کی حفاظت میں جو حصہ ہے، شاید اس کا اندازہ ہم جیسوں کو عالم آخرت ہی میں ہو سکے، اور یہ بات بھی اسی ضمن میں ذکر کی جانی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے بزرگوں کی طرح دین کی حمیت اور کج روی و گمراہی سے عام مسلمانوں کی حفاظت کا جذبہ، اور اس بارے میں غیرت و ذکاوت جس کی دولت بڑی فیاضی سے عطا فرمائی تھی، اور اس میں ان کا وہی طرز تھا جس کی کم از کم ہندوستان میں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیفات، حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویۃ الایمان" اور خود حضرت شیخ کے مربی و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے "براھین قاطعۃ" اور "ہدایات الرشید" لکھ کر بنا ڈالی تھی اور جس کی وجہ سے یہ سب حضرات مخالفین کا سب سے بڑا نشانہ و ہدف بن گئے اور آج تک بنے ہوئے ہیں۔

تیسری طرف وہ مسند تزکیہ و ارشاد کے شہ نشین تھے، اور اپنے اسلاف کی خصوصیات و کمالات کے حامل بلکہ جامع تھے اور تربیت و ارشاد کا جو کام اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا وہ بھی بلاشبہ اس آخری دور میں انہی کا حصہ تھا،

یہ ان کے مزاج کے اسی اعتدال و جامعیت کا ثمرہ تھا کہ یہ گوناگوں اور بظاہر متضاد رنگ ان کی ذات میں پہلو بہ پہلو نظر آتے تھے، اور یہ بھی اسی کا ثمرہ تھا کہ وہ مختلف مسلکوں اور مشاغل کے حاملین اور مختلف المذاق لوگوں سے بیک وقت عقیدت و محبت، اعتراف و اقرار اور حمایت و دفاع کا تعلق رکھتے تھے، اور سب کے بیک وقت معتمد علیہ تھے اور اس معاملہ میں جو کامیابی انھیں زندگی بھر حاصل رہی۔ بہت کم

لوگ اس میں ان کے شریک حال ہوں گے۔

قصۂ مختصر "الاعتدال فی مراتب الرجال" صرف ان کا تصنیفی شاہکار نہیں ہے، وہ ان کے ذوق و مزاج کا آئینہ ہے۔ ان کی اپنی کہانی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت کے دیگر کمالات تو اندرونی تھے۔ اور اسلئے ان کے فہم و تشخیص کے لئے تو بڑوں کی بصیرت درکار تھی، مدینۂ منورہ میں ۱۳۷۳ھ سے ۱۳۸۰ھ تک کے زمانۂ قیام میں جس میں تقریباً روزانہ ہی حضرت کی زیارت و ملاقات کی سعادت اس طفلِ مکتب کو مل جاتی تھی۔ ان کے جس امتیازی وصف کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع اس کوتاہ چشم کو بھی ملتا تھا، اور جس کی چوٹ دل پر لگتی تھی وہ یہی اعتدال و جامعیت والا وصف ہے۔

اور اسی لئے جب مدینہ منورہ سے تعلیمی سلسلہ کی تکمیل کے بعد حضرتؒ اور دوسرے بزرگوں کی ہدایت کے مطابق راقم الحروف یہاں واپس آیا اور پھر صرف ایک ہفتہ کے بعد حضرت شیخ کا وصال ہوگیا، اور اسکے بعد راقم الحروف کے دل میں حضرت کے سوانحی تذکرہ کے لئے الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت پیش کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تھا، اسوقت بھی یہ احساس اپنا کام کر رہا تھا کہ حضرت کی اس شانِ اعتدال کو نمایاں اور عام کرنے، اور اسکو اس کا صحیح مقام دینے کی خاص طور پر ضرورت ہے۔

پانچ مہینے کی شبانہ روز محنت کے بعد وہ خصوصی اشاعت دسمبر ۱۳۸۲ھ میں پیش کی گئی تھی، اور ناچیز راقم سطور نے اسکی پوری کوشش کی تھی کہ اس اشاعت سے حضرت شیخ کا روحانی، تعلیمی، فکری اور خاندانی سلسلہ بھی تاریخی حوالوں اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ روشنی میں آجائے اور ان کی تربیت اور مدارج کمال تک پہونچنے میں جن جن ہستیوں کا حصہ رہا ہے وہ بھی معلوم ہو اور ساتھ ہی حضرت کی یہ خصوصی شان "اعتدال" نمبر کے ہر صفحہ، اور ہر سطر سے اسی طرح جھلکے جیسے کہ ان کی زندگی کے ایک ایک لمحہ سے اسکی عملی ترجمانی ہوتی تھی۔ تاکہ ہر ذوق کے آدمی کو اس میں عبرت و موعظت اور اصلاح و تربیت کا سامان ملے۔ اور اس میں اسکی بھی پوری

احتیاط برتی جائے کہ اس مرجعیت و جامعیت کے بیان میں اتنا غلو بھی نہ ہو جائے کہ صاحب تذکرہ کی اپنی انفرادیت، اور ان کا اپنا "رنگ" چھپ جائے کیونکہ یہ حضرات باہم ہونے کے ساتھ بے ہمہ بھی ہوتے ہیں اور مختلف المزاج لوگوں کے مرجع و محبوب ہونے کے باوجود اپنی انفرادی شان بھی رکھتے ہیں۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جو بے ہمہ نہ ہو وہ اگر باہمہ بن کر رہے، اور جس کا اپنا مخصوص رنگ نہ ہو وہ اگر ہر رنگ کی قدر کرتا ہے تو یہ کچھ زیادہ اونچے درجہ کی بات بھی نہیں۔

راقم سطور نے حضرت شیخ نمبر (حصۂ اول) کے "نگاہ اولین" میں لکھا تھا:

"واقعہ یہ ہے کہ مختلف دینی اداروں اور اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت بھی کی جائے ..... ان سب ہی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے کے طرز عمل اور آپس کے نزاع اور ایک دوسرے کی آبروریزی کو انتہائی مہلک سمجھنے کے ساتھ ساتھ محض اختلاف رائے کو مضر نہ سمجھنا۔ یہ سب وہ اوصاف ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کو تاریخ کی ان شخصیتوں کی صف میں نمایاں مقام بخشا جنہوں نے اختلاف کی ظاہری اور مصنوعی ہیبت ناک شکل سے متاثر نہ ہونے بلکہ عملی طور پر ان کی خلیج کو پاٹنے کی سعی کرتے رہنے اور مختلف المزاج اشخاص سے بیک وقت استفادہ کرنے کا اسوہ قائم کیا، جو ولی اللّٰہی طریقہ کا مابہ الامتیاز وصف ہے۔"

اور پھر اس طفل مکتب کے قلم پر یہ معصوم سی تمنا بھی اُس وقت بے ساختہ آگئی تھی کہ:

"مجھ جیسا ایک ادنیٰ مسلمان اگر حضرت کے اہل تعلق سے اسی روش پر استقامت اور اس طرز عمل کی ترویج و اشاعت کی سعی کی تمنا کرے تو امید ہے کہ نہ اسے خلاف ادب سمجھا جائے گا اور نہ اپنی حدود سے تجاوز!"

جس احساس کی وجہ سے اُس وقت یہ خاص داعیہ دل میں پیدا ہوا تھا، اسی احساس کی کارفرمائی آپ کو اِس حصۂ دوم میں بھی نظر آئے تو چنداں تعجب کی بات نہیں، بلکہ یہ ناچیز اسے اپنی حقیر سی کوشش کی کامیابی کی علامت سمجھے گا۔

اس مضمون کی تمہیدی سطروں میں راقم سطور نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مثال ذکر کرکے اس المناک تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ جب ان جیسی جامعیت و اعتدال کی شاہکار شخصیت کو اور اس کے اپنے مسلک کو بھی بعد میں اختلاف و نزاع کا ایک نیا موضوع بنا دیا گیا تو یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ کسی بھی شخصیت کے ساتھ یہ آزمائش پیش آسکتی ہے اور اس لحاظ سے یہ بات، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا صرف فکر انگیز ہی نہیں تسلّی بخش بھی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس شخصیت کے عقیدتمندوں اور نیازمندوں کو اسی صورتحال کی وجہ سے اسکے صحیح خدوخال نمایاں کرنے کی ذمہ داری ادا کرنی ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ الفرقان کے یہ دونوں خصوصی شمارے حضرت شیخ کی شخصیت کا صحیح تعارف کرانے میں کامیاب ہوں..... اور یہ کوشش دوسروں سے پہلے اپنے لئے باعثِ سعادت ہو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ؎

حکایت از قدآں یار دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اس اشاعت میں شامل مضامین:

اس شمارے میں پہلا مضمون، عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت برکاتہم کا ہے۔ پوری کوشش کے باوجود بہت تاخیر ہونے کے باعث یہ مضمون حضرت شیخ نمبر (حصۂ اول) میں شامل نہیں ہو سکا تھا، اب یہ امانت قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش ہے۔ اس مضمون کے بارے میں کچھ عرض کرنا میرے لئے

موزوں نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ یہ ایک عارف کی کہانی ایک عارف کی زبانی ہے۔ اسے بار بار اور بغور پڑھا جانا چاہیئے۔

دوسرا مضمون، حضرت والد ماجد دامت برکاتہم کا ہے جس میں انھوں نے اپنے مخصوص سادہ اور مؤثر انداز میں حضرت شیخؒ کے کچھ واقعات لکھے ہیں جن سے ان کی شخصیت کے متعدد اہم پہلو روشن ہوتے ہیں، اور ان کی اس مقبولیت و محبوبیت کا راز کھلتا ہے۔ جس درجہ اور جس قسم کا تعلق گذشتہ نصف صدی کے طویل عرصہ میں حضرت والد ماجد اور حضرت شیخ کے مابین رہا اس کا تقاضہ تھا کہ ان کے قلم سے حضرت شیخ کی باتوں اور یادوں کا سلسلہ بہت دراز ہوتا لیکن اس سلسلہ میں ان کے مزاج اور افتادِ طبع پر چونکہ اخفاء حال کا غلبہ ہے اسلئے اور اس وجہ سے بھی کہ کئی ماہ سے ان کی صحت میں غیر معمولی رفتار سے انحطاط بڑھ رہا ہے جو کچھ انھوں نے ہم خادموں کے اصرار پر تحریر فرما دیا۔ امید ہے کہ اسے بسا غنیمت سمجھا جائے گا اور اُس سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا جائے گا۔

تیسرا مضمون، مولانا سید احمد اکبر آبادی علیہ الرحمۃ کا ہے جو اللہ کی مشیت کہ اس وقت شائع ہو رہا ہے جبکہ صاحب مضمون خود اس عالم میں پہونچ چکے ہیں جہاں اُن کا ممدوح پہلے بسیرا کر چکا تھا۔ یہ مضمون مولانا اکبر آبادی مرحوم نے حضرت شیخ نمبر (حصہ اول) کے لئے لکھ کر ارسال فرمایا تھا لیکن ہمارے ملک کے محکمۂ ڈاک کی روایتی خوش انتظامی کی نذر ہو گیا تھا۔ بعد میں مولانا مرحوم نے اسے دوبارہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے ان کی مقبول حسنات میں شمار فرمائے۔

چوتھا مضمون، مولانا فرید الوحیدی (مقیم جدہ) کے قلم سے ہے۔ جس میں حضرت شیخ کی ہمہ جہتی شخصیت کا بہت قریب سے اور بڑے محبت بھرے انداز میں تعارف کرایا گیا ہے۔

آخر میں حضرت والد ماجد کے قلم سے حضرت شیخ کی مشہورِ زمانہ "آپ بیتی" کی

آخری تقریباً تین جلدوں کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔ اور اس طرح تقریباً ڈیڑھ سو [۱۵۰] صفحہ میں سولہ سو [۱۶۰۰] صفحات کی تلخیص کا کام مکمل ہو گیا ہے [۱]۔

یہ ہے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم مزاجی خصوصیت کا تعارف بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ان کی یاد میں شائع ہونے والی الفرقان کی دو خصوصی اشاعتوں کے اہتمام کے پیچھے کام کرنے والے حقیقی داعیہ کی وضاحت، اب مجھے بلا تاخیر سامنے سے ہٹ جانا چاہیئے لیکن اس حصہ دوم کی اشاعت میں تاخیر کیلئے معذرت کے طور پر دو جملے اور عرض کرتا چلوں۔ ۸۲ء کے آخر میں حضرت شیخ نمبر حصہ اول شائع ہوا تھا، ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ۸۳ء کے آخر تک یہ دوسرا حصہ بھی شائع ہو جاتا، لیکن ہوا یہ کہ ۸۳ء کے شروع ہی سے حضرت والد ماجد کی توجہ ایرانی انقلاب کے مضمرات اور خمینی صاحب کے ذاتی افکار و خیالات اور شیعیت کے جائزہ و مطالعہ کی طرف مرکوز ہو گئی۔ ناچیز مدیر الفرقان کا بھی کسی حد تک یہی حال رہا۔ اور پھر حضرت شیخ رح کے متعلق کتابوں اور ہند و پاک کے متعدد رسالوں کے خاص نمبروں کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصہ دوم کی اشاعت میں تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی، اور اب پورے تین سال کے بعد اس کی اشاعت کی نوبت آرہی ہے، یقیناً یہ تاخیر بہت سے اہل ذوق کو گراں گذری ہو گی۔ تاہم امید ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ادارہ کو اس بارے میں معذور سمجھ لیا جائے گا۔

اور اب یہ راقم اس دعا کے ساتھ رخصت ہوتا ہے کہ ؎

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کیلئے

---

[۱] امید ہے کہ یہ پوری تلخیص یکجا کتابی شکل میں بھی کتب خانہ الفرقان سے جلد ہی شائع ہو جائے گی تاکہ اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں جو اس پورے ذخیرے کا مطالعہ نہ کر سکیں۔

علماء و اولیاء سلف

کی

ایک بیمثال یادگار

از

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی دامت فیوضہم

صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی (پشاور)

[پیش نظر مضمون حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی (دامت فیوضہم) نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے کچھ ہی دن بعد الفرقان کی خصوصی اشاعت کے لئے حضرت والد ماجد مدظلہ کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا، لیکن مضمون کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت مولانا سخت علیل ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے اسکی تکمیل میں کافی تاخیر ہوئی ــــ اُدھر یہاں پریس والوں کی طرف سے جلدی! جلدی! کے پیغام آرہے تھے۔ بالآخر آخری حد تک انتظار کے بعد نمبر اشاعت کے لئے دیدیا گیا اور یہ طے کر لیا گیا کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کا مضمون دوسری خصوصی اشاعت میں شائع کر دیا جائے گا۔ اُس وقت یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اسکی اشاعت میں اتنی دیر ہو جائے گی۔ بہر حال اب یہ گرانقدر تحفہ قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے ــــ

اس مضمون کے مشتملات کو چار عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تجدید و احیاء دین اور خلافت نبوی کا ربانی نظام اور الف ثانی (ہزارۂ دوم) سے اس کا عالمی مرکز۔

۲۔ تجدید و احیاءِ دین کے کام میں دہلی اور دوآبہ کے علاقے کا حصہ۔

۳۔ حضرت شیخؒ کی تربیت کے لئے توفیق خداوندی (جو تیسیر اسباب کا دوسرا نام ہے) کی مختصر تفصیل۔

۴۔ خدمتِ دین اور نیابت نبوت کے سلسلہ میں حضرت شیخؒ کی ہمہ جہتی کوششوں کا تذکرہ۔

دعا ہے کہ اس مضمون سے کماحقہٗ فائدہ اٹھایا جائے، مخدومنا حضرت مولانا محمد اشرف صاحب نے اپنی سخت علالت اور معذوریوں کے درمیان جس درد و کرب اور جس کیفیت میں ڈوب کر خون جگر سے یہ مضمون لکھا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا احساس اور انھیں اجر عظیم نصیب فرمائے۔

آخر میں ایک بار پھر یہ عرض ہے کہ اس مضمون کو، خصوصاً اسکے ابتدائی حصہ کو جس میں پہلے اور دوسرے موضوع پر کچھ نہایت اہم باتیں اشاروں کی زبان میں کہی گئی ہیں، بہت غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے ــــ

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید ــــ مدیر]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد سید المرسلین و خاتم النبیین والہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم الدین ۔

نقوش و تاثرات

آہ! جس حادثہ کا اندیشہ ایک مدت سے تھا، ہو کر رہا اور وہ نفس زکیہ جو برسوں سے گوناگوں امراض اور ضعف و اضمحلال کے صبر آزما صدموں کو سہہ کر سنبھل جاتا تھا، اس عالم فانی میں زندگی کے چھیاسی سال نو ماہ اور تقریباً انیس دن بیس گھنٹے چالیس منٹ گزار کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا، یعنی نمونہ سلف برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد زکریا کاندھلوی ثم سہارنپوری ثم مہاجر مدنی کا المدینۃ المنورہ میں یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو وصال ہو گیا ۔
انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ایتھا النفس اجملی جزعا   فان ماتحذرین فقد وقعا
(اے نفس صبر جمیل اختیار کر   جس بات کا تجھے اندیشہ و ڈر تھا وہ تو ہو ہی گیا)

وا حسرتا! دنیا اس نادرہ روزگار ہستی سے محروم ہو گئی، جو حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھیں اور جس کا وجود حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد الیاس رحؒ کے علوم و فیوض کا مجموعہ تھا، اور جس کی مشیخت و علو شان پر حضرت حکیم الامت تھانوی، حضرت شیخ الاسلام مدنی رحؒ،

قدوۃ المشائخ حضرت عبدالقادر رائے پوری اور جملہ اہلِ حق کا طبقہ متفق تھا اور جس سے قطبیت ارشاد و تکوین اور علومِ نبویہ کی سند یکساں و بیک وقت مزین تھی، جس شخصیت میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، علامہ قسطلانیؒ، ابوالولید باجی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی جلوہ آرائیاں جمع تھیں اور جو اس دور میں جنید و شبلی کے مقام تجرید و تفرید، تبتل و اتقاء، توکل و رضا کا مظہر تھا۔ دریغا کہ اخلاق و مزایا کا وہ مہر منیر غروب ہو گیا، جس سے کمال تقویٰ و احسان، کمال معرفت و اخلاص، زہد و ورع اور کمال اتباع سنت و شرع نے فروغ پایا تھا، دینی فضائل و محاسن کا بے مثل نمونہ، سلف صالحین کی بے مثال یادگار محبت و عشق الٰہی کی حیرت انگیز تمثال، حب نبویؐ کا عظیم پیکر، اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملا۔ جس نے زندگی کے ہر لمحہ کی حفاظت کی تھی، اور اسے توشۂ آخرت بنایا تھا، راہیٔ آخرت ہو گیا۔ جس کی محبت نبوی ہر وقت پکارتی تھی ؎

"اے خاک درت تاج سرم"

جو مسجد نبوی میں "قدمین مبارکین" کی محاذات میں بیٹھنا اپنے لیے سرمایۂ سعادت و برکت سمجھتا تھا، آخر حضور انور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سیدھ میں جنت البقیع میں جا سویا اور اپنی عمر بھر کی مراد پا گیا ؎

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وادخلہ الجنۃ اللّٰھم انزل علیہ شآبیب رحمتک وارفع درجتہ وارزقنا من برکاتہ۔

یقیناً ان کی موت اسلام کا سانحہ اور پورے عالم کا المیہ ہے۔

؎ رفتم و از رفتن من عالمی تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

ان کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف گراں مایہ کا بیان یہ ہیچ میرز کیا کر سکتا ہے!

؎ یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہی تیرے اوصاف پہچانے

وہ مجسمۂ علم واخلاص تھے، وہ پیکر فضل وکمال، ایمان ومعرفت اور زہد وورع تھے، بچپن سے لے کر آخری سانس تک ان کی زندگی جس پاکیزگی وطہارت، پابندیٔ شریعت کا نمونہ رہی، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کا ثمرہ تھی۔ وہ معصوم نہ تھے لیکن پارسائی کا کامل نمونہ ضرور تھے، ارشاد وہدایت، پند ونصیحت، تلقین ذکر وشغل، درس وتدریس، تلاش ومطالعہ، تحریر وتالیف، ان کے عمر بھر کے مشاغل رہے، جود وسخا تواضع وانکسار، حق گوئی وصداقت، ایثار وقربانی، صبر وتحمل، شکر واحسان، رعایت جلیس، اکرام ضیف، احترام معاصرین، محبت علماء وصلحاء ان کا شعار تھا، ذہانت وفراست، ملت کا درد، شعائر اسلامی کی عظمت وبقا کی فکر، دینی تصلب وحمیت ان کی قبائے خلق کا امتیازی نشان تھا، وہ جس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، وہ نسلاً بعد نسل علم وعمل کا جامع، ظاہر وباطن اور شریعت وطریقت کی وحدت کا ترجمان تھا، آپ اسی جامعیت علوم وکمالات باطنی کے گوہر تابندہ تھے، جن پر پچھلے دور کی علم ومعرفت کی ریاست وقیادت ختم تھی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے مقام اور کارناموں کے سمجھنے کے لیے اولاً چند حقائق تشریعیہ کا جاننا ضروری ہے، اس لیے ان کا مختصر بیان ناگزیر سمجھتا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی اور یہ امت اللہ تبارک وتعالیٰ کے مبعوث انبیاء علیہم السلام کی آخری امت ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

انا خاتم النبیین وانتم آخر الامم	میں انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کا ختم کرنے والا ہوں اور تم آخری امت ہو۔

یہ ارشاد پاک قرآن کریم اور دیگر احادیث مبارکہ سے مؤید ہے۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو حکمت ربانی نے ابد الآباد تک مستمر فرمایا، اور اب نہ کوئی نیا نبی یا رسول آئے گا اور نہ کوئی نیا دین یا شریعت آئے گی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کا لایا ہوا دین و شریعت تا قیام ساعت باقی رہے گا، اس لافانی دین کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال امت حامل ہوگی، جو قیامت تک اس دین کی بقا و استمرار کا سبب و ذریعہ ہوگی، حکمت الٰہیہ نے گو پوری امت کو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا من حیث الامت نائب اور دین کی حفاظت کا ذریعہ بنایا، تاہم جسد ملت کے سنوار و نکھار اور ان کی دینی قیادت و رہنمائی، تربیت و تعلیم کی ذمہ داری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص نائبین کی حیثیت سے علماء امت کے سپرد کی، جو امت کے لیے رہبر و رہنما اور بمنزلہ دل و دماغ کے ہوں گے، جن سے امت کی ہدایت و رہنمائی کا وہ کام لیا جائے گا، جو فرائض نبوت کی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے سپرد کیا گیا تھا اور جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا:

یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم[1] ویعلمھم الکتاب والحکمۃ	وہ (پیغمبر) اُن کو اس کی (اللہ کی) آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک صاف کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔
(سورہ آل عمران آیت ۱۶۴، سورہ الجمعۃ۔ ۲)	

علماء کی خلافت نبوت، نیابتِ رسالت، قیادت و سیادت، امت کی رہنمائی اور اُن کے ذریعہ حفاظت دینی کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں ان الفاظ میں آتا ہے۔

کانت بنوا سرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبیٌ خلفہ نبی وان لا نبی بعدی و سیکون خلفاء	بنی اسرائیل کی نگرانی و رہنمائی انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے، جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کے بعد اس کی جگہ آجاتا تھا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، بلکہ خلفاء ہوں گے، (جو میری امت کو میرے بعد میری نیابت میں سنبھالیں گے،
(صحیح بخاری کتاب المناقب، ذکر عن بنی اسرائیل و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)	

یہ نیابت اگر خلافت ظاہرہ (سلطنت و حکومت) کے ساتھ مقرون ہو تو خلافتِ جامعہ و

---

[1] ان فرائض نبوت کا تذکرہ سورہ بقرہ میں آیت ۱۲۹ اور آیت ۱۵۱ میں بھی ہے۔ م۔ ۱۰

کاملہ ہوگی، جیسے حضرات خلفاء راشدین حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور دیگر خلفاء ربانیین کے دور میں تھی جو ظاہراً و باطناً احکام الٰہی اور سنت نبوی کا اجرا فرماتے تھے، اور اگر یہ نیابت و وراثت نبوت، دولت و حکومت سے محکم نہ ہو، تو خلافت باطنہ ہوگی، جو علمائے حقانیین کے حصہ میں آئی ہے، حدیث پاک کی شہادت ہے:۔

ان العلما ورثة الانبیاء و ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما ولکن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر (جمع الفوائد ص ۲۷ ج ۱ کتاب العلم بحوالہ ترمذی وابوداؤد عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)	علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے دینار و درہم کی میراث نہیں چھوڑی بلکہ ان کی میراث ان کا لایا ہوا علم ہے پس جس نے وہ علم اپنا لیا اس نے بڑا حصہ وراثت کا پایا۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وتاویل الجاهلین وانتحال المبطلین۔ (مجمع الزوائد بحوالہ البزار ص ۱۴۰ باب اخذ العلم من الثقات)	اس علم دین کے حامل وامین ہوں گے ہر آئندہ نسل کے صراط مستقیم پر قائم رہنے والے علماء جو غلو پسندوں کی تحریفات، جاہلوں کی تاویلات باطل پرستوں کے غلط دعاوی کی نفی (ابطال و تردید) کرتے رہیں گے (اور اس طرح حفاظت دین کا فریضہ انجام دیں گے۔)

ان وارثان انبیاء علمائے امت کے کمالات وجلالات پر قرآن شاہد ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

یرفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت	جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور جنکو علم ملا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجے

واللہ بما تعملون خبیر ہ (المجادلہ - ۵۸)	بلند کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ ہے۔
انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر - ۴)	اللہ تعالیٰ سے، تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔
قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (الزمر - ۱)	آپ کہئے کہ کیا علم والے اور بے علم (کہیں) برابر ہو سکتے ہیں۔

استقصاء مقصود نہیں، ورنہ متعدد آیاتِ قرآنی علماء کی فضیلت پر گواہ اور احادیث کے دفاتر ان کی بڑائی پر نص ناطق ہیں۔ ان علماء ربانیین اور خاصان حق کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فوق کل ذی علم علیم۔ (یوسف - ایت ۷۶)	ہر علم والے سے اوپر دوسرا علم والا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ وہ قدسی صفات ہستیاں جن سے اس عالم میں نقش حق کو مرتسم کرنے اور پھر اس کی حفاظت کا کام لیا جاتا ہے، وہ اصلاً نائبین انبیاء ہوتی ہیں، کار نبوت کی نیابت کے لیے ان پر صفات نبوت کا پرتو اس طرح ڈالا جاتا ہے کہ ان کا ظاہر و باطن کمالات نبوت سے (جو مختص بالنبوت نہیں) ایک خاص نسبت حاصل کر لیتا ہے اور ان کے مزاج میں طریقہ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو اس طرح سمو دیا جاتا ہے کہ شریعت انکی فطرت ثانیہ اور اخلاق نبوت ؐ ان کی سرشت بن جاتے ہیں، عبدیت کاملہ محمدیہ سے انصباغ ان میں "عبدیت" کے جواہر کو نکھار دیتا ہے، اور ان میں افتقار الی اللہ، ایثار، فنا و تواضع، توکل واتکال، تسلیم و رضا، تفویض والحاح، زاری و سپردگی، عبادت کا شغف، دعاء کا اشتغال مناجات الٰہیہ کا شوق، اعتماد علی اللہ، رجوع الی اللہ کی جملہ صفات پیدا کر دیتا ہے، اور وہ عبدیت کاملہ کے خداوندی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ز ونحن لہ عبدون۔ (بقرہ)	ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہ صادق بندے جارحۂ الہیہ کے طور پر اس عالم میں اوامر ربانی کے شیوع و فروغ و اجرا کا ذریعہ بنا دیے جاتے ہیں، خلافت الہیہ اور وراثت نبوت' ان خاصان خدا کا سرمایہ ہوتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے ظرف و استعداد اور مقدر کے بقدر عطاء ربانی اور فیض نبوت سے حصہ عطا فرمایا جاتا ہے اور ان سے نبوت کے "فرائضِ سہ گانہ" ـــــ دعوتؑ و تلاوت کتاب، تزکیہ و تربیتؑ (نفوس و قلوب) تعلیم کتابؑ و حکمت ـــــ کا کام لیا جاتا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کے سچے وارثین اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نائبین ہوتے ہیں، جن سے عالم کا تشریعی نظام قائم، ہدایت ربانی کا سلسلہ جاری، دین کے ظاہر و باطن کی بہار قائم رہتی ہے، اس زمرہ اخص الخواص میں سے حکمت تشریعی ہر دور میں ایک ذات کو خاص طور پر چن کر اسے اس وقت کے لیے اپنی ہدایت کا عادی سبب بنا دیتی ہے جو محبوبیت ربانی کے خاص مقام پر فائز ہو کر مقبولیت عند الخلائق سے نوازا جاتا ہے، اور علماء ربانیین اور اہل قلوب اس کی روحانی سیادت کو قبول کرتے ہیں۔ اسے "انا قاسم واللہ یعطی" کا مظہر بنا کر عالم کے لیے نزول خیرات و برکات اور ہدایت و رحمت کا سبب باطنی بنا دیا جاتا ہے، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء ط والله ذو الفضل العظيم۔

حکمت ربانی خاصان حق کے اس طبقہ سے مختلف ادوار میں مختلف ممالک و امصار میں دینی خدمت لیتی رہی، اور انہیں کے اخص الخواص سے تجدید و احیاء اسلام کا کام دنیا کے مختلف ممالک میں لیا جاتا رہا، یہاں تک کہ سنہ ہجری کے ہزارہ دوم (الف ثانی) سے دینی قطبیت اور تجدید و احیاء اسلام کا اصل مرکز برصغیر پاک و ہند کو بنا دیا گیا، چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے اخلاف سے تجدید و احیاء دین و سنت کا جو دورۂ سعادت شروع ہوا وہ شاہان دہلی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ان کے صاحبزادگان و تلامذہ، امیر شہید سید احمد رائے بریلوی اور امام شہید مولانا محمد اسمٰعیل رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کی جماعت مبارکہ سے ہوتا ہوا دہلی اور دوآبہ گنگ و جمن کے خطہ[1] کے ان نفوس قدسیہ تک پہنچتا ہے، جن کی

---

[1] اس سے برصغیر کے دیگر نواح کے علماء و مشائخ کی نفی مقصود نہیں لیکن اختصاص و کثرت اسی خطہ کو میسر رہی (واللہ اعلم) محمد اشرف

اس حاشیہ کو غور سے پڑھا جائے۔ الفرقان

نشاندہی کی چنداں ضرورت نہیں کہ "سیماھم فی وجوھم" ـــــ ان کے نقوش طیبہ آفتاب سے زیادہ روشن، ہمہ گیر و عالم گیر ہیں ـــــ نزاہت وکرامت، بلندی کردار واخلاق تقویٰ وللّٰہیت کی ان مثالی شخصیتوں سے دعوت وتبلیغ، جہاد وارشاد، تعلیم وخدمت کتاب وسنت، تربیت وتزکیہ (علی منہاج النبوۃ) کے فرائض کی ادائیگی واز سر نوتازگی کا کام جس پیمانہ پر لیا گیا، وہ تاریخ دعوت وعزیمت، ارشاد وہدایت، جہاد وفتوت کا زریں باب ہے اور ان بلا نوشانِ محبت ہی کا حصہ ہے جس کی مثال قرون متاخرہ میں نہیں ملتی ـــــ

ذٰلک من فضل اللّٰہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ٥ (یوسف - اٰیۃ ۳۸) قل ان الفضل بید اللّٰہ ٥ یوتیہ من یشاء ٥ واللّٰہ واسع علیم ٥ یختص برحمتہ من یشاء ٥ واللّٰہ ذوالفضل العظیم ٥ (آل عمران آیت ۷۳، ۷۴)

ان خاصان خدا ونائبان انبیاء علیہم السلام کی سلک مروارید وزنجیر طلائی حضرات دیوبند وسہارنپور کا وہ قافلہ بھی ہے، جو عالم میں حق کا نشان بن کر چمکا اور ہدایت وصداقت کا نقش جریدۂ عالم پر ثبت کر گیا، حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ خلیل الامۃ حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانویؒ، امام العصر حضرت انور شاہ کشمیریؒ فقیہ الامۃ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ محدث عصر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جنید وشبلی زمانہ حضرات عبدالرحیم وعبدالقادر رائے پوری، رئیس الدعوۃ و التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس وحضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نور اللّٰہ مراقدہم و اعلی اللّٰہ مقاماتہم جیسے اکابر کی جلالت شان وعظمت دین وایمان سے کون ناواقف ہے، یہ چند نام نمونہ کے لیے لکھ دیئے ورنہ ؏ ایں خانہ تمام آفتاب است۔

؎ اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

انھیں ربانیین کا (شاید) آخری گل سرسبد ولعل شب چراغ ہمارے ممدوح برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد زکریا کاندھلوی ثم سہارنپوری ثم مہاجر مدنی نور اللّٰہ مرقدہٗ واعلی اللّٰہ مقامہٗ

تھے جن سے ارشاد و ہدایت و خدمتِ دینی و اشاعتِ حدیث، تزکیہ و تربیت نفوس اور احیاء ذکر الٰہی کا بڑا کام لیا گیا، جنھوں نے امام ربانیین حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی گود کا فیض پایا، انکے لطف و محبت کا لطف اٹھایا، اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (جو امام ربانی حضرت گنگوہی کے نورِ نظر تھے) کی حکیمانہ تربیت کی وہ پابندیاں برداشت کیں، جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ جب اٹھارہ برس کی چھوٹی عمر میں نسبتِ الٰہی قوی ہو گئی تو ان قیود سے اس حالت میں رہائی ملی کہ دنیا اور اس کی الائشوں کی محبت کا واہمہ بھی دل میں نہ رہا تھا، اور قلب محبوبِ حقیقی اور آخرت کے لیے خاص ہو چکا تھا، تعلیم کا وقت آیا، تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی ان جامع شخصیتوں کو اساتذہ کی حیثیت سے میسر فرمایا، جن کی ایک نگاہ مسِ خام کو کندن بنانے کے لیے کافی تھی اور جن کا درس و تعلیم ذرہ کو مہرِ منیر بنا دیتا تھا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نور اللہ مراقدہم جیسے فحول علم و تقویٰ، ائمہ زہد و ورع، رجالِ معرفت و یقین، حاملین کتاب و سنت و راسخین فی العلم، ذوالایدی والابصار اصحاب بیک وقت کیسے مل سکتے ہیں! اور میسر آ بھی جائیں تو ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن کر کون ان کے انوارِ باطنی و علوم ظاہری سے اس طرح فیض پا سکتا ہے کہ جو وہاں تھا وہ یہاں تھا، اور ہر مفیض بزبانِ حال پکار رہا تھا ؎

جو میرے دل میں ہے اسے اپنے دل میں سمجھ لیجیے گا
دلوں دلوں ہی میں ہو جائے فیصلہ دل کا

بقول رومی:

دانش نور است در جان رجال — نے زراہ دفتر و نے قیل و قال
دانش آں را ستاند جان زجان — نے زراہ دفتر و نے از بیان

اور مستفیض حالاً گویا اور ہر استاذ سے مخاطب تھا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جب تعلیم کا زمانہ ختم ہوا تو ہر دنیاوی مشغلہ اور تنعم سے کاٹ کر درس و تدریس، تعلیم و تعلم کی وہ مسند سپرد کر دی گئی جو چند ابتدائی سالوں کے بعد تا آخر حیات قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزموں سے پر شور و فیضان نبوت سے سراپا نور تھی۔ خدمت حدیث کا یہ شرف اس قدر طویل عرصے کے لیے کم لوگوں کو میسر ہوا ہوگا، اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ اخلاص و تقوی اور ان اجری الا علی اللہ کے جذبہ کے ساتھ احادیث مبارکہ کا اشتغال (تعلیم و تعلم و تصنیف و تالیف) ایک گونہ صحبت نبوت کا بدل ہے ؂

اھل الحدیث اھل النبی ھمو ان لم یصحبوا نفسہ انفاسہ صحبوا

تو کون حضرت "شیخ الحدیث" نور اللہ مرقدہٗ کے اس قابل رشک مقام کو غبطہ و استعجاب کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا۔ نام کا سابقہ "شیخ الحدیث" حقیقۃ الامر کا اعلان بن کر ایسا چمکا کہ مطلقاً "شیخ الحدیث" سے مراد آپ کی ذات ستودہ صفات ہی معنون و مشہور ہو گئی۔

حق تو یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کے اس اشتغال و انہماک نے ان کے فطری جواہر کو جلا بخشی اور وہ باطنی دولتیں جو اپنے اکابر سے پائی تھیں اس شغف سے کندن بن کر چمکیں۔ اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکمت بالغہ نے نیابت نبوت کے جس مقام پر فائز فرما کر جو کام لینا تھا اس کے لیے جن استعدادوں اور ظروف کی ضرورت تھی حضرت شیخ قدس سرہ کو فطرتاً و اکتساباً عطا فرما دی گئیں اور عالم ناسوت میں اس کا ذریعہ اولاً تربیت و تعلیم و فیضان اکابر کو بنایا گیا۔ پھر حضرت شیخ قدس سرہ کے ظاہری و باطنی مجاہدات، شغف قرأت و اہتمام ذکر اشتغال حدیث اور تعلیم و تربیت طالبین، تصنیف و تالیف کتب دینیہ قرار دیا گیا۔

اس اجمال کی کچھ تفصیل حضرت شیخ قدس سرہ کے اجتبا اور کارناموں کی ہلکی سی جھلک دکھانے کے لیے پیش کی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ چودھویں صدی کے نصف آخر اور پندرہویں

صدی کے طلوع پر اس نابغہ امت سے نیابت نبوت کا کتنا عظیم کام لیا گیا۔

اجتباءِ خاص، نورِ چشمانِ اکابر

امام ربانی حضرت گنگوہی کی توجہ و دعاء:

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد خاص اور ان کے نور نظر تھے اور انھیں کے قدموں میں گنگوہ میں مستقل قیام فرما لیا تھا، حضرت شیخ کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا یحییٰ کے خصوصی تعلق کی وجہ سے حضرت شیخ حضرت گنگوہی کی خصوصی شفقتوں، توجہات اور مقبول دعاؤں کا مورد بن گئے۔ حضرت گنگوہی کے اس خوش نصیب و ہونہار بچے سے محبت و تعلق کا اندازہ صرف ان دو واقعات سے کیجئے جو خود حضرت شیخ نے نقل فرمائے ہیں، نقل فرمایا:

"کہ میں ابھی ڈھائی سال ہی کا تھا حضرت گولر کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوئے تھے میں حضرت کے پیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا پھر فرمایا کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا، راستہ میں کھڑا ہو جاتا جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز سے کہتا السلام علیکم۔ حضرت بھی ازراہ محبت اور شفقت اسی لہجہ اور آواز میں جواب مرحمت فرماتے"۔

(سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ صہ ۴۲)

حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کی عنایات کا یہ عالم حضرت شیخ قدس سرہٗ کے ساتھ تقریباً ساڑھے پانچ سال تک رہا کہ حضرت گنگوہیؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔ کون جانتا ہے

کہ اس مہر رشد و ہدیت نے اس معصوم بچے کو اپنی ان شفقتوں و کرم فرمائیوں اور کیمیا اثر نگاہوں سے ظاہر و باطن کی کن دولتوں سے نوازا ہوگا۔ تاہم زمانے نے ایک دن دیکھا کہ یہ معصوم بچہ امام ربانی کے علوم و معارف کا امین و شارح بن کر عالم میں "الکوکب الدری"[1] کی طرح چمکا اور ان کے جواہر ریزوں کو "لامع الدراری"[2] کی صورت میں جلا بخشی جس سے دنیا بقعہ نور تھی ؎

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

تربیت یحیوی :

حضرت شیخؒ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے خادم خاص، ان کے علم و عرفان کے امین اور ان کے کاتب خطوط و فتاوی تھے، حضرت گنگوہی کو ان کے ساتھ اس قدر تعلق خاطر تھا کہ ان کی جدائی برداشت نہ ہوتی تھی، فرماتے تھے "مولوی یحییٰ تو میری آنکھیں ہیں" حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند رشید کی تعلیم و تربیت جس طرز پر کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے "آپ بیتی" میں ایسے واقعات نقل کیے ہیں جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس عجالہ میں ان کی گنجائش نہیں۔ "الاعتدال" میں خود ارقام فرماتے ہیں۔

"میری ابتدائی تربیت جن اصولوں کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ سال کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا معیت والد صاحبؒ یا چچا جان صاحب کے کہیں جانے کی اجازت تھی حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت

---

[1] الکوکب الدری ترمذی کی شرح ہے۔ جس پر حضرت شیخ کے بھی تعلیقات ہیں۔ [2] لامع الدراری علی جامع البخاری: حضرت گنگوہیؒ کے افادات بخاری پر حضرت الشیخ کی دس ضخیم جلدوں میں شرح ہے۔

نہ تھی اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان صاحب کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا اپنی سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کر لوں۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی، تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی، یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیر نگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلہ بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر قیدیوں کی سی زندگی گزری مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھے نباہنے کی توفیق عطا فرمائی جس کی برکات میں اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں۔

(الاعتدال ص ۳۱)

حکیم و زیرک والد محترم کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ رذائل جن کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے ان سے خلاصی دے دی بلکہ یوں کہیے انھیں ابھرنے ہی نہیں دیا، اور محاسن و فضائل اور مزایا و کمالات کا ایسا مخزن بنا دیا جو مدتوں کی صحبتوں اور مجاہدات کے مابعد میسر آتے ہیں، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے عزیز بیٹے کے بارے جو سند دی وہ حضرت شیخؒ کی زبانی سنیئے۔

اور (تربیت کے) یہ سارے مراحل والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد سے گویا نگرانی ختم ہو گئی۔ انتقال سے تقریباً ایک سال پہلے یا اس سے بھی کچھ زائد حضرت شاہ عبدالرحیم نور اللہ مرقدہ وقدس سرہ کا شدید اصرار والد صاحب کے بار بار بلانے پر رہتا تھا، ان کے خط کے جواب میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے اب اس کی طرف

اطمینان ہوگیا"۔ حضرت رائپوری کو چونکہ اشتیاق رہتا تھا، اس لیے والد صاحب برائے پور طویل قیام کے لیے تشریف لے گئے اس ناکارہ نے ان کی تشریف بری کے بعد سے ان کی یاد اور ان کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا تو جواب میں تحریر فرمایا:

"کہ بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے، جب تک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو اور اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہوگیا ہے، اب میری ضرورت نہیں رہی۔"

یہی وہ تربیت و نگرانی کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت ابتدائے جوانی سے ہی زخارف دنیوی سے مستغنی، خلوت پسند، علم و دین کے لیے وقف ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس کا اثر ہے کہ اب مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں جانا میرے لیے انتہائی مجاہدہ ہے، حتیٰ کہ اپنے کمرے میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو، تو اس کی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف و سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو، جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے۔ مجھے تقریبات میں شرکت سے وحشت ہوتی ہے، ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لیے دقت کا سبب ہے، ؎

قفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پرسی
کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں ما را"

غرض باکمال باپ کی تعلیم و تربیت نے ہونہار و خوش نصیب بیٹے کو ان لازوال دولتوں سے نوازا، جس کی نظیر دور دور نہیں ملتی۔

فیضان و دعائے خلیل:

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی جلالت شان و رفعت

مقام سے کون ناواقف ہے۔ صاحب بذل المجہود کا علمی پایہ اور مہارت فن حدیث پر عالم گواہ ہے، باطنی مزایا وکمالات کے بارے میں ان کے مربی وشیخ حضرت گنگوہی کے ارشادات کافی ہیں، جو مکتوبات رشیدیہ سے لیے گئے ہیں۔

"پس یہ نسبت یادداشت واحسان تھی کہ شمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العین خلیل احمد کو نصیب ہوئی، جس پر ہزار فخر وناز یہ بندہ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیے مطمئن بیٹھا ہے، اگرچہ اس دولت سے محروم رہا۔"

"تم کو اپنا فخر وباعث نجات جانتا ہوں کچھ نہیں مگر اچھوں سے مربوط ہوں۔"

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ حضرت شیخ کے استاذ ومرشد، مربی ومحبوب ومحب سب ہی کچھ تھے، حضرت کے والد محترم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد ان سے تجدید بیعت کر لی تھی، حضرت شیخ کی بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے، حضرت علی میاں مدظلہ ارقام فرماتے ہیں۔

"شوال ۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب طویل قیام کے ارادے سے حجاز کا قصد فرما رہے تھے اور لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے شیخ فرماتے ہیں کہ بچوں کی طرح سے دیکھا دیکھی اپنے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا حضرت سے عرض کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں اس وقت آجانا، مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی جو خلافت سے سرفراز ہو چکے تھے، انھوں نے بھی تجدید کی درخواست کر رکھی تھی، حضرت نے فراغت کے بعد دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانا شروع کیے مولانا عبد اللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار کر رونا شروع کیا، جس کا اثر حضرت پر بھی تھا۔ حضرت کی آواز بھر آگئی۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اوپر بیٹھے ہوئے

تھے وہ یہ آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کے لیے آئے دیکھا تو شیخ بیعت ہو رہے ہیں۔ اس پر مولانا کو تعجب اور احساس ہوا کہ بلا علم و اطلاع کے انھوں نے اتنا بڑا کام کیا لیکن حضرت رائے پوری نے اس جرأت کی بڑی تصویب فرمائی اور دعائیں دیں۔"

(سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۸۲)

آئندہ چل کر ہونے والے شیخ وقت نے اپنے شیخ سے کیا پایا اور معرفت و عرفان کے کیسے رطل ہائے گراں مایہ نوش فرمائے، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے یہ "جگر گوشۂ خلیل" خلت کے جس مقام پر فائز ہوا مجھ جیسا بے بصر اسے کیا جانے تاہم اہل نظر نے اسے صفوۃ ھذا العصر، وغرۃ ھذا الدھر قرار دیا۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے خود انھیں اپنے بیٹے سے بڑھ کر کہا اور انھیں "عزیزی وقرۃ عینی وقلبی" کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ بذل المجہود کے مقدمہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے بارے میں جو تحریر فرمایا وہ ہر شاگرد و مرید کے لیے باعثِ نازش و سعادت ہے، اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

"میری اس تصنیف پر میرے بعض دوستوں نے خاص کر میرے عزیز اور میرے آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک حاجی حافظ مولوی محمد زکریا بن مولانا حافظ حاجی مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے مدد کی، چونکہ میں بدن میں رعشہ اور دماغ اور آنکھوں میں ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے خود لکھنے اور کتابوں کی تلاش پر قادر نہ تھا، میں بولتا رہتا تھا اور وہ لکھتے رہتے تھے اور مشکل مباحث کو ان کے مظان (گمانی مقامات) سے تلاش کرتے تھے تو مجھے لکھانے میں سہولت ہو جاتی تھی، بس اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور ان کو اس بات کی بہترین جزا عطا فرمائے کہ انھوں نے خوب محنت کی، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے مفید علوم ظاہرہ و باطنہ سے نیز نیک اور مقبول روشن

لہ لامع الدراری تقدیم الکتاب از علامہ محمد یوسف البنوری ص ت

اعمال سے دنیا و آخرت میں عزت بخشیں"۔

(مقدمہ بذل المجہود ص ۴۰)

مرشد عالی مقام حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور بیعت وارشاد کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سر مبارک سے عمامہ اتار کر مولانا سعید احمد صاحب فیض آبادی کو دیا کہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں، جس وقت وہ عمامہ حضرت شیخ کے سر پر رکھا گیا تو حضرت شیخ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ چیخیں نکل گئیں۔ غرض حضرت مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ اپنے شیخ کے جانشین خاص اور ان کی جملہ نسبتوں کے حامل بن گئے۔

توجہات اشرفیہ:

مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی توجہات دیگر اکابر کی طرح شروع ہی سے حضرت شیخؒ کی طرف مبذول تھیں، شفقت ومحبت کے کئی واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ حضرت کو مجھ سے بچپن ہی میں اتنی محبت تھی کہ از راہ شفقت اس ناکارہ کا نام برف بیچنے کے ایک واقعہ کی وجہ سے برفی رکھا تھا، اور جب حاضر ہوتا تو اتنی لذت سے برفی کا لفظ فرماتے کہ مجھے بھی سننے میں مزہ آتا تھا، حضرت قدس سرہ کے یہاں قواعد کی پابندی بہت سوں کو معلوم بھی ہے اور مطبوعہ بھی ہے لیکن شروع زمانے میں ہی حضرت نے اس ناکارہ کو مستثنیٰ فرما دیا تھا اور ایسے ہی اعلاء السنن کی تکمیل کے لیے بھی اس ناکارہ کو تجویز کیا تھا مگر میں نے مدرسہ کے انتظامی اور تدریسی خدمات کا عذر کرکے اس سے معافی مانگ لی تھی۔ (محبوب العارفین ص ۳۷)

حضرت شیخ کی عمر ۲۳ برس کی تھی، حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری ہوئی، شیخ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ حضرت تھانویؒ نے مصافحہ فرمایا، مصافحہ فرماتے ہی حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا، "کہ اکابر کے یہاں تربیت کے بھی طرق عجیب اور مختلف ہوتے ہیں، اکتساب بھی ایک طریقہ ہے، یعنی حضرت سہارنپوریؒ قدس سرہ نے کتاب

لکھوانے ہی میں تربیت باطنی اور منازل سلوک طے کروائے۔ اشغال کا متعارف سلوک اختیار نہیں کرنا پڑا۔ (محبوب العارفین ص ۱۹)

حضرت شیخ رحؒ کے وصال سے تقریباً پچاس سال پیشتر نومبر ۳۲ء میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے مشائخ بیعت کے بارے میں حضرت تھانویؒ سے استفسار فرمایا، حضرت نے نونام تحریر فرمائے جن میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاول نگر، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعد چوتھا نام حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپوری کا تھا، اس کے بعد بالترتیب حضرات حافظ فخرالدین صاحب، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب کے اسمار گرامی تھے۔ (حکیم الامت ص ۲۵۰)

اس سے جوانی کی عمر میں حضرت شیخ کا جو مقام حضرت تھانویؒ کے نزدیک تھا اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے دل میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی جو عظمت ومحبت تھی اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ اس ہیچمدان نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے ایما پر کتب فضائل کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ آپ (یعنی حضرت تھانوی) نے راقم سے ارشاد فرمایا۔ آپ کو فارسی آگئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا، پھر پوچھا کیا آپ کو عربی آتی ہے بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا "جرس" کے کیا معنی ہیں اور جب بندہ نے معنی عرض کیے تو انتہائی مسرت وابتہاج میں حافظ کی وہ پوری غزل سنائی جس کا ایک مصرع یہ ہے ع

جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

بندہ نے ایک سفر حج پر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مقامہ کو یہ خواب سنایا۔ انتہائی مسرور ہوئے اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا، "حضرتؒ نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا" اس کے تھوڑی دیر بعد حضرات تبلیغ مخدومی المکرم حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدت فیوضہم وغیرہ تشریف لائے تو حضرت نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا۔ ان حضرات

کو بھی اپنا خواب سناؤ اور پھر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا، حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے اور پھر ایک پٹھان بزرگ کا ایک واقعہ نقل فرمایا، جنھیں حضرت تھانوی نے خواب میں کہا تھا کہ میرے بھتیجے محمد زکریا کو میرا سلام پہنچا دیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ کی شفقتیں:

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں۔

میرے صنو الاب، نائب شیخ، مربی و استاذ کی شفقتیں تو میرے حال پر جتنی بھی ہونی چاہئیں تھیں ظاہر ہے۔ مگر ان شفقتوں کے ساتھ ساتھ ان کا طرز ایسا ہو گیا تھا جس نے مجھے شرمندہ کر رکھا تھا (حالانکہ ان کو اپنا بچا ہونا بھی یاد رہتا تھا۔ (آپ بیتی)

حضرت شیخ کا مقام حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ کے نزدیک کیا تھا، حضرت کے خطوط کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

"آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی، مگر اس امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے اپنی کچھ اصلاح ہو جائے۔"

(اس خط پر ۵ فروری ۱۹۳۱ء کی مہر ہے، اس وقت حضرت کی عمر ۳۵ سال تھی)

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"آپ غور فرمائیں گے تو آپ نہایت تصدیق فرمائیں گے، میں آپ کی دعوات اور توجہات کا سخت ترین محتاج ہوں۔"

ایک والا نامہ میں حضرت شیخ کو ان القاب سے مخاطب فرمایا:

"گرامی قدر، عزیز محترم منبع الاخلاق والشیم، معدن جود و کرم، مخزن فضل و علم مولانا الشیخ الحافظ الحاج شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔"

تبلیغ کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ کا تعلق

خاطر اور آپ کی شمولیت و برکت کا تذکرہ آئندہ آرہا ہے، اس لیے یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی حضرت والا سے یگانگت شفقت و محبت، بلکہ عقیدت اظہر من الشمس ہے اس لیے ان کا تذکرہ اس عجالہ میں حذف کرتے ہوئے اس شیریں حکایت

"ذکر رحمة ربك عبده زکریا"

کا اتمام حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر کے ترجمہ پر کرتا ہوں۔

"پس (حضرت مولانا شیخ محمد زکریا) کی صالح پرورش ان فقہاء محدثین و ارباب قلوب ——— علماء ربانیین کے زیر سایہ ہوئی جو اپنے فنون کے ماہر و نقاد، منتخب زمانہ اور بہترین عصر افراد تھے، ان کی تربیت نے حضرت شیخ کو ایک صالح پاکباز و متقی نوجوان بنا دیا، جن کی روشن جبین ان کی شرافت و سعادت کے آثار سے جگمگا رہی تھی اور چمکدار اور روشن مستقبل کی غماز تھی۔

انھوں نے امام ربانی حضرت شیخ گنگوہی قدس سرہ کا زمانہ دیکھا، ان کی دعوات و عنایات کی برکات سے مستفید ہوئے۔ (امام ربانیؒ کی وفات کے وقت حضرت شیخ آٹھ سال کے تھے) مشیت ازلیہ نے چاہا کہ ایام طفلی سے لے کر ادھیڑ عمر تک حضرت شیخ پر رحمت الٰہیہ کا وہ پردہ رہے جو انھیں ان ارباب قلوب کے انفاس قدسیہ نے پہنا دیا تھا (ان انفاس قدسیہ کی برکت سے) انھیں نفس مطمئنہ اور پاکیزہ و طاہر سبک روح سے نوازا گیا۔ عمدہ ذوق و وجدان کی ارزانی ہوئی اور ہر خیر کی عظیم توفیق بخشی گئی۔

وہ خیر عبادت و تقویٰ ہو، تدریس و تالیف ہو یا شریفانہ عادات ——— خندہ پیشانی، حسن لقاء، کریم النفسی، جود و سخا، مہمانوں کا اکرام، طبعی رقت،

چمکدار دائمی کشادہ روئی ـــــ (وغیرہ) پر مشتمل ہوں۔"

نیابت فرائض نبوت ـــــ حضرت شیخ قدس سرہ کا اصل کارنامہ

تفصیلاً گزر چکا کہ نبوت کے فرائض[1]، دعوت و تلاوت کتاب ۲- تزکیہ قلوب و تربیت نفوس اور ۳- تعلیم کتاب و حکمت (سنت) ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی برکت سے ان فرائض کی ادائیگی کا کام نیابتاً امت کے سپرد کیا گیا اور خاصانِ امت کو ہر زمانہ میں اس امانت کی ادائیگی کے بقدر نوازا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو پچھلے دور میں امامت و قیادت امت کے جس مقام رفیع سے نوازا گیا اس کا فطری لازمہ تھا کہ آپ ان فرائض کی ادائیگی میں گوئے سبقت لے جائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام لیا اور خوب لیا (فجزاہ اللہ تعالیٰ عن سائر الامۃ احسن الجزاء) ذیل میں اس کارنامہ کا کچھ بیان ہے۔

دعوت:

یتلوا علیھم ایاتہ سے مراد جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے، دعوت بالقرآن ہے، جیسا قرآن کریم کی دوسری آیت

فذکر بالقرآن من یخاف	پس نصیحت دے ساتھ قرآن کے اس شخص کو کہ
وعید (ق- ایت ۴۵)	ڈرتا ہے ڈرانے میرے سے مؤید ہے۔

اس دور میں دین کی دعوت کی علمبردار اور مدعی بے شمار جماعتیں ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اپنی بنیاد و نہاد اور اپنے اصول و طریق کار میں اقرب الی السنۃ واشبہ بطریق الصحابۃ وہ دعوت ہے جس کے داعی اول حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے استاذ و چچا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ دعوت اپنی عالمگیری میں

---

[1] دیکھئے آیت کریمہ: ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ (سورہ جمعہ)

اس وقت بحمد اللہ تعالیٰ پورے عالم پر محیط ہے، اس دعوت کی اساس و بنیاد اور اس کے اصول و فروع میں حضرت شیخ قدس سرہ کا جس قدر حصہ ہے اس کا اندازہ بانی جماعت حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات سے ہو سکتا ہے، حضرت شیخؒ کو ایک خط میں ارقام فرماتے ہیں۔

"میرا یوں جی چاہتا ہے کہ تبلیغ کے ہر نمبر کے متعلق آپ ایک رسالہ لکھ دیں"
(مہر ڈاک ۵ فروری سنہ ۱۹۳۱ء)

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرمایا۔

"میرے عزیز اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار کے آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

میرے عزیز اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے..... تمھاری اس ہمت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے۔ حق تعالیٰ مجھے آپ کے شکر کی توفیق بخشیں۔ اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو انشاء اللہ یہ تمھاری تصانیف اور فیوض ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے، میری اس میں ضرور دعا سے مدد کیجیو اور میں بھی دعا کرتا ہوں"

(بندہ محمد الیاس ۲۶ رمضان سنہ ۵۳ء)

ایک والا نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھے آپ اور حافظ صاحب کے خط کا خصوصیت سے انتظار رہتا ہے کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی آپ کے قلوب کی ہمت، آپ کی متانت اور استقلال ہر دل تسلیم کئے ہوئے ہے۔ —— باقی سب آپ کے قلوب کی کٹھ پتلی ہیں"۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہ کو ۲۸ رجب سنہ ۱۳۹۴ھ کے

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد سلام مسنون گرامی نامہ ۹ رجب مولوی سلیمان افریقی کی معرفت ایسے وقت میں پہنچا کہ یہ ناکارہ میوات کے سفر سے نظام الدین واپس آیا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ کے زمانے میں میوات کا سفر ہر ماہ میں ایک ورنہ دو تین ہو جاتے تھے، عزیز مولوی یوسف مرحوم کے زمانے میں یہ افراط تو نہ رہی، مگر دو چار ماہ میں ایک سفر ہو ہی جاتا تھا، شروع میں تو زیادہ لکھے ہے مگر ۴۷ء کے ہنگامے کے بعد سے کم ہو گئے۔ عزیز مولوی انعام الحسن سلمہ کے دور میں اس ناکارہ کے امراض کی کثرت نے گویا کالعدم کر دیا تھا۔ عزیز ہارون مرحوم کے حادثہ کے بعد قاضی صاحب مرحوم کا اصرار رمضان ہی میں ہوا تھا۔ اس کے بعد مولانا انعام صاحب کے سفر حج پر ان کا اور مولانا علی میاں صاحب کا اصرار ہوا تھا کہ تیرا سفر حج ضروری ہے، اس لیے مدینہ پاک میں وعدہ ہو گیا تھا کہ میوات کے دو تین معروف قصبات میں ایک سفر ہو، اگرچہ معذوری تو اس ناکارہ کی روز افزوں ہے، پھر بھی ان احباب کے اصرار پر ۱۰ اگست کو سہارنپور سے چلا تھا۔ ۱۱ر کو ایک جگہ اور ۱۲ر کو دوسری جگہ اور ۱۳ر کو تیسری جگہ ایک ایک شب کا قیام کر کے کل ۱۴ر کو نظام الدین واپس پہنچا۔ چونکہ اس ناکارہ کا بہت دنوں میں جانا ہوا تھا، اس لیے ۲۴ گھنٹے اس قدر ہجوم نے گھیرے رکھا کہ بعض جگہ تو مجھے یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ شاید میں زندہ واپس نہ جا سکوں مصافحوں کا اور قریب آنے پر اتنی دھکا بازی ہوئی تھی کہ جس کی وجہ سے بہت ہی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ ۵۰/۶۰ تو مجھے گھیرے میں رکھتے تھے...."

اس خط کو اس لیے نقل کر رہا ہوں تاکہ حضرت شیخؒ کے اعذار قویہ کے باوجود اس کام میں عملی شرکت کا اندازہ ہو سکے ——— اسی طرح اپنے متعلقین، مریدین اور عام مسلمانوں کو اس کام کی ترغیب دیتے رہے۔ اس عالمگیر و مقبول تبلیغی کام میں آپ کی شرکت اپنی ان تصنیف کردہ فضائل کی کتابوں کے ذریعے بھی ہے، جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے اصرار پر لکھی گئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو وہ مقبولیت بخشی جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی۔ ان رسائل کا عربی، فارسی، انگریزی، ملیشیائی جاپانی اور دیگر ایشیائی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اردو میں تو بلا مبالغہ یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں۔ بندہ نے فارسی ترجمہ کیا، پچھلے دو سال میں پانچ ہزار کی تعداد میں طبع ہو کر پاکستان، افغانستان و ایران میں پھیل چکا ہے۔ یہ حضرت شیخؒ کا خلوص و برکت، طرزِ ادا کی خوبی و تاثیر اور حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کو حرف حرف سچ کر دکھایا کہ۔

"اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں، یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی، تو انشاء اللہ تمھاری تصانیف اور فیوض ہندوستان میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے۔"

عام تبلیغی حضرات کا علمی ذہن انھیں کتابوں کا رہین منت ہے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا کمال اور مسلمانوں پر احسان ہے کہ سادہ اور پر اثر زبان میں عامۃ الناس کے لیے ہزاروں احادیث کی تشریح کر دی اور ایک حدیث کے ضمن میں دوسری کئی احادیث بیان فرمادیں، "شیخ الحدیث" نے اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ تک ہر مسلمان کی رسائی کا آسان راستہ کھول دیا۔

تبلیغی کام کی شرکت کے علاوہ آپ کے بیسیوں اصلاحی و دینی رسائل ہیں، ان کی اشاعت کی اجازت ہر شخص کو ہے۔ حضرۃ الشیخؒ کے مفاخر عالیہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں کو کسب مال کا ذریعہ نہیں بنایا اور جو کچھ لکھا حسبۃ للہ اس کی طباعت و اشاعت کی عام اجازت دے دی، اس وجہ سے آپ کی کتابوں کی ترویج خوب ہوئی اور لوگوں نے حضرت کے علوم سے استفادہ کیا، آپ کی کتابیں مختلف اعتبار سے لکھی گئی ہیں، اردو کتابیں عموماً اصلاحی اور تبلیغی رنگ کی ہیں۔ بعض تحقیقی و علمی رنگ کی اور بعض میں دونوں رنگوں کا امتزاج پایا جاتا ہے، اس لیے ہر طبقہ آپ کے علوم نافعہ سے مستفید ہوا،

اور ہو رہا ہے۔

۲۔ تزکیہ قلوب، تصفیہ نفوس:

حضور انور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کو اللہ تعالیٰ نے مزکی اور سراج منیر بھی بنا کر بھیجا تھا۔ آپ کی صحبت دلوں کو نکھارتی، رذائل سے پاک اور فضائل اخلاق سے آراستہ کرتی تھی۔ اس روشن چراغ سے دل ہدایت ربانی سے روشن، تعلق الٰہی سے منور اور یادِ حق سے سرشار ہو جاتے تھے، زخارف دنیویہ کی محبت نکل کر رگ و پے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت سمو جاتی تھی۔ آپ کی تاثیر سے ایمان ویقین، اخلاص واحتساب کی وہ دولت ہاتھ آتی، جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہی گرد معلوم ہوتی تھی۔ عظمت الٰہیہ کے سامنے نفس کے تمام جذبات دب جاتے تھے اور خشیت الٰہی حال بن جاتا تھا۔ اوامر الٰہیہ سے فطری مناسبت ہو جاتی اور دین طبیعت ثانیہ بن جاتا، رضائے حق مقصود ہو جاتی، اور اسوۂ نبویہ کا اتباع زندگی کا مقصد، گویا وہ طبقہ جو اللہ کے نام سے نا آشنا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ کے نام سے ان کے دل لرز اٹھتے تھے، اور ان کے دل احکام الٰہیہ کے منقاد ہو کر سراپا عمل بن جاتے تھے۔ عبدیت تامہ انھیں الٰہی رنگ میں رنگ دیتی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کو "تزکیہ" کہتے ہیں۔ اور یہ صفت "ختم نبوت" کی برکت سے باقی صفات نبوت اور دین متین کی طرح اس آخری امت میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو جن مشائخ نور اللہ مراقدہم کی صحبت و تربیت نصیب ہوئی اور جن سے انھوں نے فیض پایا وہ ظاہر و باطن کے جامع، الٰہی رنگ میں مصبوغ، عبدیت کاملہ سے متصف اور نسبت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ) کے حامل تھے۔

ہندوستان میں جو طریق سلوک مجدد سرہندی، شاہ ولی اللہؒ امیر شہید و امام شہید اور حاجی امداد اللہؒ وغیرہ کی برکت سے شریعت وطریقت کی عینیت اور حشو وزوائد سے پاک ہو کر طریقہ نبوت و طریقہ صحابہ کے مطابق ہو گیا تھا

وہی اس خاندانِ تصوف کا مزاج[1] تھا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں، بےمثال استعداد، وسیع ظرف رکھا تھا، اور جیسے والد ماجد قدس سرہ کی طفولیت سے ہر آن کی نگہداشت و تربیت نے جلا بخشی تھی اور جیسے امام ربانی حضرت گنگوہی حضرت شاہ عبدالرحیم، حضرت تھانوی نور اللہ مراقدہم جیسے باکمال اور فحول رجال سلوک کی صحبتوں اور شفقتوں نے باطنی اور روحانی کمالات و مزایا کا محل بنا دیا تھا، اور جیسے خلیل وقت حضرت خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کے فیض باطنی نے سراپا نور و ہدایت بنا دیا تھا، اپنے اندر اس سلسلۂ عالیہ کی جملہ نسبتوں کو انتہائی عالی ظرفی کے ساتھ لیا، جوانی ہی میں اچھے اچھوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں، نہ اپنی آنکھ ہے ورنہ بتایا جاتا کہ سدرہ کا یہ شہباز ابتداء ہی سے کیا پرواز رکھتا تھا، یہ محجوب اور بےبصیرت سمجھتا ہے کہ حضرت کا سینۂ صافی ایسی مخروج نسبت کا حامل تھا، جو چشتی ذوق و شوق اور نقشبندی سکینت و انس کے ساتھ قادریہ اور سہروردیہ نسبتوں کا رنگ لیے ہوئے تھی۔ [چشتیت کی کیفیت سوختن وافروختن و جامہ دریدن کو نقش بندی انس و سکینت و ضبط نفس نے ایسے دبا رکھا تھا جیسے آتش فشاں

---

[1] حضرت شیخ قدس سرہٗ اپنے اکابر کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

مجھے ان سب اکابر کا دور اس واسطے بتانا پڑا کہ ان شموس ہدایت کی برکت سے دوآبہ کا ذرہ ذرہ شریعت و طریقت کا مرکز رہا اور ان کی برکات سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کے متلازم ہیں۔ ان میں کا ہر شخص ؎

بر کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

کا مصداق تھا، اس لیے بچپن ہی سے شریعت و طریقت کا باہمی ربط و تلازم ایسا قلب میں پیوست تھا، کہ اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہ تھی۔

پہاڑ پر برف پڑی ہو]

اور ان سب پر غالب وہ نسبت تھی جس کا سینۂ پاک نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضان ہوا تھا، جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں قلب منور کو مصبوغ فرما کر آئینہ کمالات و جمال نبوی بنا دیا تھا جس کی وجہ سے اس دور میں آپ کو خلافت باطنۂ نبوت کا حامل اور صوفیہ کی خاص اصطلاح میں قطب الارشاد اور غوث[1] اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "انما قاسم واللہ یعطی" کا مظہر بنا کر فیوض و برکات کا مصدر بنایا گیا، اور عالم میں محبوبیت و سیادت و قیادت روحانیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالی نسبت کا ثمرہ تھا، کہ نسبت صحابہ جو عظمت الٰہیہ اور محبت ربانیہ سے ناشی ہوتی ہے، اور جس کی وجہ سے قلوب منقاد و مطیع ہو کر رغبت و رہبت کے ساتھ احکام الٰہیہ کے پابند ہو جاتے تھے، اور آج کل کی اصطلاح میں جوش طریقت "ہوش شریعت" سے دب جاتا تھا، اور للٰہیت رگ و پے میں سرایت کر جاتی تھی، اور زندگی خداوند قدوس کی ہو کر اسوۂ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رنگ جاتی تھی۔ اس کا انعکاس بلکہ استقرار حضرت قدس روحہ کے قلب اقدس پر ہو چکا تھا۔ غرض آپ روحانیت و بزرگی کے اس مقام پر تھے جس کا ادراک بھی مجھ جیسے کے لیے مشکل ہے، اللہ معاف کرے قلم کی جولانی میں کیا کچھ لکھ گیا، (ورنہ کہاں وہ عالی مقام اور کہاں یہ ہیچ میرز ننگ انام)

یوں تو شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ سے بے شمار افراد کا تعلق ابتدا ہی سے تھا، جنکی تربیت آپ انتہائی دلسوزی سے فرماتے تھے۔ لیکن "تزکیہ" کے سلسلہ میں آپ کا کارنامہ اسے منظم فرمانا اور مختلف ملکوں میں اس کا انتظام و انصرام فرمانا، مساجد و مدارس میں اس کے قیام کی کوشش فرمانا اور انتہائی ضعف و کمزوری اور بڑھاپے میں دور دراز ملکوں کے سفر فرمانا ہے

---

[1] غوث صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے حق تعالیٰ جس اپنے مقبول بندہ کو اپنے تمام بندوں کے مقاصد کے پورا کرنے کا بذریعہ دعا و ہمت ذریعہ بنا لیں وہی غوث کہلاتا ہے، اور اس کا دوسرا نام قطب تکوین ہے، جیسے قرآن پاک میں حضرت خضر کا قصہ ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق (غوث کہنا) جائز ہے۔ (افادہ حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ م-ا)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ کا ایک خواب نقل کرتا ہوں: فرمایا کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھے زیارت ہوئی اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہو رہا ہے، لیکن میرا جی چاہے ہے کہ کچھ اور اس سے کام لیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے، مگر میرا بھی یوں جی چاہے ہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے"۔

حضرت شیخ نے فرمایا اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا، کہ میں کسی کام کا نہیں ساری عمر یوں ہی ضائع کی، اب کیا کام کر لوں گا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق، میں کیا کروں؟ مگر کچھ دنوں بعد چچا جان کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ یہ کہ جب چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحؒ) مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا۔ روضۂ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ تم سے کام لینا ہے۔ چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا، لکھنا مجھے نہیں آتا، میں ضعیف کیا کام کروں گا؟ کچھ دنوں بعد حضرت شیخ الاسلام مدنی رحؒ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی رحؒ نے جب انھیں پریشان دیکھا تو کہا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو بلکہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لے گا، اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان آ کر یہ تبلیغی کام شروع ہوا اور ما شاء اللہ خوب چلا، میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر، بلکہ یوں فرمایا گیا ہے کہ کام لیا جائے گا، میں سوچتا ہی رہا، کچھ دنوں بعد خیال ہوا کہ ذکر و شغل کی[1] لائن ٹوٹ گئی ہے، ہندوستان، پاکستان کی اکثر خانقاہیں غیر آباد ہو گئی ہیں۔ اس واسطے حضرت گنگوہی کی بھی یہی منشا ہوگی۔ ذکر و شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا، جب آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر و شغل نے لے لی۔ اس لئے مجھے ذکر کا اہتمام ہو گیا اور اس بنا پر اپنے معمولات اور معذوری

---

[1] یہی تزکیہ کی لائن ہے۔ (محمد اشرف)

کے باوجود لندن یا پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہ قائم کرنے کا وعدہ ہو، جس حال میں بھی ہوں، پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں، اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے۔"

(حقالۃ القلوب ص ۱۲۸، ۱۲۹)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے بندگانِ خدا کی تربیت اور تزکیہ وارشاد کے لیے پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف کے باوجود ہزاروں میل کے سفر کیے، ہندوستان میں سہارنپور، پاکستان میں فیصل آباد، انگلینڈ میں "بری" اور افریقہ میں ڈی یونین اور اسٹینگر وغیرہ آپ کی فرودگاہ رہیں۔ قلوب کی اصلاح، ذکر کی تخم ریزی، اور نفوس کی پاکی کے لیے ماہ ہدایت یعنی رمضان المبارک کو منتخب فرمایا گیا اور زمین کے مقبول ترین قطعات یعنی مساجد کو تزکیہ گاہ بنایا گیا۔ پورا رمضان المبارک اعتکاف میں گزرتا تھا، رات بھی تراویح کے علاوہ ذکر ونوافل و تلاوت کے ساتھ شب بیداری میں گزرتی، اور دن کے اوقات گزارنے کی بھی باقاعدہ ترتیب ہوتی۔ کثرتِ تلاوت، ذکر، درود شریف، استغفار اور دیگر معمولات کی پابندی کے علاوہ خاص دینی کتب سنی سنائی جاتی تھی، ایک روحانی اور دینی فضا بن جاتی تھی، جس میں اہلِ ذکر بزرگوں کی توجہات، گریہ اور دعائیں عجب نورانی کیفیت پیدا کر دیتی تھیں۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی صحبت کی تاثیر، قلبی فیضان، روحانی برکات سے جملہ معتکفین مستفید ہوتے اور دور دور سے لوگ اس بابرکت فضا سے فیضیاب ہونے کے لیے پروانہ وار آتے اور ہر شخص بقدرِ ظرف مستفید ہوتا، مدتوں اس کے اثرات باقی رہتے تھے، حضرت اقدس قدس سرہ اپنے ان اسفار کے ذریعہ ان علاقوں میں داغ بیل ڈال آتے، جسے باقی رکھنے کی ترغیب و تقاضا بھی اپنے متعلقین کو فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے فیض یافتہ خلفاء آپ کے وصال کے بعد بھی اس طریقہ حسنہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں برکت دے تاکہ حضرت کا فیض جاری رہے۔

رمضان کے قیام کے بارے میں حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض خطوط سے جو کہ عزیزی سید محمد بنوری سلمہٗ کے نام ہیں روشنی پڑتی ہے، اس لیے متعلقہ اقتباسات مختلف خطوط

سے نقل کرتا ہوں۔

"میرا ابھی جی چاہتا ہے کہ تمہارا ماہِ مبارک اگر سہارنپور میں میرا رمضان گزرے تو میرے ساتھ ضرور گزرے، حرمین میں کوئی اجتماعی قیام کی صورت نہیں بنتی سہارنپور میں بڑی سہولت رہتی ہے اس ناکارہ کا صحیح نظام ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔ البتہ ہندی احباب کے تقاضے اس مضمون کے آرہے ہیں، کہ اکابر کی خانقاہیں بالکل ہی خاموش ہیں اور مدارس کے مدرسین کو رمضان ہی میں فراغت ملتی ہے۔"

"اور تم سے زیادہ میری تمنا ہے کہ ایک رمضان میرے ساتھ میرے اصول پر گزر جائے، اب تو بیماریوں نے اور مجبوریوں نے بالکل ہی بیکار کر دیا ورنہ آپ بیتی میں تم نے شاید پڑھا ہوگا کہ میری جوانی میں میرے اوپر رمضان بخار کی طرح مسلط ہوتا تھا، تراویح کے بعد کے ایک آدھ گھنٹہ کے علاوہ میرے یہاں نہ گھر والوں سے نہ باہر والوں سے، نہ اکابر سے نہ اصاغر سے ملاقات یا بات کا وقت نہیں تھا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے دوست اس طرح رمضان گزارا کریں۔ اگرچہ یہ ناکارہ مشائخ میں نہیں ہے، مگر صورت تو ان ہی کی بنا رکھی ہے، ان کا مشہور مقولہ ہے، جو ہماری ابتدا دیکھے گا وہ کامیاب اور جو انتہا دیکھے گا وہ ناکامیاب۔"

"رمضان کے معمولات جو مستقل ہیں وہ تو ہیں ہی۔ میرے رمضان المبارک میں کھانے یا سونے پر کوئی پابندی نہیں ہے..... البتہ میرے یہاں رمضان کا سخت معمول جس پر گرفت ہے، میں یہاں بڑے بڑے اکابر مشائخ کو بھی نہیں چھوڑتا بات نہ کرنا ہے یہاں تو میں دینی باتوں کو مستثنیٰ کر دیتا ہوں، مگر تمہارے لیے اس کا بھی سلسلہ نہیں، اس لیے کہ تم تو ماشاء اللہ اپنی ہر بات کو دین سمجھو گے۔ اس لیے تمہارے لیے دینی باتوں کا بھی استثناء نہیں ہے۔"

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب نور اللہ مرقدہ کو ارقام فرماتے ہیں۔

"سفر کی ہمت بالکل نہیں لیکن احباب کے تقاضے بڑھتے جارہے ہیں، نیز احباب کا یہ بھی اصرار ہے کہ آئندہ رمضان سہارنپور ضرور گزارے کہ ماہ مبارک میں مدارس کے مدرسین خاص طور سے جمع ہو جاتے ہیں، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ اپنی نااہلیت کے باوجود آئندہ رمضان سہارنپور میں گزاروں۔"

غرض مختلف ممالک کے ان اسفار میں حضرتؒ نے سلوک کے مجموعی اور اجتماعی طور پر زندہ کرنے کی پوری کوشش فرمائی اور ہمارے لیے نمونہ قائم فرما گئے۔

جیسے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے رمضان میں تزکیہ و ذکر کی ان مجالس کو قائم فرمایا، اسی طرح دینی مدارس میں تزکیہ اور ذکر کے احیاء کی پوری کوشش فرمائی اور اہل مدارس کو اس کی طرف متوجہ فرمایا۔ عزیزی مولوی محمد بنوری سلمہ کو ایک طویل مکرمت نامہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کو متوجہ کرنے کے لیے (مکہ مکرمہ سے) تحریر فرمایا تھا جسے من و عن نقل کرتا ہوں۔

"عزیزی الحاج مولوی محمد بنوری سلمہ۔ بعد سلام مسنون! ایک بہت ہی اہم مضمون حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، مولانا کی تشریف آوری مدینہ منورہ تو ہو چکی ہے اور سنا ہے کہ حج کے قریب یہاں تشریف آوری ہوگی، ہجوم اتنا ہے کہ معلوم نہیں ملاقات کا وقت مل سکے گا یا نہیں اور اطمینان سے بات کرنے کا وقت ملے گا یا نہیں اور زبانی گفتگو محفوظ بھی نہیں رہتی اس لیے اس کو بہت احتیاط سے رکھیں اور مولانا کی تشریف آوری پر پیش بھی کر دیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ میں اپنے مضمون کو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے کماحقہ ادا کر سکوں یا نہ کر سکوں، مگر جناب کے متعلق یقین ہے کہ انشاء اللہ میرے مقصد سے آگے سمجھیں گے۔ مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ معدوم بلکہ اس لائن سے بعض میں تو تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک

بہت خطرناک ہے، ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم مظاہر علوم
شاہی مسجد مرادآباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک میں بھی
امام الائمہ تھے، ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے
باوجود اب تک چل رہے ہیں، میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس
منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً تحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں
میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرماویں تو مفید اور
مؤثر زیادہ ہوگا۔ مظاہر علوم میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں
اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری طیب صاحب سے عرض
کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا
رہتا ہوں۔ روزافزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے
کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شرور و فتن اور تباہی و
بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ کا نام لینے
والا کوئی نہ رہے تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں
اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود
تو ساری دنیا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو
ان کے بقا اور تحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔ اکابر کے زمانہ میں ہمارے
ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی کثرت جتنی رہی ہے وہ
آپ سے مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے۔
اس گرامی نامہ کے آخر میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے۔

اس ناکارہ نے رسالہ فضائل ذکر میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب
الوابل الصیب سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کیے ہیں جن میں شیطان سے
حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں
اور فساد کی جڑ ہیں۔ فضائل ذکر سے یہ مضمون بھی اگر جناب سن لیں تو

میرے مضمون بالا کی تقویت ہو گی۔ اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدرسہ پر کچھ اثر انداز ہو سکے آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیجدیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے، دار العلوم مظاہر علوم، شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے بھی زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے ان ہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ ۳۰ نومبر ۸۵ء مکۃ المکرمہ"

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے جواب میں حضرت بنوری قدس سرہ نے تحریر فرمایا۔

"عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا۔ دوبارہ خود بھی پڑھا حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت و زیارت کے لیے دار العلوم گیا تھا وہاں بھی میں نے ذکر کیا۔ فرمایا کہ زبانی (حضرت شیخ سے) اس کا ذکر آیا تھا۔ اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوریٰ کا اجلاس تھا۔ اس مجلس میں مکتوب گرامی سنایا گیا اور عمل کرنے کے لیے تدبیر و مشورہ پر غور بھی ہوا۔ بات تو بالکل واضح ہے ذکر اللہ کی برکات و انوار سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کے لیے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ خانقاہ کی ضرورت ہے، ہمارے اکابر جس اخلاص اور تعلق مع اللہ کے حامل تھے وہ محتاج بیان نہیں، ان کی تدریس و تعلیم سے غیر شعوری طور پر ہی تربیت ہوتی تھی اور ان کی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے، بلاشبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لیے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے حق تعالیٰ جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلبا تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف

قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد خطرناک ہے، جب مدرسین بھی اس
قوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلبار بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں
اذکار وادعیہ کا التزام بھی نہ ہو حفت النار بالشہوات کا منظر قدم قدم پر ہو
تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارہ کار نہیں۔ میں آپ کی خاص دعوات و توجہات
کا محتاج ہوں۔"

(صقالۃ القلوب ص ۱۳۴، ۱۳۵)

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے جواباً ارقام فرمایا:

...... آپ نے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے بہت سے
اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں بلامبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا اور چند روز پاس
رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی
تھی، میری نگاہ میں ایسے اشخاص گزرے ہیں یعنی طلبا جو دورۂ حدیث سے
فراغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے۔ حضرت میاں جی نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں
تلاوت قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے
مگر یہ چیز تو قوت تاثیر اور کمال تاثر کی محتاج ہے جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا،
کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر شغل کی ضرورت نہیں۔ قرآن پاک اور
احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے
صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کے لیے دوا ہی دیں گے، ورنہ
تو یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں
چونکہ طلبار میں اب (جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے) بجائے تلاوت کے
لغویات کی مشغولی رہ گئی ہے بلکہ بعضوں میں تو استکبار کی نوبت آجاتی
ہے، اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت
پیدا کرنے کے لیے کوئی لائحہ عمل آپ حضرات تجویز فرمائیں، پہلے ہر شخص کو
(طلبار کو بھی) اپنی اصلاح کی خود فکر تھی، وہ خود ہی امراض کے علاج کے لیے

اطبار کو ڈھونڈتے تھے، اب وہ امراض قلبیہ سے اتنے بے گانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے۔ کیا کہوں اپنے ما فی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خود حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیر اولیٰ کی بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت بھی جاتی رہتی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائکوں سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔" (مدینہ منورہ ۲۰ر۱ر۹۶ھ)

(صقالۃ القلوب ص ۱۳۵، ۱۳۶)

احیائے نظام تزکیہ وذکر کی ان عملی کوششوں کے علاوہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جہاں بھی رہے، اپنی ذات میں "خانقاہ" تھے، ذاکرین وشاغلین کا ہجوم رہا۔ آپ باقاعدہ ذاکرین کی جماعت کو ذکر کی تلقین فرماتے، تربیت باطنی کا اہتمام فرماتے، طالبین کی ایک ایک حرکت پر نظر ہوتی، شفقت ومحبت تربیت کا منشا رتھا، لیکن تربیت میں کمی کی رعایت نہ تھی، اصلاح کے لیے جس بصیرت، دقیقہ رسی اور حذاقت کی ضرورت تھی، وہ حضرت شیخ کا جادۂ پا افتادہ تھا۔

تربیت کا ایک دوسرا رُخ مکاتبت کا تھا۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی طرح حضرت شیخ رح کے تربیتی خطوط خاصہ کی چیز تھے، جو طالبین کی صلاح وفلاح کا ذریعہ تھے، مزید برآں سلوک وتصوف کے بارے میں آپ کی تصنیف شدہ کتابیں یا سفارش کردہ کتابیں سلوک کی گھاٹیوں کے طے کرانے کے مجرب نسخے تھے۔

غرض حضرت شیخ رح سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں جو عالمگیر خدمت لی، اسکی نظیر بعض اعتبارات سے شاید ہی ملتی ہو۔ اپنے بعد اپنے نہج اور طریق پر لاکھوں مریدین، ہزاروں مستفیدین کو چھوڑا، خاص کر آپ کے خلفار مجازین ایک سو کی تعداد میں اپنی تربیت اور طرز کا ایک گونہ نمونہ بنا کر چھوڑ گئے۔ ان خلفار کی فہرست پر نظر کی جائے تو حضرت شیخ رح کے کام کی وسعت و

آفاقیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس میں برصغیر ہند و پاک کے دور دراز گوشوں کے رہنے والے بھی ہیں، برما کے بھی ہیں، افریقہ کے مختلف ممالک زامبیا، جنوبی افریقہ وغیرہ کے مختلف شہروں چپاٹا، اسٹنگر، جوہانسبرگ، واٹرفال وغیرہ کے بھی ہیں۔ بعض خلفاء انگلینڈ میں ہیں اور بعض کینیڈا (امریکہ) کے ہیں۔ حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آپ کے خلفاء ہیں۔

ایک اور اعتبار سے دیکھا جائے، تو ان خلفاء میں مختلف مراکز علم اور مکاتب فکر کے اور مختلف طبقات کے لوگ دکھائی دیں گے، یہ حضرت شیخ کا زریں کارنامہ تھا کہ آپ نے دیوبند و سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور علی گڑھ کی مسافتوں کو سمیٹ لیا تھا، اور جملہ اہل حق آپ کی طرف مائل بلکہ قائل و گھائل ہو گئے تھے۔ ؎

ہم ہوئے کہ تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یہ حضرت شیخؒ کی مرجعیت و محبوبیت کا بڑا نشان اور برہان ہے، حضرت کی یہ بڑی کرامت تھی کہ مختلف بلکہ متضاد طبائع اور مسالک کے لوگ آپ پر متفق تھے، اور آپ کی شان علم و تقویٰ اور تربیت کے گرویدہ اور آپ ہر ایک سے اس کے مقام، مزاج اور طبیعت کے مطابق برتاؤ فرماتے تھے، سلوک میں یہ "مقام" انھیں شاذ و نادر حضرات کو ملتا ہے، جن کے قلب "تجلی" ذات کا محل ہوتے ہیں، وہ اپنے خاص "لون" کے باوجود بے رنگ، اور "وحدت" کے باوجود "کثرت" کا مظہر اور باہمہ و بے ہمہ کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ؎ کسی نے کہا۔ ع

من جلوہ گاہ ذاتم من مظہر صفاتم ازایں و آں رمیدہ

یہ مختصر عجالہ تفصیلات کا متحمل نہیں، اس لیے اس عنوان کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

قلم بشکن، سیاہی ریز و دم در کش
کہ ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

۳۔ تعلیم، کتاب و حکمت:

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ جس خانوادۂ علم سے تعلق رکھتے تھے، ان کا شعار ہی شغف قرآن و حدیث تھا، آپ نے آنکھیں کھولیں، تو آپ کو وہی رجال علم و اساتذۂ قرآن و حدیث نظر آئے جن کی زندگیاں اس پاک مشغلہ میں گزر چکی تھیں، آپ کے کان اولاً قرآن و حدیث کی پاک صداؤں سے آشنا ہوئے، ماہرین فن سے قرآن و حدیث، اور دیگر علوم حاصل کئے اور اپنی خداداد محنت و ذہانت سے ابتدائی عمر میں ہی وہ مہارت و عبور حاصل کرلیا، جس کے لیے عموماً سالہا سال جان کھپانا پڑتی ہے، غرض بہت سوں کی "نہایت" آپ کی "بدایت" تھی۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی تعلیم کا زمانہ ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۳۶ھ تک رہا، درس و تدریس کی مسند پر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک مسلسل چون سال تک آپ رونق افروز رہے گو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مدت میں پینتیس کے قریب کتابیں پڑھائیں جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں بھی تھیں، لیکن اصلاً یہ مسند درس حدیث مبارکہ کی تدریس سے ہی مزین رہی جس نے آپ کو مسند الوقت اور شیخ الحدیث کے مقام پر فائز فرمادیا۔ اس دوران میں آپ نے مشکوٰۃ شریف تین بار، ابو داؤد شریف تیس بار، بخاری شریف صرف جلد اول پچیس بار اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھائیں۔

(کتب فضائل اور ان پر اشکالات ص ۶، ۷)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو حدیث کے ساتھ جو عشق و شغف تھا، اس کا ذکر آپ بیتی میں بہت لطف اندوز پیرایہ میں فرمایا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

۷ محرم ۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے ...... دو رکعت نفل پڑھی پھر میری طرف متوجہ ہو کر پندرہ بیس منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں۔ مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں لیکن میں اس وقت ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ

۵۴

رکھے۔ اللہ جل شانہ نے (یہ دعا) میری ناپاکیوں، گندگیوں، سیئات کے باوجود ایسی قبول فرمائی کہ محرم سنہ ۳۲ھ سے سنہ ۹۰ھ تک تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو، اگرچہ دعا کے وقت میں یہ سوچ رہا تھا، کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر میں نے پڑھ بھی لیا، پھر مدرس بھی ہو گیا، تو حدیث پاک پڑھانے تک دس بارہ برس تو لگ ہی جائیں گے، کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جو یکم جمادی الاول سنہ ۲۳ھ سے مدرس تھے، اس وقت تک مشکوٰۃ تک نہیں پہنچے تھے مگر اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرمائے تو اسباب تو خود اس کی مخلوق ہیں۔

سنہ ۳۲ھ میں مشکوٰۃ پڑھی، سنہ ۳۳ھ سنہ ۳۴ھ میں دورہ سنہ ۳۵ھ سے بذل شروع ہوئی جو سنہ ۴۵ھ میں ختم ہوئی اور اس کے بعد اوجز کی تالیف شروع ہوئی جو سنہ ۵۷ھ میں ختم ہوئی، اس کے ساتھ ہی دوسرے علم حدیث کے تالیفی سلسلے بھی شروع ہوتے رہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک ساتھ دے رہے ہیں اور سنہ ۴۱ھ سے علم حدیث کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو سنہ ۸۸ھ تک رہا اور اس کے بعد نزول آب کی وجہ سے تدریس کا مبارک سلسلہ چھوٹ گیا، اللہ ہی کا شکر واحسان ہے کہ اب سنہ ۹۰ھ تک تو حدیث کی تالیف کا سلسلہ باقی ہے۔

(آپ بیتی ص ۸۰)

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نعمت وصال تک میسر رہی اور مولانا محمد عاقل صاحب جو مسلم شریف پر کام کر رہے تھے، وصال سے دو تین دن پہلے تک استفادہ فرماتے رہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تقریباً نصف صدی تک درس حدیث دیا، اس دوران میں آپ کے افادہ کا سیلان جاوا (انڈونیشیا) و برما سے لے کر افریقہ تک موجزن رہا۔ پاک وہند

اور بیرونِ برصغیر کے جو تشنگانِ علم آپ سے فیضیاب ہوئے ان کی تعداد اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ان میں بیسیوں ایسے باکمال پیدا ہوئے جو خود مسند درس و تدریس کی رونق بنے۔ اور خدمت قرآن و حدیث کو اپنا مقصد بنایا، ان میں سے بعض حضرات صاحب تصنیف و تالیف ہوئے، تو بعض محدث و فقیہ، مفسر و داعی، جنھوں نے حضرت کے فیض علمی کو اکناف عالم میں پھیلایا اور پھیلا رہے ہیں، انھیں خوش نصیبوں میں امام الدعوۃ والتبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی صاحبِ امانی الاحبار وحیاۃ الصحابہ جیسی نادرۂ روزگار ہستی بھی ہے اور حضرت مولانا انعام الحسن مدت فیوضہم جیسی صاحب التقا و باخدا داعی شخصیت بھی، مزید برآں حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی اعظم و استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی استاذ حدیث دارالعلوم کراچی (مقیم حال مدینہ منورہ) مولانا محمد یونس صاحب جونپوری شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ جیسی ہستیاں آپ کے خوانِ علم و معرفت کی زلہ ربا ہیں، اس سے آپ کی خدمت قرآن و سنت کی وسعت کے ایک پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسرا رُخ تصنیف و تالیف کا ہے، اس کا بھی کچھ تذکرہ پیش ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ ابتدائے جوانی سے مصنف تھے اور وصال تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں باقی رہا۔ "آپ بیتی" میں آپ کی ۸۳ کتابوں کے نام اور پچیس تیس مزید کتابوں کے ہونے کا اشارہ ہے، تقریباً سو کتابوں کا یہ ذخیرہ جس میں بعض کتابیں چار اور پانچ ہزار (ٹائپ شدہ) اوراق پر مشتمل ہیں۔ "یعلمھم الکتاب والحکمۃ" کی نیابت کی روشن مثال ہے، حضرت شیخ رح اپنے مخصوص انداز میں ۸۳ کتابوں کی فہرست اور ان کے مختصر تعارف کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

"اب تک ان ہی رسائل اور اجزا کا پتہ چلا ہے۔ میرے اندازے میں پچیس تیس ابھی اور بھی ہیں لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنے بھی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائے۔"

حضرت شیخ رح کی دوسری علمی و تصنیفی خدمات کو چھوڑ کر جو خود بھی ہر صورت میں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ آپ کی مشہور کتب حدیث کے تذکرہ سے پیشتر صرف ان

غیر مطبوعہ کتب کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے، جو خدمت حدیث کے بارے میں ہیں۔ کاش حضرت کے متعلقین خصوصاً جانشین شیخ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی و حضرت مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہم (صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور) و جناب مولوی محمد شاہد صاحب ان "کنوز مخفیہ" کو خفا کے پردے سے نکال کر شائع فرما سکیں تاکہ حضرت شیخ رح کی ان خدمات کا دنیا کو علم ہو سکے۔

۱۔ تقریر مشکوٰۃ (اردو میں) شوال ۱۳۴۱ھ میں دوبارہ لکھی، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رح فرماتے ہیں۔ "یہ تقریر طبع تو نہیں ہوئی مگر شاید سو سے زائد نقلیں طلبا و مدرسین کے جا چکے ہیں"۔

۲۔ تقاریر کتب حدیث (غیر مطبوع) حضرت شیخ رح فرماتے ہیں۔ "اس ناکارہ نے کتب صحاح اولاً اپنے والد صاحب سے پڑھیں، ثانیاً حضرت قدس سرہٗ سے، ہر شیخ کی درس کی تقریروں کے لکھنے کا اہتمام رہا مگر مکمل و مرتب نہیں، البتہ حضرت قدس سرہ کی نسائی شریف کی تقریر مختصر مکمل میری تالیفات کی الماری میں ہے، مجھے خوب یاد ہے میرے حضرت قدس سرہ اگر کوئی لفظ ایسا فرماتے تھے جو بین السطور میں ہو، میں اس کو بھی نقل کر لیتا تھا، یہ سمجھ کر کہ میرے حضرت کا فرمایا ہوا ہے"۔ —— خیال ہے کہ یہ جواہر پارے ان دونوں اساطین حدیث کے فہم حدیث کا نچوڑ ہوں گے۔

۳۔ تلخیص البذل: یہ بذل المجہود کے ابحاث طویلہ کا خلاصہ حضرت شیخ رح کی اپنی عبارت میں ہے۔

۴۔ شذرات الحدیث: حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ "بذل کے لکھنے کے زمانے میں شروح بخاری وغیرہ میں جب کسی دوسری کتاب کے متعلق کوئی مضمون نظر سے گزرتا تو میں نے ہر کتاب کی ایک کاپی بنا رکھی تھی اور اس کتاب کے نام سے اس کاپی پر نام لکھتا تھا، شخ' شذرات بخاری، اسی طرح شم، شت، شد، وغیرہ صحاح ستہ کی ہر کتاب اور مؤطئین اور طحاوی اور ہدایہ کی کاپیاں رکھی تھیں، اس کو اس واسطے لکھوا رہا ہوں کہ میری مطبوعہ تالیفات میں 'کذا فی الشذرات' البسط

فی الشذرات کے حوالے کہیں کہیں آگئے ہیں۔

۵۔ حواشی بذل المجہود : بذل المجہود کے وہ حواشی ہیں، جو حضرتؒ نے اس کی طباعت کے بعد ؁ تک لکھے جو ایک مستقل ذخیرہ ہے۔

۶۔ مقدمات کتب حدیث : فرماتے ہیں۔ "اس ناکارہ نے مختلف ایام میں ؁۴۶ سے ؁۵۶ تک کے دوران میں ایک مقدمہ علم الحدیث پر لکھا تھا جو مقدمہ اوجز میں طبع ہو گیا اس کے علاوہ سب کتابوں کا مقدمۃ الکتاب بھی لکھا۔ جس میں اس کتاب کی خصوصیات، مصنف اور اس کے حالات، اس کے علاوہ اس کتاب کے مناسب جو چیزیں تھیں لکھیں، اس میں 'مقدمہ بخاری' بہت سے اضافوں کے ساتھ 'مقدمہ لامع' میں آگیا ہے، اسی طرح بقیہ کتب ستہ نیز شمائل ترمذی و نیز طحاوی وغیرہ کے مقدمۃ الکتب لکھے ہوئے ہیں۔

۷۔ "اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ": مسلک حنفیہ پر اصول حدیث کا متن ہے۔ جس پر حواشی کا سلسلہ ؁ تک چلتا رہا۔

۸۔ "جزء وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" :

۹۔ "جزء روایات الاستحاضۃ"

۱۰۔ "جزء رفع الیدین"

۱۱۔ "جزء الاعمال بالنیات"

۱۲۔ "جزء اختلافات الصلوٰۃ"

۱۳۔ "جزء المبہمات فی الاسانید والروایات": احادیث کی اسانید میں جو مبہم نام آئے ہیں وہ دوسرے ذخائر حدیث سے تلاش کرکے لکھ دیے گئے ہیں جو تہذیب، تقریب، تعجیل وغیرہ میں آگئے ہیں، ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔

۱۴۔ "حواشی الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ" :

۱۵۔ "حواشی وذیل التہذیب": اس کے بارے میں حضرت ارقام فرماتے ہیں، "حافظ ابن حجر کی "تہذیب التہذیب" "تقریب" "تعجیل" وغیرہ پر حواشی تو سبھی پر

لکھتا رہا۔ لیکن "تہذیب التہذیب" پر کثرت سے لکھے گئے اور "ذیل التہذیب" کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کرا کر تہذیب کے موافق اس پر صفحے ڈال دیئے تھے تاکہ اس پر تہذیب کا استدراک اور ذیل لکھا جائے، مگر تہذیب پر حواشی تو لکھنے کی زیادہ نوبت آئی مگر ذیل پر لکھنے کی نوبت کم آئی۔

۱۶۔ "حواشی مسلسلات ورجال مسلسلات"

۱۷۔ "جزء مکفرات الذنوب": احادیث شریفہ میں جن جن اعمال کو کفارۂ ذنوب بتایا ان احادیث کا مجموعہ۔

۱۸۔ "جزء ملتقط المرقاۃ"

۱۹۔ "جزء ملتقط الرواۃ عن الرواۃ":

۲۰۔ "معجم المسند للامام احمد": حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "مسند امام احمد کی روایات ترتیب صحابہ پر ہیں، جس میں حدیث کا تلاش کرنا مشکل ہے، اس رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کی روایات کی فہرست لکھی گئی، جس میں ہر صحابی کی احادیث مع جلد و صفحہ درج کی گئی ہے، بہت مفید رسالہ ہے، جس سے احادیث کا نکالنا بہت آسان ہے۔

۲۱۔ "جزء المناط"

۲۲۔ "جزء صلوٰۃ الاستسقاء"

۲۳۔ "جزء صلوٰۃ الخوف"

۲۴۔ "جزء صلوٰۃ الکسوف"

۲۵۔ "جزء تخریج حدیث عائشۃ فی قصۃ بریرۃ"۔

۲۶۔ "تقریر نسائی": یہ تقریر جیسا کہ آپ بیتی میں ہے بہت جامع ہے، اس میں نہ صرف حضرت شیخ قدس سرہٗ کی تقریر ہے بلکہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی دو تقریریں جو حضرت کے والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی تھیں آگئی ہیں اور حضرت مولانا سہارنپوری کی تقریر بھی آگئی ہے۔

۲۷- "جزء رمایشکل علی البخاری حسین"

۲۸- "اولیات القیامۃ"

۲۹- "مختصات المشکوٰۃ"

۳۰- "جامع الروایات والاجزاء: اس کے بارے میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس ناکارہ نے اپنی ابتدائی زندگی میں جس کو میں ۳۵ھ کے بعد سے شروع اور ۴۰ھ پر ختم سمجھتا ہوں، کتب احادیث کے اطراف لکھنے شروع کیے تھے، جن کی روایات کو "جامع الروایات" کے نام سے جمع کرنا شروع کیا تھا اور ان کی تفاصیل کو اجزاء کے نام سے لکھنا شروع کیا تھا، اس میں صحاح ستہ اور مؤطین، طحاوی، حاکم، بیہقی وغیرہ کے اطراف لکھنے شروع کیے تھے، بہت بڑا ذخیرہ اس کا ہو چکا تھا، جس کو مشکوٰۃ کی ترتیب سے شروع کیا تھا، مشکوٰۃ تو پوری ہو گئی تھی، خیال تھا کہ بقیہ جملہ حدیث کی کتابوں کو بھی نقل کروں لیکن پھر زندگی ختم ہو گئی، اس لیے اس کی تالیف ناقص رہ گئی۔ کاش کوئی پوری کرنے والا ہوتا۔

۳۱- "معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذہبی"

۳۲- "تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبۃ" (ابواب فقہیہ کی ترتیب پر)

۳۳- "تبویب مشکل الآثار" (ابواب فقہیہ کی ترتیب پر)

۳۴- تعجم الصحابۃ الذین اخرج انھم ابو داؤد الطیالسی فی مسندہ (باعتبار حروف التہجی)

غیر مطبوعہ کتابوں کی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے ہی ہر منصف مزاج اس بات کا قائل ہو جائے گا کہ حضرت اس دور کے عظیم خادم حدیث تھے، جنہوں نے چودھویں صدی ہجری میں ائمہ سلف کی یاد تازہ کر دی، آپ کی ذات میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ ابن عبد البرؒ، علامہ عینیؒ علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن قیمؒ، شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے کمالات یکجا دیکھے جا سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس دور میں قدیم اساطین علماء و محدثین کا ایک نمونہ پیدا فرمایا تھا جو اپنے شغف حدیث، وسعت نظر، وفور علمی ذوق کثرت مطالعہ، حذاقت و مہارت فن میں اپنی

نظیر آپ تھا۔

مطبوعہ عظیم الشان ذخیرۂ کتب حدیث

بذل المجہود کی تالیف میں اعانت:

خلیل وقت حضرت خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کے لکھنے کی ابتداء فرمائی اور معین کے طور پر اُن کی نگاہ انتخاب بیس سالہ نوجوان، آئندہ چل کر امام وقت ہونے والے مولوی محمد زکریا صاحب پر پڑی، جنہوں نے اسے اپنی دعاء کا اثر سمجھا اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو اپنے شیخ واستاذ کی خدمت میں لگا دیا، فنائیت کی ایسی مثالیں کم دیکھنے میں آئی ہوں گی، اپنی محنتِ شاقہ وانہماک وتقویٰ اور فطری صلاحیتوں اور بزرگوں کی دعاء وبرکت سے جلد ہی حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد باختصاص اور معین بااعتماد بن گئے، حضرت سہارنپوری رح کتابیں بتا دیتے تھے اور خوش بخت شاگردِ مطلوبہ مضامین کی تلاش وتفحص اور مظانِ قریبہ وبعیدہ سے ان کو حاصل کرتے اور استاذ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت سہارنپوری انتخاب کے بعد املاء کراتے، اور آپ لکھتے جاتے، یہاں تک کہ یہ عظیم کارنامہ مکمل ہوا، اس وقت حضرت شیخ کی عمر صرف تیس سال تھی استاذ رح نے مسرت میں جو مقدمہ میں لکھا وہ گزر چکا یہاں وہ جملہ نقل کرتا ہوں جو حضرت شیخ رح نے یہ کہہ کر قلم زد کر دیا تھا کہ اس میں گو میری تعریف ہے لیکن بذل کی توہین ہے، وہ جملہ یہ تھا۔

وهو جدير بان ينسب هذا	یہ مولانا محمد زکریا اس لائق ہیں کہ یہ شرح
التعليق اليه	ان کی طرف منسوب کی جائے۔

اس سے بڑھ کر ایک شاگرد کی اور کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

اس اعانت کا سب سے بڑا فائدہ حضرت شیخ قدس سرہ کو یہ ہوا کہ آپ کو حدیث مبارکہ کے ساتھ خاص مناسبت اور مباحث علمیہ سے شغف، تصنیف وتالیف کا ذوق اور تلاش وتحقیق کا شوق اور علوم حدیث سے گہرا تعلق اور مختلف مظان سے مطلوبہ مطالب کو جمع کر کے سلیقہ

سے مرتب کرنے کا مادہ پیدا ہو گیا، اور یہ اعانتِ استاذ آپ کی باقی زندگی کی علمی تحقیقات وتصنیفات کے لیے بنیاد بن گئی، جس پر آپ نے علوم کی وہ عظیم الشان عمارت اٹھائی جسکی نظیر دور دور تک نہیں دکھائی دیتی۔ الا ماشاء اللہ

"اوجز المسالک":

مدینہ طیبہ میں بذل المجہود کے خاتمہ پر غرہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ میں اقدام عالیہ میں بیٹھ کر مدینہ منورہ کی مناسبت سے امام دار الہجرۃ کی کتاب موطا امام مالک کی شرح کی بسم اللہ لکھی گئی جو بالآخر چالیس سال کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کے بعد ۱۳۸۵ھ میں مکمل ہوئی اگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی اور تالیف نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ان کے بنوغ فی العلم، وسعت مطالعہ، عمق نظر، مہارت فن، دقیقہ رسی، اور تحقیق پر دلیل قاطع اور شاہد عدل تھی، بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موطا مالک دیگر کتب حدیث کے لیے متن کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے اس کی شرح گویا جملہ کتب کی ایک معنی میں شرح بن جاتی ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے جس استیعاب اور احاطت سے ہر مسئلہ اور مضمون کو کھنگالا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے، اس لیے دیگر کتب حدیث کے مطالعہ میں بھی اس شرح موطا سے مفر نہیں، گنجائش نہیں ورنہ اس حیرت انگیز کتاب کی خصوصیات پر کچھ لکھتا، تاہم ایک واقعہ اس کتاب کی مقبولیت کے ضمن میں بر سبیل تذکرہ بیان کرنا شاید نامناسب نہ ہو۔

گزشتہ سال پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے "رجم" کو شرعی حد ماننے سے انکار کر دیا، جس سے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا اور علماء کے اصرار پر حکومت نے انھیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کے لیے کہا، انھوں نے مختلف لوگوں سے دلائل مانگے، فقیر سے بھی کہا گیا، بندہ اس وقت شدید بیماری میں ہسپتال میں تھا، لیکن قدرتاً شدید داعیہ پیدا ہوا، ڈاکٹروں کی ہدایت کے علی الرغم ہسپتال میں کتابیں منگوائیں، دیکھتا تھا اور املاء کراتا تھا، آخر ایک بڑا بیان تیار ہو گیا، اور بندہ ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود بمشکل عدالت پہنچا، بیان دیا، عدالت بحمد اللہ متاثر ہوئی، صرف دو اشکال رہ گئے ایک یہ کہ "سنین رجم"

کون سے ہیں (یعنی رجم کی سزا مجرموں پر کن سنوں میں نافذ کی گئی تھی) اور دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا "حد" تعزیر میں بدل سکتی ہے؟ بندہ نے جواب لکھ کر بھیجے اور بحمد اللہ عدالت نے اپنے غلط فیصلہ سے رجوع کر کے پھر سے "رجم" کو شرعی حد قرار دے دیا، اس بارے میں "سنین رجم" کے سلسلے میں مواد نہیں مل رہا تھا، خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ میری دائیں طرف تشریف فرما ہیں، اور سامنے حضرت شیخ الحدیث صاحب رح بندہ کی طرف پیٹھ کئے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے مولوی صاحب کا منہ میری طرف ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھ۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تجھ سے کون کہتا ہے۔ ان سے۔ اور شیخ الحدیث رح کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ بندہ نے بیداری کے بعد سمجھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حضرت شیخ رح کی کتابوں سے استفادہ کا ہے، اوجز کی کتاب الحدود نکالی اور فوراً ہی "سنین" کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ع

حل این نکتہ از روئے نگار آخر شد

حضرت شیخ قدس سرہ کو یہ خواب لکھ کر جناب صوفی محمد اقبال مدنی کے ہاتھ بھیجا گیا، حضرت شیخ رح نے مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی یادداشت میں نقل کر لیا۔ بندہ سمجھتا ہے کہ یہ "اوجز" کی مقبولیت کا نشان ہے۔

لامع الدراری علی جامع البخاری:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ جامع صحیح بخاری کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو حسن قبول بخشا ہے، اور امام بخاری رح کی ذہانت، فراست، نبوغ، مہارت اور سب سے بڑھ کر تدین وتقویٰ نے کتاب کو جن محاسن ومزایا کا مجموعہ بنا دیا ہے اور "ابواب وتراجم" میں جن غوامض اور بعید عن الادراک امور کا اہتمام فرمایا ہے، اس نے اس کتاب کو دیگر جملہ امہات کتب سے ممتاز وممیز کر دیا ہے، اس وجہ سے امت میں اس کتاب کو جو اہمیت اور اعتناء نصیب ہوا، وہ قرآن کریم کے بعد کسی کتاب کو میسر نہیں آیا۔ اس کے علوم ومعارف اسرار

ورموز پر ہر دور میں کام ہوتا رہا، پھر بھی "لا تنقضی عجائبہ" کے الفاظ اس کتاب پر بھی صادق آتے رہے۔ امام ربانی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی درسی تقاریر بخاری میں (جو حضرتؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے قلمبند کی تھیں) بخاری کے اسرار و معارف، مشکلات و غوامض و دقائق کے بارے میں جو نکات اشارات میں بیان فرمائے تھے وہ جواہر ریزے ان علوم غامضہ اور افادات مبتکرہ پر مشتمل تھے جن کی نظیر نہیں ملتی، ان جواہر پاروں کی شرح و توضیح کی ضرورت تھی حضرت شیخ الحدیث قدس روحہ کے قلم حقیقت رقم اور کلک سیال نے ان کی شرح "تاپ کے تقریباً پانچ ہزار صفحات پر دس جلدوں میں فرمائی۔ آپ نے اس کتاب میں جملہ مباحث کی جس شان اور حسین اسلوب سے شرح فرمائی ہے وہ قاری کے لیے تشفی کا پورا سامان ہے اور یہ کتاب اپنے مباحث فاضلہ، دقائق فائقہ، حقائق رائقہ، معلومات واسعہ، معارف عالیہ اور رموزِ عجیبہ کی وجہ سے اسم بامسمیٰ ہے، علم کا بحر ذخار ہے جو ضخامت و حجم میں فتح الباری و عمدۃ القاری کی ہمسری کر سکتا ہے اور مطالب و فوائد کے لحاظ سے غنیمت باردہ اور تشنگانِ علم کے لیے آب زلال ہے، کتاب گو کامل بخاری شریف کی شرح نہیں، بلکہ صرف ان نکات غریبہ کی توضیح ہے، جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دوران درس میں فرمائی، لیکن شارح کا فیاض قلم افادہ کی وسعتوں اور مطالب کے احتواء میں تقریباً جملہ اہم مقامات کو لے لیتا ہے، مؤلف کے ذاتی علوم وافرہ اور دقیقہ رسی کے علاوہ جہابذہ فن کے اقوال قیمہ اور مستند اور عسیر الوصول کتب کے اقتباسات نے کتاب کو صحیح بخاری کے ہر طالب کے لیے ضروری کر دیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ حضرت شیخؒ کے تبحر اور تحقیق کا شاہکار ہے، ویسے تو تمام مباحث قابل دید ہیں، لیکن اصول تراجم بخاری کو جس شرح و بسط سے کھولا ہے، تراجم بخاری پر جس دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے اور تراجم کے متعلق ابواب کی جو ستر مفاتیح مہیا فرمادی ہیں، وہ حضرت شیخؒ کا ہی حصہ ہے۔

فقیر نے ربیع الاول ۱۳۹۲ھ رسالہ "الحق" اکوڑہ میں اپنے ایک مقالہ میں

لکھا تھا کہ:

"علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے (کہ اس وقت تک علماء امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایان شان شرح نہیں لکھی تھی) حافظ ابن حجر کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ یہ قرض علامہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا۔ حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری نے تحفۃ العنبر ص ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا قول مجھ تک پہنچا ہے کہ حافظ ابن حجر سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہو سکا۔ حضرت علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں، شیخ الہند نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی شروع فرمائی تھی مکمل ہو جاتی تو انشاء اللہ تراجم کا حق بھی ادا ہو جاتا، لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے، تاہم جو حصہ انھوں نے تالیف فرمایا اور شائع ہوا وہ مستفیدین کے لیے چراغ دمعیار ہے۔

ہیچمدان راقم اپنی کم مائیگی کا معترف ہے تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مقدمہ لامع الدراری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا (واللہ اعلم)"

الحمد للہ تعالیٰ ٹائپ شدہ مطبوعہ لامع پر حضرت البنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تقدیم" ۱۵ رمضان ۱۳۹۴ھ کی لکھی ہوئی پڑھ کر اس عبارت سے مسرت ہوئی کہ حضرت الاستاذ نے کودک ناداں کی بات کی تصدیق فرما دی اور لکھا کہ۔

"اب میں کہتا ہوں کہ یہ ازلی سعادت الشیخ زکریا کے حصہ میں تھی کہ وہ انھیں اور "ابواب و تراجم" کے اس قرض کو چکائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ انھوں نے انشاء اللہ تعالیٰ شرح ابواب و تراجم کی خدمت سے اس قرض کو چکا دیا ہوگا۔"

اس ضمن میں حضرت شیخ کی جدید کتاب "الابواب والتراجم" بھی ہے، جس میں حضرت شیخ

نے ایک ایک "باب" کو لے کر اس پر سیر حاصل بحث فرماکر "ترجمۃ الباب" سے تطبیق دی ہے یہ اپنی شان میں بے نظیر اور بڑا کارنامہ ہے۔ ہیچمدان کے نزدیک یہ کتاب بھی اپنے موضوع میں نہایت بیش قیمت اور بلند معیار ہے۔

حضرت شیخؒ نے ۱۳۹۶ھ کے حج کے موقع پر دیگر کتابوں کے ساتھ اس کے تین مطبوعہ اجزاء عطا فرمائے اور از راہ عنایت فرمایا کہ "اس کے دو جزء ابھی شائع نہیں ہوئے۔ اگر میری زندگی میں شائع ہو گئے تو مجھ سے مانگ کر لے لیجیو اور اگر میں مر گیا تو میرے ورثاء سے تقاضا کر کے لے لیجیو"۔

"الکوکب الدری" پر بھی حضرتؒ کے مفید حواشی ہیں۔

حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت شیخؒ کی ۲۳۰ صفحات پر مشتمل حجۃ الوداع پر شاہکار اور اچھوتی اور بے مثل کتاب ہے۔ آپ نے یہ کتاب جوانی میں ۲۷ سال کی عمر میں تیس گھنٹوں میں لکھی تھی، آخری عمر میں ایک خواب کی بناء پر عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جزء بڑھایا اور اصل کتاب میں اضافہ فرمایا، کتاب میں فقہی احکام کو واضح الفاظ میں نقل فرمایا گیا ہے اور ایسے مضامین بھی تحریر فرمائے ہیں جو بڑے بڑے علماء اور شارحین کی کتابوں میں نہیں ملتے، غرض یہ کتاب حج پر ایک جلیل القدر، اہم اور عجیب تصنیف ہے۔

شاید اس مختصر خاکہ سے کسی حد تک فقیر کی اس بات پر روشنی پڑ سکے کہ اس دور میں نیابت نبوت کا جو کام حضرت شیخ الحدیثؒ نور اللہ مرقدہ سے لیا گیا، یہ انھیں کا حصّہ تھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی موہبت خاصہ اور انعام مخصوص تھا، جو حضرت قدس سرہ پر ہوا۔

مضمون بڑھتا جا رہا ہے، اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محاسن ومزایا کمالات و خدمات کا عشر عشیر بھی یہ قاصر قلم پیش نہ کر سکا۔ اول تو یہ درماندہ و دور افتادہ، بے علم و کم سواد حضرت شیخ قدس روحہ کے مقام وکمالات کو کیا جانے اور کیا پہچانے اور پھر ذرہ میں صحرا اور قطرہ میں دریا کو کیسے دکھایا جائے ان پر قلم اٹھانا حقیقت میں مجھ جیسوں کا کام نہیں، لیکن

اپنے مخدوم و مکرم حضرت مولانا نعمانی دامت فیوضہم کے حکم نے امتثال امر پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالےٰ کرے کہ ان کی برکت سے راقم کی ہرزہ سرائی حضرت شیخؒ کے مقام رفیع کے لیے نامناسب نہ ہو۔
فقیر کو ۱۳۹۳ھ میں خواب میں کہا گیا تھا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ قطب الارشاد ہیں۔ چودھویں صدی کے ختم ہونے سے دو تین سال پہلے سے خیال آتا تھا کہ شاید حضرت شیخؒ کو پندرہویں صدی کے کچھ سال مل جائیں کہ بعض مجدد نئی صدی کے شروع میں فوت ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام غزالیؒ کا وصال ۵۰۵ھ میں اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالےٰ کا وصال ۱۰۱ھ میں ہوا۔

بہرحال کیا یہ بندہ اور کیا اس کی خام خیالیاں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس پچھلے دور میں امت کے لیے ایک ایسی ہستی پیدا فرمائی جو علم و عمل، ورع و تقویٰ اخلاص و توکل مجاہدہ و ایثار، للہیت و اخبات، محبت و خشیت الٰہی اور جملہ دینی کمالات میں اسوہ تھی۔ اللہ تعالیٰ امت کے جملہ طبقات کو ان کی برکات سے نفع پہنچائے اور ان کے بعد اُن کے فیوض سے امت کو محروم نہ فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام

علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب

معارف الحدیث

آسان اردو ترجمہ اور عام فہم تشریح کے ساتھ:

احادیث نبوی کا محفوظ ذخیرہ امت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے قائم مقام ہے ایک صاحب ایمان اس کے مطالعہ کے وقت تصور کے راستہ سے مجلس نبویؐ میں پہنچ جاتا ہے آپکے ارشادات سنتا ہے اور آپ کے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔

اس مجموعہ میں مولانا مدظلہ نے خاص طور پر اُن احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امتِ محمدیہ کے لئے ہدایت کا خاص سامان ہے۔

پھر ان کی ترتیب میں اور تشریح میں زمانہ کی نفسیات اور آج کے فکری ماحول کو خاص طور سے سامنے رکھا اور مطمح نظر صرف یہ رکھا کہ پڑھنے والے کا ذہن اور دل متاثر ہو اور اس میں کسی درجہ کا وہ ذوقِ عمل پیدا ہو جو صحابہ کرامؓ میں آپ کے ارشادات سے پیدا ہوتا تھا — مولانا موصوف کی بحمداللہ بہت زیادہ مقبول کتاب ہے، سات جلدیں معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں — قیمت جلد اول ۲۸/- دوم ۳۶/- سوم ۳۰/- چہارم ۴۲/- پنجم ۴۰/- ششم ۳۲/- ہفتم ۳۲/-

قیمت مکمل سیٹ مجلد ۲۱۷/-

اسلام کیا ہے

نہایت آسان زبان اور بے حد دل نشین و پُر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ اس کتاب کو پڑھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی خاص مقبولیت اور تاثیر بخشی ہے جو پڑھتا ہے لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے ان بندوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے جن کی زندگیاں اور جن کے گھروں کے نقشے اس کتاب نے بدل ڈالے، دین کی ضروری واقفیت ہی کے لئے نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ان شاء اللہ کافی ہے۔

اب عکسی طباعت اور خوبصورت لیمینیشن کور کے ساتھ

دو قسموں میں: اعلیٰ ایڈیشن ۱۰/- ادنیٰ ایڈیشن ۸/- تاکہ ہر شخص بسہولت خرید سکے۔ زیادہ تعداد میں برائے تقسیم خریدنے والے حضرات اور تاجرانِ کتب کے لئے خصوصی شرح کمیشن۔ آج ہی ہمیں اپنی فرمائش بھیجئے۔

ہمارا پتہ: الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت

از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

اس کتاب میں ایران کے اسلامی انقلاب کی اسلامیت کا جائزہ لیا گیا ہے اور مکمل غیر جانبداری اور توازن کے ساتھ اس کے ان پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے بہت اسلام پسندوں کو اس کے ساتھ ہمدردی ہوئی اور بہت سے ان گوشوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جن کو پیش نظر رکھے بغیر انقلاب ایران کی اسلامیت کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

قیمت : ۷/=

بریلوی فتنہ کا نیا روپ

از: مولانا محمد عارف سنبھلی

یہ کتاب ارشد القادری کی کتاب زلزلہ کا جواب ہی نہیں بریلوی فتنہ پر ایک ضرب کاری ہے مسئلہ علم غیب اور کائنات میں تصرف کے عقیدہ کی جو تنقیح کی گئی ہے وہ اس کتاب کا خاص تحفہ ہے۔

ساتھ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا ایک اہم مضمون علماء دیوبند پر بریلویوں کے الزامات کا پس منظر بھی ملاحظہ کیجیے۔

قیمت : ۱۲/-

قرآن کی بیسک ریڈر یا رہنمائے تلاوت

از: سید محمود حسن ایڈوکیٹ

قرآن کریم کو صحیح اور تجوید کے قواعد کے مطابق پڑھنا ضروری ہے، ہم اکثر ان قواعد سے ناواقفی کی وجہ سے تلاوت میں بہت سنگین غلطیاں کرتے ہیں اس کتاب میں ان قواعد کو نہایت آسان اور عام فہم انداز میں بتایا گیا ہے، ساتھ ہی حروف والفاظ یا حرکات کی آوازیں سمجھانے کے لئے ہندی و انگریزی سے مدد لی گئی ہے۔

معمولی پڑھے لکھے بچے، جوان، بوڑھے اور ہندی ذریعۂ تعلیم کے پڑھے ہوئے انگریزی داں نوجوان اور اسکولوں، کالجوں نیز مدارس کے طلبہ و اساتذہ سب ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی کے پیش لفظ کے ساتھ، عمدہ کاغذ پر عکسی طباعت، خوبصورت گرد پوش سے مزین۔

قیمت صرف ۱۲/-

ملنے کا پتہ الفرقان بکڈپو- ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ، یوپی

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

کچھ یادیں ☆ کچھ باتیں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جہانتک یاد ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کو سب سے پہلے اپنی طالب علمی کے زمانے میں (۱۳۴۲ھ میں) دار العلوم دیوبند میں دیکھا تھا، کسی ضرورت سے تشریف لائے تھے، اور کسی جاننے والے نے بتلایا تھا کہ یہ "مظاہر علوم سہارنپور" کے استاذ مولانا محمد زکریا صاحب ہیں ــــ اس کے بعد بھی زیارت و ملاقات تو کبھی کبھی ہوئی لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں جانا کہ مظاہر علوم کے حدیث شریف پڑھانے والے بڑے اور مقبول اساتذہ میں ہیں۔

اپنی جماعت کے اصحاب ارشاد مشائخ واکابر میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کی اس عاجز کے دل میں عظمت و عقیدت بھی تھی اور اپنے خیال میں کسی درجہ کی ذوقی مناسبت بھی۔ حضرت کی خاص شفقت و عنایت بھی حاصل تھی ــــ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تکوینی اور اس کے ایک تقدیری فیصلے کے نتیجہ میں ۱۳۶۲ھ کے اوائل میں چند روز حضرت کی خانقاہ میں قیام کے ارادہ سے رائے پور کا سفر کیا۔ اور قریباً ایک ہفتہ قیام رہا ــــ یہ سفر تو اس ارادہ سے نہیں کیا گیا تھا لیکن خانقاہ کے اس قیام کے دنوں میں حضرت سے بیعت اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کا دل میں داعیہ پیدا ہوا[1]، اور ایک

---

[1] اس عاجز نے رائے پور کا یہ سفر کیوں اور خانقاہ میں قیام کس غرض سے کیا تھا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دن اس کیلئے درخواست کی ـــ حضرت نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ اس مقصد کے لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ یا حضرت شیخ الحدیث کی طرف رجوع کرنے اور ان سے یہ تعلق قائم کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی یہ تعلق کرنا آپ کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں ان دونوں حضرات سے کچھ واقف ہوں لیکن میرے دل میں حضرت ہی سے یہ تعلق قائم کرنے کا داعیہ ہے۔ میرے اس عرض کرنے پر حضرت نے ان دونوں حضرات کے متعلق بہت بلند کلمات ارشاد فرمائے۔ اسکے بعد بھی اگرچہ میں نے اپنی درخواست ہی پر اصرار جاری رکھا اور بالآخر حضرت نے قبول فرمالیا ـــ لیکن ان دونوں بزرگوں کی بلند مقامی سے مجھے باخبر کرنے کیلئے اس وقت جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا اس کے نتیجہ میں ان حضرات کی وہ عظمت قلب میں پیدا ہوگئی جو اب تک نہیں تھی، اسکے بعد سے ان دونوں حضرات سے بھی خاص درجہ کی عقیدت و نیازمندی کی سعادت بفضلہ تعالیٰ نصیب ہوگئی ـــ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری دور حیات تھا، قریباً ڈیڑھ سال بعد ہی (رجب ۱۳۶۳ھ میں) حضرت کا وصال ہوگیا۔ اس تھوڑی سی مدت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت کے ساتھ جو نیازمندانہ تعلق نصیب ہوا اسکی برکتوں میں سے (یا کہا جائے کہ اسکی نشانی اور یادگار) اس عاجز کا مرتب کیا ہوا حضرت کے ملفوظات کا وہ مجموعہ ہے جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ ـــ البتہ حضرت شیخ الحدیثؒ اسکے بعد قریباً چالیس سال ہماری اس دنیا میں رہے، اور بلاشبہ اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے یہ عظیم نعمت بھی ہے کہ اس طویل مدت میں حضرتؒ کی خاص شفقت و عنایت نصیب رہی۔ پچاسوں دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضری اور بار بار طویل قیام بھی رہا۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور پھر بیعت کا یہ داعیہ کن مرحلوں سے گذرنے کے بعد اور کس طرح دل میں پیدا ہوا، یہ لمبی کہانی ہے، یہاں اس کا ذکر غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کردیا گیا ہے۔ اپنی کتاب تصوف کیا ہے؟ کے آغاز میں راقم سطور نے اس کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔

جو قابل ذکر ہیں اور جن کا یہ عاجز عینی شاہد ہے لیکن اس صحبت میں صرف چند ہی واقعات نذر ناظرین کرنے کا ارادہ ہے جن کا اس عاجز کی ذات ہی سے تعلق ہے۔ امید ہے کہ انکا ذکر انشاء اللہ عام ناظرین کے لئے بھی نافع ہوگا۔

(۱)

حضرت شیخ کے بارے میں مختلف حضرات سے سنا تھا کہ رمضان مبارک میں دن رات کے نوافل میں روزانہ ایک قرآن مجید ختم کر لینے کا معمول ہے، ایک دن میں نے عرض کیا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ معمول کب سے ہے اور اسکی ترتیب کیا ہے؟ شاید میرے ذریعہ اللہ کے کسی ایسے بندے کو معلوم ہو جائے جسکو اس معمول کے نقل کی توفیق ہو تو انشاء اللہ مجھے بھی کچھ مل جائیگا۔ میرے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ مولوی صاحب! جب پہلی دفعہ حج کیلئے مکہ معظمہ حاضری ہوئی تھی تو رمضان مبارک کا مہینہ تھا اور جوانی کا زمانہ تھا، وہاں روزانہ کا معمول یہ بنا لیا کہ حرم شریف میں تراویح ختم کر کے تنعیم چلے جاتے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کے حرم شریف آکر طواف اور اس کے بعد سعی کرتے اور حلق کراتے، اس طرح عمرہ سے فارغ ہو جانے کے بعد حرم شریف ہی میں تہجد کی رکعتیں پڑھتے اس میں سحر کا وقت ہو جاتا، سحری سے فارغ ہو کر حرم شریف آجاتے اور فجر کی نماز پڑھتے، اس کے بعد کچھ دیر کے لئے سو جاتے، پھر اٹھ کر چاشت کے نوافل پڑھتے اور اپنے مشاغل میں مشغول ہو جاتے۔ اس طرح رات کو سونا بالکل نہ ہوتا، بس فجر کے بعد ہی کچھ سو لیتے تھے۔ اس سال مکہ معظمہ میں رمضان مبارک اس طرح گذرا۔ اس کے بعد سے یہ طے کر لیا کہ اللہ توفیق دے تو رمضان مبارک اسی طرح گذرا کرے۔ اب میرا معمول یہ ہے کہ ماہِ مبارک شروع ہو جانے پر مغرب کی نماز کے بعد اوابین کی رکعتوں میں تین پارے پڑھتا ہوں پھر عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کے گھر آجاتا ہوں اور تراویح گھر پہ پڑھتا ہوں، میری بچیاں مقتدی ہوتی ہیں، تراویح میں پھر وہی تین پارے پڑھتا ہوں، تراویح سے فارغ ہو کر انہی تین پاروں کی قرآن مجید میں دیکھ کر غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرتا ہوں۔ اسوقت بعض تفاسیر بھی پاس رکھتا ہوں اور غور و فکر کے سلسلہ میں حسب ضرورت انکا مطالعہ

کرتا ہوں اس کے بعد تہجد کی رکعتیں پڑھتا ہوں، ان رکعتوں میں بھی وہی تین پارے پڑھتا ہوں، اس میں سحری کا وقت آجاتا ہے، سحری کھا کے فجر کی نماز کیلئے مسجد چلا جاتا ہوں، نماز سے فارغ ہو کر گھر آجاتا ہوں اور دو ڈھائی گھنٹے سو لیتا ہوں، پھر اٹھ کر اور ضروریات سے فارغ ہو کر چاشت کی رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان میں بھی پھر وہی تین پارے پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد انھی تین پاروں کی قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرتا ہوں۔ اسکے بعد چار رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان میں بھی یہی تین پارے پڑھتا ہوں۔ اسکے بعد ظہر کا وقت آجاتا ہے تو ظہر سے پہلی اور بعد کی سنتوں نفلوں میں پھر وہی تین پارے پڑھتا ہوں، اس سے فارغ ہونیکے بعد ان ہی تین پاروں کی قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرتا ہوں۔ اس میں عصر کا وقت آجاتا ہے۔ عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہی تین پارے کسی کو سناتا ہوں —— اس طرح یہ تین پارے دس دفعہ ہو جاتے ہیں اور ایک عشرہ میں دس قرآن پاک ہو جاتے ہیں، پھر جب عشرہ اخیرہ شروع ہو جاتا ہے تو مقدار اس حساب سے بڑھا دیتا ہوں کہ ۹ دن میں ۱۰ قرآن پورے ہو جائیں تاکہ اگر ۲۹ کو چاند ہو جائے تب بھی میرے تیس۳۰ پورے ہو جائیں پھر جب ۲۹ کا چاند نہیں ہوتا تو آخری دن میں ایک قرآن پاک مزید ہو جاتا ہے۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ کا یہ معمول اس وقت تک تھا جب انھوں نے میرے سوال کے جواب میں یہ بیان فرمایا تھا، لیکن یہ معلوم ہے کہ بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ اس معمول میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آخری سالوں میں تو پورے ماہِ مبارک کے اعتکاف کا معمول رہا۔

(۲)

۱۳۶۷ھ (۱۹۴۸ء) کا پورا رمضان مبارک حضرت رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں گذارنے کی نیت سے یہ عاجز ماہ مبارک شروع ہونے سے پہلے ہی رائے پور کی خانقاہ میں پہونچ گیا تھا۔ ۹ رمضان مبارک کو چھوٹے بھائی مولوی حکیم محمد احسن کا خط ملا، جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ کچھ دن پہلے والد ماجد نے خواب میں آفتاب غروب ہوتا دیکھا تھا، ہم لوگوں سے اس خواب کا ذکر کر کے فرمایا تھا کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ ہماری زندگی کا

آفتاب جلدی ہی غروب ہونے والا ہے۔ خواب کی یہ تعبیر واقعہ بن کے سامنے آگئی۔
۵ رمضان مبارک کو والد ماجد کی زندگی کا آفتاب غروب ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون
میں نے خاصکر والدہ ماجدہ اور چھوٹی بہن کی تسلی تشفی کے لئے بلا تاخیر وطن پہونچنا
ضروری سمجھا اور حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کرکے اور دعائے مغفرت کی
درخواست کرکے رائے پور سے روانہ ہوگیا۔ سہارنپور ایسے وقت پہنچا کہ مغرب کی نماز ہو چکی
تھی اور حضرت شیخ مسجد سے گھر تشریف لے جا چکے تھے، چونکہ رمضان مبارک کے شیخ کے نظام
اوقات کا کچھ علم تھا اسلئے ارادہ کیا تھا کہ ان کو بس اطلاع دے کے اور دعائے مغفرت
کی درخواست کرکے اجازت لے لونگا اور اسٹیشن چلا جاؤں گا۔ حضرت کو اطلاع
دلوائی فوراً تشریف لے آئے۔ میں نے بھائی کے خط کا ذکر کیا اور دعائے مغفرت کی
درخواست کی اور اس وقت جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے کچھ تعزیتی کلمات
فرمائے اور دعا فرمائی، اور فرمایا کھانا تو ابھی کھایا نہیں ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اسوقت
حضرت زحمت نہ فرمائیں۔ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ گھر میں تشریف لے گئے اور چند
منٹ کے بعد کھانا خود ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے جس میں سالن کے ساتھ صرف
تازہ روٹی تھی جو اسی وقت چولھے سے اتر کر آئی تھی، مجھ سے فرمایا مولوی صاحب!
کھانا شروع کرو، میں نے شروع کردیا حضرت پھر تشریف لے گئے اور ویسی ہی تازہ
گرم گرم چند روٹیاں اور لے آئے۔ میں نے خیال کیا کہ اسوقت گھر میں پکی ہوئی روٹی موجود
نہیں تھی میری وجہ سے اسی وقت پکانی پڑی ہے، اس احساس سے مجھے بڑا افسوس اور
دکھ ہوا۔ میں نے اپنا یہ احساس حضرت کی خدمت میں عرض کردیا، حضرت فوراً گھر میں
تشریف لے گئے اور روٹیوں سے بھری ہوئی ایک ڈلیا میرے سامنے رکھدی۔ اور فرمایا
کہ مولوی صاحب! پکی ہوئی روٹیاں تو اتنی رکھی ہوئی تھیں، لیکن جب میں نے بچیوں کو
تمہارے بارے میں بتلایا کہ وہ رائے پور سے آئے ہیں اور ابھی جارہے ہیں تو بچیاں اس پر
راضی نہیں ہوئیں کہ شام کی پکائی ہوئی روٹیاں کھلائیں انھوں نے خود ہی اصرار
کرکے تازہ روٹی پکانی شروع کردی۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسکے بعد فرمایا۔ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے میری بچیاں بڑی نعمت ہیں، رمضان مبارک کو خوب وصول کرتی ہیں۔ رات اور دن میں بیس[۲۰]، بائیس[۲۲]، پچیس[۲۵] پاروں کی تلاوت کرلیتی ہیں، پھر شام کو تھوڑے سے وقت میں کھانے پکانے کا سارا کام بھی کرلیتی ہیں، مختلف مسجدوں میں بھیجنے کیلئے افطاری بھی تیار کرتی ہیں۔ پھر افطار سے کافی پہلے ان سارے کاموں سے فارغ ہوکر تسبیح اور دعا وغیرہ میں مشغول ہوجاتی ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پھر میں نے دعا کی درخواست کی اور اجازت لے کر رخصت ہوا۔

(۳)

راقم سطور کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا انتقال رمضان مبارک ۱۳۶۹ھ میں ہوا، وہ کئی مہینے سے مریض تھیں، ان کی علالت اور نازک حالت کی اطلاع پاکر یہ عاجز غالباً شروع رمضان مبارک ہی میں ان کی خدمت میں وطن پہنچ گیا تھا۔ ان کو خود بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ میرا آخری مرض ہے اور سفر آخرت کا وقت قریب ہی ہے، انتقال سے چند روز پہلے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ میں کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئی، اب چاہتی ہوں کہ دنیا سے جانے سے پہلے کسی بزرگ سے بیعت ہوجاتی — میں نے اسی دن حضرت شیخ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ میری والدہ ماجدہ کا یہ حال ہے اور ان کی یہ خواہش اور آرزو ہے، میری درخواست ہے کہ حضرت ان کو غائبانہ بیعت فرمالیں، اس سے ان کو اطمینان ہوجائیگا اور انشاء اللہ آخرت میں ان کیلئے نافع ہوگا — والدہ ماجدہ مرحومہ کی نازک حالت دیکھتے

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

لہ حضرت شیخ کے ہاں مہمانوں کے لئے تازہ تازہ گرم گرم روٹیوں کا خاص اہتمام ہوتا تھا، ہر چند سکنڈ کے بعد گھر میں سے ایک تازہ روٹی آتی تھی، حضرت اپنے ہاتھ سے اس کے چند ٹکڑے کرکے مہمانوں کو عنایت فرماتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ بھی "اکرام ضیف" کے سلسلہ کا ایک عمل اور "من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" کے حکم کی تعمیل تھی۔

ہوئے انکی زیادہ امید نہیں تھی کہ حضرت کی طرف سے جواب آنے تک وہ اس دنیا میں رہینگی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم کہ حضرت کو میرا عریضہ اور مجھے حضرت کا جواب بہت جلد مل گیا۔ حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ میں ان کی اور تمہاری تطییب خاطر کی نیت سے اور اپنے لئے اخروی نفع کی امید رکھتے ہوئے ان کو بیعت کرتا ہوں، تم میری طرف سے اپنے اکابر کے طریقہ پر ان سے بیعت لے لو اور ان کو بتلادو کہ میں نے بیعت کرلیا۔ ـــ میں نے ایسا ہی کیا والدہ ماجدہ کو بڑی خوشی اور بڑا اطمینان ہوا ـــ اس عاجز نے غالباً اسی دن خواب میں دیکھا (جسکی پوری تفصیل تو اب یاد نہیں، اتنی بات یاد ہے) کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کا کفن اور جنازہ بہت ہی غیر معمولی قسم کا ہے، اسکی تعبیر یہی سمجھی کہ انشاء اللہ والدہ ماجدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مغفرت ورحمت کا خاص معاملہ ہوگا۔ بس اس کے ایک دو دن بعد ہی ٹھیک مغرب کی اذان کے وقت والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا۔ رحمها الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

(۴)

۱۳۶۸ھ (۱۹۴۹ء) میں اس عاجز کے ایک مخلص دوست نے سفر حج کا ارادہ کیا اور مجھ سے اصرار کیا کہ ان کے ساتھ میں بھی چلوں، اس وقت نہ تو حج مجھ پر فرض تھا اور نہ میں اس حال میں تھا کہ سفر حج کے مصارف کا انتظام کرسکتا، انھوں نے پورے اخلاص اور اصرار کے ساتھ پیش کش کی کہ سفر کے سارے مصارف وہ ادا کریں گے، اس کے لئے تو میں اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرسکا لیکن ان کے اخلاص اور للّٰہی تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کو حرمین شریفین کی حاضری اور حج وزیارت کی سعادت اور برکت حاصل کرنے کیلئے منجانب اللہ ایک انتظام سمجھ کر اس حد تک قبول کرلیا کہ جہاز کا کرایہ وہ ادا کردیں۔ باقی مصارف کا میں خود انتظام کروں۔ اس کے لئے میں نے قرض لینا طے کیا، سہارنپور حاضر ہوکر حضرت شیخ الحدیث سے عرض کیا، حضرت نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور مطلوبہ رقم عنایت فرمادی، حرمین شریفین کے زمانہ قیام کی ضروریات زیادہ تر اسی سے پوری ہوئیں (اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کو اور میرے ان مخلص دوست کو جو اس سفر کا باعث بنے

اپنی شان عالی کے مطابق صلہ عطا فرمائے اور رحمت خاص سے نوازے۔)

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس قرض کی ادائیگی میرے لئے آسان فرمائی اور میں نے حضرت کی خدمت میں رقم پیش کی، تو حضرت نے فرمایا کہ ــــ مولوی صاحب! میں بھی اپنی ضروریات کے لئے دوستوں سے قرض لیتا رہتا ہوں لیکن اس کا پورا اہتمام کرتا ہوں کہ اگر کسی وقت تک ادائیگی کا وعدہ کیا ہے تو جس طرح بھی ہوسکے اس وقت ادا کردوں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے پاس ادائیگی کے لئے اس وقت تک انتظام نہیں ہوتا تو میں وعدہ کے دن سے ایک دن پہلے کسی دوسرے دوست سے قرض لے لیتا ہوں اور مقررہ وقت پر اس سے ادا کردیتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے بڑے سے بڑا قرض ملنا بھی بہت آسان ہے کیونکہ دینے والے کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی رقم مقررہ وقت پر اس کو انشاء اللہ ضرور مل جائے گی ــــ پھر فرمایا کہ اب کچھ دن سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جس دن مجھے کوئی قرض ادا کرنا ہوتا ہے اور میرے پاس ادائیگی کا انتظام نہیں ہوتا تو ایک دو دن پہلے ہی اللہ کا کوئی بندہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اتنی رقم آپ کے پاس امانت رکھنا چاہتا ہوں، میں اس سے کہہ دیتا ہوں کہ بھائی امانت نہ رکھو، اس میں تمہارا تو یہ نقصان ہے کہ اگر بالفرض کوئی ایسا حادثہ پیش آیا کہ رقم ضائع ہوگئی تو تمہارا نقصان ہوگا، اس کی ادائیگی میرے ذمہ نہ ہوگی، اور مجھے یہ تکلیف ہوگی کہ دل و دماغ پر اسکی حفاظت کی فکر سوار رہے گی، تم چاہو تو بطور قرض رکھ سکتا ہوں، تم جب واپس لینا چاہو ایک دن پہلے بتلادو، انشاء اللہ اگلے دن واپس ہوجائے گی۔ وہ اس پر خوشی سے راضی ہوجاتا ہے اور رقم قرض کے طور پر میرے پاس چھوڑ جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے قرض کی ادائیگی کا انتظام ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہے۔

(۵)

۱۳۶۹ھ (۱۹۵۰ء) میں حضرت رائے پوری قدس سرہ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا، حضرت کی خواہش تھی کہ اس سفر میں ہمارے رفیق محترم مولانا علی میاں بھی ساتھ ہوں حضرت شیخ الحدیث کی ایک صاحبزادی کا چند ہی مہینے پہلے انتقال ہوا تھا، یا تو من جانب اللہ

حضرت شیخ کے قلب پر وارد ہوا یا حضرت رائے پوری کی خواہش کا ان کو علم ہو گیا تھا، بہر حال انھوں نے مرحومہ صاحبزادی کے حج بدل کے لئے مولانا علی میاں ہی کا انتخاب فرمایا، میں انہی دنوں میں سہارنپور حاضر ہوا، حضرت شیخ نے مجھ سے اس کا تذکرہ فرمایا اور چونکہ میں نے اس سے پہلے ہی سال حج کا سفر کیا تھا، اس لئے سفر کے مصارف کے بارہ میں مشورہ طلب فرمایا، میں نے جو مناسب سمجھا عرض کیا اور غالباً اسی کے مطابق حضرت شیخ نے رقم عنایت فرمائی۔

اس زمانے میں مولانا علی میاں اور یہ عاجز بھی حضرت مولانا محمد الیاس رح کی طرف منسوب دینی دعوت کے کام میں دلی جوش و جذبہ اور سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، مشورہ سے یہ طے ہو گیا تھا کہ حضرت رائے پوری تو اپنے پروگرام کے مطابق واپس تشریف لے آئیں گے، مولانا علی میاں انکے بعد بھی قیام کریں گے اور دینی دعوت کے سلسلہ میں کام کریں گے، مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحب کا اس کام ہی کے سلسلہ میں حجاز مقدس میں مستقل قیام تھا۔ مزید برآں مشورہ سے یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ اس دینی دعوت کے اصول[1] کے تحفظ کے ساتھ مصر، شام وغیرہ ممالک عربیہ کا بھی سفر اس دعوت کے سلسلہ میں کیا جا سکے تو کر لیا جائے۔ مولانا علی میاں نے اس کے لئے اپنے کو آمادہ کر لیا تھا۔

حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے ساتھ مولانا روانہ ہو گئے اور حج و زیارت کے سلسلہ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حضرت ہی کے ساتھ رہے — بلاشبہ اس مبارک سفر میں حضرت کی یہ معیت بڑی قابل رشک نعمت تھی — پھر حضرت قدس سرہٗ تو حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے، اور مولانا حسب مشورہ وہیں رہ گئے۔

عہ تبلیغی کام کے ساتھ اس عاجز کا تعلق کن مراحل سے گذرا اور اس کا اسکے بارے میں کیا حال و قال ہے، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ۔ اللہ توفیق دے تو۔ دنیا سے جانے سے پہلے اسکو بھی تفصیل سے بیان کر جاؤں۔

[1] ان اصولوں میں ایک اہم اصول یہ تھا کہ اس سلسلہ میں مالی تعاون صرف انہی مخلصین کا قبول کیا جائے جو اپنے جسم و جان سے بھی دعوت کے اس کام میں لگے ہوئے ہوں، جو حضرات صرف مالی تعاون کرنا چاہیں انکے تعاون کو بصورت تحفہ کیسا مقدرت کرنا تھا۔

— اس زمانے میں مولانا کے خطوط آتے رہے اور ان میں سے بعض "الفرقان" میں اور رسالہ "تعمیر" میں شائع بھی ہوتے رہے ہے — (یہ رسالہ "تعمیر" اس زمانے میں مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی مرحوم کے قائم کئے ہوئے ادارۂ تعلیمات اسلام سے شائع ہوتا تھا۔)
کچھ عرصے کے بعد مولانا کا ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ باہر کے کسی سفر کے لئے اپنے اصول کے مطابق کوئی ایسا انتظام نہیں ہوا جس پر قلب مطمئن اور منشرح ہوتا اس لئے اب واپسی ہی کا ارادہ ہے، جب واپسی کا پروگرام طے ہو جائے گا تو اطلاع دی جائے گی۔
— اس خط کے ملنے کے ایک دو ہی دن بعد کسی سلسلہ سے میرا سہارنپور کا سفر ہوا — حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو دریافت فرمایا کہ علی میاں کی کیا خیر خبر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی ایک ہی دو دن پہلے اُن کا خط آیا تھا جس میں لکھا ہے کہ باہر کے سفر کا کوئی قابل قبول انتظام نہیں ہو سکا اسلئے اب واپسی ہی کا ارادہ ہے۔
حضرت شیخ نے ایک خاص انداز سے فرمایا کہ مولوی صاحب! یہ بات تو تبلیغ والوں کے اصول کے خلاف ہے کہ دین کا کام اس وجہ سے نہ ہو کہ پیسوں کا انتظام نہیں ہو سکا، تبلیغ والوں کا اصول تو یہ ہے کہ دین کے کام کے لئے اگر ضرورت ہو تو اللہ کے بھروسہ پر قرض لے لیا جائے، مجھے بھی ضرورت ہوتی ہے تو دوستوں سے قرض لے لیتا ہوں۔ تم بھی اپنی ضرورتوں کے لئے قرض لیتے ہوگے۔ پانچ سو روپے کا میں انتظام کردوں اور پانچسو کا تم انتظام کرو اور بھی انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا۔ اگر تمہاری رائے ہو تو میں بھائی سلیم[1] کو مکہ مکرمہ خط لکھ دوں کہ وہ علی میاں کو رقم دیدیں، یہاں سے ادا کردی جائے گی۔ اور تم لکھنؤ پہونچ کر ڈاکٹر صاحب[2] سے علی میاں کو تار دلوادو کہ وہ ابھی آنے کا ارادہ نہ کریں، خط کا انتظار کریں۔ اور ان کو خط لکھدیا جائے کہ انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا وہ سفر کا پروگرام بنالیں۔
میں اسی دن سہارنپور سے روانہ ہو کر لکھنؤ آگیا اور ڈاکٹر صاحب سے پوری بات عرض کی

---

[1] "بھائی سلیم" سے مراد ہیں۔ مولانا محمد سلیم صاحب علیہ الرحمۃ سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ۔ مکہ مکرمہ۔
[2] "ڈاکٹر صاحب" سے مراد ہیں مولانا علی میاں کے برادر معظم اور سرپرست۔ مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

اور حضرت شیخ کا پیغام پہونچایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی دن تار دلوادیا، اور خط بھی لکھدیا گیا۔
اس کے بعد جو ہوا اس سے اللہ کی قدرت، اسکے غیبی نظام اور اہل یقین و توکل
کی فکر و دعا کے اثر کا بڑا غیر معمولی اور میرے لئے خارق عادت تجربہ ہوا۔ صرف
ایک دو دن کے اندر تقریباً پندرہ سو روپے کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے کرایا
کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ"
کی واقعاتی تفسیر آنکھوں کے سامنے آگئی ۔۔۔ بہر حال میں نے اس کو حضرت شیخ
کی توجہ الی اللہ اور دعا ہی کا نتیجہ سمجھا۔ اسکے بعد میں نے جلدی ہی سہارنپور کا سفر کیا اور حضرت
شیخ کی خدمت میں یہ امانت پہونچائی، پھر حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کی زیارت و
ملاقات کے لئے رائے پور حاضر ہوا۔ حضرت نے مولانا علی میاں کے بارے میں دریافت
فرمایا تو میں نے مولانا کے آخری خط کا اور اس کے بعد جو کچھ اب تک ہوا تھا اس سب کا
تذکرہ کیا، حضرت کو بڑی خوشی ہوئی اور اسی وقت بھائی راؤ فضل الرحمٰن سے فرمایا۔
(جو حاضر خدمت تھے) کہ ہم نے تمہارے پاس نو سو روپے امانت رکھوائے تھے، میری
طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ ان کو دیدیجیو، وہ علی میاں کو بھیجنے ہی کی نیت سے رکھوائے
تھے۔ بھائی فضل الرحمٰن صاحب نے سو روپے اپنی طرف سے شامل کر کے پورے ایکہزار کی
رقم میرے حوالہ کی وہ بھی میں نے سہارنپور آکر شیخ کی خدمت میں پیش کردی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے جب اللہ تعالیٰ کی اس غیبی مدد کا واقعہ حضرت رائے پوری کو
سنایا تھا، تو میرے لہجہ میں خوشی کے ساتھ تعجب اور حیرت کی بھی آمیزش تھی،
حضرت نے اسے محسوس فرمایا تھا اور ایک خاص انداز میں فرمایا تھا "اچھا تو کیا یہ تجربہ
آپ کو پہلی بار ہوا ہے؟"

اسکے بعد ہی مولانا علی میاں نے مصر، سوڈان، شام اور اردن کا سفر فرمایا
جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس سفر میں مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحب بھی مولانا کے
ساتھ تھے۔

(۶)

غالباً ۱۹۷۶ء کے اواخر میں اس عاجز راقم سطور نے ارادہ کیا کہ اپنی مرحومہ اہلیہ کو ساتھ لے کر سہارنپور کا سفر کروں، مجھے معلوم تھا کہ حضرت شیخ کی اہلیہ مکرمہ اور صاحبزادیاں پوری شرعی پابندیوں کے ساتھ زندگی گذارتی ہیں۔ اور دینی حیثیت سے اس گھرانہ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے ___ میں نے چاہا کہ اہلیہ کا چند روز حضرت شیخ کے گھر پر قیام رہے تاکہ وہ صحیح دینی زندگی کا نقشہ آنکھوں سے دیکھیں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس سے فائدہ اٹھائیں ___ میں نے حضرت شیخ کو خط لکھ کر اجازت طلب کی، حضرت کی اجازت آجانے کے بعد یہ سفر ہوا۔ چند روز اہلیہ کا قیام حضرت کے یہاں رہا۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا اور بعد میں مجھ کو بتلایا، اس میں سے چند باتیں جو یاد رہ گئی ہیں۔ نذر ناظرین کرام ہیں۔

(۱) کوئی عزیز قریب بھی زنانخانہ میں نہیں آتے۔

(۲) کوئی داماد اگر اپنی اہلیہ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں تو دروازہ ہی پر ان کو بلاکر بات کر لیتے ہیں۔

(۳) غیر معمولی تعجب کے ساتھ انھوں نے ذکر کیا کہ جو کھانا ہم اپنے گھر گھنٹوں میں پکاتے ہیں، وہ حضرت شیخ کے یہاں منٹوں میں تیار ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں انھوں نے ذکر کیا کہ ایکدن جبکہ کھانے کے وقت میں قریباً صرف آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ حضرت شیخ نے بالاخانہ کے اپنے کمرے سے اطلاع دی کہ فلاں مہمان آگئے ہیں، ان کے لئے کچھ اہتمام کرلو، تو صرف آدھ گھنٹہ میں یا اس سے بھی کم وقت میں صاحبزادیوں نے پلاؤ تیار کرلیا اور ایک دو طرح کے سالن بھی۔ میں حیرت سے دیکھتی ہی وہ پتیلی چولھے پر رکھتی تھیں اور جو کچھ پکانا ہوتا تھا اس میں ڈال دیتی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد اتار لیتی تھیں اور کھانا تیار ہوتا تھا۔

اس سفر کی ایک خاص قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس سفر کا پروگرام میں نے اس طرح بنایا تھا کہ چند روز سہارنپور حضرت شیخ کے ہاں قیام کرکے ہم دونوں دہلی تبلیغی مرکز

نظام الدین جائیں گے اور چند روز مرکز میں بھی میرا اور اہلیہ کا قیام رہے گا۔ چنانچہ سہارنپور سے ہم نے دہلی کا سفر کیا۔ وہاں بھی زنانخانہ کا نقشہ غیر معمولی تھا۔ اماں جی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ مرحومہ) حیات تھیں جو زیادہ تر عبادت اور ذکر و تلاوت ہی میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ دق کی مریض تھیں ضعف انتہائی درجہ کو پہونچ چکا تھا، اس کے باوجود صرف نماز ہی کا اہتمام نہیں تھا بلکہ اکثر کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھیں۔ ان کا حال دیکھ کر اہلیہ نے بتلایا کہ حیرت ہوتی تھی۔ بالآخر کافی عرصہ کے بعد اسی مرض میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں انتقال فرمایا۔ (راقم سطور ان کی اس علالت کے بارہ میں اپنے اس مضمون میں لکھ چکا ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان سے متعلق الفرقان کی خاص اشاعت میں شائع ہوا تھا)

سہارنپور اور دہلی کے اس سفر کے بارہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ جب میں سہارنپور سے حضرت شیخ سے رخصت ہو کر دہلی جانے لگا تو حضرت نے ہدیہ کے طور پر مجھے رقم عنایت فرمائی، جس کی مقدار اب یاد نہیں۔ لیکن اتنی بات حافظہ میں ہے کہ وہ اس پورے سفر کے مصارف کے برابر تھی۔

(۷)

حدیث شریف میں ہے "من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہٗ" (جو بندہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کا یہ حال ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے) اس حدیث پاک پر عمل کا اہتمام جیسا حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں دیکھا۔ دوسری کسی جگہ کہیں دیکھنا یاد نہیں۔ جب سے حضرت سے خاص تعارف اور تعلق ہوا اور آمد و رفت شروع ہوئی۔ کبھی نہیں دیکھا کہ دستر خوان پر دو چار بیرونی مہمان ہوں ان کے لئے کھانے کا خصوصی اہتمام ہوتا۔ اگر معلوم ہوتا کہ فلاں مہمان کو فلاں چیز مرغوب ہے تو اس کیلئے اس کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا۔ میرے متعلق حضرت کو معلوم ہو گیا تھا کہ

مجھے میٹھے سے رغبت ہےلہ۔ تو جب حاضر ہوتا میرے لئے خاص طور سے میٹھے کا اہتمام ہوتا، کبھی بازار سے بہترین قسم کی مٹھائی منگوائی جاتی۔ مجھے بڑی ندامت ہوتی اور دل پر بہت بوجھ پڑتا! لیکن معلوم تھا کہ حضرت شیخ کو اسی سے خوشی ہوتی ہے اسلئے تکلف کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ایک زمانے میں ایک طبیب صاحب کے مشورہ کی بنیاد پر میں کھانے کے بعد قریباً دو تولے گڑ کھاتا تھا۔ حضرت شیخ کو کسی طرح اس کا علم ہوگیا تھا تو پھر جب حاضر ہوتا تو پھر کھانے میں میرے لئے لازمی طور پر گھر میں سے گڑ بھی آتا اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا دیسی گھی بھی۔

ایک دفعہ جبکہ حضرت شیخ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا وہاں حاضری ہوئی۔ مدینہ طیبہ کے پورے زمانۂ قیام میں حضرت کا معمول رہتا تھا کہ صرف رات کو عشاء کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے۔ دن میں کچھ نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کے زمانۂ قیام میں روزہ رکھنے کا زیادہ معمول تھا ـــــ بہرحال ایک دفعہ میں مدینہ منورہ ایسے زمانہ میں حاضر ہوا جب حضرت شیخ کا وہاں قیام تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ جب تک یہاں قیام ہے رات کا کھانا تمہیں میرے ہی ساتھ کھانا ہوگا۔ دن میں تمہیں اختیار ہے۔ میں رات کو بعد عشاء حسب الحکم کھانے کے وقت حاضر ہوا۔ ایک خادم خاص کو بلا کر فرمایا دیکھو پاکستان کے ایک صاحب ہدیہ میں گڑ دے گئے تھے۔ وہ میں نے رکھوا دیا تھا۔ میرا نام لے کر فرمایا کہ یہ آگئے، میں نے انہی کی نیت سے رکھوایا تھا۔ چنانچہ وہ پاکستانی گڑ آیا اور جب تک مدینہ منورہ اس عاجز کا قیام رہا، کھانے میں روزانہ میرے لئے گڑ بھی آتا رہا۔

(۸)

سہارنپور کے زمانہ قیام میں کھانے کے معاملہ میں مدینہ منورہ کے قیام کے برعکس حضرت کا عمومی معمول یہ رہتا تھا کہ صرف دن کو مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، رات کو کھانے کا معمول نہیں تھا، کبھی کوئی غیر معمولی اہمیت والے مہمان ہوتے تو انکے

لہ اب کئی برس سے میٹھا مضر ہونے لگا ہے تو اب اس سے مکمل پرہیز ہے۔

اکرام میں رات کے دستر خوان پر بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاتے اور اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کرتے کہ وہ بھی کھانے میں شریک ہیں۔ اب سے قریباً چالیس سال پہلے جب حضرت شیخ کی خدمت میں عقیدتمندانہ اور نیازمندانہ حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو ان کے دستر خوان پر مہمانوں اور روزہ مرہ ساتھ کھانے والوں کی تعداد جہانتک اب یاد ہے، بیس کے لگ بھگ ہوتی تھی، اس کے بعد اس میں اضافہ ہوتا رہا، آخری سالوں میں کبھی کبھی مہمانوں کی تعداد سیکڑوں تک پہونچ جاتی تھی، حضرت کے خاص خادم (بلکہ کہنا چاہیے کہ مدارالمہام) مولوی نصیرالدین صاحب مرحوم مغفور سب کے کھانے کھلانے کا انتظام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسکا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا — دستر خوان پر ایک تو گوشت کا عام سالن ہوتا تھا، جو بالکل سادہ اور پتلا شوربہ ہونے کے باوجود بہت لذیذ ہوتا تھا۔ کبھی اس کے ساتھ کوئی دال بھی ہوتی تھی۔ یہ دونوں چیزیں سب کے سامنے ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ خاص مہمانوں کے لئے (جن میں ہم جیسے نیازمند بھی شامل تھے) دو چیزیں لازماً ہوتی تھیں۔ ایک بہت عمدہ قسم کا پلاؤ، اور ایک خاص طریقہ پر پکا ہوا گوشت جسکو وہاں کی خاص اصطلاح میں "ذیتیہ" کہا جاتا ہے (اُسکو ایک قسم کا اسٹو سمجھنا چاہیے) یہ نہایت ہی لذیذ ہوتا تھا (حضرت شیخ کے دستر خوان کے علاوہ کہیں ایسا لذیذ کھانا یاد نہیں) — یہ دونوں چیزیں اکثر خاص مہمانوں ہی کے لئے ہوتی تھیں، ضروری نہیں تھا کہ سب مہمانوں کے سامنے رکھی جائیں — اس طرز عمل کے سلسلہ میں شیخ کبھی کبھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ — ام المؤمنین کے ہاں ایک سائل آیا جو کھانے کا طالب تھا تو حضرت عائشہؓ نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس کے لئے بھیجدیا، پھر ایک اور شخص آیا جو اپنی ہیئت اور لباس وغیرہ سے شریف آدمی معلوم ہوتا تھا، لیکن کھانے کا طالب اور ضرورت مند تھا، تو ام المؤمنین نے اس کے لئے پورا کھانا بھیجا اور اس کو بٹھا کر کھانا کھلوایا —

اس پر کسی صاحب نے اس تفریقی طرز عمل کے بارے میں حضرت ام المؤمنین سے سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو ہدایت فرمائی ہے کہ "أن ننزل الناس منازلهم" (یعنی یہ کہ ہم آدمیوں کے ساتھ ان کی حیثیت اور مرتبہ کے مطابق معاملہ کیا کریں)۔

(۹)

مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہٗ علیل تھے، بسلسلۂ علاج سہارنپور میں شاہ مسعود صاحب مرحوم کی کوٹھی بہٹ ہاؤس میں حضرت کا قیام تھا، زیارت اور عیادت کے سلسلہ سے روزانہ بڑی تعداد میں مہمان آتے اور جاتے تھے، سب مہمانوں کے کھانے کا انتظام خود حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے تھا، اس انتظام کے ذمہ دار حضرت کے خاص خادم ہمارے لکھنؤ ہی کے قاری شبیر صاحب مرحوم تھے۔ یہ کھانا بالکل سادہ خانقاہی لنگر کا سا ہی ہوتا تھا۔ یہ عاجز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت قدس سرہٗ کی زیارت وعیادت کے لئے سہارنپور گئے ہوئے تھے اور بہٹ ہاؤس ہی میں قیام تھا۔ حضرت شیخؒ نے ہم دونوں کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ دوپہر کا کھانا میرے ہی ساتھ کھایا کرو، ہم ایسا ہی کرتے تھے ـــــ ان ہی دنوں میں ہمارے لکھنؤ کے ایک رئیس جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑے دیندار بھی تھے اور ہم دونوں سے بھی ان کا خاص تعلق تھا، غالباً حضرت رائے پوری قدس سرہٗ اور حضرت شیخؒ کی بھی زیارت وملاقات ہی کے مقصد سے سہارنپور تشریف لائے، حضرت شیخؒ نے ان سے بھی فرمادیا کہ دوپہر کا کھانا آپ میرے ساتھ کھالیں اور کھانے کا وقت بھی بتلادیا ـــــ وہ مقررہ وقت پر شیخؒ کے ہاں تشریف لے آئے، ہم دونوں بھی موجود تھے۔ حسب معمول دسترخوان بچھا، حضرت شیخؒ نے لکھنؤ کے ان صاحب کو بھی ہم دونوں کے ساتھ ہی بٹھایا۔ اب کھانا آنا شروع ہوا، معمول کے مطابق پلاؤ اور زردہ بھی آیا (غالباً اس دن اور بھی کئی قسم کے سالن تھے۔) ان صاحب نے فرمایا کہ میں تو اس امید پر آیا تھا کہ بزرگوں کے دسترخوان پر جو کی روٹی چٹنی یا

دال ملے گی ـــــ حضرت شیخ نے فرمایا یہاں تو اللہ تعالیٰ ہی کھلاتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر یہاں کھالو، اللہ کے فضل سے وہ نمونہ بھی موجود ہے، شام کو بہٹ ہاؤس میں مہمانوں کے ساتھ کھالیجو ـــــ ہم دونوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ دونوں بھی شام کو وہیں ہوں گے۔

(۱۰)

ان ہی دنوں میں جب حضرت قدس سرہٗ کا قیام بسلسلۂ علاج سہارن پور بہٹ ہاؤس میں تھا، اور راقم سطور اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی وہاں مقیم تھے، ایک دن اس عاجز نے حضرت سے اجازت لے کر مہمانوں کی ضیافت کا ارادہ کیا، لنگر خانہ کے منتظم اور مہتمم قاری شبیر صاحب مرحوم سے کہدیا کہ جہانتک ہوسکے مہمانوں کے لئے آج اچھا کھانا تیار کرانے کی کوشش کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کی قبر پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے انھوں نے اس دن بہت اچھا کھانا تیار کرایا ـــــ ان دنوں حضرت شیخ کا مستقل معمول تھا کہ بخاری شریف کا سبق پڑھاکر بہٹ ہاؤس تشریف لے آتے ہیں اور اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانے کا جو وقت مقرر تھا اس سے پہلے واپس تشریف لے جاتے اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے ـــــ اس دن حضرت شیخ جب بہٹ ہاؤس تشریف لائے تو کسی نے اس کا ذکر کردیا کہ آج یہاں کے مہمانوں کے کھانے کی دعوت میری طرف سے ہے ـــــ میں نے حضرت شیخ سے اس کا ذکر کرنے اور کھانے پر حضرت کو بھی مدعو کرنے کی جرأت اسلئے نہیں کی تھی کہ حضرت کا معمول اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمانے کا ہے اور حضرت اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی حضرت کو مدعو کرنے سے مانع ہوا کہ حضرت کے کھانے کا (اور ہر کام کا) گھنٹوں منٹوں کے حساب سے وقت مقرر ہے اور مجھے امید نہیں تھی کہ بہٹ ہاؤس میں کھانا حضرت شیخ کے مقررہ وقت تک تیار ہوسکے گا ـــــ لیکن مجھے بڑی ندامت ہوئی جب حضرت شیخ نے خود ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب! میں تمہاری دعوت کھاکے جاؤں گا! ـــــ چنانچہ حضرت نے

کھانا تناول فرمایا اور اُس کے بعد تشریف لے گئے ۔

(۱۱)

قریباً تیس ۳۰ سال پہلے کی بات ہے ، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم و مغفور ، دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث تھے ، وہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس دیتے تھے اور یہ دونوں کتابیں دو سال میں ختم ہوتی تھیں ــــ موصوف پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے درس کا سلسلہ معطل رہا ــــ دار العلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے مجھ سے کہا گیا کہ جب تک شاہ صاحب صحت یاب ہوں ، اور درس کے لائق ہو سکیں ۔ میں دو گھنٹے کیلئے دار العلوم آکر یہ دو سبق پڑھا دیا کروں اس کے لئے مشاہرہ کی بھی پیشکش کی گئی ــــ اتفاق سے اُس سال ان دونوں کتابوں کی پڑھنے والی جماعت میں بعض ایسے طلبہ بھی تھے جو اس عاجز سے گہرا مخلصانہ تعلق رکھتے تھے ، اور میرے دل میں ان کی قدر تھی ، انھوں نے بھی اس کے لئے اصرار کیا اور خود مجھے بھی ان کے تعلیمی نقصان کا احساس تھا ــــ میں نے اپنے مستقل ضروری مشاغل اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دار العلوم کے ذمہ دار حضرات سے عرض کیا کہ میں روزانہ دو گھنٹے تو نہیں دے سکتا ، اتنا کر سکتا ہوں کہ ایک گھنٹے کیلئے آکر صرف صحیح مسلم کا سبق پڑھا دیا کروں ، شاہ صاحب جب صحتیاب ہو جائیں گے تو وہ بخاری شریف پڑھا دیں گے ، اس طرح اس جماعت کا تعلیمی نصاب بھی پورا ہو جائے گا ــــ میں اس ایک گھنٹہ کا کوئی مشاہرہ اور معاوضہ نہیں لوں گا ، البتہ میری آمد و رفت رکشہ سے ہوگی ، اس کا کرایہ دار العلوم کی طرف سے ادا کر دیا جایا کریگا ــــ یہی طے ہو گیا اور میں ایک گھنٹے کیلئے دار العلوم آکر صحیح مسلم کا درس دینے لگا ۔ شاہ صاحب کا علاج جاری تھا ، امید تھی کہ انشاء اللہ کچھ عرصہ میں شفایاب ہو کر وہ درس کا سلسلہ جاری کر سکیں گے ، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ چند مہینے کے بعد مرض کا اختتام اُنکے سفر آخرت پر ہوا ۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین ۔)

میں جو مسلم شریف پڑھا رہا تھا بفضلہ تعالیٰ تعلیمی سال کے اختتام تک وہ ختم ہوگئی

اسکے بعد جب دوسرا تعلیمی سال شروع ہوا تو دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے پھر مجھ سے کہا گیا کہ اب میں مستقل دو گھنٹے دیدیا کروں اور حدیث کے دو سبق پڑھانے کی ذمہ داری قبول کرلوں۔ میں اپنے دوسرے مستقل مشاغل کی وجہ سے اس وقت بھی اپنے کو اس کے لئے آمادہ نہیں کرسکا، میں نے عرض کیا کہ جب تک شاہ صاحب مرحوم کی جگہ کسی استاذ حدیث کا انتظام ہو میں ایک گھنٹہ جس طرح اب تک دیتا رہا ہوں، انشاء اللہ دیتا رہوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی روزانہ ایک گھنٹہ کے لئے دارالعلوم آتا رہا اور ایک سبق پڑھاتا رہا ــــ دو تین سال اسی طرح گذر گئے اور شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم مغفور کی جگہ کسی استاذ حدیث کا انتظام نہیں ہو سکا تو پھر دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے مجھ سے اصرار کے ساتھ فرمائش کی گئی کہ میں دارالعلوم کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ذمہ داری کو بہر حال قبول کرلوں اور روزانہ صرف دو گھنٹے کے لئے دارالعلوم آکر حدیث شریف کے دو سبق پڑھا دیا کروں۔ اور اس کیلئے معقول مشاہرہ کی پیش کش بھی کی گئی۔

میں نے اگرچہ طالب علمی سے رسمی فراغت کے بعد ۳۔۴ سال تک باتنخواہ مدرس کی حیثیت سے تدریس کی خدمت بھی انجام دی تھی، لیکن اس کے بعد کسی مدرسہ سے ملازمت کا تعلق نہیں رکھا۔ طبیعت آزاد رہ کر ہی حسب توفیق کام کرنے کی عادی ہوگئی اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھا (بعض تلخ تجربے بھی اس کا سبب بنے تھے) ــــ اسوجہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اس پیش کش کو قبول کرنے پر بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوئی ــــ دوسری طرف یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ حدیث شریف اور صرف حدیث شریف کی مستقل تدریسی خدمت کا موقع مل رہا ہے، اس سے انشاء اللہ خود مجھے بھی علمی اور دینی نفع ہوگا اور مشاہرہ کی شکل میں دنیوی منفعت بھی ہے، وہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور طبیعت کا انکار شاید نفس کے استکبار اور استنکاف کی وجہ سے ہے جو باتنخواہ ملازمت کو اپنے لئے گھٹیا درجہ کی بات سمجھنے لگا ہے، اور اگر ایسا ہے تو یہ شیطانی وسوسہ ہے۔

اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر کافی غور وفکر کے بعد بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تو مشورہ کے لئے سہارنپور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری بات عرض کی ـــــ حضرت نے فرمایا مولوی صاحب! ضرور قبول کرلو اور مشاہرہ بھی قبول کرو، اور نیت کرلو کہ چار چھ مہینے وصول کرنے کے بعد چھوڑ دوگے اور پھر بغیر مشاہرہ ہی کے پڑھاؤ گے، یہ بھی فرمایا کہ اگر شروع ہی سے مشاہرہ نہ لوگے تو طلبہ بھی قدر سے تمہاری بات نہیں سنیں گے اور مدرسہ والے سمجھیں گے کہ ہم نے اس پر احسان کیا ہے کہ مدرسہ میں درس حدیث کی مسند پر اس کو بٹھا دیا ہے، اسلئے میری رائے ہے کہ شروع میں چند مہینے مشاہرہ ضرور وصول کرو، بعد میں چھوڑ دو۔ ـــــ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ میں جب دو گھنٹے پڑھانے کی ذمہ داری لے لوں گا تو اس کے لئے ۳۔۴ گھنٹے تیاری کرنی ہوگی اور پھر میں اپنے وہ کام پوری طرح نہیں کر سکوں گا جو اب کرلیتا ہوں اور اس عالم اسباب میں اُسی سے میری ضروریات پوری ہوتی ہیں، اس صورت میں وہ کمی مشاہرہ سے پوری ہوتی رہے گی، اسلئے پھر یہ مشاہرہ میری ضرورت بن جائے گا اور میں اسے چھوڑ نہیں سکوں گا۔

میری یہ بات سنکر حضرت شیخ نے میری اصلاح و تربیت کے لئے خود اپنے کچھ واقعات سنائے جن کا سبق یہ تھا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اخلاص کیساتھ دین کا کام کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اور "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" کا کس کس طرح ظہور ہوتا ہے ـــــ یہ واقعات بہت غیر معمولی قسم کے تھے اور ان میں میرے لئے اور میرے جیسوں کیلئے بڑا قیمتی سبق تھا۔

حضرت شیخ سے یہ ساری گفتگو اُن کے "کچے گھر" میں تنہائی میں ہوئی، اس کے بعد جب میں حضرت کے پاس سے اُٹھ کر قیام گاہ والے کمرے میں آیا تو خیال ہوا کہ حضرت شیخ نے اسوقت اپنے جو واقعات بیان فرمائے ہیں ان کو میں ابھی قلمبند

کرلوں اور انکو ایک مضمون کی شکل میں مرتب کر کے "الفرقان" میں شائع کر دیا جائے،
امید ہے کہ اللہ کے بندوں کو انشاء اللہ ان سے بہت نفع ہوگا اور وہ ان سے
وہ سبق حاصل کر سکیں گے جو اپنی کم ہمتی کی وجہ سے خود میں حاصل نہیں کر سکا۔
(حدیث شریف میں ہے رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعیٰ مِنْ سامِعٍ) ـــ اللہ تعالیٰ کے فضل و
کرم سے اُسوقت تک میرا حافظہ بہت اچھا تھا، میں نے اسی وقت وہ واقعات
ممکن حد تک حضرت شیخ ہی کے الفاظ میں قلمبند کر لئے ـــ اور لکھنؤ واپس آکر
ایک تمہید کے ساتھ مضمون کی شکل میں مرتب کر کے الفرقان کے لئے اُن کی
کتابت بھی کرالی۔ اس کے بعد بس طباعت کیلئے پریس کو دینے کا مرحلہ ہی باقی تھا
کہ مجھے خیال آیا کہ حضرت شیخ نے اپنے یہ واقعات میری اصلاح اور میرے مرض کے
علاج کے لئے تنہائی میں رازدارانہ طور پر بیان فرمائے تھے۔ ممکن ہے ان کی
اشاعت حضرت کی ناگواری کا باعث ہو ـــ یہ خیال آنے کے بعد میں نے
حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اس دن کی گفتگو کا حوالہ دیکر الفرقان میں انکی
اشاعت کی اجازت چاہی ـــ جواب میں حضرت کا مفصل گرامی نامہ آیا جسمیں
سختی سے منع فرمایا گیا تھا۔ وہ میرے لئے خود اپنے باطن کو دیکھنے کا آئینہ بن گیا۔
اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ جو سبق اس سے ملا وہ ہمیشہ یاد رہے ـــ

آج بڑے ہی رنج و قلق کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میری بہت بری عادتوں
میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے اکابر کے مکاتیب گرامی بھی محفوظ
رکھنے کا اہتمام نہیں کیا، نہایت ہی افسوس ہے کہ حضرت شیخ کا یہ مکتوب گرامی
بھی محفوظ نہیں رکھا۔ اگر محفوظ ہوتا تو بلفظہٖ نقل کیا جاتا، اب اپنی یادداشت سے
اس کا مضمون اور حاصل ہی نذر ناظرین کر رہا ہوں۔

(حضرت شیخ نے اس عاجز راقم سطور کو مخاطب کر کے جو کچھ تحریر فرمایا تھا،
جہانتک یاد ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ)

تمہارا میرے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی تو گمان ہوگا کہ میں بفضل اللہ تعالیٰ

معاصی حیوانیہ سے محفوظ ہوں، لیکن تم یہ اندازہ کیسے کر سکتے ہو کہ میں معاصی شیطانیہ سے بھی محفوظ ہوں معاصی شیطانیہ کبر، ریا، اور حسد وغیرہ باطنی کبائر ہیں، اور یہ معاصی حیوانیہ زنا اور چوری وغیرہ سے بھی اشد ہیں — میرے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت ابو ذر غفاریؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندہ نے صدق دل سے کلمۂ اسلام پڑھ لیا (یعنی دل سے ایمان لے آیا) وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ حضرت ابو ذر غفاری نے یہ سنکر عرض کیا کہ "وان زنیٰ وان سرق" (اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو)۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اگرچہ اس نے زنا اور چوری کا گناہ کیا ہو پھر بھی وہ بخشدیا جائے گا، اور (بالآخر) جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے اسکے بعد بھی تعجب سے اپنا سوال دہرایا۔ حضورؐ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا پھر حضرت ابو ذرؓ کے تیسری دفعہ سوال کرنے پر بھی وہی جواب ارشاد فرمایا اور مزید تاکید کے طور پر ارشاد فرمایا "وَإِن رغم انف ابی ذر" — تو زنا اور چوری جو معاصیِ حیوانیہ میں سے ہیں ان کے بارے میں تو حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا اور کِبْر جو معاصیِ شیطانیہ میں سے ہے اسکے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر اور ذرہ برابر بھی کِبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں نہ جا سکے گا[1]

حضرت شیخ نے آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ میں اپنا حال جانتا ہوں، اپنے کو میں معاصی شیطانیہ سے محفوظ نہیں سمجھتا، ایسی حالت میں میرے متعلق ہرگز وہ باتیں

---

[1] شارحین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص کے دل میں کبر ہوگا وہ کبر کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جا سکے گا۔ واللہ اعلم — (الفرقان)

شائع نہ کی جائیں جو تم شائع کرنا چاہتے ہو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں تم بھی دعا کرو
کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے معاصی سے پاک فرما دے۔

حضرت شیخ کا یہ مکتوب گرامی خاصا طویل اور مفصل تھا، یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے
جیسا کہ عرض کیا جا چکا وہ صرف اسکا وہ حاصل اور خلاصہ ہے جو یاد رہ گیا ہے۔
یہاں راقم سطور اللہ تعالیٰ کے اس انعام اور حضرت شیخ کے اس احسان کا
ذکر بھی ضروری سمجھتا ہے کہ اس مکتوب گرامی کے مطالعہ سے اپنی حقیقت معلوم
ہوگئی، اپنے اندر کے وہ شیطانی معاصی گویا آنکھوں کے سامنے آگئے جن سے غفلت
تھی اور ان کے بارے میں فکر نصیب ہوگئی۔
اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا ہے کہ جن ظاہری و باطنی اور حیوانی و شیطانی معاصی
میں ابتک ابتلاء رہا ان کو وہ اپنے کرم سے معاف فرما دے اور اپنی خاص رحمت سے
ظاہر و باطن کو پاک فرما دے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم
وتب علینا انك انت التواب الرحيم

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے اسطرح کے واقعات اور اسطرح کی باتیں جو
حافظہ میں ہیں اگر سب لکھنے کا ارادہ کیا جائے تو ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے لیکن
"الفرقان" کے اس خاص شمارہ کے صفحات میں اس سے زیادہ کی اب گنجائش
نہیں ہے۔ اسلئے انہی چند واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز تنگیٔ داماں گلہ دارد

نوٹ:

اس عاجز نے اپنے اس مضمون میں حضرت شیخ سے متعلق جو واقعات لکھے ہیں وہ اپنے حافظہ
ہی کی مدد سے لکھے ہیں۔ امید یہی ہے کہ بیان میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہوگی۔

کچھ نئی اور اہم کتابیں
معمولاتِ یومیہ
اَحکامِ نماز
"نماز" اسلام کے بنیادی ارکان میں
سب سے اہم رکن ہے۔ قرآن مجید اور احادیث
شریف میں نماز کے بارے میں وارد
بیس سے بیس منتخب احکام کا مجموعہ
پاکٹ سائز پر عکسی طباعت
سے مزین۔ قیمت صرف
1/-
علاوہ محصول ڈاک
تبلیغ دین کے
ایک اہم اصول
مختصر اور کم قیمت۔ تاکہ ہر شخص خرید سکے
قرآنی علاج
از: مولانا اشرف علی تھانوی رح
ہر قسم کی بیماریوں کا علاج قرآنی آیات کے ذریعہ
یہ رسالہ مولانا تھانوی رح کی مشہور و مقبول کتابیں بہشتی زیور اور اعمالِ قرآنی سے
ماخوذ کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ نیا عکسی ایڈیشن 2/50
مندرجہ بالا
کتابوں کے علاوہ شکار کا ذوق
رکھنے والے حضرات کے لیے ہماری
ایک اہم اور قابلِ مطالعہ کتاب
شکار 20/- بھی موجود ہے
اورادِ فضلیہ
دعاؤں کا عجیب و غریب مجموعہ، ترجمہ کے
ساتھ جو حضرت مولانا عبدالغفور عباسی
نوراللہ مرقدہ
کے صبح و شام کے چند مختصر معمولات و وظائف پر مشتمل ہے
شروع میں اس رسالہ کی بعض آیات قرآنیہ و ادعیہ ماثورہ کے مختصر
فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ پاکٹ سائز پر عکسی طباعت سے مزین
قیمت صرف 2/- علاوہ محصول ڈاک
ناشر:- توحید پبلشرز، لکھنؤ
ملنے کا پتہ
الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی (علیہ الرحمہ)

شیخ الحدیثؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو میں جب کبھی دیکھتا اور آپ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہو کر کسب فیض و سعادت کرتا تو اکثر ایسا محسوس ہوتا کہ گویا میں حضرت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں استفادۂ روحانی و باطنی کر رہا ہوں، ایسا کیوں محسوس ہوتا تھا؟ سطور ذیل میں اسی کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے پیر و مرشد سے خرقۂ خلافت پانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت بابا فرید شکر گنج نے جب مجھ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تو ارشاد ہوا

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق عطا فرمودہ است و ہر کہ بایں
سہ صفات متصف باشد خرقہ خلافت او را نیکو آید۔

حضرت بابا نے اس مقولہ میں جن تین صفات کا ذکر کیا ہے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام کے جملہ فضائل و کمالات ظاہری و باطنی کا خلاصہ درحقیقت یہی تین اوصاف ہیں اور جس شخص نے حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت کا مطالعہ قریب سے کیا ہے اسے اس امر واقعی کے تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں ہو گا کہ بے شبہ حضرت شیخ کی ذات ستودہ صفات مذکورۂ بالا صفات سہ گانہ کی حامل اور جامع تھی۔

اولاً صفت علم کو لیجیے، علم دو قسم کا ہوتا ہے ایک کسبی اور دوسرا وہبی یا لدنی، اس کو

منطق کی اصطلاح میں حصولی اور حضوری بھی کہہ سکتے ہیں، علم کی قسم اول وہ ہے جسے انسان اپنی محنت اور شوق سے حاصل کرتا ہے، اور علم وہبی وہ ہے جسے امام شافعی نے اپنے مشہور روایتی شعروں میں "نور الہٰی" فرمایا ہے، یہ نور وہی ہے جس کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ جس طرح ایک انسان چشم ظاہر سے ان تمام چیزوں کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے آتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالےٰ اپنے خاص خاص بندوں کو ایسی چشم باطنی عطا فرما دیتا ہے جس کے ذریعہ انسان کو ایسی اشیاء کا بھی علم حاصل ہو جاتا ہے جو سامنے نہیں ہوتیں۔ حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے علوم سے بہرہ وافر عنایت فرمایا تھا، جہاں تک علم ظاہر کا تعلق ہے آپ نے مدارس عربیہ کے مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ کا باضابطہ و باقاعدہ بڑی محنت اور لگن سے اکتساب کیا اور ان میں ایسا کمال بہم پہونچایا تھا کہ کم عمری کے باوصف فارغ التحصیل ہوتے ہی مظاہر العلوم سہارنپور میں ادب اور حدیث کی اہم کتابوں کا درس آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اگرچہ نصاب کے تمام علوم و فنون میں آپ کی استعداد پختہ اور معیاری تھی، لیکن آپ کا خاص فن علم حدیث تھا، مسلسل نصف صدی سے آپ نے حدیث کی امہات کتب کا درس اس شان سے دیا کہ اس فن میں آپ کی شہرت دور دور پہونچ گئی۔ شیخ الحدیث کا لقب آپ کا علم توصیفی ہو گیا اور عرب و عجم میں آپ اسی سے معروف و مشہور ہو گئے، پھر معاملہ صرف درس و تدریس تک محدود نہیں رہا بلکہ بحیثیت ایک مصنف اور محقق صاحب قلم کے بھی آپ کا مرتبہ و مقام بہت ممتاز اور نمایاں ہے، حضرت نے آپ بیتی نمبر ۷ میں تاریخی ترتیب کے ساتھ اپنی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ کیا ہے، گنتی میں یہ ۸۳ ہیں، ان میں اکثر کتابیں کافی ضخیم ہیں اور ایک کتاب جو موطأ امام مالک کی شرح اوجز المسالک چھ جلدوں میں اور ایک اور کتاب لامع الدراری جو صحیح بخاری کی شرح ہے تین جلدوں میں ہیں باایں ہمہ شیخ فرماتے ہیں:- اب تک انھیں (۸۳) اجزا اور رسائل کا پتہ چلا ہے، میرے اندازہ میں پچیس تیس ابھی اور بھی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ چند کتابوں کو مستثنیٰ کر کے سب کی زبان عربی ہے اور عربی بھی ایسی کہ ادیبانہ ہے اور شائبۂ عجمیت سے سرتاسر منزہ اور مبرا، پھر اگرچہ آپ کا خاص فن حدیث تھا جس پر آپ کی تالیفات کثرت سے ہیں۔

لیکن تالیفات کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ درحقیقت علوم متداولہ عقلیہ ونقلیہ میں سے شاید ہی کوئی علم وفن ایسا ہو جس پر آپ نے خامہ فرسائی نہ کی ہو اور اس کے مباحث ومسائل پر دادِ تحقیق نہ دی ہو۔ چنانچہ اگر ایک طرف آپ کی کتابیں (بصورت تالیف یا بصورت شرح) صرف ونحو، علم بلاغت ومعانی، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ وسیاست وغیرہ پر ہیں، تو ساتھ ہی فن منطق اور اقلیدس پر بھی ہیں۔ موخرالذکر رسالہ کا نام "اضافہ بر اشکال اقلیدس" ہے یہ رسالہ شیخ نے طالب علمی کے زمانہ میں ہی تحریر کیا تھا اور اس میں اقلیدس کی معروف شکلوں پر اپنی ذہانت وطباعی سے چند نئی شکلوں کا اضافہ کیا تھا۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ شیخ کثرت عبادات، اوراد ووظائف اور مجاہدات وریاضات کے عادی شروع سے ہی رہے ہیں، اس بنا پر ان تمام مصروفیتوں کے باوصف آپ کی تالیفات وتصنیفات کی یہ کثرت اور ان کے موضوعات کا یہ تنوع اس بات کی دلیل ہیں کہ شیخ کا علم جو کچھ بھی تھا مستحضر تھا اور اکثر کتابیں یا رسالے آپ نے قلم برداشتہ لکھے ہیں۔ اب مذکورۂ بالا ان تمام چیزوں پر غور وفکر کیجیے تو صاف نظر آئے گا کہ تنوع علم اور تالیفات کی کمیت وکیفیت کے اعتبار سے حضرت شیخ اپنے وقت کے ابن جوزی اور غزالی تھے، اور علمائے عصر حاضر میں بجز مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے کسی کو ان کا مثیل وقرین قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ ذکر تھا علوم ظاہری میں حضرت شیخ کی مہارت، دقت ووسعت اور کمال کا، اب علوم باطنی وروحانی جن کو معرفت کہا جاتا ہے ان میں آپ کے درک وبصیرت کا جائزہ لیا جائے تو ایک اور ہی عالم نظر آتا ہے۔ دنیوی علوم وفنون اور مختلف ہنروں اور پیشوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ان میں کمال پیدا کرتے ہیں، مسلسل مشق وتمرین اور مزاولت وممارست کے باعث ان لوگوں میں ایک ایسا خداداد ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بہت سے مسائل جو عام لوگوں کے لیے عقدہائے لاینحل ہوتے ہیں، یہ حضرات ادنیٰ توجہ سے اسے حل کردیتے اور اصل حقیقت کا سراغ پالیتے ہیں، اسی کو عرف عام میں بصیرت کہا جاتا ہے۔ بس اسی پر ان حضرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو شب وروز علوم دینیہ میں مشغول رہتے

اور ان میں درک و بصیرت حاصل کرتے ہیں، بہتیرے وہ امور جو دوسروں کے لیے نظری ہوتے ہیں ان حضرات کے لیے بدیہی ہوتے ہیں، منطق کی اصطلاح میں اسی کو حدس اور نفس قدسیہ کہتے ہیں۔

لیکن شیخ کا معاملہ اس باب میں بھی ایک خصوصی امتیاز رکھتا ہے، آپ کو بچپن میں ہی تعلیم ظاہری کے ساتھ تربیت باطنی ملی، اس عہد کے اکابر اولیاء اللہ کی آغوش شفقت میں پرورش پائی، ماحول سرتاسر عارفانہ اور فضا تمام تر روحانی، پھر جب تحصیل علوم و فنون سے فراغت ہوئی تو طبعی طور پر سب سے زیادہ مناسبت اور اشتغال حدیث سے اس درجہ رہا کہ یہ فن آپ کے ذکر و فکر پر چھا گیا، پھر اس پر مستزاد مرشد روحانی کی باقاعدہ تعلیم و تربیت باطنی، اس سلسلہ میں مجاہدات و ریاضات، ان سب چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اتباع سنت آپ کا وظیفہ حیات ہوگیا، خود اس پر سختی سے عامل تھے اور مسترشدین کو بھی اس کی تلقین و تاکید کرتے اور فرماتے تھے کہ بس یہی اصل تصوف ہے، شیخ سعدی کا مشہور مصرعہ ہے ؏

جمال ہم نشیں در من اثر کرد

اس محویت اور استغراق کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ پوری زندگی انوار و تجلیاتِ سیرتِ نبوی سے جگمگا اٹھی، یہی وہ مقام ہے جس پر پہونچ کر ایک انسان قرآن مجید کی اصطلاح میں بارگاہ خداوندی کی طرف سے حکمت و سعادت کے خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوتا ہے اور اسی کو ہم معرفت کہہ سکتے ہیں، حضرت شیخ کے ملفوظات اور مکتوبات پڑھیے تو آپ کو معرفت کے دُرِ بے بہا جگہ جگہ بکھرے ہوئے ملیں گے، بہرحال یہ اظہر من الشمس ہے کہ شیخ علم ظاہری و باطنی دونوں میں کامل اور ممتاز تھے۔

حضرت بابا فرید شکر گنج نے دوسری صفت عقل بیان کی ہے، ظاہر ہے کہ عقل سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعہ انسان اشیاء، ان کے حقائق اور خواص کا ادراک کرتا ہے اور مجہول کے لیے معلوم سے استدلال کرتا ہے۔ پھر اس سے مراد عقل سلیم ہے جو اپنے عمل میں غلطی نہیں کرتی، اور کج روی اختیار نہیں کرتی، قرآن مجید میں جہاں کہیں عقل کا لفظ آیا ہے

وہاں مراد مطلق عقل نہیں ،عقل سلیم ہی مراد ہے ، اب شیخ کی تصنیفات و تالیفات دیکھیے ، آپ بیتی پڑھیے اور ملفوظات و مکتوبات پر ایک نگاہ ڈالیے آپ کو قدم قدم پر احساس ہو گا کہ شیخ نہایت ذہین اور طباع تو تھے ہی اعلیٰ درجہ کے عاقل اور صاحب فہم و شعور بھی تھے ، علماء اور مشائخ کو عام طور پر صرف دینی امور ہی میں صاحب رائے سمجھا جاتا ہے ، لیکن شیخ دنیوی اور سیاسی معاملات کو بھی خوب سمجھتے اور ان کے بارہ میں جو رائے خود رکھتے اور دوسروں کو مشورہ دیتے تھے وہ نہایت متوازن اور صائب ہوتا تھا۔ اس بنا پر بابا فرید شکر گنج کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ خلافت اولیاء کی دوسری شرط و صفت یعنی عقل سے بھی بہرہ وافر رکھتے اور اس معاملہ میں بھی اپنے اقران و معاصرین میں ممتاز تھے۔

اب رہی تیسری صفت یعنی عشق ، ظاہر ہے بابا فرید شکر گنج نے صرف لفظ "عشق" بولا ہے تو اگر چہ اس سے مراد عشق حقیقی ، یعنی اللہ تعالےٰ کی ذات جو حقیقت مطلقہ ہے اس کی محبت اور عشق ، لیکن لفظ عشق مطلق ہے اور شریعت میں عموماً اور طریقت میں خصوصاً اس کی بڑی اہمیت ہے تصوف کی تمام کتابوں میں اس کا تذکرہ مستقل طور پر ہے ، فارسی اور اُردو کے صوفی شعرا خصوصاً اور دوسرے شعرا عموماً جب کوئی مثنوی لکھتے ہیں تو مثنوی کا آغاز حمد و نعت سے کرنے کے بعد عشق کے فضائل و مناقب اور اس کی کرامات کا ذکر ضرور کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عشق سرّ کائنات اور راز کُن فکاں ہے ، یہ سارا ہنگامۂ ہست و بود اور عالم رنگ و بو اسی کا ایک کرشمہ ہے ، اقبال کہتے ہیں :۔

من بندۂ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من ، عقل است غلام من

ہنگامۂ ایں محفل از گردش جام من
ایں کوکب شام من ، ایں ماہ تمام من

جانی درعدم آسودہ بے ذوق تمنا بود
مستانہ نواہا زد در حلقۂ دام من

اگر یہ عشق ہے تو علم و حکمت، عبادات و ریاضات سب معتبر اور قابل قدر ورنہ سب بے کار، دھوکہ اور فریب، اقبال کہتے ہیں:۔

شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی — محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے — تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

نہ محتاج سلطاں نہ مرعوب سلطاں

محبت ہے آزادی و بے نیازی

یہ عشق جس کا مرکز و محور ذات الٰہی ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عبادت اور اطاعت میں نہ صرف خلوص ہوتا ہے بلکہ اس میں وہی لذّت اور حلاوت ملتی ہے جو ایک عاشق کو اپنے محبوب کے ساتھ ہم نشیں و ہم کلام ہونے میں ملتی ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو قرۃ عینی فرمایا ہے، اس کے علاوہ عشق کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاق حسنہ اور فضائل و مکارم کا پیکر بن جاتا ہے، وہ دنیا اور اس کے لذات و شہوات سے مستغنی ہوتا ہے وہ سراپا محبت بن کر ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کے لیے رحمت و شفقت بنتا ہے، ساتھ ہی نفسیاتی طور پر اس پر ہر وقت ایک اندرونی اضطراب، جستجو اور طلب، سوز و ساز اور جذب و سرشاری کی کیفیت طاری رہتی ہے، وہ تصوف کی اصطلاح کے مطابق ظاہری طور پر عالم صحو میں ہوتا ہے تو باطنی اور روحانی طور پر اس وقت بھی عالم سکر کا اس پر غلبہ و استیلا رہتا ہے۔

اب اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیجیے تو صاف معلوم ہوگا کہ حضرت شیخ الحدیث سراپا عشق و محبت تھے۔ مجھے بارہا ہند اور بیرون ہند میں حضرت کی خدمت میں حاضری اور آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، میں نے آپ کو خلوت میں بھی دیکھا ہے جب کہ آپ کے اور میرے سوا وہاں کوئی تیسرا نہیں تھا اور جلوت میں بھی دیکھا ہے، میں نے آپ کو مسرور و شاداں اور ہنستے ہوئے بھی دیکھا اور اسلام اور مسلمانوں کے بعض معاملات پر محزون و غمگین روتے ہوئے بھی پایا اور ہر مرتبہ صاف طور پر یہ محسوس کیا ہے کہ اگرچہ شیخ ہماری طرف متوجہ ہیں لیکن کسی شدید جذبۂ اندرونی

کے زیر اثر آپ کی رگ رگ میں بے چینی اور اضطراب کی برقی رو دوڑ رہی ہے، چنانچہ اکثر دیکھا کہ باتیں کرتے کرتے آپ اچانک خاموش ہو گئے ہیں اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر بیٹھ گئے ہیں، یہ برقی رو کس چیز کی تھی؟ عشق کی جس کی گرمی سے آپ کی روح ہر آن سیماب آسا بے قرار رہتی تھی اور اس کے اثرات جسم اور آپ کے حرکات وسکنات پر بھی ظاہر ہوتے رہتے تھے۔[۱]

بہر حال اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ بابا فرید نے خلافت اولیا کے استحقاق کے لیے جن تین صفات یعنی علم و عقل و عشق سے اتصاف کو شرط قرار دیا تھا، حضرت شیخ الحدیث ان سے بہمہ وجوہ اور بدرجہ اتم متصف تھے، بابا فرید نے حضرت نظام الدین اولیا کو خرقۂ خلافت عطا فرماتے ہوئے کہا تھا کہ چونکہ وہ (نظام الدین اولیا) ان تینوں صفات کے حامل ہیں، اس لیے وہ خرقۂ خلافت کے مستحق ہیں پھر بابا فرید نے اپنے مرید خاص کے لیے دعا بھی فرمائی کہ "خدا کرے تم ایک ایسا درخت بنو جس کے سایہ میں خلق کثیر آسایش و راحت سے رہے۔" دنیا جانتی ہے کہ بابا فرید کی یہ دعا کس طرح بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئی۔ پروفیسر نظامی لکھتے ہیں "تقریباً پچاس برس تک انسانی دلوں نے اس طرح ان (حضرت نظام الدین اولیا) کی خانقاہ میں راحت وسکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر تمازت آفتاب سے خستہ جان ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت اور سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے۔[۲]

حضرت نظام الدین اولیا نے نہایت وسیع پیمانہ پر خلق خدا کو جو آسایش و راحت پہونچائی وہ دو قسم کی تھی (۱) مادی اور جسمانی راحت اور (۲) روحانی و باطنی راحت:

---

[۱] یہی حال میں نے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھا۔ ایک مرتبہ آپ علی گڑھ میں حکیم سید انعام اللہ صاحب کے مہمان تھے۔ میں حاضر ہوا تو فوراً مجلس برخاست کر دی۔ مجھے لیکر ایک کمرہ میں داخل ہوئے اور سینہ سے لگا لیا۔ اس وقت میں نے اپنے سینہ میں جو شدید گرمی محسوس کی آج تک اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔

[۲] تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۰۳

پہلی قسم کی راحت کا کیا اہتمام و انتظام تھا؟ پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:۔

"ہزاروں آدمی ان کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے، اس وقت بھی ان کا حال یہ تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری میں اس خیال سے کچھ نہ کھاتے تھے کہ اس وقت کتنے لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے، خلق کی اس دردمندی نے انھیں اقلیم دل کا حکمراں بنا دیا تھا، کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتہ کی وجہ سے پریشان ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، کوئی سلطان کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو ان سے عرض حال کرتا، کسی کے دل میں کوئی خلش ہوتی تو قدم بے اختیار غیاث پور کی طرف اٹھنے لگتے، حضرت محبوب الٰہی ہر ایک کا درد و غم سنتے، اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہِ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کر کے دعا فرماتے۔"

(تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۲)

اب رہی دوسری قسم یعنی روحانی راحت رسانی! اس سلسلہ میں مشہور مؤرّخ ضیاء الدین برنی کا بیان پڑھیے جو خود آپ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھا۔ لکھتا ہے:۔

"اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، وہ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے، ہر شخص کو خواہ وہ خاص ہو یا عام، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا شریف، بازاری ہو یا شہری، آزاد ہو یا غلام، ہر ایک کو طاقیہ عطا فرماتے، مسواک دیتے اور توبہ کراتے تھے، اور یہ سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید یا آپ سے متعلق سمجھتے تھے اس لیے بہت سے منکرات اور نواہی سے پرہیز کرتے تھے، اور خلق خدا عام طور پر طاعت اور عبادت کی طرف رغبت رکھتی تھی، خواص اور عوام ہر ایک کے دل میں نیکی اور نکوکاری نے گھر کر لیا تھا، مرد، عورت، بوڑھے اور جوان سب نماز کی پابندی کرتے اور ان میں اکثر و بیشتر تو اشراق و چاشت کی نمازیں تک ناغہ نہ کرتے تھے۔"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۳ و ۳۴۴ بحوالۂ تاریخ مشائخ چشت۔

حضرت محبوب الٰہی نے اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کے ذریعہ نفع رسانی خلق کا کام صرف ان لوگوں تک محدود نہیں رکھا جو آپ کے پاس آتے اور خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے، بلکہ تبلیغ اور دعوت الی اللہ کے مرکز جگہ جگہ باقاعدہ و باضابطہ قائم کرکے اپنا چشمۂ فیض و خدمت خلق ملک کے گوشہ گوشہ میں رواں اور دواں کر دیا۔ چنانچہ گلزار ابرار کا مصنف لکھتا ہے:۔

"ان ایام میں زمین ہند کو عجب زمانہ حاصل تھا، کیونکہ آپ کی (حضرت نظام الدین اولیا) بارگاہ خلافت سے جو وقتاً فوقتاً نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعۂ زمین ہدایت آباد تھا، ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی کرامتوں والے سات سو (۷۰۰) ایسے خلفا روانہ کیے تھے جن میں سے ہر ایک کے سینہ سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کر رہا ہے"[۱]

پروفیسر نظامی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ "ضیاء الدین برنی اور سید محمد کرمانی المدعو بہ میر خورد نے شیخ کے اثرات کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے پیش نظر سات سو کی تعداد ناقابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ شیخ کے بہت کم خلفا کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں"[۲]۔ ہمارے نزدیک سات سو کی تعداد بالکل صحیح ہے جن کو حضرت محبوب الٰہی نے تبلیغ اسلام اور دعوت الی اللہ کی غرض سے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا تھا، البتہ یہ سب خلفا نہ تھے، گلزار ابرار کے مصنف نے غلطی سے ان سب کو خلفا لکھ دیا ہے۔

اب خلق خدا کی خدمت، اصلاح نفس اور ان کے تزکیۂ باطن کے باب میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے کارناموں اور ان کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو آپ کو حضرت محبوب الٰہی اور حضرت شیخ الحدیث دونوں میں بڑی مشابہت اور مماثلت

۱؎ گلزار ابرار (اردو) ص ۸۴-۸۵۔ ۲؎ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۶

نظر آئے گی، اس کی تفصیل مختصر طور پر یہ ہے کہ محبوب الٰہی کی طرح شیخ کے ہاں بھی خدمت و نفع رسانی خلق کی دو قسمیں تھیں۔ (۱) مادی و جسمانی اور (۲) روحانی و باطنی، جہاں تک قسم اول کا تعلق ہے، دنیا جانتی ہے، شیخ کی ذات مرجع عوام و خواص بن گئی تھی، جہاں کہیں جاتے اور قیام فرماتے ہزاروں مرد اور عورتیں پروانہ وار آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے، آپ نہایت خوش اخلاقی اور خندہ جبینی سے ان سب سے ملاقات کرتے، خاطر تواضع کرتے، ان کی آسائش و راحت کا خود خیال رکھتے اور اس سلسلہ میں جو انتظامات تجویز ہوتے ان کی نگرانی بذات خود کرتے تھے۔ آنے والے لوگوں میں اور اسی طرح خط و کتابت کے ذریعہ جو حضرات اپنا دکھ درد اور پریشانی بیان کرتے حضرت بکمال توجہ ان کی داستان غم سنتے اور متاثر ہوتے، پھر اگر ضرورت ہوتی تو آپ ان کو کوئی مشورہ دیتے، ان کی تسلی تشفی کرتے اور پھر بارگاہِ الٰہی میں اپنے طریقہ کے مطابق نہایت خشوع و خضوع اور الحاح و زاری سے ان لوگوں کی حاجت روائی کے لیے دعا کرتے۔

اب رہی خدمت خلق کی دوسری قسم یعنی اصلاح نفس و تزکیہ باطن، تو اس سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی پوری زندگی اس کی آئینہ دار ہے، مسترشدین اور مریدین کا تو مقصد ہی یہ ہوتا تھا کہ وہ آپ سے اصلاح و تزکیۂ نفس کے طریقوں کی تعلیم حاصل کریں، وہ اس راہ میں حضرت شیخ کی ہدایت و تلقین ساتھ ہی آپ کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کے زیر اثر مجاہدات و ریاضات کی زندگی بسر کرتے تھے، لیکن جو لوگ رسمی طور پر آپ کے حلقۂ مریدین میں شامل نہیں تھے اور ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے، حضرت شیخ غیر معمولی خاطر مدارت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی بھی اصلاح نفس اور تربیت باطنی سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہیں ہوتے تھے، ان حضرات میں سے اگر کسی سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہوتی تو آپ اس پر فوراً تنبیہ فرماتے اور اپنے ارشادات کے ذریعہ ان آنے والوں کی اصلاح نفس اور ان کو تعلیم و تلقین کرتے رہتے تھے۔

پھر جس طرح حضرت محبوب الٰہی نے اپنے خلفا اور مسترشدین و مبلغین کے ذریعہ اپنا فیض ملک کے گوشہ گوشہ میں پہونچا دیا تھا، اسی طرح حضرت شیخ کا افادہ و افاضہ صرف سہارنپور سے دلی تک یا صرف کسی ایک ملک تک محدود نہیں رہا۔ وہ برصغیر ہند و پاک سے نکل کر ایشیا اور افریقہ اور یورپ کے دور دراز خطوں تک پہونچا جس کے لیے آپ نے ضعف و نقاہت اور جسمانی اعذار و امراض کے باوجود بہ نفس نفیس نہایت طول طویل اور دراز سفر کیے، اور صرف یہی نہیں بلکہ تبلیغی کام کی براہ راست سرپرستی فرما کر اور قولاً و عملاً اس کے کاموں سے گہری دلچسپی لے کر حضرت شیخ نے اپنی دعوت اور اپنا فیض دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا دیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کتنے لاکھ انسان، کس کس ملک اور کس کس قومیت و وطنیت اور رنگ و نسل کے، آپ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ رکھ کر یا آپ کے قلم یا زبان کے فیضان اثر سے ابرار و صلحا کے زمرہ میں شامل ہونے کے لائق ہو گئے۔

بہرحال شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر نے جن صفات و کمالات کی بنا پر شیخ نظام الدین اولیا کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا، ان اوصاف و کمالات کے حامل اور جامع شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، اور "ایک درخت سایہ دار" بننے کی جو دعا بابا فرید نے اپنے برگزیدہ ترین خلیفہ کے لیے کی تھی وہ شیخ الحدیث پر بھی صادق آتی تھی اس بنا پر دونوں بزرگوں کے مزاج و طبیعت اور خیر الناس من ینفع الناس کے ارشاد نبوی کے مطابق جذبۂ خدمت و نفع رسانی خلق کے معاملہ میں بڑی یگانگت، مشابہت اور مماثلت تھی، البتہ فرق یہ تھا کہ حضرت محبوب الٰہی اس عہد سے تعلق رکھتے تھے جب کہ رسل و رسائل کے ذرائع بہت محدود اور دیر طلب تھے۔ اور اس کے برخلاف حضرت شیخ کا عہد اسٹیمر، ریلوں اور ہوائی جہازوں کا عہد تھا، اس لیے قدرتی طور پر آپ کے ذاتی و شخصی اسفار اور آپ کے تبلیغی و اصلاحی کارناموں میں زیادہ وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے، یہ صرف وقت، زمانہ اور ماحول کے اختلاف کا طبعی اثر اور نتیجہ ہے۔

ورنہ فطرت، طبیعت، جذبہ اور شوق و ذوق میں دونوں ایک ہی شجرۃ القدس اصلھا ثابتٌ و فرعھا فی السماء کے ثمر شیریں تروخوش اثر ہیں، یہ عجیب اتفاق ہے کہ تبلیغی جماعت کا مرکز نئی دہلی میں مرقد حضرت محبوب الٰہی کے پہلو میں ہی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تبلیغ و اصلاح کے جس کام کو شیخ نظام الدین اولیا نے پشاور سے راس کماری تک پھیلا دیا تھا اس کی تجدید اور عالمگیر پیمانہ پر اس کی توسیع اللہ تعالیٰ نے کاندھلہ کے اس خاندان کے لیے مقدر کر دی تھی جس کے لعل شب چراغ حضرت شیخ تھے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء، رحمهما الله تعالىٰ رحمة كاملة۔

اپنے خریداروں سے کچھ ضروری باتیں

۱۔ کسی قسم کی مراسلت کرتے وقت یا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔

۲۔ شیخ الحدیث نمبر جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ الفرقان کی ستمبر تا دسمبر کی اشاعتوں کا بدل ہے امید ہے کہ آپ اس کو توقع کے مطابق پائیں گے۔ آپ کی رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔

۳۔ قدیم خریداروں کو شیخ نمبر لاگت سے بھی کم قیمت پر بھیجا گیا ہے اس لیے جن ہند و بیرون ہند کے خریداروں کے ذمہ الفرقان کی کوئی رقم بقایا ہو وہ فوراً ارسال فرمائیں۔

۴۔ اس نمبر کی قیمت مع محصول برائے ہندوستان -/۱۷ برائے پاکستان و عرب ممالک -/۳۰ برائے یورپ افریقہ وغیرہ -/۴۰ روپے

۵۔ بیرونی ممالک کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ بذریعہ ہوائی ڈاک -/۱۴۰ روپے (£15/-) اور بذریعہ بحری ڈاک -/۶۰ (£6/-) ہے۔ شیخ الحدیث نمبر دوسرے خریداری قبول کرنے کے خواہاں حضرات ہوائی ڈاک کے لیے -/۱۵۵ (£11/-) اور بحری ڈاک کے لیے -/۷۰ (£5/-) ارسال فرمائیں۔

۶۔ پاکستان کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ -/۶۰ روپے ہے۔ اس نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہش مند حضرات -/۶۶ روپے ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرما کر منی آرڈر کی رسید ہم کو روانہ فرمائیں۔

ناظم ادارہ الفرقان

کیا آپ کو معلوم ہے؟
کلامِ صوفی
حضرت سیّد عبد الرّب صوفیؒ کا منتخب کلام۔
قیمت ۴۰/-
ایک مردِ مومن کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پکار، جس کے لفظ لفظ سے امّت کا درد اور للّٰہیت ٹپکتی ہے۔ حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمّد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور شاہ محمد ابراہیم ایم اے کے بیش بہا مقدمات سے مزیّن۔ کاغذ، کتابت طباعت، جلد ہر چیز معیاری۔ کتاب کے ابواب: حمد، نعت، مدح صحابہ، یادِ حرم ایمانی شجاعت، اصلاحِ امّت، تحریکِ ایمانی، دردِ ملّت، ردِّ بدعت، مناظر انہ جواب رموزِ فطرت، سوز و ساز، اللہ والوں سے محبت، دعائیں۔ ہر باب کے ذیل میں گوناگوں عنوانات۔ پانچ سو سے زائد صفحات، سائز ۲۰×۲۶/۸
اہم سفر
قرآن وحدیث اور بزرگوں کے کلام سے ایسے موثر مضامین، حکایات اور اشعار جو سفرِ آخرت کی تیاری کی فکر پیدا کر دیں۔ نیز اس سفر سے متعلق مسائل بھی۔ قیمت ۵ روپئے
تحریک ایمان
تبلیغی کام اور دینی دعوت سے متعلق حضرت سیّد عبد الرّب صوفیؒ کی دلگداز اور پرسوز نظمیں جن پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا مبسوط اور موثر پیش لفظ بھی ہے۔ قیمت ۳/-
زبانی نصاب
مسنون دعائیں، اسلامی آداب اور دینی جذبہ کو ابھارنے والی نظموں کا مجموعہ۔ مکاتیب اسلامیہ کے نصاب میں داخل کئے جانے کے لائق کتاب۔ قیمت ۵/-
رفیق المعلمین
صحیح قرآن مجید صحیح پڑھنے، پڑھانے کے ضروری قواعد۔ تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں مفید ہدایات۔ مکاتب کے معلمین کے لئے ایک نادر تحفہ۔ قیمت ۲/-
تذکرہ مصلح الامت
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی سوانح حیات اور منتخب تعلیمات۔ قیمت ــــ ۳۰/-
روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کیلئے
آسان رزق (اردو) تین روپئے۔ آسان رزق (گجراتی) تین روپئے۔ آسمانی روٹی دو روپئے
راہِ امن ایک روپیہ۔ دینی مضامین کے ذریعہ گجراتی زبان سکھانے والی کتابیں:
گجراتی تختی ۱/- ایمان بال پوتھی ۳/- اسلامی پہلی چوپڑی ۵/-
اقراء واچن مالا (اوّل، دوم) ۵/-
نوٹ: یہ کتب "الفرقان بکڈپو۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ" سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔
ملنے کا پتہ: محمّد یونس صدّیقی خادم مدرسہ دعوۃ الحق۔ کڈی اتر گجرات
Po. KADI N. GUJRAT PIN, 382715

مولانا فرید الوحیدی (مقیم جدہ)

حضرتِ شیخ

کچھ نقوش و تاثرات

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات گرامی میں ایسی اعلیٰ صفات اتنی خوبی سے جمع ہوگئی تھیں کہ ان کا احاطہ کرنا زبان وقلم کے لیے ایک مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی پوری طرح معلوم ومفہوم ہے کہ ان صفات وخصوصیات کی تفصیل وبیان ایسے شخص کے لیے زیبا ہے جو خود بھی اپنے اندر اتنی اہلیت رکھتا ہو کہ ان اعلیٰ اقدار کی عظمت اور شان کو پوری طرح نہیں تو کچھ ضرور سمجھتا ہو اور پھر تحریر وبیان کا بھی سلیقہ اس کے اندر موجود ہو۔ مگر راقم الحروف اس حقیقت کو پوری طرح سمجھتے ہوئے اور اپنی عدم صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے مشاہدات اور احساسات اس لیے سپرد قلم کردینا چاہتا ہے کہ ایسی عظیم شخصیتوں کے تذکرے بے شمار افراد اور اجتماعات کی زندگیاں اور تاریخ سدھار دیتے ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتیں جو اہم شخصیتوں کی توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔ پیچھے پیچھے چلنے والے معمولی لوگ انھیں محفوظ کرلیتے ہیں اور پھر وہ تاریخ وسوانح کا قیمتی جزء بن جاتی ہیں۔ یہ یاد نہیں کہ میں نے حضرت شیخ رحمۃ کو پہلی بار کب دیکھا تھا۔ اس لیے کہ شعور کی زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی مجھے خدمت عالیہ میں حاضری کے مواقع نصیب ہونے لگے تھے۔ مگر بہت بچپن کی ایک صاف تصویر آج

بھی پورے آب و تاب کے ساتھ ذہن میں جلوہ گر ہے۔ کسی سفر میں اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ دیوبند سے سہارن پور حاضر ہوا۔ اسٹیشن پر صلحاء، علماء، اور شرفاء و اعیان کا ایک مختصر سا مجمع استقبال کے لیے صف بستہ تھا۔ اس مجمع کے وسط میں ایک بزرگ جو تمام افراد میں بہتوں سے کم عمر لگتے تھے۔ اور سب سے معمولی کپڑے پہنے تھے۔ اور محبوبیت، وقار اور عظمت ان کے چہرے پر برس رہی تھی نظر آئے۔ بچپن کی عمر تھی۔ سیر و تماشے کا شوق بلکہ ولولہ شباب پر تھا۔ اور پھر سہارن پور کا اسٹیشن گوناگوں تماشوں سے بھرپور تھا۔ مگر میری توجہ اور نظریں آپ کی شخصیت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ کسی صاحب نے بڑے اشتیاق سے پوچھا کہ دوہرے بدن، سرخ و سفید رنگت، سیاہ چمکدار داڑھی، شفقت و مروت کی تصویر جاذب نظر نگاہوں والے گہرے کتھئی رنگ کے موٹے کھدر کا ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنے اور اسی رنگ کی معمولی ململگی ٹوپی اوڑھے ہوئے۔ ہاتھوں میں معمولی سی مولویانہ چھڑی لیے ہوئے، گاؤں کے بنے ہاتھ کے سلے اور سرخ رنگ کے جوتے پہنے ہوئے یہ بزرگ کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ مولوی زکریا صاحب ہیں۔ اس وقت تک شیخ جوان تھے یا شاید جوانی کی حدود کو پار کر رہے تھے۔ اور مولوی یا مولانا زکریا صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ الحدیث یا شیخ کا لقب اس کے بہت بعد میں مشہور ہوا۔ اور ایسا مشہور ہوا کہ دوسرے بزرگ مخصوص نسبتوں سے متعین کیے جاتے تھے۔ مگر مطلق "شیخ" یا "شیخ الحدیث" کا اطلاق آپ ہی پر ہوتا تھا۔

حضرت مدنیؒ آپ سے ایسی محبت اور مسرت سے ملے، جیسے ایک عرصہ دراز کے بعد کسی بڑے عزیز رفیق سے ملاقات ہوئی ہو۔ خوب یاد ہے کہ مجھے بہت حیرت اور اچنبھا محسوس ہوا کہ میرے حضرت قدس سرہٗ شیخ سے بہت بے تکلفی اور شگفتگی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ میرے حضرت کے رکھ رکھاؤ کا ایک خاص انداز تھا چہرے پر ایک نہایت شگفتہ مسکراہٹ مرتسم رہتی تھی۔ مگر گفتگو ہر ایک سے نہایت احتیاط اور احترام سے اور سنجیدگی سے کیا کرتے تھے۔ اس لیے میری حیرت بجا تھی۔

اس کے بعد یہ دیکھا کہ مولوی زکریا صاحب نے حضرت کو اپنے کچے گھر میں اتارا۔ مٹی کی معمولی دیواریں، لکڑی کی چھت، چٹائیوں کا فرش اور لپٹے ہوئے لحافوں کے گاؤ تکیے۔ یہ اس دولتکدے کی شان تھی۔ ہمارے حضرت بڑے انبساط اور بے تکلفی سے ایک چٹائی پر رونق افروز ہو گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ایک معمولی سا دستر خوان بچھ گیا۔ حضرت شیخ خود ہی حویلی میں سے کھانا لے آئے۔ ایک ڈلیا میں گرم گرم روٹیاں اور ایک بڑی سی پلیٹ میں سالن۔ حضرت مدنی نے بڑی رغبت سے کھانا تناول فرمایا۔ شاید دس پندرہ منٹ میں کھانا ختم ہو گیا۔ اور ہم سب اگلی ٹرین کے لیے اسٹیشن آگئے۔ اس وقت تو تعجب ہی ہوا تھا کہ اسی ضیافت کے لیے ہم لوگ اسٹیشن سے یہاں تک آئے تھے۔ مگر بعد میں جب حضرت شیخ کی عظمت و شہرت کا سکہ دور دور تک چلنے لگا تو یہ دیکھا کہ اسی کچے گھر میں۔ انہی چٹائیوں پر اور اسی سادہ سے کھانے پر بڑے بڑے رؤسا، امراء، وزراء، علماء و صلحا جمع ہوتے تھے۔ اور حاضری کو متاع دین و دنیا خیال کرتے تھے۔ شیخ کی مہمان نوازی اور سادگی عدیم المثال تھی۔ دوپہر کو دستر خوان بچھتا تھا۔ اور ہر کس و ناکس کی عام ضیافت ہوتی تھی۔ مہمانوں کا کھانا مولوی نصیر الدین مرحوم کے اہتمام میں پکتا تھا۔ وہ دور بیٹھے ہوئے کھانا نکال کر بھیجتے جاتے تھے اور خود بھی کھاتے جاتے تھے۔ یکے بعد دیگرے جماعتیں بیٹھتی تھیں اور فارغ ہو کر اٹھتی جاتی تھیں اور مولوی صاحب خاموشی کے ساتھ بڑے نظم کے ساتھ ہر فرد کو بقدر ضرورت رسد پہونچاتے رہتے تھے۔ حضرت آخری مہمان تک کھانے میں شریک رہتے تھے۔ ایک خاص شان دستر خوان کی یہ تھی کہ لوگ اور بڑے بڑے لوگ اپنے گھروں سے اور بعض دوسرے شہروں سے اپنے کھانے لیکر شیخ کے دستر خوان پر شرکت کے لیے آتے تھے اور معیت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ وہ فراخی، وہ شان اور کھانوں کی وہ لذت اور مہمان نوازی میں وہ دل نوازی نہ پہلے کہیں نظر آئی اور نہ بعد میں دیکھنے کو ملے گی۔

بات میں بات نکلتی ہے مولوی نصیر الدین مرحوم کا نام آگیا تو جی چاہتا ہے کہ اُن کا بھی تھوڑا سا تذکرہ ہو جائے۔ ایسا مخلص، ایسا خادم اور ایسا صاف ستھرا انسان جیسے مولوی نصیر الدین تھے۔

بڑی مشکل سے نظر آئیں گے۔ شیخ کی خدمت میں انھوں نے تمام عمر گذاری۔ صحیح معنوں میں وہ مزاج شناس تھے۔ اور ان کے تمام تفکرات اپنے سر لے کر انھوں نے اپنے مخدوم کو پوری طرح بے فکر کر رکھا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اپنے ہاتھوں سے کھلاتے تھے اور شام کو عصر بعد حضرت شیخ کی عام مجلس میں چائے بھی اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلایا کرتے تھے۔ مجمع سے دور ایک کونے میں برتن، دیگچیاں اور انگیٹھی لیے بیٹھے رہتے تھے۔ اور بغیر سر اٹھائے ہوئے ہر ہر فرد کو اس کے مناسب حال کھانا چائے اور لوازمات پہنچاتے رہتے تھے۔ حضرت شیخ بھی مروت و دلداری کے پتلے تھے۔ اپنے سبھی خدام اور منتسبین و متعلقین کی پوری سرپرستی فرماتے تھے، مولوی نصیر الدین مرحوم کی بھی بے مثال قدر دانی کرتے تھے۔ ہر چند کہ مولوی صاحب شیخ کے چشم و ابرو کے اشارے پر چلتے تھے مگر کبھی کبھی حضرت کے مزاج کے خلاف بھی کچھ اقدامات کر لیتے تھے۔ مولوی صاحب کو یہ بات پسند نہ تھی کہ شیخ کی بے حد مقبول و مشہور اور کثیر الاشاعت کتابوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں۔ حضرت شیخ کے کتب خانہ یحیوی کے اور انکی تصانیف کی طباعت اور فروخت کے وہی ذمہ دار تھے۔ اور چونکہ بہت منتظم، باصلاحیت اور فعال تھے اس لیے تجارت اور انتظامات کے بڑے بڑے معاملات انگلیوں پر گن کر بتلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی دلیل یہ تھی کہ اگر بچاسوں ناشرین حضرت شیخ کی کتابیں چھاپنا بند کر دیں تو شیخ کے کتب خانہ سے لاکھوں کتابیں ماہوار شائع ہوں گی۔ اور پوری صحت اور خوبی کے ساتھ چھپیں گی۔ اور ایک مرتبہ مرحوم نے ناشرین کے خلاف کچھ کارروائی بھی کی۔ وہ لوگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مولوی صاحب مرحوم کو سختی کے ساتھ تنبیہ کی اور اعلان شائع کر دیا کہ میری تمام تصانیف ہر شخص بلا اجازت شائع کر سکتا ہے۔ اسی قبیل کے بعض دوسرے معاملات تھے جن میں حضرت شیخ مولوی صاحب کی سختی کے ساتھ گرفت فرماتے تھے۔ مگر فوراً نہایت شفقت کے ساتھ معاف فرما دیتے تھے۔ مولوی صاحب کے وصال کے بعد میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور شیخ کی خدمت میں کچھ تعزیتی

کلمات عرض کیے۔ تو آپ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور بڑی دیر تک ان کا تذکرہ کر کے آنسو بہاتے رہے۔ اپنے خدام کی جتنی دلداری اور حوصلہ افزائی میں نے شیخ کو کرتے دیکھا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ حسن اخلاق، عالی ظرفی، مروت اور شرافت حضرت شیخ کی وہ صفات حسنہ تھیں کہ ان کا تذکرہ ایک مستقل کتاب بن سکتا ہے۔ مگر حدیث و سنت کے مسلسل اور غیر منقطع اشتغال اور اس میں درجۂ فنائیت اور تصوف و طریقت میں انہماک اور اس کے اعلیٰ مدارج نیز خدمت دین اور اصلاح امت کے اولوالعزم اور باہمت استغراق نے حضرت کو ان میدانوں میں سیادت و امارت کے درجہ تک پہونچا دیا تھا۔ اور عام لوگوں کی نگاہیں انھی بلند مناصب پر مرکوز رہتی تھیں۔ شیخ نے بھی زندگی کے تمام مشاغل، بشری ضروریات اور خواہشات کے تمام تر تقاضے اپنی ابتدائی زندگی ہی سے تدریس حدیث اور اس کے مکمل اشتغال میں حرج واقع ہونے کے خطرہ کے پیش نظر پس پشت ڈال دیے تھے۔ بلکہ ترک فرما دیے تھے۔ راقم الحروف کی حیثیت ہی کیا اور اس کی زندگی اور نظر کی قیمت کیا؟ مگر پھر بھی گردش شب و روز کے پچپن چھپن سال شیوخ اور علماء کے درباروں میں اور مدرسوں اور خانقاہوں کی روح پرور فضاؤں میں گذرے ہیں۔ اور ایسے اعیان امت دیکھے کہ ان میں سے بہتوں کو میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں اپنی رائے کے اظہار میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور آج بھی اعتراف ہے کہ ضروری نہیں کہ میری یہ رائے صحیح ہی ہو کہ میں نے اپنی زندگی میں حضرت شیخ الحدیثؒ جیسا زاہد، متقی، تارک خواہشات و لذات دنیا اور وقف فی خدمت الحدیث و السنہ نہیں دیکھا۔ ان کی زندگی میں بارہا ان کے ترک دنیا پر غور کیا۔ اور فرط محبت میں کبھی کبھی عرض بھی کیا کہ کچا گھر پکا بن جائے۔ اور عزیز گرامی صاحبزادہ میاں طلحہ سلمہٗ کے لیے کتب خانہ کا کوئی بہتر نظم قائم ہو جائے مگر آپ کے جواب سے ہمیشہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ حضرت نے زندگی علوم حدیث کی خدمت ہی کے لیے وقف کر دی ہے اسی کے لیے جیتے ہیں اور اسی راہ میں اپنے مولیٰ سے جا ملیں گے۔ تدریس حدیث اور اس کے ایک اہم

مرکز مدرسہ مظاہر علوم میں نظم و ضبط قائم کرنے میں شیخ کو کس قدر انہماک تھا۔ اور کس قدر اہتمام کے ساتھ مدرسہ کی جزئیات، انتظامات اور علما، و شیوخ کی رہنمائی فرماتے تھے، یہ آپ کی زندگی کا ایک اہم اور مفید ترین کارنامہ ہے اس کی تفصیل کما حقہٗ بیان کرنے کے لیے ایک کتاب درکار ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے شیخ مدرسے کے نہ مہتمم تھے نہ کوئی قانونی عہدہ آپ کے سپرد تھا۔ مگر مدرسہ میں کوئی ایسا اقدام اور حرکت گوارا نہیں فرماتے تھے جس سے درس و تدریس اور اشاعت علوم دینیہ میں کوئی خلل واقع ہو۔ اور اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ کے دور طلبہ اور آپ کے شاگردوں میں ایک بڑی تعداد شیوخ، علما حق، محدثین، فقہا اور مصلحین اُمّت کے مناصب جلیلہ پر فائز ہے۔ شیخ اپنے کچے گھر میں تشریف فرما رہتے تھے اور مدرسین، ذمہ داران اور خود ناظم و مہتمم صاحبان مدرسے کے ہر معاملے میں حضرت کے مشوروں اور نصائح سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ آخر میں جب حضرت شیخ نے محسوس فرمایا کہ بعض مصلحتوں کی بنا پر مدرسہ سے براہ راست اور اندرونی تعلق کے بجائے باہر رہ کر ہی مدرسہ کی خدمت اور نگرانی زیادہ مناسب ہوگی ـــــــ تو نہایت خاموشی سے آپ نے اپنے کو مدرسے سے اور اس کے معاملات سے علٰحدہ کرلیا۔

درس حدیث اور خدمت مدرسہ کے ساتھ تشریح و تعلیق حدیث کی تحریری خدمت جو شیخ نے تمام عمر انجام دی وہ بھی آپ کی تاریخ زندگی کا ایک سنہرا باب ہے۔ جس انہماک کے ساتھ اور جس شوق و لگن کے ساتھ حضرت حدیث شریف کی تحریری خدمتیں انجام دیتے تھے ان کو سامنے رکھیے تو دل پکار اٹھے گا کہ شیخ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے اسی خدمت میں ہمہ تن وقف ہو جانے کا نتیجہ تھا کہ کسی بھی غیر شرعی ضرورت کے لیے شیخ کبھی سفر نہیں فرماتے تھے۔ عزیز و اقارب، مریدین و منتسبین، دینی و علمی اجتماعات، غرض ہر ایسے تقاضے کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ جس سے تدوین و کتابت حدیث اور تدریس دین میں حرج واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہو۔ ایک بار حجاز کا سفر بھی اسی خطرہ کے پیش نظر ملتوی ہوگیا تھا حالات ساز گار رہوں۔ آسانیاں

میسر ہوں۔ چاروں طرف سے حوصلہ افزائیاں ہوں اور پھر کوئی علمی اور دینی خدمات تحریری شکل میں انجام دے یہ بھی اہم کام ہے مگر زیادہ مشکل نہیں ہے۔ لیکن جس بے سروسامانی اور زہد وتقشف کے ماحول میں شیخ تمام عمر حدیث اور سنت سے متعلق تحریری کام کرتے رہے یہ صرف مجاہدین فی سبیل اللہ۔ اولیائے کرام، اور مجددین امت ہی کے مقدر کا حصہ ہے۔ صبح کو ایک پیالی چائے نوش فرما کر اور معمولی سا کچھ ناشتہ کرکے شیخ اپنی لائبریری میں تشریف لے جاتے تھے۔ خوب غور فرمالیں کہ "معمولی ناشتہ" کا ترجمہ ایک آدھ توس، دو چار بسکٹ اور ایک ابلا ہوا یا فرائی کیا ہوا انڈہ نہیں بلکہ باسی روٹی اور رات کے بچے ہوئے سالن کے دو چار نوالے ہیں۔ ہندوستان میں تو صرف سنا ہی تھا کہ بعض مصلحین امت تالیف وترتیب کے کام اس شان سے کرتے ہیں۔ اور باہر نکل کر دیکھا بھی کہ یہ لائبریریاں شان وشوکت اور حیثیت وامارت کا اشتہار لگتی ہیں۔ جن میں نفیس کتابیں قیمتی جلدوں اور قیمتی الماریوں میں سجی ہوتی ہیں۔ بیش قیمت میزیں اعلیٰ درجہ کے قلم، گھڑیاں، کلینڈر، قلم دان، انٹرکام کمیونیکیشن سسٹم قالین، کرسیاں قرینے سے سجی ہوئی ہیں۔ ملحقہ کمرے میں چپراسی اور پی اے چشم وابرو کے اشاروں کے منتظر حاضر بلکہ استادہ ہوتے ہیں۔ مگر شیخ کی یہ "لائبریری" کتب خانہ یحیوی کے بالاخانے پر ایک پرانی کوٹھری تھی۔ اس میں چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تپائیوں پر کتابوں کے انبار تھے جن میں آدھی کتابیں بغیر جلد کی نظر آتی تھیں اور باقی پرانی اور بوسیدہ جلدوں کی مرہون منت تھیں۔ کلک کے چند قلم ہوتے تھے اور کالی روشنائی کی ایک دوات۔ اس لائبریری میں جانے کی عام اجازت نہیں تھی۔ بہت خاص لوگ خاص ہی حالات میں حاضر ہوتے تھے۔ کھڑے کھڑے دو باتیں کرکے سلام کرکے واپس ہوجاتے تھے۔ مجھے بھی زندگی میں ایک بار یا دو بار دروازے تک حاضری اور سلام کا شرف حاصل ہوا ہے۔ دیکھا کہ حضرت شیخ کتابوں کے انبار بلکہ علوم حدیث کے سمندر میں غرق ہیں۔ شدید گرمی کا زمانہ ہے۔ کمرے میں نہ پنکھا ہے نہ خسخانہ ہے نہ کولر ہے اور نہ ایرکنڈیشنر ہے۔ سر سے پاؤں تک پسینہ بہہ رہا ہے۔ اور حضرت شرح حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ میں مصروف۔ ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ اگر کتابوں کی تجلید ترتیب کا اہتمام

ہو جائے تو آسانی ہو جائے۔ فرمایا کہ یہ تکلفات کروں تو ایک مستقل آدمی بھی چاہیے۔ اور پھر آدھے سے زیادہ وقت ان ترتیبات کی رعایت ہی میں گذر جائے۔ اس لیے مجھے اس میں بہت آسانی ہے کہ اپنے ہی ہاتھ سے رکھی ہوئی کتاب آنکھ بند کر کے نکال لیتا ہوں اور کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ وہ ماحول تھا اور یہ علمی مقام تھا جس میں الکوکب الدری اوجز المسالک، لامع الدراری، حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی تالیفات عمل میں آئیں۔ مجھے اور مجھ جیسے لاکھوں آدمیوں کو نہ ان تالیفات عالیہ کی قدر و منزلت کا پوری طرح اندازہ ہے اور نہ ان علوم سے کما حقہٗ واقفیت ہے۔ میں نے تو بس یہ دیکھا کہ اکابر امت اور اسلاف کرام میں حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہٗ اور بہت سے دوسرے مشائخ اور اکابر نہ صرف یہ کہ شیخ الحدیث کو محترم و موقر رکھتے تھے بلکہ مسائل علمیہ اور اشکالات حدیث وسنت کے بارے میں آپ سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ کوئی مخصوص واقعہ حوالہ اور اشارہ کے ساتھ مجھے یاد نہیں ہے۔ اس لیے افسوس ہے کہ میں یہ بات سند کے ساتھ نہیں لکھ سکتا مگر مجھے یاد ہے کہ بعض معاملات ومسائل علمیہ میں ان اکابر نے یا ان میں سے بعض نے شیخ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ شیخ عمر کے اعتبار سے ان سب حضرات سے چھوٹے تھے۔ اور بعض کے سامنے کے تو کھیلے ہوئے تھے مگر یہ سب حضرات آپ کے ساتھ توقیر و احترام کا معاملہ کرتے تھے اور مشائخ و اکابر کے درجہ میں شمار کرتے تھے ــــ متاخرین اور بعد کے زمانے کے اعیان امت مثلاً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہم اور بعض دوسرے مفکرین و مشاہیر کو جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر اکابرین امت میں شمار ہے دیکھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں خادمانہ حاضر ہوتے رہے اور استفادہ اور توجہات کے طالب رہے۔ محدث عصر کی حیثیت سے شیخ کا صحیح مقام و مرتبہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنکی زندگی خود اس خدمت گرامی میں مصروف ہو۔ ہم جیسے عام آدمی کے لیے یہی مذکورہ اشارات اور نشانیاں اس امر کی واضح علامت ہیں کہ کل جب اعمال و اوقات کا حساب و کتاب ہوگا

تو ہمارے شیخ مرتبین و شارحین و حفاظ و رواۃ و خدام حدیث نبوی کی صف میں کھڑے ہوں گے اور ساتھ میں خدام کا بیڑا بھی پار ہو جائے گا کہ امید قوی ہے کہ ہمارے حضرت کا شمار "ھم القوم لا یشقی جلیسھم" میں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس خدمت جلیلہ کے علاوہ طریقت و رشد و ہدایت کی تاریخ میں بھی حضرت شیخ کا مرتبہ ہمیشہ تاباں و نمایاں رہے گا۔ تربیت کا ایک انداز تو مقامات سلوک طے کرانے کے لیے ریاضت و مجاہدات کا ہے۔ جس کی ضرورت و اہمیت سے کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا اور جو مدارج عالیہ پر فائز ہونے کا مجرب طریقہ ہے۔ ہمارے مشائخ و اکابر میں بیشتر کا یہی طریقہ رہا ہے اور اسی راستے سے لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا فیضیاب و کامیاب ہوئے ہیں۔ مگر ایک طریقہ مریدین و منتسبین و معتقدین کے عام اسلامی اخلاق کی نگرانی اور عمومی توجہات کے ذریعہ اصلاح و تہذیب کا بھی ہے۔ ہر چند کہ مکمل تزکیہ کے لیے پہلا ہی طریقہ متبع ہے۔ لیکن عمومی اصلاح اور تزکیہ باطن کے مقاصد کے لیے دوسرا مسلک بھی آسان اور موثر ہے۔ نیز ان کا نفع بھی عام ہے۔ میں نے یہی دیکھا کہ حضرت قدس سرہ کا تعامل اسی موخر الذکر طریقہ پر تھا جس سے لاکھوں طالبین حق کو فیض پہونچا ہے۔ تربیت کے لیے شدت، سختیاں، قانونی پابندیاں، زجر و توبیخ یہ سب کچھ نہ تھا۔ بس خود شیخ کی زندگی اور ان کی مجلس، زہد و قناعت، پابندیٔ اوقات اور استغراق فی العبادات یہی وہ عوامل تھے جن سے واردین و صادرین اور جملہ مریدین خانقاہ بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔ عمر کے آخری بیس پچیس برس کی تو بات ہی اور تھی۔ خشیت و تضرع و زاری کی وجہ سے ہڈیاں بھی گھل گئی تھیں۔ مگر عبادت اور یاد الٰہی میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ اگر بشری مجبوریاں مانع نہ ہو جایا کرتیں جیسا کہ پیشاب کا تقاضہ ہوتا تھا اور روکنے پر پوری طرح قدرت نہیں رہی تھی تو یقیناً پورا پورا دن اور پوری پوری راتیں نوافل، ذکر، مراقبہ اور تسبیحات میں گذر جاتیں۔ اس آخر دور میں راقم الحروف نے زیادہ تر حضرت کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہی میں دیکھا ہے۔ جب حضرت یہاں ہوتے تھے تو میری طبیعت پر شیخ کی زیارت کا شوق طاری رہتا تھا۔ مجھے اس پر تنبہ اور تاسف ہوتا

تھا کہ مدینہ اور مکہ کی حاضری میں شیخ کی زیارت کا شوق اور خیال طاری رہتا ہے۔
اپنے دل میں تو میں یہ تاویل کر لیتا تھا کہ یہ بھی فضل خداوندی اور تعلق مع اللہ کی علامت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا ایک بار عرض بھی کیا کہ دو گونہ رنج و عذاب ست جان مجنوں را۔ آپ نے اس پر تنبیہہ نہیں فرمائی تو اطمینان ہو گیا۔ یہیں میں حضرت کو عبادتوں میں مشغول دیکھتا تھا۔ کئی کئی گھنٹے متواتر قدوم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوافل میں مشغول رہتے تھے یا ساکت و جامد مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ دن و رات کا ایک لمحہ بھی عبادات کے علاوہ کسی مشغولیت میں گذارنا گوارہ نہیں فرماتے تھے، مغرب کے بعد ذکر کا حلقہ قائم ہوتا تھا۔ خدام میں متعدد حضرات مرشدین و مصلحین میں شمار ہونے کے لائق تھے۔
خادم خصوصی برادرم و عزیزم مولانا ابوالحسن صاحب سلمہٗ اللہ عجیب و غریب خادم تھے۔
میں نے ایسا فنا فی الشیخ خادم کم دیکھا ہے۔ ایسے مخلص اور مستعد تھے کہ چشم و ابرو کے اشارے پہچانتے تھے۔ حضرت کو ایسی راحت پہونچائی ہے کہ باید و شاید۔ مجھے حضرت کے سبھی خدام سے عقیدت، محبت اور خصوصیت تھی۔ مگر بعض حضرات مجھ پر بھی نظر کرم فرماتے تھے۔ بھائی ابوالحسن نے بھی ہمیشہ بڑا خیال فرمایا اللہ انھیں رہتی دنیا تک شاد و بامراد رکھے ایک بار میں نے حضرت سے کچھ پوچھا تو فرمایا کہ میں بہت دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ طلحہ (صاحبزادہ حضرت شیخ) اور ابوالحسن کو اولاد کی نعمت عطا فرمائے۔ تو مجھے خیال گذرا کہ حضرت بھی بھائی موصوف کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب سہارن پوری ثم مدنی مدظلہٗ العالی حضرت کے شاگرد رشید اور مجاز ہیں۔ اُن کو میں بڑے بڑوں سے بڑا سمجھتا ہوں اور اب جب دنیا خالی ہو گئی ہے تو ان کو اکابر کی یادگار اور مشائخ امت میں گردانتا ہوں۔ ترک دنیا اور زہد و عبادت میں یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ کے قدم بہ قدم ہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری ثم مدنی مدظلہم بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ جید عالم اور باعمل ہیں اور پھر مزید یہ کہ خدا نے آپ کو کچھ صفات مجذوبیت بھی عطا فرمائی ہیں۔ مسائل دینیہ، سلوک و تصوف اور مسائل حاضرہ میں بڑا درک رکھتے ہیں۔ یہ اور بہت سے دوسرے حضرات کبار حلقہ ذکر اور مجلس میں حاضر

رہتے تھے۔ اور بے شمار لوگ انوار و برکات سے فیضیاب ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں باوجود عجز و مجبوری کے شیخ پابندی سے مسلسل طواف اور سعی فرماتے تھے۔ ہم لوگ جو ہاتھوں پیروں میں حرکت کی نعمت سے بہرہ ور ہیں اِن عبادتوں میں اکثر شرف ہمراہی سے عاجز ہو جاتے تھے۔ اور یہ تو ضعیفی، مجبوری اور معذوری کے زمانے کی باتیں ہیں۔ مگر جب شیخ جوان تھے اس وقت بھی کثرت نوافل، ذوق عبادت اور مجاہدات کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی شوق میں حضرت کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو پیر سوج گئے۔ میرا عنفوان شباب تھا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ مراقبہ میں ایک ہی پہلو پر گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ اور گھنٹوں نمازوں میں کھڑے رہتے تھے۔ اور رکوع و سجود میں جاتے تو کیفیت حضوری میں غرق ہو جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے دل میں اُسی وقت خطرہ گذرتا تھا کہ اس قدر مشقت جسمانی اعضاء و اعصاب کے لئے کہیں مضر ثابت نہ ہو جائیں۔ چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آخر عمر کی معذوری انہی ریاضات اور مجاہدات کا نتیجہ تھی۔ حضرت کی نمازوں، نوافل اور عبادتوں میں خضوع و خشوع اُس حدیث کی کھلی ہوئی تصویر تھی جس میں کانک تراہ فرمایا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے مجاہدات سے، اپنی تحریروں سے، مجالس میں ہلکے پھلکے انداز میں اصلاح و تلقین کی باتوں سے اور اکابر کی کتابیں پڑھوا کر سن کر اور سنوا کر اور اپنی زندگی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ پیش فرما کر اور آخر عمر میں دور دور کے اور سمندر پار کے ملکوں کے سفر کی مشقت اور شدائد برداشت کر کے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ شریعت و طریقت اور تربیت و تصوف کی برکات اور منافع سے لاکھوں بلکہ کروڑوں کو فیضیاب کر گئے، اور مٹی کو اپنے لہو سے چمن زار بنا گئے۔

حضرت شیخ کے کارناموں کے تذکرہ میں آپ کی عام فہم مجموعات حدیث، مجموعۂ فضائل اور حکایات صحابہ کا بھی ایک مستقل باب ہے۔ صحیح العقائد اور دینی ذوق رکھنے والے عوام و خواص کو ان رسالوں سے بے حد نفع پہنچا ہے۔ خاص طور پر حکایات صحابہ، اور فضائل نماز کی مقبولیت اور اشاعت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ حضرت کی تحریروں میں سادگی، دل نشینی، اور عام فہم اسلوب کا ایک خاص انداز تھا اس کے علاوہ اخلاص و

للہیت کی برکاری بھی تھی کہ دل کی باتیں دل میں اترتی چلی جاتی تھیں۔ آخر کی ایک کتاب "یاد ایام" جو خود نوشت سوانح عمری ہے وہ تو بے مثال تالیف ہے۔ اور حقیقت میں یہ نہ تحریر ہے نہ تالیف ہے اور نہ تصنیف ہے۔ صرف ایک مسلسل گفتگو ہے۔ اسی گفتگو میں ساری کہانی آگئی ہے اور ایک طویل زندگی کی مکمل تصویر کھینچ گئی ہے۔ اور زبان بھی اطراف سہارن پور اور مظفر نگر کے مخصوص لہجے میں ہے۔ کتاب ایک مرتبہ ہاتھ میں آکر چھوٹتی نہیں۔ اور جتنی مرتبہ پڑھی جائے نئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نیز جب بھی پڑھی جائے سیرت و اخلاق، اعمال و عقائد میں پختگی نصیب ہوتی ہے۔ اُردو زبان کا دامن بہت کوتاہ ہے اور پھر دینی حلقہ کا دائرہ اور بھی تنگ تر ہے ورنہ یہ آٹو بائیگرافی سیر و سوانح کی صف میں نو ایجاد اسلوب اور مکمل ترین سوانحی خاکوں میں شمار ہوتی۔

بات طویل ہوتی جاتی ہے۔ مگر حضرت شیخ کے ایک عظیم ترین کارنامہ کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔ تاریخ کے صفحات میں شیخ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک درخشاں رہے گا اور اصحاب بصیرت و بصارت اس کو حضرت کا مجددانہ کارنامہ قرار دیں گے۔

شیخ سیاسی آدمی نہیں تھے۔ اور عمر بھر کسی سیاسی جماعت یا تنظیم سے تعلق نہیں رکھا۔ سیاسی سرگرمیوں میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ مگر میرے شیخ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے غایت درجہ کا اخلاص اور تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مدنی کا سیاسی مسلک واضح اور ظاہر تھا وہ اس باب میں کسی رعایت و رواداری کے قائل نہ تھے۔ وہ انڈین نیشنل کانگرس اور ہندوستان کے متعدد چوٹی کے لیڈروں کی طرح صرف ہندوستان میں برطانوی حکومت کے دشمن نہ تھے بلکہ پورے برطانوی استعمار ہی کے شدید مخالف بلکہ دشمن تھے اور ان کے پاس حوالوں اور اعداد و شمار سے اس کے دلائل تھے کہ برطانوی پالیسی نے خلافت اسلامیہ اور اسلامی سلطنتوں کو کس طرح ختم کیا اور ممالک اسلامیہ کو کس قدر شدید نقصانات پہونچائے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی بقا اور استحکام کے لیے انھوں نے پوری دنیا میں برطانوی پالیسی کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ انھیں یقین تھا اور اس کو بدلائل قاطعہ ثابت کرتے تھے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت

کے استیصال کے ساتھ ہی پوری دنیا سے برطانوی استعمار کی جڑیں کھد جائیں گی۔ اور ملت اسلامیہ کو سب سے بڑے دشمن سے نجات مل جائے گی۔ ان کا یہ نظریہ واضح اور شائع تھا کہ ہندوستان کے ذرہ ذرہ سے ہماری زندگی وابستہ ہے اور پورے ملک پر ہمارا حق ہے اس لیے یہ بات ملت اسلامیہ کے حق میں نہیں ہے کہ ملک کے ایک بڑے جز سے مکمل طور پر مسلمان دست بردار ہو جائیں۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ جو طاقتیں افراد و آحاد۔ برطانوی حکومت کی کسی درجہ میں حلیف و مددگار ہیں وہ کبھی ملت اسلامیہ کی ترقی و بقا کے لیے کام نہیں کر سکتے۔ اپنے ان نظریات کی بنیاد پر حضرت مدنیؒ ہر اس جماعت اور فرد کے ہر اس اقدام میں تعاون فرماتے تھے جس کی زد برطانوی حکومت پر پڑتی تھی ——— ان چند سطور سے حضرت مولانا حسین احمدؒ کا تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ (اور چند سطروں یا ایک مقالہ میں یہ ممکن بھی نہیں ہے) مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اس وقت کے حالات میں حضرت مدنی سے ارادت و عقیدت رکھنا اور علانیہ طور پر تعلق اور وہ بھی گہرا تعلق رکھنا آسان کام نہ تھا۔ مگر حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ حضرت مدنی سے نہ صرف غایت محبت و تعلق رکھتے تھے بلکہ تمام عمر عقیدت و محبت کا رشتہ استوار رکھا۔ اور ان کے حکم کی بجا آوری کو اپنے لیے باعث شرف جانا۔ حضرت مدنی کی اتباع ہی میں شیخ ہمیشہ کھدر کے سودیشی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔

حضرت مدنی کے وصال پر شیخ فوراً ہی تشریف لے آئے۔ اُس حجرہ میں داخل ہوئے جہاں جسد مبارک رکھا تھا چہرے سے چادر ہٹائی اور حضرت کی پیشانی کو بوسہ دے کر ایسا روئے کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ ایک بار کہیں جاتے آتے جدہ سے گذر ہوا۔ مولانا مولوی شمیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ اگر تجھے کہیں جانا ہو تو آدھ گھنٹے تک ملتوی کر دے اور گھر پر رہ۔ میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں مامور ہوں وجہ نہیں بتا سکتا۔ تھوڑی دیر میں شیخ بحالت معذوری و مجبوری غربت کدہ پر رونق افروز ہو گئے۔ میں نے اپنی خوش نصیبی پر فرط مسرت سے باچشم نم عرض کی کہ باوجود انتہائی خواہش اور شوق کے

میرے دل میں یہ داعیہ نہیں پیدا ہوا تھا کہ حضرت میرے لیے ایسی زحمت برداشت کریں۔ آپ کے قیمتی ترین وقت کی اضاعت اور تکلیف سے مجھے بڑی ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ اس پر آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ میں حضرت مدنی کی آنکھیں میں بھول سکتا۔ نہ آتا تو کل انشا، اللہ جب حضرت سے ملاقات نصیب ہوتی جس کا حضرت نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے تو کیا جواب دیتا۔ اور دیکھ پیارے! بلا اطلاع آکر میں نے بدلہ لے لیا ہے۔ حضرت مدنی ہمیشہ میرے یہاں بلا اطلاع ہی رونق افروز ہوا کرتے تھے[لے]۔ یہ باب بھی بڑی تفصیل و تطویل کا محتاج ہے۔ اصل غرض اس تمہید کی یہ واقعہ بیان کرنا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم کا واقعہ پیش آیا۔ اور بڑے بڑے مدعیان اصلاح امت جو تقسیم سے پہلے تقسیم اور پاکستان کے مخالف تھے اپنی اپنی مصالح ومقاصد کے لیے پاکستان روانہ ہوئے تو حضرت شیخ دہلی میں قیام فرما تھے۔ ایک قیامت صغریٰ کا سماں تھا۔ ہزاروں مجبور افراد، بے سروسامان خاندان اور لٹے پٹے قافلے پرانے قلعے اور ہمایوں کے مقبرے میں جمع ہوتے تھے اور اسپیشل ٹرینوں پر پاکستان روانہ ہوتے تھے۔ حسن اتفاق سے حضرت ان کیمپوں کے قریب ہی مرکز تبلیغ میں قیام پذیر تھے۔ صورت حال ایسی تھی کہ بڑے بڑوں اور اچھے اچھوں کے قدم اختیاری اور اضطراری طور پر اکھڑ رہے تھے۔ مگر شیخ مکمل اعتماد و اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ پر ثابت رہے اور اپنے معتقدین منتسبین کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کی تاکید و تلقین فرماتے رہے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ شیخ کے ثبات کے نتیجہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ اور ملت اسلامیہ ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہوتے ہوتے رہ گئی اگر مرکز تبلیغ بھی اکھڑ جاتا۔ جس کے اندیشے اور اس کے سنگین نتائج کے تصور

لے واضح رہے کہ صاحب مضمون حضرت مدنی کے حقیقی بھتیجے مرحوم مولانا وحید احمد مدنی اسیر مالٹا کے صاحبزادے ہیں۔ لیکن ان کی پرورش اولاد ہی کی طرح حضرت مدنی کے ہاں ہوئی ہے۔

الفرقان

سے بہت سے اہل نظر خوفزدہ اور پریشان تھے۔ تو پوری دلی خالی ہو جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ دلی خالی ہونے کے نتائج کہاں تک ممتد ہوتے۔ مرکز تبلیغ کے حفاظت اور اسکے جماؤ میں شیخ کی دعاؤں اور سرپرستی کا بڑا حصہ ہے۔ دلی کی طرف سے کچھ اطمینان ہونے پر شیخ نے سہارن پور کا قصد فرمایا۔ دلی تو پھر بھی نشانے سے کچھ ہٹ کر تھی۔ مگر سہارن پور تو عین زد پر تھا۔ زخم خوردہ اور پاکستان سے اجڑے ہوئے ہندو اور سکھ پناہ گزینوں کا پہلا اسٹیشن سہارن پور ہی تھا۔ اس وقت سہارن پور میں قیام آگ اور موت کے دریا میں کود جانے کے مرادف تھا۔ ایسے میں حضرت شیخ نے مؤمنانہ تڑپ للہیت اور عزم کے ساتھ سہارن پور کی طرف کوچ کیا۔ اور متوکلاً علی اللہ قیام کا فیصلہ کر کے اس مرد خدا اور مجاہد حق آگاہ نے اپنی چٹائی زمین پر بچھا دی۔

یہی ہے سیر فقیروں کی اور یہی فریاد   زمیں پہ بیٹھ گئے سوئے آسماں دیکھا

عزم و ہمت میں بڑی طاقت ہے اور پھر اللہ والوں کے عزائم سے تو قوموں کی تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں، چنانچہ بھاگتے ہوئے قافلے رک گئے۔ اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور سونتی ہوئی تلواریں میان میں واپس چلی گئیں۔ عین انہی حالات میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ موت اور خطرات کے اندیشوں سے بے فکر ہو کر سہارن پور آ گئے۔ اور حضرت شیخ اور حضرت رائے پوری کو بلا کر مشورہ فرمایا۔ اور کہا کہ میں نے ہر حالت میں ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ دونوں حضرات جو راستہ چاہیں اختیار فرمائیں۔ اس پر شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ میں تو آپ کے ساتھ ہوں جو فیصلہ آپ کا وہی میرا، حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ میں بھی آپ دونوں کے ساتھ ہوں۔

حالات کے بگڑنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کلکتہ سے گرم ہوائیں بہار تک آ پہونچی تھیں اگر آگ کی لپٹیں سہارن پور میں اپنے جسموں پر نہ روک لی گئی ہوتیں تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔ مگر اس فیصلہ کے قرار پانے اور اس کا اعلان ہوتے ہی نقشہ بدل گیا۔ فضاؤں کی تپش میں کمی آ گئی۔ گاندھی جی کی قربانی اس کے بہت بعد میں پیش آئی۔ تاریخ اس بات کی گواہی دے گی ہندوستان کے مسلمانوں اور پورے ملک پر

بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر ان تینوں بزرگوں اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کا یہ عظیم احسان ہے۔

یہ ملت جب کبھی اپنی زیاں کاری کو جانے گی

وجود ان بزرگوں کا معجزے سے کم نہ مانے گی

کہانی بڑی لمبی ہے کوئی کہاں تک کہے اور کوئی کب تک سنے قصہ مختصر کرنے کے لیے عرض کرتا ہوں کہ ایک دن بیٹھے بیٹھے دل ایسا گھبرایا کہ راقم الحروف نے مدینہ طیبہ کے لیے اچانک رخت سفر باندھ لیا۔ اہلیہ نے کہا کہ کئی دنوں سے میری طبیعت بے چین ہے میں بھی چلوں دربار اقدس میں سلام بھی ہو جائے گا اور اپنے پیر کی خدمت میں حاضری بھی نصیب ہو جائے گی۔ بیمار رہتی ہی ہوں نہ جانے کس وقت وقت آجائے۔ اچانک روانہ ہو جانا آسان نہ تھا۔ ہوائی جہاز میں گھنٹوں بلکہ دنوں پہلے سے ریزرویشن کرانا پڑتا ہے۔ جدہ سے ہوائی اڈہ بہت دور اور مدینہ طیبہ کے اڈہ سے شہر کا بڑا فاصلہ، ہمارا ایک گھنٹہ پہلے بھی نہ کوئی ارادہ تھا نہ ٹکٹ و زاد راہ تیار تھا۔ مگر دلوں کی دھڑکن سے مجبور ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔

منزل کوچۂ جاناں کی نہ پوچھو دوری　　　جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی دور بھی ہے

ہوائی اڈہ پر پانچ گھنٹے پڑے رہنا پڑا۔ اور عصر کے قریب حاضری سے مشرف ہوئے۔ حسب معمول پہلے روضۂ اقدس پر سلام عرض کر کے شیخ کے دربار میں حاضری دی۔ بڑے بڑے صاحب اقتدار امراء و ملوک جس نعمت کے لیے ترستے ہوں گے وہ مرتبہ حضرت شیخ کو نصیب تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے قریب ہی آپ کا مسکن تھا۔ بھائی ابوالحسن صاحب سلمہٗ سے عرض کی کہ ملاقات پر کوئی اصرار نہیں۔ صحت و عافیت کی خوشخبری بتلا دیں۔ اور اگر ممکن ہو تو دور سے ایک نظر زیارت کرا دیں۔ بڑوں کے خدام بھی بڑے ہوتے ہیں اور انھوں نے بکمال شفقت و ذرہ نوازی ملاقات کرائی اور با آواز بلند فرمایا کہ فرید حاضر ہے۔ کیا کہوں کہ دل پر حسرت و افسوس کا کیا طوفان گذر گیا۔ وہ جو دیر تک پاک ہاتھوں میں ناپاک ہاتھ لیے رہتے تھے۔ ایک ایک کی خیریت دریافت فرماتے تھے۔ اپنی پٹی کے قریب بٹھلا کر سعادت بخشتے تھے۔ خدام کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیتے تھے اور

اصرار کر کے کھلاتے تھے۔ آج خاموش لیٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ زبان گھربار خاموش تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو چلے تھے۔ رخصت ہو کر قیام گاہ پر آیا ہی تھا کہ اطلاع ملی کہ میرے حضرت، میرے آقا، میرے شیخ اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رنج و صدمہ کی کیفیت بتانے والی چیز نہیں ہے۔ جب میرے مرشد حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا وصال ہوا تھا اس وقت تو میری آنکھوں کے آگے دنیا تاریک ہی ہو گئی تھی۔ مگر تمام صدمے کے باوجود دل میں ایک سکون بھی تھا کہ بیاسی برس تک بے داغ اور کامیاب ترین زندگی گذارنے اور ایسی پرسکون موت سے ہمکنار ہونے کی کوئی دوسری مثال سامنے نہیں ہے۔ آج بھی دل پر ایک اطمینان تھا کہ میرے شیخ الحدیث نے جس دن کے لیے تمام عمر جینے کا بوجھ اُٹھایا تھا۔ اور اور جس محبوب کے عشق میں زندگی کے سارے عیش و آرام تج دیے تھے۔ اور جس کی قربت کے لیے پچاسی برس کی پہاڑ سی زندگی رُو رُو کر دُعائیں کی تھیں آج اُسی آقا کے قدموں کے پاس جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

عشا کے بعد غیر ارادی طور پر قدم اُس کوچہ کی طرف اُٹھ گئے، جہاں عشاق کا میلہ لگا رہتا تھا۔ دربار عام ہوتا تھا اور فیوض و برکات کی خیرات بٹا کرتی تھی۔ مگر آج نہ ذکر و شغل کے نغمے تھے۔ نہ سالکین کا مجمع تھا نہ واردین و صادرین کی بھیڑ تھی۔ ایک سناٹا تھا اور پون صدی تک روشنی پھیلانے والی شمع خاموش ہو چکی تھی۔

سدا رہے نام اللہ کا

ماہنامہ الفرقان کے دو اہم خصوصی نمبر

جو محدود تعداد میں موجود ہیں

پہلا انتخاب نمبر

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

بریلی کے ۱۳ سالہ دور کے قریباً ۴۰ منتخب مضامین و مقالات کا مجموعہ خصوصاً رد بدعت پر شاہکار جس کے چند اہم مضامین یہ ہیں :۔

(۱) خاتم النبیین کے امتیازی کمالات و خصائص
(۲) ماہ رحمت ربیع الاول اور مسلمانوں کا طرز عمل
(۳) بدعت کی اصولی پہچان اور اذان قبر
(۴) عرس، تیجہ اور کونڈوں کی رسمیں
(۵) مسلمانوں کی دینی حالت اور ہمارے فرائض

۲۵۰ صفحات پر پھیلے ہوئے یہ اور دوسرے مضامین اور ایمان افروز نظمیں

قیمت صرف ۵/ (قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا)

دوسرا انتخاب نمبر

الفرقان کے لکھنوی دور کے ۸ ــ ۱۰ سالوں میں شائع ہوئے اہم مضامین کا انتخاب ــ ان میں زیادہ تر وہ مضامین ہیں جن کا تعلق ان حالات اور مسائل سے ہے جو ملک کی آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند کے لئے پیدا ہوئے ــ نمبر کے ابواب سے اسکی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

باب ۱ ایمان و اصلاح کی دعوت
باب ۲ پیام انسانیت
باب ۳ اسلامی دنیا میں تجدد و الحاد کے اثرات
باب ۴ حق و اعتدال کی راہ، افراط و تفریط
باب ۵ حکمت و موعظت
باب ۶ مردان حق

تقریباً دو سو صفحات۔ قیمت صرف ۸ روپے

نوٹ :۔ ۱۲/ روپے بھیج کر دونوں نمبر گھر بیٹھے رجسٹری سے حاصل کریں

ہمارا پتہ

الفرقان بکڈپو۔ نظیر آباد (۳۱۔ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

حضرت شیخ کی آپ بیتی

انتخاب و تلخیص

از

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

آپ بیتی ۱ سے نمبر ۵ کے کچھ حصہ تک کا انتخاب ناظرین کرام الفرقان کے "شیخ الحدیث نمبر" میں ملاحظہ فرما چکے ھیں (وہ گویا انتخاب کا حصہ اول تھا) اس سے آگے کا انتخاب زیر نظر صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔ (اس کو حصہ دوم سمجھنا چاھیے۔)

آپ بیتی نمبر ۵ کے باقی حصہ کا انتخاب

مالیات کے سلسلہ میں حضرت شیخ کی بے نیازی:

ایک سلسلہ کلام میں مقدمہ بازی سے اپنی طبعی وحشت و نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔

ہماری جدی جائداد جھنجھانے میں ایک لاکھ سے زائد کی بتلائی جاتی ہے۔ میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد ۱۳۳۶ھ میں جھنجھانے کے چند نوجوان شرفا میرے پاس آئے، انھوں نے کہا کہ تمھاری جائداد کی ہم نے تحقیق کرالی ہے، وہ اسّی ہزار روپے کی ہے، ہم لوگ اس کے خریدار ہیں، بالمقطع تیس ہزار میں اس کو خریدنا چاہتے ہیں۔ (آگے شیخ نے لکھا دیا ہے کہ ان مخلص

نوجوانوں نے میرے متعدد خاندانی بزرگوں اور بعض عزیزوں کا حوالہ بھی دیا اور بتلایا کہ ہم ان سے مل کر بات کر چکے ہیں ان کی رائے ہے اور ہم لوگ آپ کے اطمینان کے لیے اُن حضرات کی تحریرات لادیں گے کہ ہم لوگ اس معاملہ میں قابل اعتماد ہیں آپ کو کہیں جانا بھی نہیں ہوگا) آپ سہارنپور میں ہی رہیں گے صرف ایک بیعنامہ اس مضمون کا لکھنا ہوگا کہ میں نے اپنی جائداد جو جھنجھانہ میں ہے بعوض تیس ۳۰ ہزار نقد فلاں فلاں کے ہاتھ فروخت کی ...... پھر انھوں نے کہا کہ آگے مقدمات کرنے اور ان لوگوں کے قبضہ سے اس کو چھڑانا (جو ناجائز طور پر اس پر قابض ہو گئے ہیں) یہ سب کام ہم خود کریں گے، آپ کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ (انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنے ان خاندانی بزرگوں سے اس سلسلے میں مشورہ کرلیں جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔ شیخ کے یہ سب خاندانی بزرگ رؤسا اور زمیندار تھے اور ایک صاحب ان میں وکیل بھی تھے — آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) میں نے شدت سے انکار کردیا۔ ان کو بڑی حیرت ہوئی اور بار بار تعجب سے سوال کرتے تھے کہ آپ کو اتنی بڑی رقم نقد مل رہی ہے پھر کیوں انکار کرتے ہو؟ —— میں نے ان سے کہا کہ میری یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں جب بالغ ہوں گا تو مدعا علیہ میں کیوں نہ بنوں گا، مقدمات کی لغویت میرے بس کی نہیں میں طالب علم آدمی ہوں، مجھے طلب علم میں جو مل رہا ہے اس پر تیس ۳۰ ہزار نہیں تیس لاکھ بھی قربان ہو سکتے ہیں۔ (آگے شیخ فرماتے ہیں) اللہ ان دوستوں کو بھی جزائے خیر دے وہ تو اس طرح میری مدد اور خدمت ہی کرنا چاہتے تھے مگر مقدمات کی وحشت نے مجھے ذرا بھی ان کی بات کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔"

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ واقعہ

۱۳۳۶ھ یعنی اب سے قریباً ستر سال پہلے کا ہے (اُس وقت کے تیس ہزار آج کے کم از کم سات آٹھ لاکھ کے برابر تھے) اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس وقت حضرت شیخ کی عمر صرف ۲۰-۲۱ سال کی تھی اور چند ہی مہینے پہلے حضرت شیخ کا مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا تھا اور تنخواہ صرف بارہ روپے ماہوار تھی۔ اس کے باوجود حضرت شیخ نے صرف مقدمہ بازی کی الجھن کے خطرہ سے اتنی بڑی رقم قبول کرنے سے گریز کیا جس سے اس زمانے میں آٹھ دس گاؤں خریدے جا سکتے تھے۔

ہر نئی کتاب کا پہلا نسخہ مدینہ منورہ کو:

اس آپ بیتی نمبر ۵ میں ایک سلسلۂ کلام میں حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"میری ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ جو کتاب بھی طبع ہوتی ہے، اس کا سب سے پہلا نسخہ ہمیشہ مدینہ پاک کے کسی دوست کو بھیجنے کا اہتمام رہا، عربی ہو تو سید محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجتا تھا یا مدرسہ شرعیہ میں۔ اب سید صاحب کے وصال کے بعد سے ان کے صاحبزادے سید حبیب صاحب کے پاس بھیجتا ہوں اور اردو ہو تو اردو داں دوستوں میں سے کسی کے پاس۔"

ایک حکایت اور بعض اکابر کے کلمات کی دلنشیں توجیہ:

حضرت شیخ نے آپ بیتی نمبر ۵ کے آخر میں "ارواح ثلاثہ" کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی یہ حکایت لکھائی ہے۔

ایک بزرگ خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے ایک عورت ان کی خدمت میں ایک نابینا بچہ کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اس وقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اس لیے نہایت انکساری کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں

ہوں، اس نے اصرار کیا، آپ نے پھر وہی جواب دیا، غرض تین چار مرتبہ یوں ہی ردو بدل ہوئی، جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا میں اس قابل نہیں ہوں ــ تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا، تو کون ـ عیسیٰ کون ـ اور موسیٰ کون ـ پیچھے لوٹ اور اس بچے کے منہ پر ہاتھ پھیر ـ نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ مامیکنیم (ہم کرتے ہیں) آپ یہ سن کر لوٹے اور مامیکنیم مامیکنیم فرماتے جاتے تھے اور جا کر اس (بچہ) کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہو گئیں"۔ یہ قصہ بیان فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ "مامیکنیم" خود کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے (یہ اس کی نقل کرتے ہیں) جب کوئی کسی گویے سے عمدہ شعر سنتا ہے تو اس کی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے، اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "مامیکنیم" بار بار دہراتے تھے ــ حضرت تھانویؒ نے (ارواح ثلثہ میں نقل کی ہوئی اس حکایت پر) حاشیہ تحریر فرمایا ہے کہ "منصور حلاج (کے قول انا الحق) کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے۔

آپ بیتی نمبر ۶

آپ بیتی کا یہ نمبر سب سے زیادہ ضخیم ہے اور نہایت مفید معلومات اور تعلیمات کا خزانہ ہے، اس میں ۷ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل کا عنوان ہے۔ "اکابر کا طرز تعلیم"۔

حضرات علمائے کرام بالخصوص اصحاب درس سے راقم سطور کی گزارش ہے کہ وہ اس

پوری فصل کو اصل کتاب ہی میں ملاحظہ فرمائیں، ان کے لیے اس میں بڑی بصیرت کا سامان ہے ـــ یہاں اس فصل سے صرف مندرجہ ذیل چند سطریں نقل کی جا رہی ہیں جن کا تعلق حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے ہے ـــ حضرت شیخ نے "تذکرۃ الرشید" کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے کہ۔

"حضرت صاحبزادی صاحبہ نے قرآن پاک کے ختم کرنے کے بعد حضرت قدس سرہ نے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو حضرت امام ربانی طلبہ کے درس حدیث کے بعد جب کھانے کے لیے مکان تشریف لے جاتے تو اول اہلیہ مرحومہ قرآن مجید سنا کر صاف کیا کرتیں اور پاؤ پارہ سنایا کرتیں، اس کے بعد صاحبزادی صاحبہ کو ترجمہ قرآن مجید پڑھایا کرتے اور جب صاحبزادی صاحبہ نے ترجمہ شروع کیا تو رشتہ داروں کی چند لڑکیاں بھی اس نعمت میں شرکت کے لیے شامل ہو جاتیں، چنانچہ آپ عام فہم اردو زبان میں آیات کا ترجمہ پڑھاتے، اسی ضمن میں ضروریات دین کی تعلیم فرماتے جاتے، مسائل بتاتے، اتباع شریعت کی رغبت دلاتے، خدا کی نافرمانی سے ڈراتے اور تہذیب اخلاق کی تعلیم فرماتے جاتے۔ یہ نسوانی درس حضرت امام ربانی کی طرف سے تقریباً آدھ گھنٹے کا وعظ ہوتا تھا جس میں مستورات کی اصلاح کا حق ادا کیا جاتا تھا۔"

اس آپ بیتی ۶ کی دوسری فصل کا عنوان ہے "طلبہ کی تربیت اور اس کی اہمیت" اس فصل کے شروع ہی میں "افاضات یومیہ" حصہ ششم کے حوالہ سے حضرت شیخ نے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ مندرجہ ذیل ملفوظ لکھوایا ہے۔

فلاں مدرسہ[1] میں ایک وقت میں اکابر کی ایسی جماعت تھی کہ ہر قسم کی خیر و برکات موجود تھیں۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، اس وقت

---

[1] غالباً ناظرین کے لیے اس کا سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ یہ کس مدرسہ کے بارہ میں نقل فرمایا گیا تھا۔

تعمیر اتنی بڑی نہ تھی مگر ایک ایسی چیز اتنی بڑی تھی کہ مدرسہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا، ہر چہار طرف بزرگ ہی بزرگ نظر آتے تھے، اب سب کچھ ہے اور پہلے سے ہر چیز زائد ہے، مگر وہی چیز نہیں جو اس وقت تھی، گویا جسد ہے روح نہیں۔ میں نے مہتمم صاحب سے کہا تھا کہ اگر موجودہ حالت میں مدرسہ نے ترقی بھی کی تو یہ ترقی ایسی ہوگی جیسے مر کر لاش پھول جاتی ہے جو کہ ضخامت میں ترقی ہے مگر پھولنے کے بعد وہ جس وقت پھٹے گی۔ اہل محلہ اہل بستی کو اس کا تعفن پاس نہ آنے دے گا ....."

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے طلبہ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ کے خود اپنے دس اصول بیان فرمائے ہیں جن پر خاص کر تدریس حدیث کی پوری مدت (قریباً پچاس سال تک) عمل رہا، اس کے آگے اپنے مختلف اکابر کے اسی سلسلہ کے سبق آموز واقعات اور ارشادات لکھوائے ہیں۔

تیسری فصل کا عنوان ہے "اکابر کا طلب علم میں انہماک"

اس فصل میں حضرت شیخ نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا یہ واقعہ لکھوایا ہے کہ۔

والد صاحب کے طالب علمی کے زمانہ میں ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا تھا کہ آنکھوں میں نزول آب شروع ہو گیا ہے کتب بینی ہرگز نہ کریں ۔۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ خبر سن کر کتب بینی میں اتنی محنت اس خیال سے کی کہ پھر تو یہ آنکھیں جاتی رہیں گی۔ جو کرنا ہے ابھی کرلیں (اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے آگے لکھایا ہے کہ) کہ (دہلی کے) مدرسہ حسین بخشی والوں کا اصرار اُن کے والد صاحب یعنی میرے دادا سے یہ تھا کہ وہ (یعنی مولانا محمد یحییٰ صاحب) مدرسہ کے دورۂ حدیث میں شریک ہوں، جس پر والد صاحب نے انکار کر دیا (کیونکہ ان کی نیت حضرت گنگوہی سے دورہ حدیث پڑھنے کی تھی) لیکن امتحان میں شرکت قبول کرلی۔ نظام الدین کے ایک حجرہ میں جو

بہت ہی تنگ و تاریک تھا، شب و روز مطالعہ میں مشغول رہتے ..... فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پانچ چھ ماہ میں بخاری شریف، سیرۃ ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر اتنے انہماک سے دیکھیں کہ جس کے بعد امتحان کی تعریف حضرت سہارنپوری ممتحن نے بڑے مجمع میں کی اور اسی بنا پر حضرت گنگوہی سے (مجھے دورہ حدیث پڑھانے کی) سفارش کی، جس پر حضرت گنگوہی نے آخری دورہ پڑھایا (حالانکہ آنکھوں میں نزول آب کی وجہ سے دورہ حدیث کا پڑھانا آپ موقوف کر چکے تھے۔)

آگے اسی سلسلہ بیان میں حضرت شیخ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے علمی انہماک کا یہ واقعہ خود حضرت قدس سرہ کی زبان سے "تذکرۃ الرشید" کے حوالہ سے لکھوایا ہے کہ۔

"میں شاہ عبدالغنی (مجددی) کی خدمت میں جب پڑھا کرتا تھا، جہاں پر میرا کھانا مقرر تھا وہاں خود لینے جایا کرتا تھا، راستہ میں ایک مجذوب پڑے رہا کرتے تھے۔ ہمیں پڑھنے کی طرف اس قدر مشغولی تھی کہ درویش کیا کسی چیز کی طرف بھی طبیعت کو التفات نہ تھا، ایک روز وہ مجذوب مجھ سے بولے کہ مولوی تو کہاں جایا کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا کھانا لینے جایا کرتا ہوں، انھوں نے کہا میں تجھ کو دونوں وقت اسی طرف جاتا دیکھتا ہوں، کیا راستہ دوسرا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا دوسرا راستہ بازار میں ہو کر ہے، وہاں ہر قسم کی چیز پر نگاہ پڑتی ہے شاید کسی چیز کو دیکھ کر طبیعت کو پریشانی ہو۔ مجذوب نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے خرچ کی تکلیف رہتی ہے میں تجھ کو سونا بنانا بتلا دوں گا، تو میرے پاس کسی وقت آئیے۔ میں اس وقت حاضری کا اقرار کر آیا مگر خانقاہ پہنچ کر (جہاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا درس حدیث ہوتا تھا اور وہیں ایک حجرہ میں میرا قیام تھا) پڑھنے لکھنے میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن وہ مجذوب پھر ملے اور کہا، مولوی تو آیا نہیں: میں نے کہا کہ مجھے پڑھنے سے فرصت نہیں ہوتی، جمعہ کو آؤں گا۔

الغرض جمعہ آیا اور اس دن بھی کتاب وغیرہ دیکھنے میں مجھے یاد نہ رہا اور وہ پھر ملے، پھر انھوں نے کہا کہ مولوی تو وعدہ کر گیا تھا اور نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو یاد نہیں رہا۔ آخر دوسرے جمعہ کا وعدہ کیا اور اس طرح کئی جمعے بھولا۔ آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے پاس خانقاہ میں آئے اور مجھے شاہ نظام الدین صاحب کی درگاہ میں لے گئے اور وہاں ایک گھاس مجھے دکھائی اور بھی مقامات بتلائے کہ فلاں فلاں جگہ یہ گھاس ملتی ہے اور مجھ سے کہا کہ خوب دیکھ لے میں نے اچھی طرح پہچان لی، آخر وہ تھوڑی سی توڑ کر لائے اور میرے حجرہ میں آکر اس سے سونا بنایا، سونا بن گیا اور مجھے بنانا آگیا وہ مجذوب مجھ سے یہ کہہ کر کہ اس کو بیچ کر اپنے کام میں لائیو، اپنے مقام پر چلے گئے، مجھے کتاب کے مطالعہ کے آگے اتنی مہلت کہاں ملتی کہ اس کو بازار میں بیچنے جاؤں۔ آخر دوسرے دن وہ مجذوب پھر ملے اور کہا کہ مولوی تو نے وہ سونا بیچا نہیں؛ خیر میں بیچ لاؤں گا۔ دوسرے وقت آئے اور میرے پاس سے وہ لے گئے اور بیچ کر اس کی قیمت مجھ کو لادی، پھر ایک روز وہی مجذوب ملے اور کہنے لگے کہ مولوی میں یہاں سے جاتا ہوں تو میرے ساتھ چل اور اس بوٹی کو پھر دیکھ لے، غرض پھر مجھے ساتھ لے گئے اور سلطان جی صاحب (یعنی درگاہ حضرت نظام الدین) میں وہ بوٹی پھر دکھائی، اس کے بعد پھر کہیں چلے گئے۔

تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۲۸۸

چوتھی فصل کا عنوان ہے "مشائخ کا معمولات کا اہتمام"

اس فصل میں حضرت شیخ نے اپنے اکابر ومشائخ کے واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے معمولات کا کس درجہ اہتمام تھا۔ اس سلسلہ میں

سب سے پہلے "اشرف السوانح" کے حوالہ سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ۔

"انضباطِ اوقات جب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو۔ اور ہر کام کو اپنے وقت اور موقع پر کرے۔ اور تو اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ (جو حضرت والا کے استاد تھے) ایک بار مہمان ہوئے۔ حضرت والا نے راحت کے سب ضروری انتظام کر کے جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں، اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر حاضر ہو جاؤں، فرمایا ضرور لکھو، میری وجہ سے اپنا حرج نہ کرو۔" گو اس روز حضرت والا کا دل لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو، تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضرِ خدمت ہو گئے۔"

آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات حسن العزیز کے حوالہ سے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ سے متعلق حضرت تھانویؒ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ۔

مولانا مظفر حسین صاحب اپنے معمولات کے ایسے پابند تھے کہ تہجد سفر میں بھی ناغہ نہ ہوتا، اس وقت ریل نہ تھی سفر بیل گاڑی میں ہوا کرتے تھے۔ بہیلی میں جاتے ہوئے اور لوگ بھی ساتھ ہوتے تو راستہ میں تہجد پڑھتے مگر بہیلی کو ٹھہراتے نہیں اس خیال سے کہ رفقار کا راستہ کھوٹا ہوگا، بلکہ تہجد اس طرح پورا کرتے کہ (تیز رفتار چل کر) بہیلی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے، پھر اسی طرح آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے، اس طرح تہجد کو پورا کر لیتے۔"

آگے حضرت شیخ نے "ارواحِ ثلثہ" کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے متعلق لکھوایا ہے کہ۔

"حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے صاحبزادے مولوی علاء الدین صاحب کا انتقال خاص بقرعید کے روز ہوا ہے، نماز سے پہلے ان کی بہت غیر حالت تھی جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ "اللہ کے سپرد! اللہ خاتمہ بالخیر کرے، نماز میں پہنچ گئے"۔

پانچویں فصل کا عنوان ہے "قرآن وحدیث پر اعتماد"
اس کی ابتدائی تمہیدی سطریں یہ ہیں ۔
صحابہ کرام اور ہم لوگوں میں بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات پر یقین و اعتماد ایسا کلی اور قلبی تھا کہ اس میں ان کو کوئی تردد نہیں رہتا تھا اور ہم لوگوں کا اعتقاد زبانی ہے قلبی نہیں ہے لیکن میں نے اپنے اکابر میں اس اعتماد کو علی الوجہ الاتم پایا۔ ان حضرات کے نزدیک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے ڈرایا اس سے خوف ایسا طبعی بن گیا تھا جیسا ہم لوگوں کو سانپ بچھو سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث کے ارشادات ایسے قطعی تھے کہ اس میں کوئی عقلی نہیں، طبعی بھی تردد نہیں رہتا تھا: اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی شمہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب فرمادے"۔
اس کے آگے حضرت شیخ نے اس موضوع سے متعلق اپنے اکابر و مشائخ کے بہت سے واقعات لکھائے ہیں۔ یہاں ان میں سے صرف ایک واقعہ درج کیا جارہا ہے جو دلچسپی سے بھی پڑھا جائے گا۔
ہماری جماعت کے اکابر میں حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ معروف بزرگ ہیں مدرسہ عالیہ مظاہر علوم کا نام انہی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے براہ راست شاگرد تھے۔ ان کے مخلصین میں سہارنپور

کے ایک رئیس حافظ فضل حق صاحب تھے جو مدرسہ مظاہر علوم کے خزانچی بھی تھے، ان کا تکیہ کلام تھا "اللہ کے فضل سے" ایک دن صبح کو انھوں نے حضرت مولانا مظہر صاحب رح کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

حضرت جی، رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا، حضرت قدس سرہٗ بھی یہ فقرہ سن کر ہنس پڑے اور دریافت کیا کہ حافظ جی اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہو گیا تھا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جی، رات میں سو رہا تھا اور مکان میں اکیلا بھی تھا، میری جو آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں۔ میں نے ان سے بیٹھ کر پوچھا، ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں، میں نے کہا سنو! میں شہر کے رؤسا میں شمار ہوں اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے پاس ہے اور وہ سارا کا سارا اسی کوٹھے میں ہے اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسے کا ہے، تمھارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا۔ تم تو تین چار ہو، دس بارہ کو اور بلا لاؤ اور اس تالے کو ٹھوکتے رہو، یہ ٹوٹنے کا نہیں، میں نے حضرت جی (مولانا محمد مظہر صاحب) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جاوے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ میں نے اس مال کی زکوٰۃ جتنی واجب ہے اس سے زیادہ دے رکھی ہے، اس لیے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں اللہ میاں آپ حفاظت کریں گے۔"

[...]گے حضرت شیخ نے صاحب واقعہ حافظ فضل حق صاحب کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ وہ ان [...]وروں سے اتنا کہہ کے پھر اطمینان سے سو گئے اور وہ چور کوٹھے کا وہ تالا بھی نہ توڑ سکے۔ اس فصل کے آخر میں حضرت شیخ نے عہد صدیقی کا علاء الدین حضرمی کا یہ واقعہ لکھوایا ہے۔

[...]سیر کی کتابوں میں علاء الدین حضرمی کا قصہ مذکور ہے، حضرت خلیفہ اول

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ایک مہم پر روانہ کرتے ہوئے) ان سے کہدیا تھا کہ راستہ میں توقف نہ کرنا۔ ایک مقام پر پہنچے وہاں سمندر حائل تھا حالانکہ حضرت صدیق اکبر کا مطلب یہ تھا کہ آرام کے لیے توقف نہ کرنا۔ نہ یہ کہ سمندر حائل ہو جب بھی توقف نہ کرنا، بس عبور کا عزم بالجزم کرلیا اور دعا کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں راستہ کردیا گیا تھا۔ ہم غلامان محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں، اے اللہ ہم کو راستہ ملے اور بسم اللہ کہہ کے گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور پار اتر گئے۔

چھٹی فصل کا عنوان ہے "اکابر کا اپنی تنخواہوں کو زائد سمجھنا"

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے سب سے پہلے اپنے مرشد حضرت سہارنپوری کا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدھا کا یہ واقعہ لکھایا ہے۔

"میرے حضرت کی تنخواہ مظاہر علوم میں چالیس اور حضرت شیخ الہند کی دارالعلوم میں پچاس روپے تھی، ان دونوں کے متعلق جب بھی ممبران اور سرپرستان کی طرف سے ترقی تجویز ہوتی تو یہ دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ یہ کہہ کر ترقی سے انکار کردیا کرتے تھے کہ ہماری حیثیت سے یہ بھی زیادہ ہے۔ دونوں مدرسوں میں جب مدرس دوم کی تنخواہیں ان کے برابر پہنچ گئیں تو ممبران نے یہ کہہ کر کہ اب ماتحت مدرسوں کی تنخواہیں تو صدر مدرس کی تنخواہ سے زیادہ نہیں ہوسکتیں۔ آپ کے انکار سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی، اس وقت مجبوراً ہر دو اکابر نے اپنی اپنی ترقی قبول کی۔

آگے حضرت شیخ نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہٗ اجمیر کی ایک صد ماہوار کی تنخواہ چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند میں تیس ۳۰ روپے ماہوار پر اکابر کے مشورہ سے تشریف لے آئے تھے اس کے بعد بھوپال کے مدارالمہام صاحب نے جو حضرت مولانا

کے والد حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے، بحق صاحبزادگی مولانا کو بھوپال تین سو روپے ماہوار پر بلانا چاہا، مولانا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔
"لاحاجۃ فی نفس یعقوب الاقضاھا" یعقوب کی جو حاجت تھی وہ پوری ہو چکی کہ بقدر ضرورت معاش کے ساتھ اہل اللہ کا قرب اور علمیہ دینیہ خدمت نصیب ہو گئی، لہٰذا اب کہیں آنے جانے کا خیال نہیں۔
آگے حضرت شیخ نے ارواح ثلثہ کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

کہ مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے حضرت مولانا (محمد قاسم صاحب نانوتویؒ) کی طلبی آئی اور پانسو روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی میں نے کہا اے قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا؟ تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانسو روپے دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا، پھر کس بنا پر جاؤں؟ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

اس کے آگے حضرت شیخ الحدیث نے "سوانح قاسمی" مرتبہ مولانا گیلانی مرحوم کے حوالے سے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی علیہ الرحمہ کی روایت سے حضرت نانوتوی ہی کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جو آپ بیتی ۲ کے ص۱۰۹ سے ص۱۱۱ تک ہے ـــ یہ واقعہ رفیق محترم مولانا علی میاں نے خود مولانا شروانی علیہ الرحمہ سے سن کر راقم سطور سے بیان کیا تھا۔ اس میں اور سوانح قاسمی کی روایت میں کچھ فرق ہے کہ اس عاجز کے نزدیک مولانا علی میاں کی بیان کی ہوئی روایت زیادہ قرین قیاس ہے اور وہ مختصر بھی ہے، اس لیے راقم سطور اسی کو یہاں درج کرتا ہے۔

"نواب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے بیان فرمایا ہے کہ علی گڑھ کے ایک رئیس بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہو گئے تھے، ان کے ایک صاحبزادے تھے ان کی تعلیم کے لیے (غالباً حدیث شریف وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے) کسی اچھے عالم کی ضرورت تھی۔ حضرت

نانوتویؒ کو لکھا گیا کہ وہ کسی کا انتخاب فرما کر انتظام فرما دیں۔ مولانا نے اس خدمت کے لیے خود اپنے کو پیش کر دیا اور علی گڑھ تشریف لے آئے اور حق الخدمت کے بارے میں خود ہی فرمایا کہ میری ضروریات دس روپے میں پوری ہو جاتی ہیں اس لیے میں بس دس روپے لوں گا۔ اس پر عمل ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن حضرت نے فرمایا کہ میں جو دس روپے لیتا تھا اس میں سے پانچ والدہ ماجدہ کو بھیجتا تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا اس لیے اب صرف پانچ روپے میرے لیے کافی ہوں گے، اس لیے بس پانچ ہی دیے جائیں اس کے بعد آپ جب تک رہے صرف پانچ ہی قبول کرتے رہے۔

ساتویں فصل کا عنوان ہے "ماحول کا اثر"

اس فصل میں حضرت شیخ نے خود اپنے گھر کے اس تغیر حال کا ذکر فرمایا ہے کہ۔

"ماحول کا ایک اثر تو میں نے خود بھی اپنے گھر میں دیکھا، میری بچیاں مختلف العمر چار سال سے سات سال تک کے درمیان کی جب سڑک پر سے باجے یا ڈھول کی آواز آتی تو بہت زور سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیا کرتی تھیں اور ایک دم شور مچا دیا کرتی تھیں کہ شیطان بول رہا ہے اور اپنی ماں اور بڑی بہنوں سے پوچھتی رہتی تھیں کہ شیطان چلا گیا یا نہیں۔ اب ان کی اولاد اس عمر والی جب ڈھول یا باجے کی آواز آتی ہے تو ایک دوسرے کو بلاتی ہے کہ چل تماشہ دیکھیں میں اپنی بچیوں کو بڑی غیرت دلاتا ہوں کہ تمہارا فعل تمہاری ماں کا اثر تھا اور تمہارے بچوں پر اثر تمہارا ہے۔

آگے اسی سلسلہ کلام میں حضرت شیخ نے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ اور اُن کی دعوت تبلیغ سے تعلق رکھنے والوں کے بارہ میں فرمایا ہے۔

اسی لیے وہ حضرات گھروں سے نکالنے پر زور دیتے ہیں کہ گھریلو ماحول میں دینی اثرات زیادہ نہیں ہوتے اور جب دینی جماعت کے ساتھ رہنا سہنا کھانا پینا

ہوگا تو ماحول کے اثرات ضرور پڑیں گے۔ مجھ سے سیکڑوں دیہاتی لوگوں نے جو بیعت کا تعلق رکھتے ہیں، یہ کہا کہ تہجد کی بہت ہی کوشش کی مگر کبھی توفیق نہیں ہوئی، تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک چلہ گزارا تھا اللہ کے فضل سے ایسی عادت پڑگئی کہ اب خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔

اس فصل کے آخر میں حضرت شیخ الحدیث نے "تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ" (مرتبہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کے حوالہ سے صدریار جنگ جناب مولانا حبیب الرحمن خاں شروانیؒ کا بیان درج کرایا ہے جس میں مولانا ممدوح نے حضرت گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں اپنی حاضری اور اپنے تاثرات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ پورا بیان اگرچہ طویل ہے، لیکن پڑھنے کے لائق ہے۔ ناظرین کرام اصل کتاب میں یا آپ بیتی ع۶ میں صـ۱۲۵ سے صـ۱۲۹ تک ملاحظہ فرمائیں۔

آٹھویں فصل کا عنوان ہے "اکابر کے مجاہدات فی العلم والسلوک"۔

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے لکھا یا ہے کہ۔

اکابر میں سے کوئی بھی میرے علم میں ایسا نہیں گزرا جس نے ابتدا میں مجاہدات کسی نہ کسی نوع کے نہ کیے ہوں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو ہماری ابتدا دیکھے وہ کامیاب اور جو ہماری انتہا دیکھے ناکامیاب۔ سچ ہے کہ ابتدا میں ان حضرات کو جتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں ان کا دیکھنے والا تو سمجھ لیتا ہے کہ بزرگی اس طرح حاصل ہوتی ہے اور ان کی منتہا کا دیکھنے والا جب وہ حضرات اپنی ساری قوتیں فنا کرکے معذوری کے درجہ میں پہنچ جاتے ہیں اور ان محنتوں کے ثمرات شروع ہو جاتے ہیں تو اس وقت کا دیکھنے والا یوں سمجھ لیتا ہے کہ بزرگی اس طرح بھی حاصل ہو جاتی ہے"۔ (اسی سلسلہ کلام میں آگے حضرت شیخ نے یہ مصرع بھی لکھایا ہے ع رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد)

حضرت شیخ الحدیث نے اس فصل میں حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور چچا جان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ریاضت مجاہدہ اور کثرت عبادت کے واقعات لکھائے ہیں۔ اس سلسلہ میں آگے حضرت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی محترمہ نانی صاحبہ کا جو اُمی بی کے نام سے معروف تھیں اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں، حال لکھا ہے کہ وہ بالخصوص رمضان المبارک میں پوری پوری رات اپنے عزیزوں سے تراویح یا نوافل میں قرآن پاک سنتی تھیں ۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس) نور اللہ مرقدہٗ نے بھی کئی رمضان المبارک اُمی بی کی وجہ سے کاندھلہ گزارے۔ تراویح تقریبًا ساری رات میں پوری ہوتی تھی۔ مسجد سے فرض پڑھنے کے بعد مکان تشریف لے جاتے تھے اور سحر تک تراویح میں ۱۴۔ ۱۵ پارے پڑھتے تھے (اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے امی بی کے صاحبزادے حضرت مولانا رؤف الحسن صاحب کا یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے) ۳۰ رمضان المبارک کو الحمد سے قل اعوذ برب الفلق تک ایک رکعت میں اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھ کر سحر کے وقت اپنی والدہ یعنی امی بی سے یہ کہہ کر چل دیئے کہ دو رکعت میں نے پڑھا دی، اٹھارہ آپ خود پڑھ لیں اور امی بی نے سارا قرآن کھڑے ہو کر سنا۔"

اس سلسلہ میں آگے حضرت شیخ نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ اسرارہم اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہ اور بعض متقدم مشائخ کے معمولات و مجاہدات کا ذکر فرمایا ہے۔

نویں فصل کا عنوان ہے **اکابر کا فقر و فاقہ**

اس فصل میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے فقر و فاقہ سے متعلق متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں جو معروف و مشہور ہیں۔ اس کے بعد اپنے قریبی اکابر کے فقر و فاقہ کے بہت سے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے صرف دو چار ہی یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی خود نوشت سوانح "نقش حیات" کے حوالہ سے حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کو فرماتے ہوئے میں نے خود سنا کہ (مکہ مکرمہ میں) ایک ہفتہ تک صرف زمزم کے پانی پر گزارہ کرنا پڑا۔۔۔۔ ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد جب کہ ضعف و نقاہت بہت زیادہ ہو گیا تھا رات میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا، ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اپنے باورچی خانہ کا ناظم اور مہتمم بنا دیا۔ صبح کو اندھیرے میں ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دروازہ کھولا اس نے ایک تھیلی دی جس میں سو ریال تھے اور چلا گیا۔ اس کے بعد سے عسرت نہیں ہوئی۔

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا یہ ارشاد بھی ذکر فرمایا ہے کہ

"فقر و فاقہ دو طرح پر ہے۔ اختیاری اور اضطراری۔ فقر اختیاری وہ ہے جو رضائے حق کے واسطے ہو۔ یہ دولت مندی سے بدرجہا افضل ہے اور فقر اضطراری عوام کو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث "کاد الفقر ان یکون کفرا" سے یہی مراد ہے۔"

آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے حضرت شاہ عبد الغنی قدس سرہ سے متعلق حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا یہ بیان ذکر فرمایا ہے کہ۔

"میرے استاد حضرت شاہ عبد الغنی کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا۔ سیکڑوں مرید تھے اور ان میں اکثر امراء اور بڑے آدمی تھے مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ ہوتا تھا، ایک روز آپ کے ہاں کئی روز کا فاقہ تھا، خادمہ کسی بچہ کو گود میں لیے ہوئے باہر نکلی، بچہ کے چہرہ پر بھی فاقہ کی پژمردگی تھی۔ اتفاق سے مفتی

صدرالدین صاحب کہیں سے تشریف لائے، بچہ کا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھا تو خادمہ سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے، اس کا رنگ کیوں متغیر ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حضرت کے ہاں کئی وقت سے فاقہ ہے۔ مفتی صاحب کو سخت صدمہ ہوا، اسی وقت گھر پہنچ کر خادم کے ہاتھ ڈیڑھ سو روپے روانہ کیے۔۔۔ حضرت شاہ صاحب نے واپس فرمادیئے ۔۔ اس کے بعد شاہ صاحب کو فکر ہوئی کہ فاقہ کا راز کس طرح ظاہر ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ خادمہ نے کہہ دیا تھا۔ آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا نیک بخت اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کے لیے ہمارا راز افشا نہ کرو۔

آگے حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں حضرت مدنیؒ کی نقش حیات کے حوالہ سے خود اپنے اور اپنے گھر والوں کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ

وطن سے یعنی ہندوستان سے مدینہ پاک آکر ہم لوگوں کو بھی بہت سی مشکلات پیش آئیں بالخصوص عورتوں کو بہت سے کام ایسے کرنے پڑے جن کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی، مثلاً آٹا بھی خود ہی پیسنا پڑا، گھر میں جھاڑو دینا، برتنوں کو دھونا۔ گھر والوں کے اور بچوں کے کپڑے بھی سب کو خود ہی دھونے پڑتے تھے جس کی وطن میں کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں کو بالخصوص مجھے اور بھائی سید احمد صاحب مرحوم کو میٹھا پانی (رات میں) اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لانا پڑتا تھا کہ دن میں مشغولی کی وجہ سے وقت نہیں ملتا تھا... ایک وقت کھچڑی اور دوسرے وقت میں تیج پر گھر والوں کا گزر تھا... یہ سلسلہ کئی ماہ تک مسلسل رہا اور یہ چند ماہ گھر والوں پر بہت ہی عسرت کے گزرے لیکن الحمدللہ فاقوں کی نوبت کسی کو نہیں آئی، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اور حضرت شاہ احمد سعید مجددی قدس اللہ اسرارہما اور ان کے خاندان والوں پر عرصہ تک فاقوں کی نوبت آتی رہی۔

آگے اسی سلسلہ میں شیخ نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا حال خود انہی

کی زبانی یہ بیان فرمایا ہے

"رائے پور کے ابتدائی قیام میں (خانقاہ میں) ایک روٹی روز ملتی تھی وہ بھی کہیں سے کچی کہیں سے پکی بغیر سالن کے، گاؤں سے کسی دن چھاچھ آجاتی تو اس سے حلق میں اتاری جاتی ورنہ پانی سے ۔ ہمارے یوپی کے ساتھی تو اس ایک روٹی کو آدھی آدھی کر کے دو وقت میں کھاتے تھے۔ میں پنجاب کا رہنے والا ایک ہی وقت میں کھالیتا تھا اور دوسرے وقت میں اللہ کا نام ۔ باغ میں (درختوں کے) پتے تلاش کیا کرتے تھے جن پر گزر ہو جائے۔

اس فصل کے آخر میں حضرت شیخ نے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کے خاص رفقا کے فقر و فاقہ کا ذکر فرمایا ہے ۔ فرماتے ہیں

مولانا یوسف صاحب نے ایک موقع پر ایک صاحب کے استفسار پر بیان فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے شروع کے دور میں کئی کئی فاقے ہو جاتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم (بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدین) میں کام کرنے والے بھی اس سے لطف اندوز ہوتے تھے ۔ ایک بار مسلسل کئی دن سے فاقہ تھا اور اندر باہر کچھ نہ تھا حضرت اپنے حجرہ سے نکلے اور حوض کے کنارے اہل مدرسہ کو جمع کر کے فرمایا "دیکھو تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو تم یہاں سے کہیں اور جا سکتے ہو، کسی اور مدرسہ میں کام کر سکتے ہو، میں اکیلا ہوں حوض کا پانی پی کر گزارا کر لوں گا۔ گھر میں اور مدرسہ کے خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔ حضرت کے اس فرمانے پر سب اہل مدرسہ نے ایک زبان ہو کر عرض کیا، حضرت ہم بھی آپ کے پاس رہیں گے چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی ہی پینا پڑے۔ حضرت اس جواب پر آبدیدہ ہو گئے اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد نکل کر باہر آئے اور فرمایا اللہ برکت دے گا اور آسانی مہیا کرے گا۔

دسویں فصل کا عنوان ہے میرے اکابر کا تقویٰ

اس فصل میں بھی حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے تقویٰ کے بہت سے سبق آموز واقعات ذکر فرمائے ہیں، یہاں ان میں سے صرف دو چار ہی نقل کیے جاتے ہیں۔ اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ

حضرت اتنے سبق پڑھاتے تھے اتنے تو مدرسہ کی قالین پر تشریف فرما رہتے تھے لیکن جب سبق کے بعد اپنے اعزہ میں کسی ذی وجاہت شخص سے بات شروع کی تو قالین سے نیچے اتر گئے اور فرمایا کہ مدرسہ نے یہ قالین ہمیں سبق پڑھانے کے لیے دیا ہے ذاتی استعمال کے لیے نہیں۔

آگے اس تقویٰ کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے دارالعلوم دیوبند کے تیسرے مہتمم مولانا محمد منیر صاحب کا واقعہ ذکر فرمایا کہ۔

وہ ایک مرتبہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی سالانہ روئداد طبع کرانے کے لیے دہلی تشریف لے گئے، اتفاق سے روپے چوری ہو گئے، مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت (روئداد) چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی انھوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا، وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لیے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے اور فتویٰ دکھلایا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں"

آگے اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بعض واقعات کا

ذکر فرمایا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل واقعہ جو خود حضرت کے ملفوظات "افاضات یومیہ" سے نقل کیا گیا ہے بڑا ہی سبق آموز ہے۔ خود حضرت حکیم الامت نے بیان فرمایا کہ

والد صاحب مرحوم نے چار نکاح کئے، اس وقت عام دستور تھا معافی مہر کا، اس لیے کبھی اس طرف التفات نہیں ہوا مگر ایک بار دفعۃً تنبہ ہوا اور اس عام عادت پر قناعت نہ ہوئی اس بنا پر میرے حصہ پر شرعی مسئلہ کی رو سے جو رقم بیٹھی تھی اس کو تقسیم کرنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ وہ جائداد والد صاحب کی ہم ہی لوگوں کو پہنچی، اسی ترکہ میں یہ دین مہر بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے فرائض نکلوائی صرف مناسخہ کی اجرت میں مجھ کو چودہ روپے دینے پڑے اور تقریباً سال بھر کے عرصہ میں ورثار کی تحقیق کی، کوئی مکہ معظمہ میں، کوئی مدینہ منورہ میں، کوئی بمبئی میں، کوئی کلکتہ میں، کوئی لاہور میں، غرض الحمد للہ بعد تحقیق سب کو رقمیں پہنچا دی گئیں، غالباً آٹھ سو روپے سے کچھ کم یا زائد میرے حصہ پر رقم بیٹھی جس میں سے صرف دو جگہ باقی ہیں جہاں ابھی تک رقمیں نہیں پہنچیں۔ بمبئی اور مکہ معظمہ (جو بعد میں وہاں بھی پہنچ گئیں۔ ۱۲۔ جامع) ورثار کے حصص میں بعض بیچاروں کے حصہ پر ایک ہی پیسہ آیا، بعض کے حصے پر دو ہی پیسے آئے۔ کاندھلہ میں بڑے بڑے معزز متمول لوگ ہیں، بعض کے حصہ پر قلیل پیسے آئے مگر میری درخواست پر کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ مجھ کو بڑی ہی مسرت ہوئی کہ انھوں نے قبول فرمالیا۔ اس خیال سے نہ تو معاف کیا کہ معاف کرنے کی کوئی چیز نہیں، کوئی کا ئنات بھی ہو، اور نہ لینے سے انکار کیا، کہ میری دل آزاری اور دل شکنی ہوگی، ماشاء اللہ کیا ٹھکانا ہے ان کی سمجھ کا اور فہم کا اور شرافت کا۔

حضرت شیخ نے حضرت حکیم الامت رح کا یہ ملفوظ نقل فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ۔

کاندھلہ کے ورثاء کی رقم کی تقسیم اس ناکارہ کے حوالے کی، یہ ناکارہ خود ہی کاندھلہ محض اسی کام سے گیا تھا . . . . اس ناکارہ کے حصہ میں (بھی) جہاں تک

یاد ہے دو پیسے آئے تھے ۔

گیارہویں فصل کا عنوان ہے امراء کے ساتھ تعلق

اس فصل میں حضرت شیخ نے سب سے پہلے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے ۔

میں امراء سے تعلق کو منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں ۔ علماء کو خصوصیت کے ساتھ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ دین اور اہل دین کی تحقیر نہ ہو ۔

آگے اس موضوع سے متعلق حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں ۔ اسی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت ہی کا یہ بیان بھی نقل فرمایا ہے ۔

ہمارے حضرات میں یہ خاص بات تھی کہ وہ جامع مراتب اعتدال تھے ۔ نہ متکبر تھے نہ تصنع کے متواضع ، سادگی کے ساتھ ان میں استغنا کی شان تھی ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کسی دینی ضرورت سے ایک مرتبہ ریاست رامپور تشریف لے گئے ۔ نواب صاحب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مولانا تشریف لائے ہیں ، نواب صاحب نے مولانا سے تشریف لانے کی درخواست کی ، مگر مولانا تشریف نہیں لے گئے اور یہ عذر فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں آداب شاہی سے ناواقف ، نہ معلوم ہم سے کیا گڑبڑ ہو جائے جو آداب شاہی کے خلاف ہو اس لیے مناسب نہیں ۔ نواب صاحب نے کہلا کر بھیجا کہ آپ تشریف لائیں ، آپ سے آداب کون چاہتا ہے ہم خود آپ کا ادب کریں گے ، آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے ۔ مولانا نے پہلے تو انکسار کا جواب دیا تھا پھر ضابطہ کا جواب دیا کہ عجیب بات ہے کہ اشتیاق تو آپ کو اور آؤں میں ، غرض کہ مولانا تشریف نہیں لے گئے ۔

آگے حضرت حکیم الامت کے ملفوظات ہی کے حوالہ سے حضرت کا یہ بیان ذکر فرمایا ہے کہ خلوص بڑی چیز ہے اور یہ اکثر غرباء میں ہوتا ہے اور امراء میں فلوس تو ہوتا ہے

مگر خلوص نہیں ہوتا، اِلّا ماشاء اللہ - ایک غریب شخص نے مجھ کو (حضرت حکیم الامت کو) اِکنی دے کر کہا کہ ایک پیسہ دینا چاہتا ہوں، تین پیسے واپس کر دو، میں نے ایسا ہی کیا۔ بھلا اس میں کیا ریا ہو سکتی ہے اور امراء کے ساتھ دوسرا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ نواب ڈھاکہ سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم نے مجھ کو مدعو کیا، میں نے چند شرائط پیش کیں، منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مجھ کو کچھ دیا نہ جائے، سب شرائط طے ہوگئیں، میں ڈھاکہ پہنچا نواب صاحب نے ایک روز درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں ہیں ان کو بسم اللہ کرا دیجئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارا خاندانی دستور یہ ہے کہ بسم اللہ شروع کراتے وقت کچھ دیا جاتا ہے اگر نہ دیا جائے یا قبول نہ کیا جائے تو ہماری سبکی ہوگی۔ یہ ترکیب تھی کہ اس بہانے سے مجھ کو نقد دیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی سبکی گوارا نہیں کر سکتا، لیکن اپنی وضع کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تو اس کی صورت یہ ہے کہ میں جلوت میں تو آپ کا عطیہ لے لوں گا، اور خلوت میں واپس کر دوں گا اور عمر بھر واپسی کا کسی سے تذکرہ نہ کروں گا، مگر اپنے دل میں تو خوش رہوں گا کہ میں نے اپنے مسلک اور مشرب کے خلاف نہیں کیا۔ بس چپ رہ گئے اور رقعہ لکھا کہ میری غلطی تھی، اب میں آپ کی وضع پر اپنی تجویز کو نثار کرتا ہوں اور اس سے یہاں تک ان کا اعتقاد بڑھا کہ لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس نے صحابہ کو نہیں دیکھا وہ تھانہ بھون جا کر دیکھ لے۔

آگے امراء کے ساتھ تعلق کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس رحؒ کا حال اور معمول ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کو تبلیغ کی وجہ سے امراء سے ملنے کی نوبت تو بہت آتی تھی، مگر بہت ہی استغناء کے ساتھ جو قابل دید تھا، جب کوئی تبلیغ کے لیے بھی ہدیہ پیش کرتا تو ان کا مشہور مقولہ تھا کہ مجھے آپ کے پیسے نہیں

چاہئیں، مجھے تو آپ کی ذات چاہیے، آپ اس مبارک کام میں شرکت فرمائیں اور ان پیسوں کو اپنے اور اپنے رفقار پر صرف فرما دیں تو وہ میرے لیے زیادہ موجب مسرت ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغنا کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ استغنار کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اغنیا، اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے۔ حالانکہ استغنار کا منشا صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ ومال کے لیے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لیے اور دینی مقاصد کے لیے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغنا کے منافی نہیں۔ بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ ان کے اختلاط سے ہمارے اندر حب جاہ ومال اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا یہ واقعہ خود ان کی زبان سے نقل فرمایا ہے۔

حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بعض دفعہ دہلی کے تاجروں کی کاریں استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ مجھ کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ امرار کا احسان لیا جائے۔ ایک دن میں نے حضرت سے خلوت میں وقت مانگا، حضرت جی نے دے دیا۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! امرار کی کاریں آپ استعمال فرماتے ہیں، یہ بات بظاہر استغنا کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ حضرت جی نے فرمایا یوسف! جو کچھ کرتا ہوں سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور صرف دین کے لیے کرتا ہوں۔

بارھویں فصل کا عنوان ہے اکابر کی تواضع

اس فصل کے شروع میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ "من تواضع للہ رفعہ اللہ"
(جو بندہ اللہ کے لیے تواضع (نیچا بن کے رہنے) کا رویہ اختیار کرے گا
اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرمائے گا۔) یہ پاک ارشاد تو میرا بہت
ہی مجرب ہے۔ جن حضرات میں جتنی بھی میں نے تواضع پائی اتنی ہی زیادہ
اُن میں رفعت آنکھوں سے دیکھی۔

آگے حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے تواضع کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ یہاں
ان میں سے چند ہی نذر ناظرین کیے جاتے ہیں ۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے خاص
تعلق رکھنے والوں میں ایک مولانا روشن علی خاں صاحب تھے۔ ان کے ایک خط کے
جواب میں حضرت نے ان کو جو مکتوب تحریر فرمایا تھا، مکاتیب رشیدیہ کے حوالہ سے حضرت شیخ
نے اس کے یہ جملے نقل فرمائے ہیں۔

حالات آپ لوگوں کے دریافت ہو کر خود شرمندہ و محجوب ہوا کہ آپ کو بندہ
کے ساتھ یہ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں، کاش آپ کے حسن
عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں۔ حق تعالیٰ رحم فرماوے۔

اس کے علاوہ بھی حضرت شیخ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعدد ایسے مکاتیب نقل فرمائے
ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا اپنے کو اپنے خدام و مسترشدین سے بھی کمتر سمجھتے تھے
ان میں سے ہر مکتوب تواضع کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ آگے حضرت شیخ نے حضرت نانوتویؒ کے
تواضع کے بہت سے واقعات سوانح قاسمی اور ارواح ثلاثہ کے حوالہ سے نقل فرمائے ہیں
ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ۔

ایک جولاہے نے حضرت مولانا کی دعوت کی، اتفاق سے اس روز بارش
ہو گئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا خود اس کے ہاں تشریف

لے گئے، اس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لیے
میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا۔ مولانا نے فرمایا انتظام کیا ہوتا، تمھارے
یہاں کچھ پکا بھی ہے، اس نے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے، فرمایا کہ
بس وہی کھالیں گے چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے ہاں
تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرماکر تشریف لے آئے۔"

آگے حضرت شیخ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ کی تواضع کے واقعات زیادہ تر حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ایک مضمون کے حوالہ سے نقل فرمائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں سب علما کو جمع کر کے جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے، یہ فرمایا کہ بھائی! میں نے قرآن شریف کا ترجمہ پورا تو کر دیا لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو، اگر پسند ہو تو شائع کرو ورنہ رہنے دیا جائے ۔۔۔ حضرت حکیم الامۃ اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔

آگے حضرت شیخ نے حضرت حکیم الامت کے اس مضمون ہی کے حوالہ سے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے کہ۔

یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہند ؒ نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں، مگر معاً یہ خیال مانع آیا کہ اگر پوچھ بیٹھیں کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا، بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔

آگے اسی سلسلۂ بیان میں حضرت حکیم الامت نے خود اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ کہنے کا وعدہ فرمایا، جامع مسجد

میں وعظ شروع ہوا۔ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے، اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کے متعلق معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولانا (حضرت شیخ الہند) کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن گنگوہی بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے۔ انھوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تواضع کے یہ واقعات نقل فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے بارہ میں بیان فرمایا ہے کہ۔

ہمارے جملہ اکابر میں اعلیٰ حضرت کی تواضع ضرب المثل تھی، حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات میں رائے پور تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے حضرت شیخ نے رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری" کے حوالہ سے اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی تواضع کے بارہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ۔

میں اپنے حضرت کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے اور تو کچھ نہیں عرض کرتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میں چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا۔ اس طویل مدت

میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو، حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں سالکین کے قلوب سے نکلتی ہے جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔

علی میاں سوانح قادری میں (حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا یہ بیان نقل کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ حضرت رائے پوری نے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ اور تاثر جو کچھ بیان فرمایا حضرت کے یہاں رہنے والوں کا بعینہ یہی تاثر حضرت کی ذات کے متعلق ہے کہ کبھی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔ حب جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا۔

اس خادم (علی میاں) کو ۱۳۶۹ھ میں آخری سفر حج میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً تین مہینے شب و روز ساتھ رہنا ہوا۔ بعض خدام نے ادراک والطاف الہٰی کے واقعات بھی سنائے، پورے سفر میں حضرت نے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جس سے حضرت کے علوم مرتبت یا کسی کشف و ادراک کا احساس ہو۔ حج کے علاوہ بھی کبھی کوئی ایسی بات قصداً نہیں فرمائی جس سے لوگوں کی عقیدت میں اضافہ یا آپ کی بزرگی کا احساس ہو۔ خدام نے جب سنا اپنی نفی اپنا انکار اپنی بے حسی اور عبادت کا اظہار سنا۔ مشیخت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک و معرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت کے یہاں دستور ہی نہ تھا۔ مسئلہ علماء سے پوچھتے، تصوف کی کوئی بات پوچھتا تو اگر حضرت شیخ الحدیث صاحب یا کوئی دوسرا صاحب علم اور صاحب نظر قریب ہوتا تو اس کی طرف محول فرما دیتے۔ اگر اصرار کیا جاتا اور بات ضروری ہوتی تو نہایت نپے تلے لفظ میں مغز کی بات فرما دیتے اور ایسی بات سے گریز

کرتے جس سے آپ کی ژرف نگاہی، باریک بینی کا اندازہ ہو۔ لیکن اہل حقیقت سمجھ جاتے کہ "غواص کو مطلب ہے گوہر سے نہ کہ صدف سے"۔
کسی بھری مجلس میں خواہ اس میں کیسے ہی نئے نئے اور سربرآوردہ اشخاص کیوں نہ ہوں، اپنی لاعلمی اور اپنے عامی ہونے کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا، خواہ اس کا اثر حاضرین مجلس اور خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو"۔

تیرہویں فصل کا عنوان ہے اکابر کی ذکاوت

اس فصل میں حضرت شیخ نے اپنے اکابر حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید، شاہ اسحاق صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مراقدہم کی غیر معمولی ذکاوت وذہانت کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ میں "اشرف السوانح" حصہ سوم کے حوالہ سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے وصیت نامہ سے امانات سے متعلق وصیت کا جو حصہ حضرت شیخ نے قریبا ۵ صفحہ پر لکھوایا ہے، وہ حضرت کی ذکاوت، باریک بینی، انتقال ذہنی اور استحضار کی اس عاجز کے نزدیک خارق عادت مثال ہے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی کو کس درجہ کا تقویٰ عطا فرمایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم جیسوں کے لیے تو اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ اپنے ناظرین کرام سے خاص طور سے احباب علم سے گزارش ہے کہ اس کو آپ بیتی ۶ کی تیرہویں فصل میں ص ۳۲۱ سے ص ۳۲۴ تک یا اشرف السوانح جلد سوم میں ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں اس کی صرف ابتدائی چند سطریں اور آخری چند سطریں نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت کی ذکاوت واستحضار اور مقام تقویٰ کا اندازہ کرنے کے لیے وہ بھی انشاء اللہ کافی ہوں گی۔ حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں۔

یادداشتہائے ضروری متعلقہ امانات

حجرہ نمبر ۱- تمام نسخ رافع الضنک غیر مجلد تقسیم کے لیے ہیں اور شیخ (فلاں) صاحب کی مملوک ہیں۔

۲- تمام نسخے غیر مجلد ہدیہ سنیہ و تقلیل الاختلاط مع الانام و اسرار العبادہ کے تقسیم کے لیے ہیں اور مملوکہ حاجی (فلاں) صاحب کے ہیں۔ ان سب کے ساتھ مثل دیگر امانات کا معاملہ کیا جائے اور اگر انھیں کتابوں کے نسخے حجرہ ۲ میں پائے جائیں وہ میری ملک ہیں، اسی طرح اس حجرہ کی رسی پر جو کپڑے رکھے ہیں وہ مساکین کے لیے ہیں میں ان کی تقسیم میں وسیع ہوں، یہ تقسیم کر دیے جائیں۔

۳- لمبی تپائی مولوی (فلاں) صاحب کی ہے وہ ان کو دے دی جائے۔

۴- سہ دری میں جو گھڑی گھنٹہ دار رکھی ہے وہ مدرسہ کی ہے۔

۵- سہ دری میں جو کھونٹی پر چوبی تختی رمضان کے نقشہ کی ہے وہ بھی میری ملک نہیں ہے۔

۶- لفافہ دان میں جو میری چوکی کے برابر رکھا رہتا ہے اس کے سب سے آخر اور نشیبی درجہ میں اور اسی طرح سہ دری کے جنوبی دیوار کے بڑے طاق میں باستثناء رسائل کہ وہ میری ملک ہیں، اکثر کچھ کاغذات رہتے ہیں، وہ دوسروں کی ملک ہیں مطبوعات پر تو مالکوں کے نام ہیں، ان کو دے دی جائیں اور خالی لفافہ بلا نمبر یا جوابی کارڈ بلا نمبر کاتبوں کے پاس مع اطلاع واقعہ بھیج دیے جائیں اور نمبر دار لفافے یا کارڈ استفتوں کے متعلق ہیں ان ہی نمبروں کے فتوے کاتب یا ناقل فتاویٰ سے لے کر بھیج دیے جائیں۔ اور اگر ان نمبروں کے فتوے نہ ملیں تو گم ہو جانے کی اطلاع کر دی جائے اور جن پر لفظ لقطہ لکھا ہے وہ مصارف لقطہ میں صرف کیے جائیں۔۔۔ الخ

اس مضمون کے آخری جملے یہ ہیں۔

تنبیہ: ان سب وصایا اور ضمیمہ میں اول سے آخر تک مجھ سے کچھ ابہام یا نقص یا غلط ہو گیا ہو یا کسی جز میں شبہ یا تردد ہو جائے، ہر حال میں احکام شرعیہ کی تحقیق کر کے ان پر عمل کیا جائے۔"

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے وصیت نامہ کے حصہ متعلقہ امانات کی یہ چند سطریں ہی اس کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو کس درجہ کی ذکاوت اور کیسا تقویٰ عطا فرمایا تھا۔

چودھویں فصل کا عنوان ہے اکابر کے تصرفات

اس فصل میں حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے تصرف کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں یہاں ان میں سے چند ہی نذر ناظرین کیے جاتے ہیں۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے تصرف کے واقعات بیان فرماتے ہوئے ایک واقعہ تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے یہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ درس حدیث میں مشغول تھے کہ ایک شخص نہایت پریشان حال حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! للہ میری طرف توجہ فرمایئے! آپ نے جواب دیا، بھائی میں تو ملا ہوں کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو مجھ سے پوچھو درویشوں کی باتیں درویش جانیں۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت میں زندگی سے تنگ آ گیا کیا آپ کو گوارا ہے کہ میں خودکشی کر لوں اور مر رہوں، آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اچھا مجھے پڑھانے دو، سامنے دیوار سے لگ کر جا بیٹھو اتنا فرما کر آپ نے درس شروع فرما دیا اور وہ شخص سامنے دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا، پڑھاتے پڑھاتے دو تین مرتبہ آپ نے اس مبتلا کی جانب نظر فرمائی، اور پھر تقریر میں طلبہ کی طرف مخاطب ہوئے، سبق ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ شخص ہنستا ہوا اٹھا اور اس درجہ مسرور ہو کر چلا کہ سلام کرنا بھی بھول گیا۔ جب وہ چلا گیا تو بعض طلبہ نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ کون تھا۔

اور کس مرض میں مبتلا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ درویش ہے، قبض طاری تھا، الحمدللہ رفع ہو گیا۔

آگے حضرت شیخ نے حضرت نانوتوی کے تصرف کے واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں سے بھی صرف ایک ہی یہاں نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ جو حضرت شیخ نے ارواح ثلثہ کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔

"مولانا منصور علی صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتوی کے تلامذہ میں تھے انھوں نے اپنا واقعہ خود ہی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور اس نے اس قدر غلبہ پایا کہ رات دن اس کے تصور میں گزرنے لگے تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا، حضرت کی فراست نے بھانپ لیا، لیکن سبحان اللہ تربیت اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں، یہاں تک کہ خود ہی اس کی محبت کا ذکر چھیڑا.... غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا اور کوئی خفگی اور ناراضگی ظاہر نہیں کی، بلکہ دل جوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ مجھے تمام امور سے بیکار کر دیا۔ کیا کروں کہاں جاؤں؟ آخر عاجز آکر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! اللہ میری اعانت فرمائیے میں تنگ آگیا ہوں، ایسی دعا فرما دیجیے کہ اس لڑکے کا خیال میرے قلب سے محو ہو جائے ___ تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے، بس جوش ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا، اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا___ فرمایا بہت اچھا بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود ہوں،

میں نمازِ مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی، مولوی صاحب! میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ، میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے بالکل عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا، گویا میں دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں میں اس وقت لرزاں و ترساں تھا، میں پسینہ پسینہ ہو گیا، جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو وہ حالت بھی فرو ہو گئی۔ فرمایا جاؤ! — دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا مولوی صاحب کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں۔ فرمایا، اللہ کا شکر کرو۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

آگے حضرت شیخ الحدیث نے اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کے تصرف کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل ایک ہی واقعہ یہاں نذرِ ناظرین کیا جا رہا ہے جو حضرت شیخ نے "تذکرۃ الخلیل" کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔

(مظاہر علوم سہارنپور کے) سالانہ جلسہ میں ایک مرتبہ دیہاتی مہمان امید سے زیادہ آگئے کہ کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بمشکل کافی ہوتا۔ کارکنانِ مدرسہ گھبرا گئے کہ اب نہ تیار کرانے کا وقت ہے کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فراغ ہوا تھا — حافظ عبد اللطیف صاحب نے یہ حالت حضرت سے عرض کی اور یہ بھی کہا کہ باورچی بھی تھک گئے ہیں، ان میں پکانے کی ہمت بالکل نہیں، حضرت نے فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو، میں آتا ہوں۔ حضرت نے تشریف لا کر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کر کے دعائے برکت فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ سے نہ ہٹایا جائے اور

نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کردیا جائے ۔ الحمد للہ کہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہتیرا بچ رہا۔"

پندرہویں فصل کا عنوان ہے اکابر کا معمول تنقیدات اور آپس کے اختلاف کے بارے میں :

اس فصل میں حضرت شیخ نے پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں کہ کبھی ان کے خدام اور اصاغر نے ان کے بعض افعال یا آراء پر تنقید کی تو ان حضرات نے اس کو صحیح سمجھ کر قبول فرمالیا اور ان کے اس طرز عمل کی تحسین کی اور شکریہ ادا کیا۔ آگے اس سلسلہ میں "ارواح ثلثہ" کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی روایت سے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ۔

"مجھ سے مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ! احمد رضا خاں مدت سے میرا رد کر رہا ہے، ذرا اس کی تصنیف ہمیں بھی تو سنادو! میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا، اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے، پڑی گالیاں ہوں تم سناؤ، آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا ۔ حضرت حکیم الامت اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔ اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب اور اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں۔"

آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے اس باب میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے رد یہ کا ذکر فرمایا ہے ۔ فرماتے ہیں۔

اشرف السوانح میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ پر معترضین کی بھرمار بوچھار

کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت والا نے اپنے معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنہ نیک نیتی کا تھا، اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

آگے اسی سلسلہ بیان میں خود حضرت تھانویؒ کا بیان فرمایا ہوا واقعہ حضرت کے مجموعہ ملفوظات کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے کہ۔

مولوی محمد رشید (کانپوری) مرحوم جنھوں نے مجھ سے پڑھا تھا بڑے حق گو لیکن اس کے ساتھ بڑے باادب تھے۔ ایک بار میں مسجد میں بیٹھا تھا، وہاں ریزگاری کی ضرورت پڑی، ایک صاحب کے پاس موجود تھی۔ ان کو روپیہ دے کر میں نے ریزگاری لے لی، مولوی صاحب بھی اس وقت موجود تھے وہ آگے بڑھے اور مجھ سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بیع میں تو داخل نہیں؟ مجھے فوراً تنبہ ہوا۔ میں نے کہا کہ خیال نہیں رہا، یہ معاملہ تو واقعی بیع ہی میں داخل ہے جو مسجد میں جائز نہیں۔ پھر میں نے ان صاحب سے جن سے یہ معاملہ ہوا تھا ریزگاری واپس کر کے کہا کہ میں اب اس معاملہ کو فسخ کرتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ مسجد سے باہر چلو وہاں پھر اس معاملہ کو از سر نو کریں گے۔ چنانچہ مسجد سے باہر آکر اور روپیہ دے کر میں نے پھر ان سے ریزگاری لے لی۔ مولوی محمد رشید کی اس بات سے میرا جی بڑا خوش ہوا کیونکہ ظاہر کرنا تو ضروری تھا لیکن انھوں نے نہایت ادب سے ظاہر کیا۔ یہ پوچھا کہ یہ بیع میں تو داخل نہیں؟

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے اشرف السوانح کے حوالہ سے حضرت تھانویؒ کے بارہ میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ

حضرت والا پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنا تبریہ فرمانے

کی ہرگز کوشش نہیں کرتے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل
قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی تحقیق سابق سے بلا تامل رجوع فرمالیتے
ہیں اور "ترجیح الراجح" میں اپنا رجوع شائع فرما دیتے ہیں۔ یہ معاملہ تو علمی
رنگ کے اعتراضات کے ساتھ فرماتے ہیں اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے
تو اس کی مطلق پروا نہیں فرماتے۔"

مظاہر علوم کے طلبہ کی ۱۳۸۲ھ کی اسٹرائک اور اپنے شدید تاثر کا تذکرہ

آگے حضرت شیخ نے اس پندرہویں فصل میں اعجاب و پندار اور فخر و غرور کے برے نتائج
کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے طلبہ کی ۸۲ھ کی اسٹرائک کا اور دینی
مدارس کی فضا میں اور خاص کر طلبہ میں جو غیر معمولی نامبارک تغیر آیا ہے جو دین و دیانت کے
لیے زہر اور ہزاروں فتنوں کی جڑ ہے۔ اس کا بڑے درد اور دکھ کے ساتھ بڑی تفصیل سے
ذکر فرمایا ہے۔ یہ گویا ایک مستقل رسالہ ہے۔ اس میں اپنے اندرونی احساس اور درد دل کا
حال بیان کرتے ہوئے یہ شعر بھی لکھا یا ہے۔

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

اس سلسلۂ کلام میں حضرت شیخ نے اپنا یہ حال بھی بیان فرمایا ہے کہ۔

مظاہر علوم کے طلبہ کی اس اسٹرائک سے بہت ہی مایوسی ہوئی اور تدریس سے
طبیعت سرد پڑ گئی، اس کے بعد بھی اگرچہ کئی سال تک بخاری شریف کا سبق پڑھایا
لیکن شکستہ دلی اور افسردگی کے ساتھ اور تدریس کا مشغلہ ترک کر کے مدینہ منورہ
قیام کا داعیہ تیز ہو گیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ حجاز مقدس
کے اسفار کا وہ تسلسل شروع ہو گیا جس کا ذکر آپ بیتی ۴ میں کیا جا چکا ہے
اس میں ۱۳۸۹ھ کے سفر اور طویل قیام تک کا ذکر کیا گیا تھا (جو ناظرین کرام

اس تلخیص کے سلسلہ میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔) اس آپ بیتی ۶ میں حضرت شیخ نے ۱۳۹۰ھ کے سفر حج کا ذکر بہت تفصیل سے فرمایا ہے۔ جو گویا اس پورے سفر کا روزنامچہ ہے۔

آگے سولھویں فصل کا عنوان ہے متفرقات

اس فصل میں سب سے پہلا عنوان ہے "نظر کی احتیاط" اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے تمہیدی مضمون کے بعد لکھوایا ہے کہ:۔

حافظ ابن القیم نے "الجواب الکافی" میں بہت تفصیلی بحث اس پر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حوادث کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے جیسا کہ آگ کے شعلوں کی ابتدا ایک چنگاری سے ہوتی ہے۔ اس لیے شرمگاہ سے زیادہ حفاظت نظر کی ضروری ہے۔ اس لیے ابتدا تو نظر سے ہوتی ہے اس کے بعد دل میں خیال جمنا شروع ہوتا ہے۔ پھر ادھر قدم اٹھتے ہیں، اس کے بعد پھر ابتلا ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا کہ جو ان چاروں چیزوں کی حفاظت کر لے اپنے دین کی حفاظت کر لیتا ہے۔ نظر، پھر دل کا خیال، پھر بات چیت، پھر قدم۔ آدمی کو چاہیے کہ چاروں چیزوں سے بچنے کی کوشش کرے انہی دروازوں سے دشمن (شیطان) گھروں میں گھستا ہے۔ پھر گھر کی بربادی اور ہلاکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن القیم نے ان چاروں پر تفصیلی بحث کی ہے۔

آگے حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں بیان فرمایا ہے۔

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ ایک زمانے میں جب کہ جناب الحاج حافظ قمرالدین صاحب نور اللہ مرقدہ بیمار تھے تو ان کی نیابت میں جامع مسجد سہارنپور پانچوں وقت نماز پڑھانے کے لیے مدرسہ سے تشریف لے جایا کرتے تھے، عصر کے وقت جا کر مغرب کی نماز پڑھا کر تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ ناکارہ بھی

کبھی کبھی ساتھ ہوتا۔ میں ہمیشہ غور سے دیکھتا تھا کہ مدرسہ سے لے کر جامع مسجد تک اپنے پاؤں پر نظر جمائے رہتے تھے کہ بازار میں تو راستہ تھا مگر نگاہ کبھی بھی ادھر ادھر دو کانوں پر نہیں پڑتی تھی۔ میں نے اپنے حضرت قدس سرہٗ کو بھی بارہا دیکھا کہ راستہ میں تشریف لے جاتے وقت بہت کم نگاہ اوپر اٹھاتے تھے۔ زمین ہی پر اکثر نگاہ رہتی تھی۔

اسی سلسلہ میں آگے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا ایک مستقل وعظ "الغض البصر" کے نام سے مطبوع ہے اس میں آنکھ کی حفاظت کے متعلق بہت ہی اہم مضمون قابل دیکھنے کے ہے۔ جس کی ابتدا اللہ جل شانہ کے پاک ارشاد "یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ" سے ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ بدنگاہی کا گناہ ایسا ہے کہ لوگ اس کو گناہ سمجھتے بھی نہیں، ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اچھے مکان کو دیکھ لیا، اس لیے اس گناہ کے بعد دل پر رنج کا بھی اثر نہیں ہوتا اور یہ ایسا سخت گناہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں، بدکاری کے لیے تو بہت سی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں، پیسہ بھی پاس ہو، دوسرا بھی راضی ہو وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس گناہ کے کرنے میں کچھ سامان کی ضرورت نہیں اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے کیونکہ اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے۔ کسی کو گھور لیا، مولوی صاحب مولوی صاحب رہے۔ قاری صاحب قاری صاحب رہے۔ نہ اس گھورنے سے مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق آیا نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی فرق آیا اور اس گناہ کی کسی دوسرے کو خبر نہیں ہوتی۔ جن اکابر کو خبر بھی ہو جاتی ہے وہ ایسے عالی ظرف ہوتے ہیں کہ وہ اس کا اظہار بھی گوارا نہیں کرتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت میں ایک شخص آیا جو بدنظری کے گناہ میں مبتلا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام لے کر تو کچھ نہیں فرمایا، لیکن یہ فرمایا کہ

لوگوں کا کیا حال ہے، ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے، جن اکابر کو چھپی ہوئی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور کشف ہوتا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایسی بے رونقی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہوگی وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے۔ خاص طور سے لڑکوں پر بدنگاہی کرنا بڑا ہی زہر ہے۔

آگے حضرت حکیم الامت کے اس وعظ "غض البصر" سے حضرت شیخ نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ۔

ایک بزرگ تھے وہ پردہ کرانے میں زیادہ احتیاط نہ کرتے تھے بلکہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے دیتے تھے، یہ سمجھتے تھے کہ میں تو اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، اب میرے سامنے آنے میں کیا خرابی ہے۔ ایک اور بزرگ تھے انھوں نے ان کو نصیحت کی کہ میاں غیر عورتوں کو اپنے سامنے مت آنے دیا کرو۔ انھوں نے ان کی نصیحت کا کچھ خیال نہ کیا، آخر ایک مرتبہ خود انھوں نے خواب میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضورؐ سے اسی مسئلہ کو دریافت کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب عورتوں کے میرے سامنے آنے میں کسی بری بات کا خوف نہیں تو کیا اب بھی پردہ کرانا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مرد اتنا بزرگ ہو جائے کہ جنید کے مرتبہ کو پہنچ جائے اور عورت اتنی بزرگ ہو جائے کہ رابعہ بصریہ کے مرتبہ کو پہنچ جائے تو بھی اگر وہ دونوں ایک جگہ تنہا مکان میں جمع ہوں گے تو شیطان بھی ان کے پاس آموجود ہوگا اور ان سے کچھ نہ کچھ کرا ہی دے گا پھر تمھیں کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے دو۔"

آگے حضرت شیخ نے اپنی بعض عادات کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک بات یہ بھی لکھائی ہے کہ۔

مرا گھر والوں سے ہمیشہ یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی مہمان کے فلاں چیز کیوں پکی، محض اپنے یا اپنے گھر والوں کے لیے کوئی اچھی چیز پکنا مجھے بہت گراں

گزرتا تھا۔ البتہ مہمانوں کے لیے مجھے ہمیشہ سے اہتمام رہا کہ فرشتے اس چیز کو لکھیں تو مہمانوں کے حساب میں اور کھائیں ہم بھی"۔

مدارس کے معاملہ میں حضرت شیخ کا رویہ اور نصیحتیں

اس سولھویں فصل کے آخر میں حضرت شیخ نے مدارس کے معاملہ میں اپنے طرزِ عمل کا ذکر فرمایا ہے، اس پوری فصل کا دینی مدارس سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اہتمام سے مطالعہ فرمانا چاہئے۔ یہاں اس میں سے جستہ جستہ چند ہی باتیں نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

یہ ناکارہ آپ بیتی میں کئی جگہ یہ لکھوا چکا ہے کہ مجھے اپنے اکابر کی جوتیوں کی بدولت اور ان کی عاداتِ شریفہ کو کثرت سے دیکھنے کی وجہ سے مدرسہ کے امور میں ہمیشہ بہت ہی زیادہ فکر و احتیاط رہی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کوئی لغزش کبھی مجھ سے نہیں ہوئی ہوگی "وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ" لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اپنی یاد کے موافق عمداً مدرسہ کے معاملات میں کوتاہی انشاء اللہ ثم انشاء اللہ نہیں ہوئی ہوگی.... یہ ناکارہ رجب ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ (مظاہر علوم) میں طالب علم کی حیثیت سے آیا تھا اور اب محرم ۱۳۹۳ھ تک طالب علمی، مدرسی، سرپرستی، سارے ہی مراحل طے کر چکا مگر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی طالب علم کی اپنے تعلق کی وجہ سے مدرسہ میں کھانا جاری کرانے کی سفارش کی ہو۔ بارہا بلکہ بیسیوں مرتبہ اس کی نوبت آئی ہے کہ کسی طالب علم کا کسی جرم یا امتحان میں ناکامی پر کھانا بند ہوا ہو اور اس نے (مدرسہ کے ناظم) الحاج حافظ عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ یا خود اپنے اولیاء کے ذریعہ سفارش کرائی اور حضرت ناظم صاحب نے تحریر کر دیا کہ

اگر زکریا سے سفارش لکھوا دو تو میں جاری کر دوں گا (غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ حضرت ناظم صاحب کا یہ خیال ہوتا کہ یہی گستاخ جرح کرے گا) اور جب وہ کاغذ یا پیام لے کر آتا تو میں یہی کہتا کہ میں مدرسہ سے تو سفارش نہیں کروں گا، جب تک اس کا کھانا بند ہے میرے ساتھ کھا لیا کرے۔ بارہا اس کی نوبت آئی کہ مدرسہ سے ایسے طلبہ کا اخراج ہوا جن کا مجھ سے خصوصی تعلق تھا مگر مجھے وثوق سے یاد ہے کہ میں نے اپنے تعلق کی وجہ سے کبھی بھی اخراج کی مخالفت یا معافی کی سفارش کسی بھی ناظم سے کی ہو۔ بعض طلبہ کو مجھ سے کبیدگی ہوتی تھی، وہ میری مخالفت بھی کرتے تھے، جھوٹے الزام بھی لگاتے تھے مگر میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی ان کے اخراج کی کنایۃً یا اشارۃً بھی تحریک نہیں کی۔ ملازمین مدرسہ میں بھی اس سیہ کار نے کبھی اپنے تعلق کی وجہ سے نہ کسی کے لیے سفارش کی نہ کسی کی علحدگی کی تحریک یا کوشش کی۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے آگے فرمایا ہے۔

میرے مخلص دوست مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی حال سرپرست مدرسہ ۱۳۵۱ھ میں معین مفتی مدرسہ ہوئے تھے اور دس روپے تنخواہ تھی، اس کے دو سال بعد شوال ۱۳۵۳ھ میں نائب مفتی ہوئے اور پندرہ روپے تنخواہ ہوئی، ان دو سالوں میں بہت ہی دوستوں نے مجھ پر اصرار کیا بالخصوص جناب الحاج حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی نواسہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے تو مجھے کئی دفعہ ڈانٹا کہ دس روپے میں کیا گزر ہو سکتا ہے تو سفارش کردے تو تنخواہ میں اضافہ ہو جائے۔ میں یہی کہتا رہا کہ ان کا مجھ سے خصوصی تعلق ہے میں سفارش نہیں کروں گا۔ اور بھی بہت سے نظائر اس کے مفتی یحیٰی، عزیز عاقل، عزیز سلمان کے مواقع میں پیش آچکے ہیں جن کو ہمارے سرپرستان خوب جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اس کے

بالمقابل اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے میں نے کسی کو مدرسہ سے علٰحدہ کرنے کی یا ترقی روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اس سولھویں فصل کی آخری سطریں یہ ہیں۔

اس ناکارہ کی اپنے سے تعلق رکھنے والے دوستوں کو وصیت ہے کہ مدرسہ کے معاملات میں بہت ہی محتاط رہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ٹوکنے والا کوئی نہیں یا ہمیں کون ٹوک سکتا ہے، کس کا نہ ٹوکنا یا نہ ٹوک سکنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس سیہ کار کو بھی اس لکھے ہوئے پر عمل کی مزید توفیق عطا فرمائے اور میرے دوستوں کی بھی اس سے زیادہ سے زیادہ حفاظت فرمائے۔"

سترہویں فصل کا عنوان ہے تصوّف کا بیان

یہ آپ بیتی ۶ کی آخری فصل ہے جو صفحہ ۴۴۸ سے شروع ہو کر ۴۹۹ پر ختم ہوئی ہے یہ تصوف کے موضوع پر گویا ۵۰ صفحے کا مستقل قابل دید رسالہ ہے۔ حضرت شیخ نے اس کا آغاز اس طرح فرمایا ہے۔

تصوف میرے اکابر کا اہم ترین مشغلہ ہے ــــ وہ

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

کے سچے مصداق تھے۔ یہ حضرات ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہریہ میں اگر ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے متبع تھے، تو دوسری طرف تصوف کے ائمہ، جنید و شبلی کے قدم بقدم۔ ان اکابر نے تصوف کو فقہ حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول و فعل سے بتا دیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث کا ہی ایک شعبہ ہے اور جو رسومات و بدعات اس مبارک فن میں بُعد زمانہ سے بڑھ گئی تھیں ان کو چھانٹ دیا۔"

آگے اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ثم الٰہ آبادیؒ کے رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے ۸۰ صفحے کے بقدر مضمون نقل فرمایا ہے۔ یہاں اس مضمون کے چند اقتباس ہی نذر ناظرین کیے جاسکیں گے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب جو حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں ہیں، ان کا ایک رسالہ "تصوف اور نسبتِ صوفیہ" مختصر اور قابل دید ہے وہ تحریر فرماتے ہیں: "حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل حدیث جبرئیل ہے، جس میں آیا ہے کہ "ما الاحسان قال ان تعبد الله كانك تراه - الحديث - چنانچہ تصوف احسان ہی کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوفی مقرب اور محسن کو کہتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں مختلف درجہ کے لوگ ہیں، بعض ان میں سے "اصحاب یمین" ہیں اور بعض کو "مقربین" کہا گیا ہے۔ جو شخص اپنے ایمان کو صحیح کرلے اور شرعی اوامر و نواہی کے مطابق اپنا عمل رکھے تو یہ وہ لوگ ہیں جو "اصحاب الیمین" کہلاتے ہیں اور ان امور کے ساتھ ساتھ جس شخص کی غفلات بھی کم ہوں اور نوافل و طاعات کی کثرت ہو اور اس کے قلب پر ذکر اللہ کا استیلاء (غلبہ) ہو جائے اور حق تعالیٰ سے مناجات کا تسلسل اور دوام اس کو حاصل ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو "مقرَّب" اور "محسن" کہتے ہیں اور اسی کو صوفی بھی کہا جاتا ہے"۔

آگے اسی رسالہ "تصوف و نسبت صوفیہ" سے نقل فرمایا گیا ہے کہ

"حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "تفہیمات الٰہیہ" میں فرماتے ہیں کہ (اصل کتاب میں صرف عربی عبارت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کی دعوت دی اس میں سب سے مہتم بالشان تین امور ہیں۔ (۱) تصحیح عقائد۔ جس کا ذمہ علماء امت کے اصحاب اصول نے

اٹھایا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ (۲) دوسری چیز اعمال کا صحیح طور پر اور سنت کے مطابق ادا کرنا۔ اس فن کو امت کے فقہا نے اپنے ذمہ لیا جن کی کوششوں سے اللہ جل شانہٗ نے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور گمراہ فرقوں کے اعمال کو راہ راست پر لائے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے "احسان" کا بیان فرمایا ہے اور آیات واحادیث سے اس کو مبرہن فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ تصحیح اخلاص واحسان اُس دین کی اصل ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے آیات واحادیث اخلاص واحسان کی تحریر فرماکر تحریر فرمایا ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ تیسرا جز شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے۔ جملہ شرائع کے مقابلہ میں یہ بمنزلہ روح کے ہے بدن کے مقابلہ میں۔ اور اس فن کا تکفل صوفیاء نے کیا ہے کہ انھوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی۔ خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو سیراب کیا اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔"

آگے حضرت شیخ الحدیث نے تصوف کی حقیقت کی وضاحت کے سلسلہ میں "تذکرۃ الرشید" سے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کا مندرجہ ذیل بیان نقل فرمایا ہے کہ۔

سلوک نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا۔ یعنی اعضائے ظاہریہ اور قلب کا اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کی طاعت وخدمت میں مشغول رکھنا بایں طور کہ ہادیٔ عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق اور تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اس درجہ خو اور عادت پڑ جائے کہ سنت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلقی شعار بن جائے تکلف کی عادت نہ رہے۔

تصوف اصل ایمان ہے کوئی زائد شے نہیں۔ یہی ایمان جس کا ہر مسلمان مدعی ہے اصل سلوک ہے بشرطیکہ اس کی اصلیت اور حلاوت قلب کو عطا

ہو جائے، یہی شریعت جو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام عالم کو سکھائی ہے اصل درویشی اور طریقت ہے مگر اس وقت جب اعضاء سے متعدی ہو کر قلب تک پہنچ جائے اور عمل واکتساب قلبی اُنس وتعلق کا ثمرہ بن جائے۔ ایک بیمار شخص جس کو مطلق بھوک نہ معلوم ہو، طبیب کے حکم سے غذا کھاتا ہے، مگر جبراً قہراً تاکہ طاقت بنی رہے، دوسرا شخص وہ ہے جو بحالت تندرستی وصحت تامہ صادق اشتہا پر غذا کھا رہا ہے۔ غذا کھانے میں دونوں برابر ہیں مگر ایک جبر وکراہت سے کھا رہا ہے اور دوسرا رغبت واشتہا سے، اسی طرح عامی آدمی عبادت کرتا ہے مگر نفس کو مجبور بنا کر اور صاحب نسبت ولی اسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے مگر بایں وجہ کہ دل کا تقاضہ اس طاعت میں مشغول ہونے پر اس کو مجبور کر رہا ہے۔ اسی صحت کاملہ کا نام طریقت ہے جو قلب کو حاصل ہوتی ہے اور اس روحانی غذا کا جس کو شریعت کہا جاتا ہے سچا خواہش مند اور شیدا بنا دیتا ہے"۔

آگے حضرت شیخ نے تصوف کی حقیقت کی وضاحت ہی کے سلسلہ میں تذکرۃ الرشید ہی سے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی ایک مختصر تحریر نقل فرمائی ہے جو عربی زبان میں ہے اور حضرت میرٹھیؒ نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی نقل فرمایا ہے یہاں ترجمہ ہی نذر ناظرین کیا جا رہا ہے، بلا شبہ یہ چند سطری تحریر تصوف کی حقیقت کے بیان کے سلسلہ میں دریا بکوزہ کی مثال ہے۔ فرماتے ہیں۔

صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر وباطن علم دین اور قوتِ یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے، صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا ہے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا خلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ "تم بڑے خلق پر پیدا

کیے گئے ہو" اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل اخلاق صوفیا میں داخل ہے۔ صوفیا کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے۔ اپنے کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کا برداشت کرنا۔ نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا، غیظ و غضب کا چھوڑ دینا۔ ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ، (جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے) سخاوت کرنا اور درگزر اور خطا کا معاف کرنا، خندہ روئی اور بشاشت جسم، سہولت اور نرم پہلو رکھنا، تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا۔ خرچ کرنا۔ بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیز گاری۔ جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، بغض و کینہ و حسد نہ کرنا۔ عزت و جاہ کا خواہش مند نہ ہونا وعدہ پورا کرنا۔ بردباری، دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا۔ اغنیاء سے علٰحدہ رہنا، محسن کی شکر گزاری جان کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔ شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب۔ بدترین معصیت ہے تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔" (تذکرۃ الرشید)

حضرت شیخ الحدیث حضرت گنگوہی قدس سرہ کا یہ بیان نقل کرانے کے بعد فرماتے ہیں۔

"امام ربانی قدس سرہ کی یہ چند سطور سرنامہ اور عنوان ہیں ان تمام مباحث کا جو طریقت کے شریف فن میں ہزارہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے تتبع کیے ہیں۔"

آگے اسی سلسلہ کلام میں تذکرۃ الرشید ہی کے حوالے سے حضرت گنگوہی قدس سرہ کا یہ ارشاد نقل

فرمایا ہے کہ

"وہ شخص جو شریعت کا تابع ہو اگرچہ اس کے قلب میں نور نہ ہو، اس شخص سے بہتر ہے جس کے قلب میں نور معلوم ہوتا ہو مگر وہ خلاف شرع ہو"

(تذکرۃ الرشید)

آگے حضرت شیخ الحدیثؒ نے اسی سلسلہ میں "گوشہ نشینی" کے بارے میں حضرت تھانویؒ کا یہ ملفوظ نقل فرمایا ہے۔

ہمارے حضرات خلوت عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے، اس سے شہرت ہوتی ہے ..... باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول تھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہیؒ بھی تھوڑی دیر حجرہ بند کر کے اس میں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں، مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں، اس سے شہرت ہوتی ہے۔

آگے حضرت شیخ الحدیث نے تصوف اور طریق صوفیاء کا ذکر فرماتے ہوئے ذکر اللہ کی کثرت کے بارے میں مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ

ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ شریعت کے احکام تو بڑی کثرت سے ہیں۔ مجھے تو کوئی ایسی چیز بتا دیجیے جس کو میں مضبوط پکڑ لوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تیری زبان ہمیشہ اللہ کے پاک ذکر سے تر رہے"۔ مشکوٰۃ شریف ہی کی دوسری حدیث میں ہے جو انہی صحابی عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ "ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بہترین عمل کیا ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ان تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ" (تم دنیا سے ایسی حالت میں رخصت ہو کہ تمھاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

آگے حضرت شیخ نے اسی فصل میں تصوف اور طریق صوفیاء پر کلام کرتے ہوئے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مجموعہ مضامین "البدائع" سے حضرت کا ایک نہایت محققانہ مضمون نقل فرمایا ہے۔ یہ مضمون آپ بیتی ۶ کے پورے ۶ صفحے پر ہے۔ یہاں کسی قدر تلخیص کے ساتھ اس کو نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

البدائع ص ۲۳۰ میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے مشائخ چشتیہ اور مشائخ نقشبندیہ کے درمیان میں تربیت کے فرق کی بہت تفصیل فرمائی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

مشائخ (نقشبندیہ) کا طریق یہ ہے کہ وہ وصل کی تدبیر پہلے کرتے ہیں، پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے تعلق قطع ہو جاتا ہے اور (مشائخ) چشتیہ فصل کو مقدم کرتے ہیں پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جتنا غیر سے تعلق قطع ہوتا ہے اتنا ہی خدا تعالیٰ سے بڑھتا ہے۔ کیونکہ دو ہی تعلق ہیں ان میں سے اگر ایک بڑھے گا تو دوسرا گھٹے گا۔ اور اگر ایک گھٹے گا تو دوسرا بڑھے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اطباء میں اختلاف ہے کہ مریض کو صحت و قوت کی طرف لانا ہو تو اول صحت یعنی ازالۂ مرض کی تدبیر کرنا چاہیے یا قوت کی۔ اطباء یونانی صحت یعنی ازالۂ مرض کی تدبیر مقدم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ازالۂ مرض کے بعد قوت خود بخود آجائے گی۔ اور ڈاکٹر تقویت طبع کی تدبیر مقدم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب طبیعت میں قوت ہو جائے گی تو مرض خود ہی جاتا رہے گا۔ یہی اختلاف اطباء روحانی میں ہے کہ بعض ازالۂ مرض کا اہتمام اول کرتے ہیں۔ یہ فصل ہے اور بعض تقویت کی تدبیر پہلے کرتے ہیں یہ وصل ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک طریق کو کسی ایک خاندان (سلسلہ) کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں، کیونکہ ہر شیخ مجتہد ہوتا ہے وہ کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ اگر ایک شیخ چشتی ہو اور کسی وقت اس کے اجتہاد میں مذاق چشتیہ پر نقشبندیہ

کا مذاق راجح ہو تو وہ نقش بندی مذاق کو اختیار کرے گا اور اگر ایک شیخ نقشبندی ہو اور اس کے مذاق میں چشتیہ کا مذاق راجح ہو تو وہ اسی کا مذاق اختیار کرے گا۔ فروع میں ہر شیخ مجتہد ہوتا ہے کوئی بھی کسی خاص طریقہ کا پابند نہیں ہوتا۔ مگر اصول میں اکثر اپنے سلسلہ کا متبع ہوتا ہے اس لیے نقشبندیہ کی طرف تقدیم وصل منسوب ہے اور چشتیہ کی طرف تقدیم فصل منسوب ہے اور گو دونوں خاندانوں کے مشائخ ہر وقت اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ طالب کے مناسب جو طریق ہوتا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں، لیکن نقشبندیہ پر اکثر تقدیم وصل کا رنگ غالب ہوتا ہے اور چشتیہ پر تقدیم فصل کا رنگ (آگے حضرت تھانوی ؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ ؒ کا ایک واقعہ بیان فرما کر اس تقدیم وصل، و تقدیم فصل کی شرح یہ فرمائی ہے کہ) نقشبندیہ کا مذاق یہ ہے کہ وہ پہلے ہی دن ذکر کی تلقین کر کے تخم ریزی شروع کر دیتے ہیں اور چشتیہ اول ازالۂ رذائل کا کام شروع کر کے ناک چنے چبواتے ہیں ۔ مگر اب چبواتے نہیں بلکہ پہلے چبواتے تھے ۔ اب تو وہ بھی طالبوں کے ضعف ہمت کی وجہ سے نقشبندیہ کے طریق پر عمل کرنے لگے۔ (آگے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرات چشتیہ کے قدیم طریق اصلاح، تقدیم فصل و ازالہ رذائل کی مثال میں حضرت شاہ ابو سعید گنگوہی قدس سرہٗ اور ان کے شیخ و مرشد حضرت نظام الدین بلخی کا واقعہ نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ) اب تو چشتی بھی نقشبندی ہو گئے۔ کیا کریں طالبوں کی ہمتیں اب ایسی نہیں رہیں چونکہ ہمتوں میں ضعف ہے اور شیوخ مجتہد ہوتے ہیں اس لیے مجتہدین طریق نے اب یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ وصل و فصل دونوں کو ساتھ ساتھ لے چلتے ہیں۔ اب چشتیہ نے تقدیم فصل کو ترک کر دیا ہے کیونکہ یہ صورت اس وقت کے مناسب نہیں ہے۔ اور طبیب مجتہد ایک بات کا پابند نہیں ہوا کرتا بلکہ مناسب کو اختیا

کرتا ہے۔ سو آج کل یہی صورت مناسب ہے کہ (وصل و فصل) دونوں ساتھ ساتھ ہوں اور جو شیخ مجتہد نہ ہو وہ شیخ بنانے کے قابل نہیں ..... مگر آج کل ایک نئی بدعت ایجاد ہوئی ہے کہ بعض نے محض وصل ہی کو لے لیا اور فصل (اصلاح رذائل) سے بالکل ہاتھ روک لیا ہے۔ نہ اس کو مقدم رکھا نہ مؤخر نہ ساتھ ساتھ ہی رکھتے ہیں ..... اہل حق میں سے بھی اکثر مشائخ محض تعلیم ذکر پر اکتفا کرنے لگے۔ تزکیہ رذائل کا اہتمام مطلق نہیں کرتے، نہ مرید کے اعمال و اخلاق پر روک ٹوک کرتے ہیں، نہ تعلقات بڑھانے پر، اسکو زجر کرتے ہیں۔ مگر میں نصوص سے بتلا چکا اور صوفیا رکا اس پر اتفاق ہے کہ بدون وصل و فصل دونوں کے طریق طے نہیں ہو سکتا۔ اس کا تو اختیار ہے کہ تقدیم و تاخیر کس کی کر دی جائے۔ مگر ایک سے بالکل ہاتھ روک لینا، یہ طریق کے بالکل خلاف ہے اور جب تقدیم کا آج بھی خلاف مصلحت ہونا اور معیت ہی کا تناسب ہونا اوپر معلوم ہو چکا تو دونوں کام ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں کہ سالک کو ذکر و شغل کی تعلیم کے ساتھ اصلاح رذائل کا بھی امر کیا جائے ..... خلاصہ یہ کہ وصل و فصل دونوں کا اہتمام کرو، خدا سے تعلق بڑھاؤ اور غیر سے تعلق کم کرو اور اس کا طریقہ کسی محقق سے پوچھو، اگر شیخ میسر نہ ہو تو محققین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے کام شروع کرو، انشاء اللہ ناکامی نہ ہوگی۔"

آگے حضرت شیخ الحدیث نے اسی سلسلہ میں تصوف سے متعلق اپنے اکابر و مشائخ کے اور بھی واقعات و ملفوظات بیان فرمائے ہیں۔ انہی میں حضرت تھانویؒ کا یہ ملفوظ بھی ہے۔ فرمایا۔

ایک کام کی بات یاد آ گئی یہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں بزرگ کی نسبت سلب کر لی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندے کو عطا فرمائیں، دوسرا کون ہے جو اس سے سلب کر لے۔

حقیقت اس کی صرف یہ ہے کہ کسی تصرف سے کسی کیفیت نفسانیہ کو مضمحل کر دے جس سے نشاط کی جگہ غباوت ہو جائے مگر وہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن اگر مقاومت نہ کی تو پھر اختلال عملی کے سبب اس کا اثر نسبت تک بھی پہنچ جاتا ہے"۔

آگے حضرت شیخ نے تصوف سے متعلق سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے متعدد مکاتیب اور ارواح ثلثہ کے حوالے سے اپنے اکابر کے واقعات ذکر فرمائے ہیں جن سے تصوف کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں سوانح حضرت رائے پوری کے حوالہ سے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے کہ۔

ایک صاحب رائے پور (خانقاہ میں) حاضر ہوئے، وہاں ماہ مبارک میں سب حاضرین ذکر و شغل تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے ہی تھے، وہ صاحب یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم سے تو یہ چکی نہ پیسی جائے گی، غالباً کسی نے حضرت سے ذکر کر دیا ہوگا۔ شام کے کھانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ دوست آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حصہ کی پڑیا بنی بنائی رکھی ہے، مل جائے گی، جیب میں ڈال کر لے آئیں گے مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں محنت لازمی ہے۔ غالباً اس کے بعد آیت "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" پڑھ کر روشنی ڈالی ۔ مگر چند دنوں کے بعد حضرت کے کانوں میں پھر یہی الفاظ ڈالے گئے کہ فلاں بزرگ یہاں دوستوں کی شب و روز کی محنت دیکھ کر گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی محنت یہاں کون کرے ۔ (حضرت نے) دوبارہ بڑے جوش سے فرمایا کہ اگر کوئی گھر آپ لوگوں کو ایسا معلوم ہو جہاں دو روٹیاں پکی پکائی مل جاتی ہوں تو میں بھی ٹوکری پکڑ کر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں تاکہ کچھ حاصل کر سکوں ۔ مگر دوست صرف چکی ہی پیسنے کی شکایت کرتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ چکی پیسنے کا نمبر تو بہت روز میں آتا ہے۔ پہلے تو زمین کو جوتنا ہے۔ اچھا بھلا بیج

گھر سے نکال کر کھیت میں بکھیرنا ہے، پھر سینچنا ہے تاکہ کھیتی بڑھ کر پکنے کی حد تک پہنچے اور پک جائے تو پھر کاٹنا اور گاہنا اور غلہ کو بھوسہ سے علیحدہ کرنا ہے، پھر جیٹھ کی گرمی کو برداشت کرنا ہے، پھر چکی پیسنا ہے، آٹا بن جانے کے بعد پھر اسے مشقت سے گوندھنا بھی ہے اور آگ جلانا پکانے کا سامان مہیا کرنا ہے، پک کر تیار ہو جانے کے بعد مشقت سے توڑ کر منہ کے زور سے نگلنا ہے۔ ان ساری کوششوں کے بعد اگر ہضم ہو جائے تو محض میرے مولا کا فضل سمجھنا چاہیے ورنہ وہ قے ہو کر باہر بھی نکل سکتا ہے"۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت شیخ نے اس فصل میں تصوف سے متعلق سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ متعدد مکاتیب بھی نقل فرمائے ہیں۔ فصل کے خاتمہ پر ان میں سے ایک مکتوب بھی نذر ناظرین ہے۔ یہ مکتوب حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو ان کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے ــــ مکتوب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی نے (اپنے خیال کے مطابق) راہ سلوک میں اپنی "ناکامی" و "محرومی" کا ذکر فرمایا تھا جس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے یہ مکتوب تحریر فرمایا ہے۔

(اس مکتوب میں اس وقت کی کسی مصلحت سے حضرت حاجی صاحب نے اپنا نام عبدالکریم لکھا ہے) مکتوب یہ ہے۔

طرف سے فقیر عبدالکریم کے عزیز القدر عالی مرتبت مولوی محمد قاسم زاد شوقہ وذوقہ باللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون اشتیاق مشحون کے ملاحظہ فرمائیں ــــ دو خط مسرت نشان عزیز القلوب کے پہنچے جو مورخہ ۱۵ رجب کے تھے، تیسرا مولوی رشید احمد گنگوہی کے ہاتھ جو درد و سوز سے بھرا ہوا تھا پہنچا۔ طبع کو مسرور کیا ہمیشہ ایسا ہی ھل من مزید ہے۔ عزیز من! اس راہ میں سوائے درد ناکامیابی و حسرت حرمان کے کچھ لائق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نایافت صورت نیستی ہے اور یافت و کامیابی کا ادعا ہستی کی صورت ہے اور ہستی سالک کے لیے بلا ہے اور نیستی بے انتہا ثمرات کا باعث، پس جب تک زندگی ہے

اس درد نایافت میں بسر کرے اور کام میں مشغول رہے اور حسب اجازت مشائخ مخلوق کی خدمت کرے۔ ہم اور تم وسیلہ سے زیادہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہی وسائط کے بہانے سے اپنے فیضان کو چھپا کر اپنے ممالک کا خود انتظام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے تمہارے ساتھ ہے۔ (امداد المشتاق)

اس آپ بیتی ۶ کو ختم کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے جو اس بے ربط تحریر میں لغزشیں ہوئی ہیں ان کو معاف فرمادیں۔ واللہ الموفق لما یحب ویرضٰی وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا برحمتک یا ارحم الراحمین ٥

آپ بیتی نمبر (۷)

یہ آپ بیتی کے سلسلہ کا آخری نمبر اور آخری حصہ ہے جو حضرت شیخ نے ۱۳۹۳ھ کے سفر حجاز کے بعد مختلف اوقات میں لکھوایا ہے، آخر میں دستخط فرمائے ہیں اور تاریخ یہ لکھوائی ہے یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۸۱ء۔ اس آپ بیتی ۷ کا پہلا عنوان ہے **سفر حجاز ۹۳ھ**۔

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے اس سفر کی تفصیل لکھوائی ہے۔ یہی وہ سفر ہے جس میں حضرت کو سعودی حکومت کی طرف سے اقامہ (حجاز مقدس میں مستقل قیام کا اجازت نامہ) مل گیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

اس ناکارہ کا اقامت نامہ براہ راست ملک فیصل مرحوم نے بغیر مجلس کے

خود ہی منظور کر کے بھیج دیا۔ (آگے حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ)
اقامہ مل جانے کے بعد اب حجاز کا قیام اصل ہے اور ہندوستان کا عارضی
کہ چھ ماہ سے زیادہ صاحب اقامہ کو باہر رہنے کی اجازت نہیں، ورنہ اقامہ
منسوخ ہوجائے گا۔"

اس سفر حجاز ۱۳۹۳ھ کی تمہید میں حضرت شیخ نے یہ بیان فرماتے ہوئے کہ بے ضرورت کہیں
آنے جانے کی عادت ہی نہیں تھی، اپنا یہ عجیب و غریب واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔
ایک مرتبہ میرا جوتا اٹھ گیا تھا تو چھ مہینے تک مجھے اس کی ضرورت پیش نہ آئی
کیونکہ مدرسہ کے دروازے سے نکلنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

۱۳۹۳ھ کے اس سفر میں حضرت شیخ کا قیام حجاز مقدس میں ایک سال سے کچھ زیادہ مسلسل رہا
اگلے سال ۱۳۹۴ھ کے وسط میں سہارنپور میں رمضان مبارک گزارنے کے ارادے سے ہندوستان
تشریف آوری ہوئی ـــ رمضان مبارک سہارنپور ہی میں گزرا، حسب معمول مظاہر علوم کی
دار جدید کی مسجد میں پورے ماہ مبارک کا اعتکاف فرمایا۔ ساتھ میں اعتکاف کرنے والوں
اور دیگر مہمانوں کی تعداد آٹھ نو سو کے قریب تو شروع ہی سے رہی، آخر میں اس کے دوگنی
تک پہنچ گئی۔ اس کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔
"اس ناکارہ کا اصلی مذاق تو انتہائی یکسوئی کا ہے.... مگر اپنے ذوق اور
طبیعت کے خلاف موجودہ دور کے اپنے اکابر اور احباب کے اصرار پر یہ ہجوم گوارا
کرنا پڑتا ہے، ہمیشہ سے اس کی کوشش رہتی ہے کہ اگر خدانخواستہ کچھ اپنے
کو معمولی نقصان بھی پہنچ جائے اور دوسرے کو اس سے زیادہ نفع پہنچ جائے
تو اسے برداشت کر لینا چاہیے۔" (آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے یہ بھی
فرمایا ہے کہ) بعض مخلصین کا یہ اصرار ہے کہ بعض اکابر کی طرح سے رمضان میں
کھانے کا انتظام اپنے ذمہ نہ رکھا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجمع
کی قلت بہت ہوجائے گی مگر اس میں ان لوگوں کا بہت حرج ہے جو واقعی
کام کرنے کی نیت سے آتے ہیں کہ ان کو سحر و افطار کے انتظام میں وقت

بہت ضائع کرنا پڑے گا۔ ماہ مبارک بہت ہی قیمتی زمانہ ہے، کاش میرے دوست اس کی اہمیت کو پہچانیں اور اس کو زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کریں کہ اس کی برکات سال بھر تک رہتی ہیں۔"

رمضان مبارک کے بعد بھی قریبا ڈیڑھ مہینہ سہارنپور میں حضرت شیخ کا قیام رہا۔ ۱۵ ذیقعد ۱۳۹۴ھ (مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۷۴ء) کو حجاز مقدس کے لیے سفر شروع ہوا۔ دہلی تک بذریعہ کار، وہاں سے بمبئی اور پھر وہاں سے جدہ بذریعہ طیارہ۔ مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کیا اس کے بعد اپنی سخت معذوری کے باوجود حج میں بھی شرکت کی، مکہ معظمہ میں قیام حسب معمول بھائی سعدی کے ہاں اور مدرسہ صولتیہ میں رہا۔ حج سے فارغ ہو کر ۱۵ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہو گئی۔ رات کو راستہ میں بدر میں قیام فرمایا، جہاں اس زمانہ میں آپ کے خاص مسترشد و مجاز اور معالج ڈاکٹر اسماعیل صاحب سرکاری ڈاکٹر کی حیثیت سے مقیم تھے۔ اگلے دن ۱۶ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ حضرت شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

"یہاں پہنچ کر عصر سے پہلے شاہ فیصل مرحوم کے حادثہ (شہادت) کی اطلاع ملی کہ ان کے بھتیجے فیصل ابن مساعد نے تین گولیاں یکے بعد دیگرے چلا کر شہید کر دیا، مرحوم کی بیدار مغزی، سطوت وغیرہ اوصاف جمیلہ اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں آنے مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

آگے حضرت شیخ نے مدینہ منورہ کے اس زمانہ قیام کے کچھ واقعات کا ذکر فرماتے ہوئے آپس کے اختلافات اور تعلقات کے متعلق ایک ناصحانہ مضمون لکھوایا ہے، اس کی آخری سطریں یہ ہیں۔

"میری اپنے دوستوں کو نصیحت ہے کہ مخالفت کے حدود ہوتے ہیں جس میں آج کل بہت ہی افراط و تفریط ہو رہی ہے۔ جس سے ذرا سی مخالفت ہوئی ہر برائی اس کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے محض تو ہمات پر حکم لگائے جاتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا " کہ کان، آنکھ، دل ہر چیز سے قیامت میں سوال کیا جائے گا۔" (آگے اسی سلسلہ کلام میں حضرت شیخ نے فرمایا ہے کہ) معمولی سی مخالفت پر ہر چیز کو بلا تحقیق دوسرے کے ذمہ تھوپنا بڑی خطرناک چیز ہے اور پھر قیاسات سے ان کو روایات بنا دینا بڑی سخت فتنہ داری ہے، اس سے میرے دوستوں کو بڑے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے۔"

اسی سلسلۂ کلام میں حضرت شیخ نے ایک اور اصولی بات بڑے اہتمام اور بہت تفصیل سے لکھائی ہے یہاں اس کو تلخیص ہی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ہے کہ۔

آج کل اس کا زور ہو رہا ہے کہ اکابر کے بعض خلفاء پر تنقیدیں کرتے ہیں۔ وہ صورۃً تو ان لوگوں پر تنقید ہوتی ہے مگر پس منظر اُن اکابر پر ہوتی ہے جنھوں نے اجازت دی۔ ان میں زیادہ تر حصہ تو ان باتوں کا ہوتا ہے جن میں اپنی بدگمانیوں کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ محض سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق بدگمانیاں اور غلط فہمیاں اس کا سبب ہوتی ہیں۔ حالانکہ آدمی کو دوسروں کی فکر نہیں کرنی چاہیے، اپنی فکر رکھنی چاہیے۔ قیامت میں کسی سے یہ سوال نہیں ہونے کا کہ فلاں نے فلاں کو اجازت کیوں دی تھی؟ وہاں سوال تو اپنے ہی اعمال سے ہوگا۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش	دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

آگے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ

جہاں صریح بے دینی کسی خلیفہ کی معلوم ہو جائے اس وقت بھی اکابر پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اجازت تو اجازت کے وقت کے حالات پر ہوتی ہے۔ اگر اجازت کے وقت کسی شخص کا حال اس قابل ہو اور بعد میں بدل جائے تو اس میں اجازت دینے والے پر کیا الزام ہو سکتا ہے۔ (آگے اسی سلسلہ میں ارشاد

فرمایا ہے کہ) بیعت ہونے کے لیے یہ کافی نہیں کہ فلاں کا مجاز ہے، بلکہ اس کے موجودہ حالات کا دیکھنا ہے کہ اتباعِ شریعت کس درجہ میں ہے کہ اصل مدار اتباعِ شریعت ہے، اتباعِ سنت میں جو شخص جتنا عالی ہوگا اتنا ہی مقتدا بننے کے قابل ہوگا۔ کسی پر بدگمانی کرنا دوسری چیز ہے اور اس کا معتقد ہوکر بیعت ہونا دوسری چیز ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور دونوں میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

آگے عنوان ہے۔ **سفرِ ہند ۱۳۹۵ھ**

حضرت شیخ ۹۴ھ کے حج سے فارغ ہو کر وسط ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد آئندہ رمضان سہارنپور میں گزارنے کے لیے مختلف حضرات کی طرف سے تقاضے شروع ہوگئے۔ اس سلسلہ میں حضرت نے لکھایا ہے کہ

اس ناکارہ کا تقریباً پچاس سال سے معمول ہے کہ اہم کام میں استخارہ اہتمام سے کرتا ہے۔ "مقاصد حسنہ" ص۳۶۶ میں طبرانی کے حوالہ سے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے "ماخاب من استخار" الحدیث (کہ جو استخارہ کرے وہ نامراد نہیں ہوتا۔ اس لیے ہندوستان جانے یا حجاز آنے میں اپنا جذبہ کچھ نہیں ہوتا، استخارہ کا اہتمام ضرور کرتا ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی تاکید کرتا ہوں کہ اہم امور میں بالخصوص نکاح کے بارے میں استخارہ کا ضرور اہتمام کیا کریں، جتنے تقاضے (مختلف اطراف سے ہندوستان کے سفر کے) ہوتے رہے میں اس کو استخارہ کا ثمرہ سمجھتا رہا، اور بہت سے مؤیدات جن کا تحریر کرانا بھی مناسب نہیں، ایسے پیدا ہوئے جن کی بنا پر اس ناکارہ نے رمضان ہندوستان گزارنے کا ارادہ کرلیا۔

آگے حضرت شیخ نے اس سفر کی تفصیل لکھوائی ہے، یہ سفر رجب ۹۵ھ کے اواخر میں مدینہ طیبہ سے شروع ہوا، پہلے مکہ معظمہ آکر عمرہ کیا۔ ۲۸ رجب ۹۵ھ مطابق ۶ اگست ۷۵ء مکہ معظمہ سے

جدہ آکر بمبئی کے لیے روانہ ہوئے اور مغرب سے پہلے پہنچ گئے، ایک دن بمبئی قیام فرما کے اگلے دن صبح طیارہ سے دہلی تشریف لے آئے اور اس کے اگلے دن کاندھلہ، تھانہ بھون اور جھنجھانہ ہوتے ہوئے شروع شعبان میں سہارنپور پہنچ گئے ۔ ہر طرف سے زائرین اور مہمانوں کی ریل پیل رہی۔ رمضان مبارک شروع ہونے پر دار جدید کی مسجد میں اعتکاف شروع ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس اعتکاف کا نظام الاوقات بھی تفصیل سے لکھوایا ہے ۔ رمضان کے بعد قریبا پورا شوال سہارنپور قیام رہا ہر طرف سے زائرین اور مہمان سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ آتے رہے۔

شوال ۹۵ھ میں ہند سے مدینہ منورہ واپسی

۲۰ شوال ۹۵ھ کو مدینہ منورہ واپسی کے لیے سہارنپور سے سفر شروع ہوا۔ پاکستان کے مخلصین و محبین کے اصرار اور بعض دوسرے مقاصد و مصالح کی وجہ سے یہ طے کیا گیا کہ یہ سفر پاکستان ہو کر کیا جائے گا۔ بذریعہ کار باڈر (ہندوستان و پاکستان کی سرحد) تک جایا جائے اور آگے کار ہی سے رائیونڈ (جہاں تبلیغی اجتماع ہونے والا تھا اور جو پاکستان کا تبلیغی مرکز ہے) اس تجویز کے مطابق سہارنپور سے بذریعہ کار کاندھلہ، کیرانہ ہوتے ہوئے پہلے پانی پت پہنچے، (ملحوظ رہے کہ حضرت شیخ کی کار کے ساتھ کاروں کا ایک پورا قافلہ تھا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا منور حسین صاحب جیسے اکابر بھی ساتھ تھے) پانی پت میں شاہ شرف الدین اور شیخ جلال الدین تھانیسری، کبیر الاولیاء اور قاضی ثناء اللہؒ کے مزارات پر فاتحہ پڑھی نیز جہانگیر کے وزیر نواب مقرب خاں کے مزار پر بھی، (جن کو حضرت شیخ کے خاندان کا مورث اعلیٰ بتلایا جاتا ہے) پانی پت سے روانہ ہو کر بلاسپور پہنچے۔ حضرت شیخ نے بلاسپور کے بارہ میں لکھایا ہے کہ

یہاں

"۱۳ انبیاء علیہم السلام کی قبریں بتائی جاتی ہیں، ایک احاطہ ہے جس میں یہ قبور ہیں، آس پاس اب سکھوں وغیرہ کی آبادیاں ہیں فالی اللہ المشتکی"۔

آگے حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات "حسن العزیز" کا ایک ملفوظ مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے مکتوب کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

فرمایا۔۔ ہندوستان میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کے مزار ہیں۔ براس جو ایک جگہ ہے انبالہ سے آگے، بنجارے کی سرائے اسٹیشن سے اتر کر وہاں ایک احاطہ ہے، اس میں مزار ہیں، نشان کل قبروں کے نہیں۔ حضرت مجدد صاحب کو مکشوف ہوا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کے مزار ہیں ..... "

آگے مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب کے اس مکتوب ہی سے حضرت شیخ نے یہ بھی نقل کرایا ہے "حضرت مجدد کی ایک سوانح جو "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے نام سے مشہور ہے مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب (مقیم کراچی) کی تصنیف ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸۶ پر ہے کہ۔۔

"ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا شہر سرہند سے باہر جنوبی شرقی کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام براس سے گزر ہوا، اس گاؤں کے متصل شمالی جانب ایک بلند ٹیلہ ہے۔ آپ وہاں تشریف لائے، وہیں نماز ظہر ادا فرمائی اور پھر دیر تک مراقبہ کرنے کے بعد ہمراہیوں سے فرمایا کہ نظر کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں مجھے ان بزرگوں کی روحانیت سے ملاقات بھی حاصل ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و تنزیہ و تقدیس کی نسبت جو کچھ اہل ہنود کے پیشواؤں نے لکھا ہے وہ انہی انبیاء علیہم السلام کے علوم سے حاصل کیا ہے، یہ ان انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہ ایک مکتوب میں جو صاحبزادے خواجہ محمد سعید قد

کے نام ہے ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"اے فرزند! فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے ایسی کوئی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا نور پہنچا ہے، حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کی دیوار حائل ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی، جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، ان شہروں کو متعین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔" (مکتوب ۲۵۹ مکتوبات جلد اول ص ۳۸۴)

آگے حضرت شیخ نے لکھایا ہے کہ "براس سے ۱۰ بجے روانہ ہو کر ۲½ بجے سرہند شریف پہنچے۔" اس دن کے باقی حصہ میں اور رات کو بھی وہیں قیام کا پروگرام تھا، چنانچہ پورے قافلہ کا خانقاہ ہی میں قیام رہا (حضرت شیخ نے اس قیام کی بھی پوری روداد تفصیل سے لکھائی ہے جو آپ بیتی کے کئی صفحے پر ہے) اگلی صبح سرہند شریف سے روانہ ہو کر باڈر پر پہنچے اور افسران کی خصوصی اجازت سے اپنی ہی کاروں سے پاکستانی باڈر تک پہنچے۔ وہاں پاکستانی حضرات کی بہت سی کاریں منتظر تھیں ان سے روانہ ہو کر رائے ونڈ پہنچے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، رائیونڈ میں تبلیغی اجتماع تھا، طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے اجتماع کے بعد بھی رائیونڈ ہی قیام رہا، قریباً ایک ہفتہ وہاں قیام کے بعد لائل پور اور سرگودھا ہوتے ہوئے موضع ڈھڈیاں پہنچے (جو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا آبائی وطن، مولد اور پھر مدفن ہے) اس دن اور رات کو بھی وہیں قیام کا پروگرام تھا، ایسا ہی ہوا حضرت نے ڈھڈیاں کے اس قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھایا ہے کہ۔

ظہر کی نماز پڑھ کر زکریا تو مزار پر پہنچ گیا اور مولوی محمد عمر صاحب (پالن پوری)
سے کہا کہ آپ اپنا کام جاری کر دیں، انھوں نے تبلیغی تقریر شروع کر دی۔
عصر کے قریب زکریا بھی مسجد پہنچ گیا اور مولانا محمد عمر صاحب کے پاس بیٹھ کر
شاہد سے یہ اعلان کرایا کہ ایک ضروری اعلان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ
یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ اور تصوف دو الگ الگ چیزیں ہیں، میں ڈنکے کی چوٹ
کہتا ہوں کہ یہ علی العموم صحیح نہیں۔ چونکہ میرا تعلق بذات خود تبلیغ سے بھی
ہے اور تصوف سے بھی، بعض مشائخ اپنے مریدوں کو تبلیغ میں لگنے سے
منع کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ "یہ توحید مطلب" کے خلاف ہے۔ یہ
ان کا منع کرنا قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ مشائخ اور بزرگوں کا اپنا اپنا مزاج ہوتا
ہے۔ یہ ان کا منع کرنا ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر حکیم کسی کو شکر کے استعمال
سے روک دے، چنانچہ ذیابیطس میں روک دیتا ہے۔ بعض بیماروں کو
نمک سے روک دیا جاتا ہے بعض کو پانی سے روک دیا جاتا ہے اس کو یہ سمجھ لینا
کہ یہ ممانعت ہر شخص کے لیے ہے بالکل غلط ہے...... میں چونکہ حضرت
قدس سرہ کا بھی آدمی ہوں اور حضرت رائے پوری سے بھی مجھے اجازت ہے
اس لیے بڑے زور سے کہوں گا کہ جہاں تک ہو سکے تبلیغ میں وقت لگاتا۔"

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس رات بھی قیام ڈھڈیاں ہی میں رہا، اگلے دن وہاں سے راولپنڈی
روانگی ہوئی، وہاں بھی بس اسی دن اور رات کو قیام رہا۔ سہارنپور سے راولپنڈی تک
کا سارا سفر کاروں ہی کے ذریعہ ہوا۔ (سہارنپور سے ہند و پاکستان کے باڈر تک بھی کاروں
کا ایک پورا قافلہ تھا اور پھر باڈر سے راولپنڈی تک پورے سفر میں بھی ایسا ہی رہا) راولپنڈی
سے کراچی کا سفر طیارہ سے ہوا۔ حضرت شیخ اور ان کے رفقاء حضرت مولانا انعام الحسن صاحب
و مولانا محمد عمر پالن پوری وغیرہ نے قیام کراچی کے تبلیغی مرکز مکی مسجد میں کیا۔ کراچی میں جب تک
قیام رہا مسلسل مشغولیت رہی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کچھ دن پہلے سخت
علیل ہو چکے تھے، قلبی دورہ پڑا تھا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے افاقہ ہو گیا تھا لیکن

انتہائی درجہ کا ضعف تھا، حضرت شیخ عیادت وملاقات کے لیے ان کے یہاں بھی تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے مدرسہ کے حالات کا اور خاص کر دینی مدارس کے طلبہ کی حالت میں جو غیر معمولی تغیر آیا ہے اس کا ذکر فرمایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ بلا عام ہے ہر جگہ یہی حال ہے اور اس کا علاج ذکر اللہ کی کثرت اور اس کا اہتمام ہے۔ پھر حجاز مقدس پہنچ کر حضرت شیخ نے اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (علیہما الرحمہ) کو مفصل خطوط لکھے، ان حضرات کی طرف سے بھی شیخ کو خطوط لکھے گئے اور طرفین سے کئی کئی خطوط لکھے گئے، یہ مکاتیب آپ بیتی ۷ کے ص۱۴۵ سے ص۱۶۵ تک (پورے بیس ۲۰ صفحات پر) ہیں۔ کاش اہل مدارس اِن کا مطالعہ فرمائیں۔ ان میں ان شیطانی فتنوں کا پورا علاج ہے جو ہمارے دینی مدارس میں آئے دن برپا ہوتے رہتے ہیں۔

کراچی سے پروگرام کے مطابق مکہ مکرمہ کے لیے روانگی ہوئی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ کا قیام حسب معمول بھائی سعدی کے ہاں اور مدرسہ صولتیہ میں رہا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کیا، ایام حج آجانے پر حج کیا اور ۱۲ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہوگئی۔

جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے حضرت شیخ کو ۹۳ھ میں سعودی حکومت کی طرف سے اقامہ حاصل ہو چکا تھا۔ چند مہینے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد مشوروں، استخاروں اور بعض مخلصین کے مکاشفات ومنامات کے نتیجہ میں اس سال پھر رمضان مبارک سہارنپور گزارنے کا فیصلہ فرمایا گیا۔ وسط جمادی الثانیہ ۹۶ھ میں مدینہ منورہ سے ہندوستان کے ارادہ سے سفر شروع ہوا۔

سفر ہند ۹۶ھ

۱۴ جمادی الثانیہ ۹۶ھ (۱۲ جون ۷۶ء) مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی، رات کو بدر میں قیام رہا جہاں حضرت کے خاص مسترشد و مجاز اور معالج ڈاکٹر اسماعیل صاحب سرکاری ڈاکٹر کی حیثیت سے متعین تھے۔ اگلے دن وہاں سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے۔ عمرہ کیا،

دو ہفتے سے بھی کچھ زیادہ مکہ مکرمہ میں بھائی سعدی کے مکان پر اور مدرسہ صولتیہ میں حسب معمول قیام رہا۔ ۲۹ جون کو عشاء کے بعد طواف وداع کرکے جدہ آگئے، ۳۰ جون کی صبح طیارہ سے روانہ ہو کر سہ پہر کو بمبئی آگئے، ۳ دن وہاں قیام رہا، ۴ جولائی کو بذریعہ طیارہ بمبئی سے دہلی نظام الدین آگئے۔ ۴ دن وہاں قیام رہا۔ ۹ رجب (مطابق ۸ جولائی) ۸ بجے صبح سہارنپور پہنچ گئے، حسب معمول اولاً مدرسہ کی مسجد میں اتر کر تحیۃ المسجد ادا کی، بعد میں گھر تشریف لائے۔

اس مرتبہ قریباً ۵ مہینے سہارنپور قیام رہا جس میں حسب معمول گنگوہ، رائے پور، دیوبند وغیرہ ہمیروزہ سفر بھی ہوئے۔ ۲۸ اگست ۷۶ء کو رمضان مبارک شروع ہوا اور حضرت شیخ نے حسب معمول پورے ماہ مبارک کا اعتکاف دار جدید مظاہر علوم کی مسجد میں فرمایا، مسجد کی دونوں منزلیں معتکفین سے بھری رہیں، غیر معتکفین کی بھی بڑی تعداد دار جدید کے حجروں وغیرہ میں مقیم رہی۔ حضرت شیخ نے رمضان مبارک کا پورا نظام الاوقات بھی لکھوایا ہے۔ مجمع شروع رمضان ہی میں ایک ہزار کے قریب پہنچ گیا تھا اور آخر میں اٹھارہ سو تک۔ (یہ سب حسب معمول حضرت شیخ کے مہمان رہے اور شیخ کی مہمانی کی نوعیت کو وہی جانتے ہیں جن کو اس کے تجربہ کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے)

رمضان مبارک کے بعد بھی سہارنپور حضرت شیخ کا قیام کچھ کم دو مہینے رہا۔ قریباً ۴-۵ مہینے کے سہارنپور کے اس قیام کے زمانے کے اہم واقعات اور ملاقاتوں کا تذکرہ بھی اس آپ بیتی ۷ کے قریباً دس صفحات پر حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

ہند سے مدینہ کے لیے روانگی

۲۲ ذی قعدہ ۹۶ھ (مطابق ۱۵ نومبر ۷۶ء) سہارنپور سے دہلی کے لیے روانگی ہوئی، تین دن نظام الدین قیام رہا۔ پاکستانی احباب و مخلصین کی شدید خواہش و اصرار پر براہ کراچی سفر کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ۲۵ ذی قعدہ کو دہلی سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچنا

ہوا، صرف تین دن کا عبوری ویزا تھا۔ حسب معمول کراچی کے تبلیغی مرکز کی مسجد میں قیام رہا کراچی کی ۲۹ ذیقعدہ (۲۲ نومبر) کی صبح جدہ کے لیے روانگی ہوئی اور جدہ پہنچ گئے۔ چونکہ حضرت شیخ کی طبیعت زیادہ خراب تھی، اس حال میں نہیں تھے کہ مکہ معظمہ جاکر عمرہ کریں اس لیے شیخ نے عمرہ احرام بھی نہیں باندھا تھا لہذا اسی دن جدہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے اور شام کو پہنچ گئے ۔ ایام حج میں بھی قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا اس کے بعد چھ مہینے سے بھی کچھ زیادہ مدت یہاں قیام رہا۔ حسب معمول اس زمانۂ قیام کے بہت سے واقعات بھی حضرت شیخ نے "روزنامچہ" یا کہا جائے کہ "خبرنامہ" کے طرز پر لکھائے ہیں۔ اس سلسلے میں اس آپ بیتی ۷ کے صـ ۲۱۲، ۲۱۳ پر واقعات وحوادث کا بتعیین تاریخ جو ذکر کیا گیا ہے وہ بطور نمونہ تلخیص کے ساتھ ذیل میں نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔

۱۳ ذی الحجہ کی شب میں ڈاک خانہ میں آگ لگی، دس ہزار خطوط جل گئے۔

اس سال دو ہفتے کے لیے مسجد نبوی ساری رات کھلی رہی، ہجوم کی کثرت تھی۔

۱۵ ذی الحجہ کی شب میں علی میاں عشاء کے بعد (مدینہ منورہ) پہنچے۔

۱۶ ذی الحجہ کو قبیل مغرب بھائی حبیب اللہ دہلوی کے مکان کے قریب ایک بوسیدہ دیوار گری جس سے پانچ آدمی شہید ہوگئے۔ اور بہت سے زخمی۔

۹ دسمبر کی شب میں مولانا قاسم صاحب شاہجہاں پوری فتحپور (ضلع بارہ بنکی) میں انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (یہاں حضرت شیخ نے ان کے مخلصانہ اور بعض خدمات کا ذکر فرمانے کے بعد لکھایا ہے کہ) یہ ناکارہ مولانا کے احسانات کا بدلہ دعا اور ایصال ثواب کے سوا کیا کرسکتا ہے۔

علی میاں مدینہ منورہ ایک ہفتہ قیام کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

۶ محرم ۹۷ھ، ۲۷ دسمبر کو دارالعلوم بولٹن (انگلینڈ) کا پہلا سالانہ جلسہ ہوا، زیر صدارت مولانا اسعد مدنی۔

۸ محرم ۲۹ دسمبر کو عزیز محمد احمد شاغل مرحوم جو اپنے لڑکے کی شادی کے سلسلہ میں کراچی گئے ہوئے تھے، کراچی ہی میں انتقال کرگئے۔

۲۶ محرم ۹۷ھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حفاظ قرآن کا مقابلہ کا امتحان ہوا جن میں پانچ آدمی نمبر اول تھے ان میں عزیز عطاء الرحمٰن بھی تھا، ڈیڑھ ہزار ریال انعام تجویز ہوا۔

۴ صفر ۹۷ھ ۲ فروری ۷۷ء کی شب میں عزیز خالد سہارنپوری کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔

۲۲ ماہ کی ایمرجنسی کے بعد الکشن میں اندرا کے ہار جانے کی وجہ سے آج ۱۸ مارچ ۷۷ء کو ایمرجنسی ختم ہوگئی۔ کانگریس ۳۰ سالہ دور میں پہلی دفعہ اس سال نس بندی کے مظالم کی وجہ سے قریباً سارے ہی صوبجات ہند میں ناکام ہوگئی۔

پاکستان میں الکشن اور اس کے بعد کثرت سے مظالم ہوتے رہے، جب کہ ہندوستان میں اندرا نے اپنی ہار مان کر وزارت سے علٰحدگی اختیار کرلی۔

۱۸ اپریل ۷۷ء کو حضرت رائے پوری قدس سرہ کے خادم خاص (ابراہیم پہلوان لائلپوری کا لڑکا جو جلوس میں جارہا تھا شہید ہوگیا اور بہت کثرت سے شہادتیں اور قید و بند اور زخمیوں کی خبریں پاکستان سے پہنچ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

مدینہ منورہ کے اس قیام کے زمانے کے واقعات و حوادث حضرت شیخ نے اسی طرح لکھوائے ہیں۔ سطور بالا اس کا صرف نمونہ ہیں۔ آگے صفحہ ۲۱ پر عنوان ہے۔

سفرِ ہند ۱۳۹۷ھ

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

زکریا کا معمول یہ ہے کہ ہندوستان سے واپسی پر پہلے ہی دن سے آئندہ رمضان کے لیے استخارہ شروع کردیتا ہے.... ۲۴ جمادی الثانیہ کو ایک صالح آدمی کے مکاشفہ ہیں.... یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچے۔

رحلۃ سعیدۃ، موفقۃ، مبارکۃ ومقبولۃ انشاءاللہ تعالیٰ...
اس پر ارادہ کرلیا اور ۲۴ جمادی الثانیہ ہی کو مکہ مکرمہ روانگی ہوگئی، مغرب بدر میں پڑھی۔ صوفی اقبال، ڈاکٹر اسماعیل، بھائی یحییٰ کی مشترکہ دعوت ہوئی، صبح کی نماز کے بعد شہدار پر حاضری ہوئی (حجازی وقت کے حساب سے) ایک بجے بدر سے چل کر ۴ بجے (مکہ مکرمہ) عزیز سعدی کے گھر پہنچ گئے۔ عشار کے بعد حسب معمول بھائی سلیم کے یہاں زوردار دعوت ہوئی اس کے بعد عمرہ کیا اور عزیز سعدی کے گھر جا کے سو گئے۔ عزیز سعدی نے کہا کہ تمھارے کاغذات "تابعیہ" کے (یعنی حجاز پاک کی شہریت (نیشنلٹی) کے) آگئے ہیں مگر دفتر جانا ضروری ہے، دوپہر کو عزیز حلیم کی کار میں بھائی شمیم کے ساتھ دفتر پہنچے۔ عزیز سعدی پہلے جا چکا تھا، اس کی تلاش میں آدھ گھنٹہ کھڑا رہنا پڑا، اس کے بعد مدیر جوازات کار ہی پر آگئے، بہت معذرت کی کہ میں تو تکلیف نہ دیتا مگر حلف نامہ میں سامنے ہونا شرط ہے، دس منٹ میں کارروائی پوری ہوگئی اور میں واپس آگیا۔ عزیزان سعدی اور شمیم اس کی تکمیل کراتے رہے۔

۳۱ جون ۷۷ء ۵ رجب ۱۳۹۷ھ کو تابعیہ مجھ تک پہنچ گیا، اس پر ہجرت کی نیت کرلی۔ میں نے تو دو سال پہلے مولانا علی میاں سے اور عزیز عبدالحفیظ سے کہا تھا کہ مجھے "تابعیہ" دلوادو، مگر ان دونوں نے بڑے زور سے مخالفت کی تھی کہ "اقامہ" میں زیادہ سہولت ہے بہ نسبت "تابعیہ" کے، میں نے تو ارادہ ملتوی کر دیا تھا مگر عزیز سعدی سے بھی اس کا تذکرہ آیا تھا، اس نے اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے خود ہی درخواست دے کر اس مرحلہ کو نمٹا دیا، اس عزیز کو اللہ تعالیٰ فلاح دارین نصیب فرمائے، میرے حجازی کام ہمیشہ اسی نے نمٹائے۔

اس مرتبہ ایک مہینہ سے بھی کچھ زیادہ مکہ معظمہ میں قیام رہا۔ ۲۸ رجب ۱۳۹۷ھ (مطابق ۱۴

جولائی ۷۷ء) ہند کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے جدہ کے لیے روانگی ہوئی، براہ کراچی دہلی جانے کا پروگرام تھا۔ اگلے دن جمعہ کی صبح طیارہ سے کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں حضرت شیخ نے لکھایا ہے کہ:۔

جدہ سے روانگی کے ایک گھنٹہ بعد (ہوائی جہاز کے کیپٹن عثمان کا پیام) پہنچا کہ مجھے بیعت ہونا ہے کل کس وقت حاضر ہوں؟ میں نے کہلوا دیا کہ اگر آپ آسکتے ہو تو آجاؤ، وہ اپنا نائب مقرر کر کے آگیا، میں نے اپنے اعذار پیش کیے اور کہا کہ پاکستان میں بہت سے مشائخ موجود ہیں اس نے کہا کہ دل قبضہ کا نہیں، چنانچہ اس کو بیعت کر لیا۔ اس نے کہا کہ یہ پہلی نظیر ہوگی کہ جہاز پر بیعت کیا؟ میں نے کہا کہ بالکل صحیح ہے (آگے حضرت شیخ نے لکھایا ہے کہ) جہاز چونکہ دو گھنٹے لیٹ تھا اس لیے نماز جمعہ کے بعد پہنچا۔ جہاز سے اترتے ہی حاجی فرید کی گاڑی میں مکی مسجد پہنچ گئے، وہاں اپنا جمعہ پڑھا۔"

آگے حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

پیر کے دن میں ظہر کا وضو کر رہا تھا کہ حاجی فریدالدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اسی وقت مکہ سے ٹیلی فون آیا ہے کہ رات بھائی سلیم (مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم مولانا محمد سلیم صاحب) کا انتقال ہو گیا۔ زکریا نے ظہر کی نماز میں بھی عصر کی نماز میں بھی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لیے اعلانات کرائے اور چلنے کے وقت تک اکثر مجلس میں یہ اعلانات ہوتے رہے۔ عزیز سعدی کے خط سے حادثہ کی تفصیل معلوم ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سانس کی تکلیف ان کو عرصہ سے چل رہی تھی، ایک حالت پر زیادہ دیر نہیں رہ سکتے تھے، کبھی لیٹتے تھے کبھی بیٹھتے تھے، جس رات کو انتقال ہوا طبیعت بہت اچھی تھی، کھانا سب کے ساتھ کھایا، ہنستے بولتے رہے، ۳ ½ بجے (حجازی وقت کے حساب سے) سب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے

بستر پر جاکر آرام کریں، سب چلے گئے، آرام کیا۔ ۹ بجے صبح کو والدہ شمیم کی آنکھ کھلی تو سردی محسوس ہو رہی تھی، انھوں نے کولر بند کر دیا، قریب جاکر دیکھا تو بے سُدھ سوئے ہیں، سانس وغیرہ کی آواز نہیں ہے، انھوں نے آوازیں دیں مگر کوئی حرکت و آواز نہیں، وہ شمیم کو بلا کر لائیں تو انھوں نے آکر دیکھا کہ وہ تو چل دیے ۔۔ صبح کی اذان پر بھائی شمیم کا ٹیلی فون آیا کہ ابا جان رات کو کسی وقت چل دیے، جنازہ کا وقت عصر کی نماز میں طے ہوا، ہجوم صبح ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ ظہر کے بعد اوپر کی منزل سے اتار کر مدرسہ کی درمیانی منزل میں غسل دیا گیا۔ مولوی غلام رسول، مولوی عطاء المھیمن بن عطاء اللہ شاہ بخاری نے غسل دیا، اس کے بعد مردوں اور عورتوں کو آخری زیارت کرانے کے بعد جنازہ کو نیچے اتارا گیا۔ مدرسہ کے نیچے کے ہال میں شیخ حسن مشاط نے اول نماز جنازہ پڑھائی اور عصر کی نماز کے بعد حرم میں دوبارہ نماز جنازہ ہوئی، جنازہ میں بہت ہجوم تھا۔ سید علوی مالکی کے بعد یہ دوسرا جنازہ تھا جو حرم سے جنۃ المعلیٰ تک ذکر بالجہر کرتا ہوا گیا۔ ۹ ½ بجے معلیٰ اپنے احاطہ میں پہنچے، حکیم نعیم کی قبر میں دفن کیا گیا، اسی میں شیخ الدلائل شیخ عبد الحق بھی مدفون ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا حضرت شیخ کو مولانا محمد سلیم علیہ الرحمہ کے حادثۂ انتقال کی اطلاع کراچی پہنچنے کے چوتھے دن دو شنبہ کو ظہر سے پہلے ملی تھی، اسی دن شب میں پروگرام کے مطابق کراچی سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے، یہاں بھی ۲ دن قیام رہا اور شنبہ کی صبح کو کار سے میرٹھ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے مزار پر اور دیوبند میں حضرت مدنیؒ اور دیگر اکابر کے مزارات پر کچھ دیر ٹھہرتے ہوئے ظہر کی نماز کے قریب سہارنپور پہنچ گئے ۔۔ دوسرے دن کار سے گنگوہ کا سفر کیا۔ ۱۰ شعبان ۲۰ جولائی کو مسلسلات اور بخاری کا ختم کرایا۔ اس موقع پر حضرت شیخ کی طرف سے یہ اعلان بھی لکھ کر مظاہر علوم کے بورڈ پر لگوایا گیا۔

"جو حضرات کسی بھی مدرسہ کی اسٹرائک میں شریک ہو چکے ہوں ان کو نہ میری طرف

سے اجازت حدیث ہے نہ اجازت بیعت اور جو بیعت کے بعد اسٹرائک میں شریک ہوئے ہیں ان کی بیعت بھی منسوخ ہے۔ ہندوستان میں مشائخ حقہ کی کمی نہیں جدھر چاہیں رجوع کرلیں، میری طرف سے اجازت ہے۔

رمضان مبارک میں حضرت شیخ نے حسب معمول دار جدید کی مسجد میں پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا۔ اس مرتبہ ساتھ میں اعتکاف کرنے والوں اور دوسرے مقیم مہمانوں کی تعداد پہلے تمام سالوں سے بھی زیادہ تھی ۔ شوال کا مہینہ سہارنپور ہی میں گزرا، شروع ذی قعدہ ہی میں حجاز مقدس واپسی کا پروگرام تھا۔ اس سے پہلے رائے پور اور گنگوہ کا سفر بھی فرمایا۔ آپ بیتی نمبر ۷ کا آخری عنوان ہے۔

واپسی از ہند، ذی قعدہ ۹۷ھ مطابق اکتوبر ۷۷ء

یہ سفر بھی ایسے وقت ہوا تھا کہ پاکستان کے تبلیغی مرکز رائیونڈ میں اجتماع ہونے والا تھا، اس لیے طے کیا گیا تھا کہ کاروں سے باڈر اور وہاں سے رائیونڈ پہنچا جائے۔ اس سفر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

۱۷ اکتوبر کی صبح اپنی نماز پڑھ کر زکریا سہارنپور سے (دہلی کے لیے) چلا، متفرق کاریں آگے پیچھے چلتی رہیں، نانوتہ پہنچ کر زکریا تو کار میں رہا اور رفقاء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے مزار پر گئے، وہاں سے واپسی پر تھانہ بھون اول مولانا ظہور الحسن صاحب کے مکان پر ان سے مل کر کہ ان کو فالج پڑا تھا، بیرون میں حافظ ضامن صاحب اور حضرت تھانوی کے مزار پر حاضری کے بعد جھنجھانہ ظہر سے پہلے پہنچے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر وہاں سے کاندھلہ پہنچے (رات کو بھی کاندھلہ ہی قیام رہا) ۔ ۱۸ اکتوبر منگل کی صبح وہاں سے روانہ ہو کر پانی پت کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے سیدھے سرہند پہنچے۔ ظہر کی نماز وہیں پہنچ کر پڑھی، (رات کو بھی وہیں قیام رہا) رات ہی میں بھائی کرامت کے بھائی کا ٹیلی فون پہنچا

کہ مولوی انعام صاحب ریل سے امرتسر آرہے ہیں اس لیے اس وقت محمد کاندھلوی ایک دو کاریں لے کر امرتسر اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

سرہند ہی کے قیام میں مولانا یوسف بنوری کے حادثۂ انتقال کا حال ٹیلی فون سے معلوم ہوا۔ صبح کو کاروں سے روانہ ہو کر بوڈر پر پہنچے اور وہاں سے رائیونڈ پہنچ کر اجتماع میں شرکت رہی۔ ۲۶ اکتوبر کو لاہور سے کراچی روانہ ہوئے، کراچی کے قیام میں اول مولانا بنوری صاحب کے مزار پر حاضری ہوئی اور بہت جی لگا۔ تقریباً دو گھنٹے قیام رہا۔

۳۰ اکتوبر کو کراچی سے ۱۰½ بجے (پاکستانی وقت سے) چلے اور جدہ کے وقت سے ۱۲½ بجے پہنچے.... منگل یکم نومبر کو زکریا مدینہ کے لیے روانہ ہوا (اور اس کے تھوڑی دیر بعد مولانا انعام صاحب مکہ کے لیے) بدر میں ٹھہرتے ہوئے عصر کی نماز کے بعد (مدینہ منورہ میں) مسجد نور پہنچے۔

اس کے بعد حضرت شیخ کا قیام اس سال مدینہ منورہ ہی میں رہا، یہ بھی طے فرمالیا کہ اس سال رمضان مبارک گزارنے کے لیے بھی سہارنپور جانا نہیں ہے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

یکم رجب کو حاجی یعقوب (مرحوم) کو پرچہ لکھا کہ سہارنپور کا رمضان ملتوی ہو گیا، احباب کو اطلاع کر دیں اور خصوصی احباب کو تاکید کر دیں کہ رمضان اپنی اپنی جگہ کریں۔

آپ بیتی ۷ کے آخری قریباً ۲۰ صفحات کی نوعیت "خبرنامہ" اور "روزنامچہ" کی سی ہے۔ حجاز مقدس میں، ہندوستان میں پاکستان میں اپنے حلقہ و تعلق و تعارف کے ہر طرح کے سیکڑوں واقعات و حوادث کا بتعین تاریخ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کا آخری ورق نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

حکیم سعد رشید افریقہ کے دورے سے ۴ رمضان کو آگئے۔

افریقی چند حضرات مولوی یوسف تتلی وغیرہ پانچ چھ آگئے تھے۔

قاضی (عبدالقادر) صاحب ۳ اگست ۲۹ شعبان کو رمضان گزارنے پاکستان

ے مدینہ پہنچے تھے اور ۲۷ رمضان کو جمعہ اور یہاں ہی عید کرنے کے لیے تشریف لے گئے، مکہ میں عید پڑھ کر اسی دن ہوائی جہاز سے کراچی چلے گئے وہاں ۲۸ رمضان تھی۔

ہندوستان میں رمضان ۹۸ھ میں بارش کی بہت کثرت رہی، دہلی سہارنپور کے درمیان ریلیں اور بسیں بند ہوگئیں، بعض مواقع پر بہت بربادی ہوئی، اخبار والوں نے ایک کروڑ آدمیوں کا بے گھر ہونا لکھا تھا اعجاز بہاری نے بتلایا کہ اس کے پاس کے کئی گاؤں بہہ گئے۔

۱۵- اگست کو مولوی سعید خاں کے سینہ میں درد محسوس ہوا، ڈاکٹر نے دیکھ کر خطرناک بتایا، وہ ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ ۲۰ کو ہسپتال والوں نے اجازت دے دی مگر احتیاط کی تاکید کی۔ ہسپتال کے زمانہ میں بہت زیادہ پہرہ رہا، بہت خاص خاص آدمیوں کو ملنے کی اجازت تھی۔

۲۱- اگست کو سردار جدہ والے سخت بیمار ہوئے، ہسپتال میں داخل کردیے گئے۔ ایک ہفتہ بعد انتقال فرماگئے۔ تدفین جنۃ المعلیٰ میں ہوئی۔

۲۶- اگست کو پاکستان میں مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری کا انتقال ہوگیا۔

۷ ۱۳گست کو مفتی محمود رنگونی لندن سے سیدھے مدینہ پہنچے۔ تین دن کے قیام کے بعد کراچی اور پھر دہلی سہارنپور ہوتے ہوئے واپس رنگون چلے گئے۔

۳ ستمبر کی شب میں (عشا کی) اذان حسب معمول ۲ بجے ہوئی، ڈاکٹر اسماعیل نے اس وقت کہا کہ ٹیلی ویژن میں چاند کا اعلان ہوگیا۔ اذان کے بعد گولے اتنی کثرت سے چھٹے اور اس سے زیادہ مسجد نبوی میں تالیاں پیٹی گئیں، اس کے بعد امام صاحب نے فرضوں کے بعد تقریر کی اور خوب ڈانٹا، جنھوں نے ابتدا تالیوں کی کی تھی وہ دو مصری تھے وہ پکڑ لیے گئے۔

۲۷ رمضان ۱۳۹۸ھ کی شب میں جنرل ضیاء الحق حاکم عسکری پاکستان مکہ میں رہے، ساری رات طواف کیے اور ۲۸ کی شب مدینہ میں گزاری، تراویح اور تہجد کی نفلوں میں شریک رہے۔

اسی پر حضرت شیخ نے آپ بیتی ۶ کو ختم کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

کئی دن سے طبیعت بہت خراب ہے، اس لیے اب تو اسی پر ختم کرتا ہوں کئی دفعہ پہلے بھی ختم کر چکا ہوں مگر جیسا کہ بارہا لکھا نہ تو احباب چھوڑتے ہیں اور مجھے بھی کوئی اکابر کا قصہ یاد آجاوے تو سر کھجلانے لگے۔ لہٰذا اب تو اس حصہ کو ختم کرتا ہوں، مقدر میں ہے تو پھر دیکھا جائے گا۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیراً کثیراً

محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۸۱ء
مدینہ طیبہ

اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی آپ بیتی کے تمام نمبروں کا تلخیص و انتخاب کا کام ختم ہو گیا۔ فللہ الحمد ولہ الشکر۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے۔

عربی و اسلامی علوم و فنون کے شائقین کے لئے ـــــ اردو زبان میں
تین گرانقدر تحفے
محمد عبید اللہ الاسعدی کے قلم سے
تسہیل البلاغۃ
کتاب میں
فصاحت و بلاغت۔ علم بیان
علم بدیع۔ علم معانی و دیگر فنون کے
مباحث و تفصیلات کو مع امثلہ سہل و مناسب
اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ ـــــ
صفحات
قیمت ۸/۵۰
اصول الفقہ
صفحات ـــــ ۳۰۰
بہت جلد آرہی ہے
یہ کتاب مقدمہ و خاتمہ کے ساتھ اصول اربعہ سے متعلق چار ابواب
پر مشتمل ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
"میں نے اس کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھ لیا ہے ماشاء اللہ خوب ہے
احقر کی رائے میں آپکی یہ تالیف مدارس کے طلبا کیلئے بہترین یادداشت
کا کام دے گی، لیکن اس کا اصل فائدہ یہ ہوگا کہ کالجوں ـــــ اور
یونیورسٹیوں میں جہاں اصول فقہ کی تعلیم ہوتی ہے وہاں اس کو
بطور نصاب داخل کرنا بھی مناسب ہوگا"
علوم الحدیث
اس رسالہ کو
مؤلف نے نئے طرز پر ترتیب دیا ہے، اور فن کی بعض نئی
تصانیف سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ رسالہ مبتدیوں کو فن سے
مناسبت پیدا کرنے کے لئے بہت ہی اچھا اور پسندیدہ رسالہ ہے
میں نے لفظ و تعبیر میں کہیں کہیں ترمیم کردی ہے .... ویسے میں نے
جتنا حصہ پڑھا ہے اس کو قابل اطمینان پاتا ہوں"
مولانا حبیب الرحمن الاعظمی
(دامت برکاتہم)
صفحات
تقریباً ۱۰۰
جلد شائع ہو رہی ہے
ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمانیہ، ہتھورا۔ ضلع باندہ

[۲۰۶]
مطبوعات کی
مکتبہ رحمانیہ ہتورا ضلع باندہ
نفیس اکبر
الاستاذ العربیہ
ابتدائی مرحلہ میں عربی زبان سے آشنا کرانے اور عربی سے اردو اردو سے عربی ترجمہ کی مشق کے لئے۔
2/-
نفیس اکبر
سیرت خواجہ معین الدین چشتی
چند صفحات پر مشتمل رسالہ جس میں حضرت موصوف کے حالات زندگی درج ہیں۔
-/60
باب الدین مظاہری
ذکر اشرف
حکیم الامت حضرت تھانوی کی سوانح، کارنامے تلامذہ اور خلفاء کا تذکرہ۔
2/-
باب الدین مظاہری
ارکان نماز
تبلیغی حضرات کے لئے عموماً اور طلباء کے لئے خصوصاً نہایت مفید رسالہ۔
1/-
باب الدین مظاہری
اللہ والوں کے پچیس قصے
اس کتاب کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ اللہ والوں نے اپنی زندگی کس طرح گذاری ہے۔
-/60
باب الدین مظاہری
نماز کیا ہے
نماز سے متعلق مختصر رسالہ
-/60
باب الدین مظاہری
چہل حدیث
چالیس احادیث مبارکہ کا مجموعہ
-/25
باب الدین مظاہری
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مکی و مدنی زندگی۔
-/60
باب الدین مظاہری
نماز مکمل و مسنون دعائیں
نماز پڑھنے کا طریقہ اور احادیث سے ثابت دعائیں۔
1/50
ثاقب و مرحوم
صہبائے مدینہ
مولانا صدیق احمد صاحب ثاقب و مولانا انتظام حسین صاحب مرحوم کے نعتیہ کلام کا مجموعہ۔
1/-
مکتبہ حراء
پوسٹ بکس ۳۷۴
لکھنؤ

اختصار اور جامعیت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق مفید بنیادی معلومات پر مشتمل ایک
ایک گرانقدر پیشکش
اسلام
مکمل دین مستقل تہذیب
تالیف
محمد عبید اللہ الاسعدی
دوسرا ایڈیشن
ایمان، توحید
فرشتے، رسالت و نبوت
جلیل القدر انبیاء، خاتم الانبیاء کی بشارتیں حضور کی مکی و مدنی زندگی، حلیۂ شریفہ
اخلاق و عادات، اولاد، رسول، امہات المومنین
والدین اور اعزہ، تقدیر
آخرت، علامات قیامت
اسلام کے بنیادی ارکان
علم کی شرعی اہمیت و حیثیت
علوم انبیاء، علوم قرآن
حدیث اور علوم حدیث
علم کلام، علم احکام، کلامی مذاہب، علم فقہ
فقہی مذاہب
ائمہ اربعہ
علم اخلاق
علوم عربیت و تاریخ
مسلمانوں کے صنعتی کارنامے
اسلام کا سیاسی و اجتماعی نظام، اسلامی حکومتیں
خلافت راشدہ
عباسی، اموی، عثمانی حکومت
اسلامی ہند، عہد خلفیٰ
کی مسلم حکومتیں
جہاد
اسلام کا عدالتی معاشرتی عائلی معاشی
و اقتصادی نظام،
اسلام کا نظام اخلاق
اسلام کا نظام سزا
اسلامی مساوات،
اسلامی شب و روز
اسلام میں آزادی
اسلام میں عورت کا مقام
صحابیات
اسلامی قوانین کی بنیادیں
بیت اللہ
مسجد نبوی
بیت المقدس
کائنات و نظام کائنات
اسلامی اعتدال
اسلام اغیار کی نظر میں
یہ کتاب
اسلام کے مکمل دین مستقل تہذیب ہونے کے موضوع کی ایک ڈائرکٹری بن گئی ہے، اور اس قابل ہے کہ جو تعلیم یافتہ مسلمان تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتا وہ اس کے ذریعہ ضروری واقفیت اور اسلام کے مکمل دین و مستقل تہذیب ہونے پر اطمینان و اذعان حاصل کرے اور غیر مسلموں کے سامنے بھی وقت ضرورت اسلام پیش کر سکے۔
(مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی (مدظلہ)
صفحات: ۴۰۰
آفسٹ کی طباعت، قیمت: تیس روپے
قیمت پیشگی بھیجنے پر محصول ڈاک معاف
ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمانیہ مقام و پوسٹ ہتھورا ضلع باندہ (یوپی)
مکتبۂ حرا لکھنؤ
پوسٹ بکس ۳۷۴

شیخ الحدیث نمبر کی شاندار اشاعت پر
ہم ادارہ الفرقان کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں
کے ایس ایم
بلڈرس
کنٹریکٹرس
اینڈ انجینئرس
وزیر محمد اینڈ سنس
ہر قسم کے تعمیری کام کے لئے ہمیں یاد رکھیں
کئی منزلہ رہائشی عمارت ہوں یا فیکٹری عمارات، گوداموں کی تعمیر کا مسئلہ درپیش ہو یا
سیور کا مسئلہ: ہماری مہارت سے فائدہ اٹھائیے
ہیڈ آفس
۵۷، گنیش گنج
غلہ منڈی
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
فون: ۴۲۰۹۷
کیمپ آفس
۲۴- نیوبری روڈ
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
فون: ۳۲۶۹۳

فیصلہ کن مناظرہ
اکابر علماء دیوبند پر مولوی احمد رضا خان بریلوی
کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی
جواب قیمت
۷/-
شاہ اسمٰعیل شہید
اور معاندین اہل بدعت
کے الزامات
حضرت شاہ شہید جیسی مقدس ہستی
پر معاندین اہل بدعت کے مکروہ الزامات
کا تحقیقی اور مدلل جواب
قیمت ۵/-
بوارق الغیب
"علم غیب نبوی" کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہ
کی معرکۃ الآراء اور محققانہ تصنیف،
جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی
مبتدعین کے اس عقیدہ کا کھلا ہوا اور
خلاف قرآن ہونا
ثابت کیا گیا ہے!
قیمت ۱۸/-
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف
مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف، اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں مولانا موصوف نے
(جو کہ جماعت اسلامی کے قیام سے بہت پہلے ہی مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی
کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی اُن باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے
جو امت کے لئے بالخصوص ان کے متبعین کے لئے زیغ ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں
کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت عکسی ایڈیشن ۱۵/-
تبلیغی جماعت
جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات
اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت
بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے
سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انہوں نے
اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ
وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے (۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کئے
جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے
لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت ۴/-

نماز کی حقیقت
نماز کے مقام اور اس کی روح
کیفیت سے واقف ہونے کے لئے نیز اپنی
نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے
اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے
قیمت ۶/
آپ حج کیسے کریں؟ (عکسی)
یہ کتاب نہایت آسان و دلنشین انداز میں حج کا
طریقہ اور احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور وہ ذوق و
شوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔
قیمت ۱۰/۵۰
برکاتِ رمضان
ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف تراویح و
اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات
کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان۔
قیمت ۴/۵۰
منتخب تقریریں
یہ آسان زبان میں مولانا نعمانی مدظلہ
کی تبلیغی تقریروں کا مجموعہ
کی ایمان افروز اصلاحی و دینی ہزاروں پہلوؤں کو
جو اپنے اندر افادیت کے
سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت ۸/ از نیا عکسی ایڈیشن
میری طالب علمی
مولانا موصوف نے
اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کئے
ہیں۔ قیمت ۲/
انسانیت زندہ ہے (عکسی)
مولانا کی زندگی کے چار سبق آموز واقعات
قیمت ۳/
آسان حج
یہ آسان زبان میں
"آپ حج کیسے کریں"
کا خلاصہ ہے
کم تعلیم یافتہ حضرات
کے لئے بہترین معلم و
رہنما ہے۔ ۳/۵۰
ہندی ایڈیشن
۳/۵۰
قیمت ۲/۵۰
قادیانی
کیوں مسلمان نہیں
ردِّ قادیانیت پر لاجواب کتاب جو
عام و خاص سب کے لئے یکساں
تسلی بخش ہے۔
قیمت ۷/۵۰
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ
قادیانیت کے بارے میں مولانا کا مختصر رسالہ دریا بکوزہ کا مصداق اور
تریاق ہے۔ ۲/
کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت

مختلف موضوعات پر اہم مفید اور قابل مطالعہ کتب

کتاب	قیمت
ریاض الصالحین اردو	۴۵/-
اکابر کا سلوک و احسان (حضرت شیخؒ)	۶/-
اکابر کا تقویٰ (")	۱۰/-
سماج کی تعلیم تربیت	۱۵/-
آپ بیتی کی روشنی میں مودودیت بے نقاب	۶/-
آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریا بادی	۲۵/-
آپ تقریر کیسے کریں اول ۴/- دوم ۵/- سوم	۷/-
ذائقہ	۴/۵۰
آداب المتعلمین	۲/۵۰
اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں	۶/-
البلاغ المبین	۱۰/۵۰
• آئینۂ حرم	۲۵/-
اہم سفر	۵/-
الاعتدال اسلامی سیاست (حضرت شیخؒ)	۱۵/-
ارکان اسلام	۸/-
• احکام المیت	زیر طبع
اسلام میں عورت کا مقام	۶/۵۰
بہنوں کی نجات	۹/-
اعمال قرآنی پلاسٹک ۸/۵۰	۷/۵۰
• اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	۱۰/-
امت مسلمہ کی مائیں	۷/-
احکام الضاد	۱/-
اسلامی حکومت کی کہانی	۱/۵۰
• اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر	۵/-
ام الامراض (حضرت شیخؒ)	۵/۵۰
• الانور	۴۰/-
• اصلاحی تقریریں	۶/-
اصلاح الرسوم	۴/-

کتاب	قیمت
اصلاح نیت	۴/۵۰
• اعتکاف (مولانا صدیق احمد باندوی)	۱/۵۰
اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں (حضرت شیخؒ)	۵/۵۰
المائدہ (آسمانی روٹی)	۲/-
• اللہ والوں کے پچیس قصے	-/۶۰
الیس منکم رجل رشید	۶/-
مقالات عزیز	۶/-
ایکسرے رپورٹ اول ۲/- دوم	۶/-
• باطل شکن	۵/-
پنج گنج (مولانا تھانویؒ)	۸/-
• بچوں کی قصص الانبیاء اول تا پنجم	۳/-
• بادۂ وحدت	۲/۵۰
• بزم رحمت	۲/-
• بشریت انبیاء (مولانا عبدالماجد دریابادی)	۱۰/-
شاہنامۂ اسلام مکمل	۲۴/-
• پھول ہی پھول	۱/۵۰
تبلیغی نصاب اول (فضائل اعمال) پلاسٹک	۳۵/-
تبلیغی نصاب دوم پلاسٹک	۴۰/-
منہاج العربیہ مکمل	۱۶/-
• تجارت اور اسلام	۴/-
زاد کارواں	۵/-
انسان کامل	۴۵/-
دو مہینے امریکہ میں	۲۲/-
• تجلیات (ذکی کاکوروی)	۸/-
تذکرۃ الخلیل (حضرت شیخؒ)	۲۵/-
• تذکرۂ اولیاء	۳/۵۰
تذکرۃ الرشید مکمل (حضرت شیخؒ)	۵۶/-
• تذکرہ شاہ طیب بنارسی	۳/۵۰

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
فضائل ذکر (حضرت شیخ)	۱/-	خطبات فاروقیہ (جمعہ کے خطبے)	۴/-
شریعت یا جہالت	۵۰/-	موت کی یاد (حضرت شیخ)	۴/-
فضائل تبلیغ (حضرت شیخ)	۳/-	سخاوصفات رشیدیہ	۴/-
• فریب تمدن	۱۵/-	مکتوبات تصوف اول (")	۱۵/-
فضائل نماز (حضرت شیخ)	۵/-	مکتوبات شیخ دوم (")	۵/-
تذکرہ مصلح الامت	۲۰/-	سوم (")	۵/-
• فضائل قرآن	۵/-	مسلم کا کفن دفن	-/۵۰
• فضائل توبہ واستغفار	۱/۲۵	سخنوران غزل	۲۵/-
فضائل رمضان (حضرت شیخ)	۵/-	مسنون دعائیں	۵/-
• فضائل نکاح	۳/۵۰	مسنون ومقبول دعائیں	۴/-
فیض شیخ اردو (حضرت شیخ الحدیث)	۶/-	ملفوظات مسیح اللہ مکمل سیٹ	۱۸/-
• فکر آخرت	-/۴۰	• نابینا علماء	۲/-
تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان	۳۲/-	موت کا منظر	۲۰/-
• قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۵/-	• نماز کی عظمت یا کتاب الصلوٰۃ	
• قائد بدر واحد	۱۵/-	(مولانا عبدالشکور فاروقی)	۱۰/-
• قرآن پر ظلم	۲/-	وہابی کی پہچان	۱/-
کلام صوفی	۴۰/-	• ہندوستان میں عربی علوم وفنون	
• کلید باب رحمت امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	۲/-	کے ممتاز علماء	۱۵/-
کلمۃ الحق	۵/۵۰	• یاد ایام (مولانا سید عبدالحی رح)	۷/-
اصحاب النبیؐ	۱۸/-	اصلاح انقلاب مکمل ۲ حصے	۳۶/-
امام اعظم ابوحنیفہؒ	۲۰/-	روشنی	۴۰/-
گنج مطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب	۴۰/-	قرآن ایک نظر میں	۳۵/-
مکتوبات ماجدی (مولانا عبدالماجد دریابادی)	۴۰/-	اصحاب رسول	۳۵/-
وفیات ماجدی (")	۱۷/-	فقہ القرآن	۴۰/-
سیاحت ماجدی (")	۳۰/-	دین و دنیا	۴۰/-
(")	۱/-	تاریخ مدینہ	۲۰/-
قصص و مسائل (")	۳/۵۰	تاریخ حرمین شریفین	۳۲/-
پیام امن (")	۱۵/-	تاریخ بیت المقدس	۲۵/-
چند سوانحی تحریریں (")	۶/-	انگریزی ادب کی تاریخ	۴۰/-
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں (")	۱۰/-	بہشتی حدیث مشتمل براد عیہ	۱/۵۰
ہادیٔ عالم (سیرت بے نقط)	۳۰/-	صہبائے مدینہ	-/۵۰

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۱۲/-	• زاد سفر (ریاض الصالحین کا سلیس ترجمہ) (از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) اول	زیر طبع
• تذکرہ مولانا محمد اویس ندوی	۱۰/-	• " " دوم	۲۲/-
عرب دنیا	۳/-	• زلزلہ پر زلزلہ	۱/-
تفسیر بالرائے کا شرعی حکم	۱/-	• گلدستۂ نعت	۲/-
تکفیر کے پردے میں	۹/-	• سرور جاوداں	۵/-
• تفسیر ماجدی جلد اول پارہ ۱ تا ۵ مجلد	۳۰/-	شریعت و طریقت کا تلازم (حضرت شیخ)	۱۰/-
• " جلد دوم " ۶ تا ۱۱	۳۰/-	• شعائر اول (بہترین نعتیہ مجموعہ)	۲/-
• " جلد سوم " ۱۱ غیر مجلد	۵/-	• شیعوں کے ۱۱ اہم سوالات کے فیصلہ کن جوابات	۳/-
تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش مکمل	۳۲/-	• شیعہ اور قرآن (مولانا عبد الشکور صاحب)	زیر طبع
• تعلیم الاسلام مولانا عبد الحیؒ	۲/-	• شیعہ حضرات سے سو سوالات	۴/-
• تقریر کیسے کریں اول ۴/- دوم	۵/-	• شمیم الحبیب (حضرت شیخ)	۴/-
" سوم ۸/- مکمل	۱۷/-	• صحبتے با اولیاء - ملفوظات حضرت شیخ الحدیث (از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)	۱۰/-
• تقویۃ الایمان مختصر	۴/۵۰	داڑھی کی قدر و قیمت	۳/-
• تمدن اسلام کی کہانی (مولانا دریابادی)	۱/۵۰	• طوفان سے ساحل تک	۱۶/-
جماعت اسلامی ایک لمحہ فکریہ	۶/۵۰	• ظہور قدسی	۲/-
• حب رسول	۱/۵۰	• عربی میں نعتیہ کلام	۱۰/-
• حج کے چند مشاہدات و واقعات	۳/-	علامہ سید سلیمان ندوی	۴/-
• حسن معاشرت	۴/۵۰	خیر الامم کی بارگاہ میں	۵/-
حضرات صحابہ معیار حق	۱/-	• عقد ام کلثوم	۳/-
• حق پر کون ہے؟	۴/۵۰	• عقیدت کے پھول	۰/۶۰
حقیقت شکر	۳/۵۰	• علم جدید کا چیلنج	۱۵/-
قرآن و حدیث کی دعائیں	۶/-	• علم الفقہ مکمل (مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی)	۶۰/-
حکایات صحابہ (حضرت شیخ)	۱۱/-	عورت اور پردہ	۲/-
اسرار نبوت	۲/-	• فاتحہ کی حقیقت	۱/-
حقیقت کی روشنی	۳/-	فضائل درود شریف	۸/-
• حمد و سلام اور منتخب نعتیں	۳/-	رسالتمآب	۱۰/-
حیات خلیل	۲۵/-	فضائل صدقات (حضرت شیخ)	۳۵/-
نظریۂ اشتراکیت	۱/-	• فتح حقانی (مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی)	۸/-
اسلام اور عصر حاضر	۱۰/-		
• رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ	۹/-		

Only Cover Print At SHINING PRESS, Lucknow. Phone : 31051

Regd. No. LW/NP 62

MONTHLY ALFURQAN

31, Naya Gaon (West), LUCKNOW-226018

VOL. 53 NO. 9 TO 12